مارکسی فلسفہ

(مُبَادیَات)

پیپلز پبلشنگ ہاؤس لاہور

مارکسی فلسفہ

(مُبادیات)

و- افاناسی تیف

ترجمہ: انور احسن صدیقی

پیپلز پبلشنگ ہاؤس

۲ بیگم روڈ، لاہور

پبلشر:- عبدالرؤف ملک۔
پیپلز پبلشنگ ہاؤس لاہور
پرنٹرز:- ایچ - وائی پرنٹرز - لاہور

مندرجات

حصّہ اوّل

جدلیاتی مادّیت

حصہ دوم

پیش لفظ

و۔ افاناسی یئف کی کتاب "مارکسی فلسفہ" کا یہ اُردو ترجمہ اِس توقع کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے کہ اس سے ان لوگوں کو مارکسی فلسفے کے مبادیات کو سمجھنے میں مدد ملے گی جو انگریزی زبان سے کما حقہ واقف نہیں ہیں اور مارکسی فلسفے کو سمجھنا چاہتے ہیں جو ہمارے عہد کی ایک بہت بڑی حقیقت ہے۔

و۔ افاناسی یئف کی یہ کتاب ۱۹۶۳ء میں شائع ہوئی تھی۔ اسکے بعد ۱۹۶۵ء میں اِس کا نظرِثانی شدہ دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔ اُردو ترجمہ اسی دوسرے ایڈیشن سے کیا گیا ہے۔ چونکہ دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا تھا، اس لئے اس میں سوویت یونین اور باقی دنیا کے سلسلے میں انسانی سرگرمی کے مختلف دائروں میں جو اعداد و شمار پیش کئے گئے ہیں وہ اسی دور تک کے ہیں۔ ۱۹۶۵ء کے بعد سے گزرنے والے دس برسوں کے دوران سوویت یونین نے معاشی اور سائنسی ترقی کے میدان میں مزید کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ خاص طور سے کسانوں کی حالت کو مزید بہتر بنانے اور اُن

کے حالاتِ زندگی اور ثقافتی معیار کو شہری کارکنوں کی سطح تک پہنچانے کی بہت زیادہ کوشش کی گئی ہے اور کسانوں کے لئے طے شدہ اُجرتوں، پنشنوں اور چھٹیوں وغیرہ کا نظام رائج کر دیا گیا ہے۔

اس کتاب میں جا بجا سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کی بائیسویں کانگریس اور "نئے پروگرام" کا حوالہ دیا گیا ہے۔ مذکورہ کانگریس ۱۹۶۱ء میں منعقد ہوئی تھی اور اسی میں "نیا پروگرام" منظور کیا گیا تھا۔ اسکے بعد سے سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کی تیئیسویں اور چوبیسویں کانگریسیں منعقد ہو چکی ہیں اور فروری ۱۹۷۶ء میں پچیسویں کانگریس منعقد ہونے والی ہے۔ تاہم، بائیسویں کانگریس میں جو پروگرام منظور کیا گیا تھا، اسکی عمومی حیثیت و افادیت آج بھی باقی ہے اور عالمی نشو و نما کے عمل نے اس کی صحت کی توثیق کی ہے۔

چونکہ یہ کتاب اس مقصد کے تحت شائع کی جا رہی ہے کہ عام لوگ اس سے استفادہ کر سکیں، اس لئے اس امر کا خیال رکھا گیا ہے کہ زبان کو ممکنہ حد تک سہل بنایا جائے۔ اس بات کا دعویٰ تو نہیں کیا جا سکتا کہ فلسفے جیسے مضمون کو بالکل آسان اور سادہ زبان میں پیش کیا جا سکتا ہے، کیونکہ نفسِ مضمون کے علاوہ اصطلاحات کا مسئلہ بھی بہت اہم ہے، تاہم اس امر کی کوشش ضرور کی جا سکتی ہے اور یہ کوشش کی گئی ہے۔ اصطلاحات کے سلسلے میں اس امر کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے کہ مروجہ اصطلاحات میں سے نسبتاً آسان اور قابلِ فہم اصطلاحات استعمال کی جائیں۔ لیکن ہر جگہ یہ بھی ممکن نہیں ہو سکا ہے۔ تاہم، تمام تر حد بندیوں اور دشواریوں کے باوجود زبان کو جتنا زیادہ سیدھا سادا بنایا جا سکتا تھا، اس کی پوری کوشش کی گئی ہے۔

فلسفے کی اصطلاحات کے علاوہ اس کتاب میں دیگر قدرتی اور سماجی سائنسوں کی بھی بہت سی اصطلاحات موجود ہیں۔ اِن اصطلاحات کے وہی اُردو تراجم استعمال کئے گئے ہیں جو عام طور پر مروج ہیں اور ہمارے ہاں اُردو کی درسی کتابوں میں استعمال ہوتے ہیں۔

اُمید ہے کہ یہ کتاب ان لوگوں کے علاوہ جو مارکسی فلسفے کو سمجھنا چاہتے ہیں، فلسفے کے طلباء کے لئے بھی مفید ثابت ہوگی۔

مترجم

تعارف

پہلے سے تیسرے باب تک

فلسفہ ایک سائنس کی حیثیت سے

مارکسی فلسفے سے قبل کے دور میں مادیت
اور عینیت کے درمیان جدوجہد

مارکسی فلسفے کا فروغ

پہلا باب

فلسفہ ایک سائنس کی حیثیت سے

علم کی ہر دوسری شاخ کی طرح فلسفہ کے تحت بھی ایک خصوصی مضمون کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اس مضمون کے بارے میں کچھ کہیں، آیئے ہم ان مسائل پر ایک نظر ڈالیں جن پر مارکسزم سمیت تمام فلسفوں میں غور کیا گیا ہے۔ اہم ترین مسئلہ فلسفے کے بنیادی سوال کا ہے۔

۱۔ فلسفے کا بنیادی سوال

فلسفہ قدیم ترین علوم میں سے ایک ہے۔ ابتدائی ترین زمانوں سے مختلف ممالک میں اور مختلف حالات میں سماج کے مختلف طبقات اور گروہوں کی جانب سے فلسفے کے مکاتیبِ فکر قائم کئے جاتے رہے ہیں۔ فلسفے کے اِن بے شمار نظاموں کے درمیان ہم اپنا راستہ کس طرح تلاش کریں؟ اِن کی سائنسی قدر و قیمت کا تیقن کس طرح کریں اور فلسفیانہ فکر کی تاریخ میں ان میں سے ہر ایک کے مقام کا تعین کس طرح کریں؟ ایسا کرنے کے لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے ہم یہ دیکھیں کہ فلسفے کا کوئی نظام یا کوئی فلسفی فلسفے کے بنیادی سوال کی جانب کیا رویہ اختیار کرتا ہے۔

اگر ہم اپنے گرد و پیش کی دُنیا کو غور سے دیکھیں تو ہمیں یہ نظر آئے گا کہ دنیا میں موجود تمام تر اشیا اور دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے سارے مظاہر یا تو مادی ہیں یا خیالی، روحانی۔ مادی اشیا و مظاہر میں ہر وہ چیز شامل ہے جو معروضی طور پر وجود رکھتی ہے، یعنی انسانی شعور سے باہر اور اس سے آزاد وجود رکھتی ہے (زمین کی اشیا اور سلسلہ ہائے عمل، کائنات میں موجود اَن گنت اجسام وغیرہ) دوسری طرف ہر وہ چیز جو انسان کے شعور میں اپنا وجود رکھتی ہے، ہر وہ چیز جو اس کی دماغی سرگرمی (خیالات اور محسوسات، جذبات وغیرہ) کے دائرے میں آتی ہے، خیالی، روحانی دائرے سے تعلق رکھتی ہے۔

مادی اور روحانی کے درمیان کیا رشتہ ہے؟ کیا روحانی یا خیالی مادی (شے) سے جنم لیتا ہے یا اس کے برعکس ہوتا ہے؟

اِس تعلق کا، یعنی خیال کے وجود کے ساتھ تعلق کا رُوحانی کے مادی سے تعلق کا کردار ہی وہ شے ہے جو فلسفے کے بنیادی سوال کی تشکیل کرتا ہے۔

خیال کے وجود کے ساتھ تعلق کا سوال فلسفے کا بنیادی سوال ہے کیونکہ اسی کے جواب پر فلسفے کے دیگر تمام مسائل، یعنی دنیا کی وحدت، دُنیا کے نشوونما کے قوانین کے کردار، علم کی ماہیت اور دنیا سے آگاہی حاصل کرنے کے طور طریقوں وغیرہ کے مسائل کے حل کا انحصار ہے چونکہ دنیا میں مادی اور روحانی کے علاوہ اور کچھ موجود نہیں ہے، چنانچہ فلسفے کے اس بنیادی سوال کو حل کرنے کی کوشش کئے بغیر ایک فلسفیانہ نظام کی تشکیل کرنا، یعنی دنیا کی بحیثیت مجموعی تصویر کھینچنا ناممکن ہے۔

اِس سوال کے دو پہلو ہیں۔ پہلا تو یہ کہ اس مسئلے کا حل تلاش کیا جائے کہ کس چیز کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ مادے کو یا شعور کو؟ کیا مادے نے شعور کو جنم دیا یا شعور نے مادے کو جنم دیا؟ دوسرا پہلو اس سوال کے جواب سے متعلق ہے کہ کیا دنیا علم ہے؟ کیا انسان کی عقل قدرت کے اسرار کا احاطہ کرنے اور اس کے نشوونما کے قوانین کو منکشف کرنے کی اہل ہے؟

اگر ہم اس بنیادی سوال پر مناسب توجہ دیں تو یہ سمجھنا مشکل نہ ہوگا کہ صرف دو، ایک دوسرے کے بالکل متضاد رویے ہی ممکن ہیں۔ ہم یا تو مادے کو بنیادی سمجھیں یا شعور کو۔ یہی وجہ ہے کہ دو بنیادی رجحانات مادیت اور عینیت، طویل عرصے سے ظہور پذیر ہوئے۔

وہ فلسفی جو اس خیال کے حامی ہیں کہ مادہ بنیادی ہے اور شعور ثانوی، شعور مادے سے نکلا ہے، مادیت پسند ہیں۔ ان کے خیال میں مادہ ابدی ہے۔ اس کی کبھی کسی نے تخلیق نہیں کی۔ کوئی مافوق الفطرت قوتیں موجود نہیں ہیں کائنات کے ماورا کوئی قوتیں موجود نہیں ہیں جہاں تک شعور کا تعلق ہے تو یہ مادے کے تاریخی نشوونما کی پیداوار ہے، یہ ایک غیرمعمولی طور پر پیچیدہ مادی شے، یعنی انسانی دماغ کی خاصیت ہے۔

وہ فلسفی جو "روح" ، شعور کو بنیادی سمجھتے ہیں، عینیت پسند کہلاتے ہیں۔ اُن کے خیال میں شعور مادے سے پہلے عالمِ وجود میں آیا۔ شعور نے مادے کو وجود بخشا اور شعور ہر موجود شے کی اصل بنیاد ہے۔ عینیت پسندوں میں اس مسئلہ پر اختلاف ہے کہ کس قسم کا شعور دنیا کی "تخلیق کرتا ہے"۔ موضوعی عینیت پسندوں کی رائے میں دنیا کو فرد کے شعور نے تخلیق کیا ہے۔ معروضی عینیت پسند یہ کہتے ہیں کہ دنیا کو ایک قسم کے معروضی شعور نے (جو انسان سے ماورا اپنا وجود رکھتا ہے) تخلیق کیا ہے۔ اگرچہ یہ معروضی شعور مختلف نظام ہائے فلسفہ

میں مختلف طریقوں سے نظر آتا ہے اور اسے "خیالِ مطلق"، "کائناتی عزم" یا اسی قسم کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے، تاہم ان میں کسی ماورائی طاقت کو تلاش کر لینا مشکل نہیں ہے۔

فلسفے کے بنیادی سوال کے دوسرے پہلو کے بارے میں بھی فلسفیوں کی رائے میں اختلاف ہے۔

مادیت پسندوں کا کہنا ہے کہ دنیا کو جانا جا سکتا ہے۔ دنیا کے بارے میں انسان کا علم مستند ہے، اس کا دماغ اشیا کی اندرونی فطرت کو سمجھنے کا، اُن کی ماہیت سے آگاہی حاصل کرنے کا اہل ہے۔

وہ عینیت پسند جو اس بات کے منکر ہیں کہ دنیا کو جانا جا سکتا ہے لاادری کہلاتے ہیں۔ دیگر عینیت پسند اگرچہ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کو جانا جا سکتا ہے، فی الاصل علم کی ماہیت کو مسخ کرتے ہیں۔ اُن کا دعویٰ ہے کہ انسان حقیقی دنیا سے، قدرت سے آگاہی حاصل نہیں کرتا بلکہ خود اپنے خیالات و جذبات سے (موضوعی عینیت پسندوں کے مطابق) یا کسی متصوفانہ تصور سے، ایک "آفاقی روح" سے آگاہی حاصل کرتا ہے۔

مادیت اور عینیت کس کے مفادات میں؟

عصرِ حاضر کی مادیت ایک ترقی پسندانہ، سائنسی عالمی نقطۂ نظر ہے۔ یہ دنیا کی صحیح تصویر کھینچتی ہے، یہ دنیا کو اسی طرح پیش کرتی ہے جیسی کہ وہ ہے، یہ سائنس اور انسان کی عملی سرگرمی کی حقیقی اتحادی ہے اور انھیں کی بنیاد پر خود مادیت نے نشوونما پایا ہے اور وہ فروغ حاصل کر رہی ہے۔ مادیت میں کلیسائیت کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے۔ ایسی دنیا میں جہاں حرکت کرتے ہوئے مادے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، کسی مافوق الفطرت شے کی کوئی گنجائش نہیں اور یہ امر بھی محض اتفاقی نہیں ہے کہ کلیسائیت کے ماننے والوں نے ہمیشہ مادیت اور اس کے حامیوں کو عقوبت کا نشانہ بنایا۔

مادیت عام طور پر سماج کے ترقی یافتہ طبقات کا، اُن طبقات کا جو نوعِ انسانی کی ترقی میں، انسان کے معاشی اور ثقافتی فروغ میں دلچسپی رکھتے ہیں، عالمی نقطۂ نظر رہی ہے اور ہے۔ غلامی کے سماج میں مادیت کو جمہوری عناصر نے آقاؤں کے رجعت پرست بالائی طبقے کے خلاف، اشرافیہ کے خلاف جد و جہد میں استعمال کیا۔ سرمایہ داری کے ظہور کے دور میں اس نے جاگیرداروں اور چرچ کے خلاف لڑائیوں میں بورژوازی کے لئے ہتھیار کا کام دیا۔ ہمارے دور میں مادیت نوعِ انسانی کے ترقی پسند حصے کا سامراجی رجعت پرست قوتوں کے خلاف اس کی جد و جہد میں ایک طاقتور ہتھیار ہے۔

عینیت سائنس کے خلاف ہے اور یہ چرچ سے بندھی ہوئی ہے۔ یہ دنیا کی ایک مسخ شدہ صورت

پیش کرتی ہے، اُسے غیر حقیقی اور فریب قرار دیتی ہے۔ لینن نے عینیت کو کلیسائیت کی جانب جانیوالی راہ قرار دیا، اُسے بہروپ بھرے ہوئے، شائستہ کلیسائیت قرار دیا اور یہ بات قابلِ فہم بھی ہے۔ عینیت دُنیا کی آسمانی تخلیق کے مذہبی تصور کو لطیف فلسفیانہ لفاظی کے لبادے میں لپیٹ کر پیش کرتی ہے اور یہی کوشش کہ عینیت کو ایک سائنس کی حیثیت سے پیش کیا جائے، انسان کی عقل سے رجوع کیا جائے اور اندھے عقیدے پر بھروسہ نہ کیا جائے۔ عینیت کو خاص طور پر خطرناک بناتی ہے۔

عینیت فی الحقیقت سماج کی رجعت پسندانہ قوتوں کو ترقی پسند سماجی قوتوں کے خلاف اُن کی جدوجہد میں تقویت پہنچاتی ہے۔ یہ چیز بھی اُسے چرچ کا ہم رشتہ بناتی ہے۔ عینیت اور چرچ استحصال کرنیوالوں کے ہاتھوں میں محنت کش عوام کو روحانی طور پر غلام بنانے کا ہتھیار رہے ہیں، اُن کی حکمرانی کو جائز قرار دینے اور اسے مزید قوت بہم پہنچانے کا ذریعہ رہے ہیں۔ آج بھی عینیت اور چرچ سرمایہ دارانہ نظام کے حامی اور محافظ ہیں۔

دنیا کے معروضی وجود کی نفی کرتے ہوئے اور اُسے شعور یا آسمانی خواہشات کی تخلیق گردانتے ہوئے عینیت اور چرچ سرمایہ داری کے تمام تر سماجی تضادات اور بُرائیوں کو لوگوں کی خام خیالیوں اور اُن کی اخلاقی کمزوریوں سے منسوب کرتے ہیں اور اس طرح محنت کش عوام کو کرۂ ارض پر ایک بہتر زندگی، انسان کے شایانِ زندگی کے قیام کی کوششوں سے باز رکھتے ہیں۔

عینیت اور چرچ، اپنے کردار کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بہت قریب ہیں لیکن انھیں بالکل ہی ایک جیسا نہیں سمجھنا چاہیئے۔ عینیت پسند فلسفیوں کے درمیان ایسے لوگ گزرے ہیں جن کا فلسفیانہ فکر کے فروغ میں ایک خاص حصہ ہے (اس پر ہم اگلے باب میں بحث کرینگے)، لیکن انھوں نے بحیثیت مجموعی دنیا کی مسخ شدہ تصویر پیش کی اور بالآخر وہ کلیسائیت پر پہنچ گئے۔

سائنس کی کامیابیوں اور عملی تجربے نے عینیت کی پُر فریب نوعیت کا اگرچہ بہت عرصہ پہلے اظہار کر دیا تھا، تاہم عینیت پسندانہ نظریات کی آج بھی، بیش ترین استحصال کرنے والوں کے طبقاتی مفادات میں تبلیغ کی جا رہی ہے۔

حکمراں طبقات عینیت کو مادیت کے خلاف لڑنے کے لئے اور محنت کش عوام کو غلام بنانے کے لئے ایک روحانی ہتھیار کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ عینیت کی حمایت کرتے ہیں اور اسے مقبول

بنانے کی جدوجہد کرتے ہیں۔

سوشلسٹ سماج میں استحصال کرنے والوں کا وجود نہیں ہوتا، یہاں کوئی عینیت میں دلچسپی نہیں لیتا، اس کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی اور سائنسی، مادی عالمی نقطۂ نظر کارفرما رہتا ہے۔

چنانچہ ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ فلسفی اس بنیاد پر کہ وہ فلسفے کے بنیادی سوال کا کیا جواب دیتے ہیں، مادیت پسندوں اور عینیت پسندوں میں بٹے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک لازمی طور پر دنیا کی تصویر کھینچنے کے لئے آگاہی کا ایک مخصوص طریق کار استعمال کرتا ہے۔

۲۔ طریقِ کار کا تصور۔ جدلیاتی اور مابعدالطبیعاتی

انسان حصولِ علم کے سلسلۂ عمل اور اپنی عملی سرگرمیوں کے دوران اپنے سامنے بعض خاص مقاصد رکھتے ہیں، خاص ذریعوں کی تشکیل کرتے ہیں لیکن کسی مقصد کو سامنے رکھنا یا کسی ذریعے کی تشکیل کرنا ہی کافی نہیں ہے۔ یہ بات بے حد اہم ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لئے صحیح راہ معلوم کی جائے، یا ذریعے کی تکمیل کے لئے کارگر طریقہائے کار تلاش کئے جائیں۔ کسی مقصد کی جانب جانے والی راہ، یعنی نظریاتی مطالعے اور عملی سرگرمی کے خاص اصولوں اور طریقوں کا مجموعہ ہی طریقِ کار کی تشکیل کرتا ہے۔

ایک خاص طریقِ کار کے استعمال کے بغیر کسی بھی سائنسی یا عملی مسئلے کو حل کرنا ناممکن ہے۔ مثلاً اگر ہم کسی خاص مادے کی کیمیاوی تشکیل کا پتہ لگانا چاہیں تو ضروری ہوگا کہ ہم سب سے پہلے کیمیاوی تجزیئے کے طریقے کو مکمل طور پر جان لیں، یعنی یہ سیکھ لیں کہ اس مادے کو ضروری کیمیاوی عوامل کے ساتھ کس طرح جانچا جائے، کس طرح اُسے منقسم کیا جائے اور اس کے اجزا کے کیمیاوی خواص کا کس طرح تعین کیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ اگر ہم کسی دھات کو پگھلانا چاہیں تو ضروری ہوگا کہ ہم پگھلانے کی ٹیکنالوجی کو جان لیں، یعنی اُن عملی طریقہائے کار سے واقف ہو جائیں جو لوگوں نے دھات سازی کے عمل میں وضع کئے ہیں۔

اسی طرح عضویاتی، حیاتیاتی اور دیگر مظاہر کے مطالعے کے لئے ایک خاص طریقِ کار کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ نظری اور عملی کام کے طریقہائے کار کو وضع کرنے اور ان طریقہائے کار پر مکمل عبور حاصل کرنے پر اتنا زیادہ وقت اور توجہ صرف کرتے ہیں۔

ایک طریقِ کار مطالعے کے ایسے مختلف طریقوں کا محض ایک میکانکی مجموعہ نہیں ہوتا جنہیں لوگوں نے

ویسے ہی منتخب کرلیا ہو اور جن کا زیرِ مطالعہ مظاہر سے کوئی تعلق نہ ہو۔ طریقِ کار کا بذاتِ خود تعین بڑی حد تک ان مظاہر کی نوعیت سے اور اُن کے لازمی قوانین سے ہوتا ہے۔ چنانچہ سائنس یا علمی سرگرمی کا ہر دائرہ خود اپنے طریقہائے کار وضع کرتا ہے۔ مثلاً طبعیات کے طریقہائے کار کیمیا کے طریقہائے کار سے مختلف ہوتے ہیں اور کیمیا کے طریقہائے کار حیاتیات کے طریقہائے کار سے مختلف ہوتے ہیں، وغیرہ۔

سائنسی فلسفہ مختلف سائنسوں اور انسان کی علمی سرگرمی کا نچوڑ پیش کرتا ہے اور اس نے آگاہی کا خود اپنا طریقِ کار تیار کیا ہے۔ جو ہے 'مادی جدلیات'۔ یہ طریقِ کار الگ الگ سائنسوں میں استعمال کئے جانے والے طریقہائے کار سے مختلف ہے کیونکہ یہ نہ صرف صداقت کے الگ الگ 'دائرہ' کو سمجھنے کی' بلکہ قدرت، سماج اور فکر کے تمام شعبوں کو سمجھنے کی کلید مہیا کرتا ہے' یہ بحیثیتِ مجموعی ساری دنیا کی آگاہی کی کلید ہے۔

لفظ "جدلیات" یونانی الاصل لفظ ہے اور زمانۂ قدیم میں مخالفین کے درمیان بحث میں تضادات کا پتہ چلانے اور اُنھیں حل کرنے کے ذریعہ کسی مسئلہ کا تصفیہ کرنے اور سچائی کا پتہ لگانے کے فن کو یہ نام دیا جاتا تھا۔ آج جدلیات' صداقت سے آگاہی حاصل کرنے کے ایک طریقِ کار کی حیثیت سے' کائنات کا مسلسل حرکت اور نشوونما کے عالم میں جائزہ لیتی ہے' یعنی کائنات کو اس طرح دیکھتی ہے جیسی کہ وہ فی الاصل ہے' اور یہی چیز اُسے واحد سائنسی طریقِ کار بناتی ہے۔ سائنس کی کامیابیوں اور انسانی سماج کے علمی تجربے کا تجزیہ کرتے ہوئے جدلیات یہ کہتی ہے کہ کائنات لامتناہی حرکت' بازپیدائش' قدیم کے ختم ہو جانے اور جدید کے عالم وجود میں آنے کا نام ہے۔ اینگلز نے لکھا ہے، "جدلیاتی فلسفے کے لئے کوئی چیز مطلق نہیں ہے۔ یہ ہر چیز کے اور ہر چیز میں عبوری کردار کا انکشاف کرتا ہے۔ عالم وجود میں آنے اور ختم ہو جانے کے، نیچے سے اوپر کی جانب مسلسل بلند ہوتے رہنے کے غیر مختتم یا فنا سلسلۂ عمل کے علاوہ کوئی چیز اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی۔" مزید برآں، جدلیات اشیا اور مظاہر میں خلقی طور پر موجود اندرونی تضادات کو حرکت اور نشوونما کا منبع سمجھتی ہے۔

جدلیات نشوونما کے سلسلۂ عمل کی، قدیم کے خلاف جدید کی جدوجہد کی اور جدید کی ناگزیر فتح کی وضاحت کرتی ہے۔ یہ فرسودہ سماجی نظام کے خلاف، رجعت پرست طبقاتی قوتوں کے خلاف ترقی پسند سماجی قوتوں کی جدوجہد میں ان کی مدد کرتی ہے۔ ہمارے عہد میں مزدور طبقے اور اس کی مارکسی پارٹیوں

کے ہاتھ میں جدلیات دنیا سے آگاہی اور اس کی انقلابی تبدیلِ ہیئت کا ایک وسیلہ ہے۔

وہ طریقِ کار جو جدلیاتی مادیت کے بالکل برعکس ہے، مابعد الطبیعیات ہے۔

فکر کے مابعد الطبیعیاتی طریق کار کا آغاز قدرتی سائنس میں ہوا تھا لیکن سترہویں اور اٹھارویں صدی میں یہ فلسفے میں بھی پھیل گیا۔ ان دنوں کی مابعد الطبیعیات نشوونما کی، جدید کے ظہور کی منکر تھی اور حرکت کو مکاں میں اجسام کی محض سادہ منتقلی سمجھتی تھی۔

جیسا کہ اینگلز نے کہا ہے، مابعد الطبیعیات چیزوں کو اور اُن کا انعکاس کرنے والے تصورات کو الگ الگ ناقابلِ تغیر، خصوصی اشیا گردانتی ہے جن کا ایک ایک کرکے، ایک دوسرے سے الگ کرکے مطالعہ کیا جانا چاہیے۔ مثلاً سویڈن کے مشہور سائنسداں چارلس لی نایوس (۱۷۰۷-۱۷۷۸) کا یہ خیال تھا کہ پودوں کی انواع کی تعداد میں اُن کی "تخلیق" کے وقت سے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے اور یہ کہ انواع ناقابلِ تغیر ہیں۔ چنانچہ لی نایوس اس نتیجہ پر پہنچا کہ قدرتی سائنس کا فریضہ صرف یہ ہے کہ قدرت کے اس نظم کو بیان کر دے جسے خالق نے قائم کیا ہے۔

مابعد الطبیعیات کے حامیوں نے حرکت کو محض سادہ میکانکی منتقلی تک محدود کر دیا اور نتیجۃً انھوں نے قدرت میں ہونے والی کیفیتی تبدیلیوں سے انکار کیا اور یہ سمجھا کہ نشوونما کسی موجود شے میں محض کمی یا بیشی کا نام ہے۔ مثلاً فرانسیسی فلسفی روبینے (۱۷۳۵-۱۸۲۰ء) کا یہ خیال تھا کہ ایک بالغ انسان اپنے جنین (بچہ رحمِ مادر میں) سے کسی طرح مختلف نہیں، کیونکہ جنین بھی انسانی جسم کے تمام تر اعضا کا حامل ہوتا ہے، سوائے اِس کے کہ ان کی جسامت بے حد چھوٹی ہوتی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ ان جنینی حصوں اور اعضا کے محض سادہ نشوونما سے ہی انسان فروغ پاجاتا ہے۔ موجودہ دَور کے مابعد الطبیعیات کے حامیوں کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ کیفیتی تبدیلیوں سے انکار کرتے ہیں اور تمام تر نشوونما کو کمیتی اضافہ یا کمی گردانتے ہیں، موجود شے کی محض تکرار سمجھتے ہیں جس میں کسی نئی چیز کا ظہور نہیں۔ وہ اندرونی تضادات کو نشوونما کا منبع ماننے سے اِنکار کرتے ہیں۔

چونکہ مابعد الطبیعیات ترقی پسندانہ نشوونما کو، قدیم کے خلاف جدید کی جدوجہد کو اور جدید کی ناگزیر فتح کو تسلیم نہیں کرتی، اِس لئے یہ رجعت پرستی کے مفادات کی آلۂ کار بنتی ہے اور ہر ترقی پسندانہ چیز کے خلاف جدوجہد میں استعمال ہوتی ہے۔ مزدور طبقے کی تحریک میں موجود ترمیم پسند، جو طبقاتی

جد وجہد، سوشلسٹ انقلاب اور پرولتاریہ کی آمریت سے قطع تعلق کرتے ہیں، جو استحصال کرنیوالوں اور استحصال کا شکار ہونے والوں کے درمیان ہم آہنگی کی اور سرمایہ داری کے پُرامن طور پر سوشلزم میں "ڈھل جانے" کے خیال کی تبلیغ کرتے ہیں، مابعد الطبیعاتی دلائل کی بنیاد پر ہی ایسا کرتے ہیں۔

مابعد الطبیعیات عقیدہ پرستی کی نظریاتی بنیاد کا کام بھی دیتی ہے۔ عقیدہ پرستی ان لوگوں کا نظریہ ہے جو دنیا میں رونما ہونے والی گہری سماجی تبدیلیوں کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں اور جو مسلسل تبدیل ہوتے حالات کو پیشِ نظر رکھے بغیر اپنے عہد کے بنیادی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہماری روزمرہ زندگی، سائنس اور عملی تجربہ جدلیات کی سچائی کو ثابت کرتا ہے۔ آج سماج کا نشوونما، سوویت یونین میں سوشلزم کی فتح اور کمیونزم کی مکمل پیمانے پر تعمیر کا آغاز اور جمہوریت، امن اور سوشلزم کی قوتوں کا فروغ جدلیات کی قوتِ حیات کا قطعی ثبوت ہیں۔

اب جبکہ ہم پس منظر سے کچھ واقف ہو چکے ہیں تو ہم اس موضوع کی تعریف کر سکتے ہیں جس کا مارکسی فلسفہ مطالعہ کرتا ہے، یعنی جدلیاتی اور تاریخی مادیت کا موضوع۔

۳۔ مارکسی فلسفے کا نفسِ مضمون

مارکسی فلسفے کے نفسِ مضمون کی تعریف کرنے کے لئے ہمارے لئے ضروری ہوگا کہ ہم ان سوالات کے دائرے کا جائزہ لیں جن کا یہ مطالعہ کرتا ہے اور یہ معلوم کریں کہ کون سی چیز اسے دیگر سائنسوں سے علیحدہ کرتی ہے۔

فلسفے کے فروغ کی بہت سی صدیوں کے دوران اُس کے نفسِ مضمون میں مسلسل تبدیلی ہوئی ہے۔ پہلے تو یہ اپنے وقت کے سارے مجتمع شدہ علم کا، ساری دُنیا، اس کی الگ الگ اشیا اور مظاہر، کرۂ ارض، انسان، جانور، معدنیات وغیرہ کے علم کا احاطہ کرتا تھا۔ اسکے بعد جیسے جیسے پیداوار کو فروغ حاصل ہوا اور سائنسی علم میں اضافہ ہوا تو خصوصی سائنسیں علم کی ایسی الگ الگ شاخوں میں منقسم ہوگئیں جیسے میکانیات، طبیعیات، کیمیا، ارضیات، تاریخ۔ آج موجود سائنسوں کی درجنوں شاخیں صداقت کے متنوع ترین دائروں کا مطالعہ کرتی ہیں۔

مارکسی فلسفہ کس چیز کا مطالعہ کرتا ہے؟

مارکسی فلسفہ کا اصل نفسِ مضمون فلسفے کے بنیادی سوال کا، وجود کے ساتھ شعور کے تعلق کے سوال کا حل ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں، فلسفے کے تمام نظاموں کے لئے اس سوال کا جواب دینا ضروری ہے لیکن واحد مکمل سائنسی، صحیح اور پُراستقامت جواب، مارکسی فلسفہ ہی مہیا کرتا ہے۔

مارکسزم کے فلسفے کو جدلیاتی مادیت کہا جاتا ہے۔ یہ مادی اس وجہ سے ہے کہ فلسفے کے بنیادی سوال کو حل کرنے میں یہ اس موقف کو اختیار کرتا ہے کہ مادہ اور وجود بنیادی ہیں اور شعور ثانوی ہے۔ یہ اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ دنیا مادی ہے اور یہ کہ اسے سمجھا جا سکتا ہے، اور یہ دُنیا کا اِس طرح مطالعہ کرتا ہے جیسی کہ وہ فی الاصل ہے۔ مارکسی فلسفہ جدلیاتی اِس وجہ سے ہے کہ یہ مادی دنیا کا مسلسل حرکت، نشوو نما اور بازپیدائش کی حالت میں جائزہ لیتا ہے۔

فلسفے کے بنیادی سوال کے صحیح حل کے ساتھ، اس کی بنیادی حیثیت سے، جدلیاتی مادیت مادی دنیا کے نشوونما کے عمومی ترین قوانین کا انکشاف کرتی ہے اور یہ بھی اُس کے نفسِ مضمون کا حصہ ہیں۔

الگ الگ سائنسیں بھی مادی دنیا کے نشوونما کے قوانین کا مطالعہ کرتی ہیں، لیکن اِن میں سے ہر ایک صداقت کے محض ایک خاص دائرے سے تعلق رکھتی ہے۔ مثلاً طبعیات کا تعلق حرارت، الیکٹریسٹی، مقناطیسیت اور دیگر طبعیاتی مظاہر سے ہے، کیمیا کا تعلق مواد کی کیمیاوی تبدیلی کے سلسلۂ عمل سے ہے، حیاتیات کا تعلق پودوں اور حیوانوں میں رونما ہونے والے سلسلہ ہائے عمل سے ہے، وغیرہ۔ اِن سائنسوں کے قوانین صداقت کے محض ایک مخصوص دائرے میں نشوونما کی خصوصیات کو بیان کرتے ہیں اور دیگر دائروں کی وضاحت نہیں کر سکتے۔ مثلاً میکانیات کے قوانین کو لیجئے: وہ محض میکانکی حرکت یعنی مکاں میں اجسام کی سادہ منتقلی، کی نوعیت سے سروکار رکھتے ہیں لیکن وہ کیمیاوی، حیاتیاتی یا دیگر سلسلۂ عمل کی وضاحت نہیں کر سکتے باوجودیکہ وہ ان سب میں کام کرتے رہتے ہیں۔ اُن کی ان میں کوئی آزادانہ اہمیت نہیں ہوتی اور وہ اُن دیگر قوانین کے تابع ہوتے ہیں جو خصوصی سلسلہ ہائے عمل کی نوعیت کی وضاحت کرتے ہیں (کیمیاوی سلسلۂ عمل میں کیمیاوی قوانین، حیاتیاتی سلسلۂ عمل میں حیاتیات کے قوانین وغیرہ)۔

خصوصی سائنسوں کے برخلاف جدلیاتی مادیت عمومی قوانین کا، ان قوانین کا مطالعہ کرتی ہے جو صداقت کے تمام دائروں میں کار فرما ہیں۔ تمام جاندار اور بے جان اشیا، سماجی زندگی اور شعور کے مظاہر اضداد کے اتحاد اور جدوجہد کے قانون کی بنیاد پر، کمیتی تبدیلی کے کیفیتی تبدیلی کی شکل اختیار کر لینے

کے قانون وغیرہ کی بنیاد پر نشوونما پاتے ہیں۔ مادی جدلیات کے ان قوانین اور دیگر قوانین کا آئندہ ابواب میں تفصیلی جائزہ لیا جائے گا۔

جدلیاتی مادیت آگاہی کے سلسلۂ عمل کے قوانین کا بھی مطالعہ کرتی ہے۔ یہ قوانین بیرونی دنیا کے قوانین کا انعکاس ہیں۔ جدلیاتی مادیت لوگوں کو ان قوانین کے علم سے آراستہ کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتاتی ہے کہ دنیا کی انقلابی تبدیلِ ہیئت کو کس طرح عمل میں لایا جائے۔

چنانچہ جدلیاتی مادیت ایک ایسی سائنس ہے جو فلسفے کے بنیادی سوال کے صحیح حل کی بنیاد پر مادی دنیا کے نشوونما کے عمومی ترین، جدلیاتی قوانین کا انکشاف کرتی ہے، دنیا سے آگاہی اور اس کی انقلابی تبدیلِ ہیئت کے طریقوں کا انکشاف کرتی ہے۔

مارکس سے پہلے بہت سے فلسفیوں نے نشوونما کے عمومی قوانین کو دریافت کرنے کی، دنیا کی ایک متحد اور ہم آہنگ تصویر پیش کرنے کی کوشش کی اور ان میں سے بہت سوں کو کسی قدر کامیابی بھی حاصل ہوئی، اگرچہ ان کی پیش کردہ دنیا کی تصاویر حقیقی معنوں میں سائنسی نہیں تھیں۔ بعض کے عینیت پسندانہ نظریات اُن کی راہ میں حائل ہو گئے اور بعض مابعد الطبیعیاتی طریقِ کار کی تنگ دامانی کا شکار ہو گئے۔ مزید برآں، وہ سب کے سب انقلابی جدوجہد سے، محنت کش عوام کے مفادات سے بہت دور تھے، اور اصل بات یہی ہے۔

مزدور طبقے کی انقلابی جدوجہد میں اُن کی سرگرم شرکت، عوام کے لئے اُن کی بے لوث خدمت اور سائنس اور فلسفے کی کامیابیوں کے جامع علم نے مارکس اور اینگلز کو ان عمومی قوانین کا انکشاف کرنے، صداقت کی جدلیاتی۔ مادی ماہیت کو دریافت کرنے کا اہل بنایا۔

اس بات پر زور دیا جانا چاہیئے کہ مارکس اور اینگلز نے سماجی زندگی کے نشوونما کی جدلیاتی۔ مادی نوعیت کا بھی انکشاف کیا۔ انھوں نے تاریخی مادیت کی صراحت کی جو سماجی نشوونما کی ایک سائنسی تھیوری ہے، سماج سے آگاہی اور اس کی انقلابی تبدیلِ ہیئت کا طریقِ کار ہے۔ تاریخی مادیت، سماج کے نشوونما کے عمومی ترین قوانین کی سائنس کی حیثیت سے، مارکسی فلسفے کا ایک لازمی جزو ہے۔

مارکسی فلسفہ اور دیگر سائنسیں: جدلیاتی مادیت کے قوانین چونکہ ایک عمومی ہمہ گیر نوعیت کے حامل ہیں، اس لئے وہ ہر جگہ، غیر نامیاتی قدرت میں، زندہ عضویوں میں، انسان میں اور اس کے افکار میں

کارفرما ہیں۔ مارکسی فلسفے کے قوانین کی ہمہ گیری زبردست اہمیت کی حامل ہے۔ ان قوانین کو دنیا کے متنوع ترین مظاہر کے مطالعے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے اسی لئے دیگر سائنسوں کے لئے جدلیاتی مادیت کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ جدلیاتی مادیت جو عملی تجربے اور خصوصی سائنسوں سے جنم لیتی ہے اور انکی کامیابیوں کی تعمیم ہے، اُن کی ترقی میں اضافہ کرتی ہے اور تحقیق کا ایک سائنسی طریق کار مہیا کرتی ہے۔ جدلیاتی مادیت بہرحال الگ الگ سائنسوں پر عبور حاصل کرنے اور انسان کے سائنسی اور سماجی تجربے کا مطالعہ کرنے کو غیر ضروری ہرگز نہیں قرار دیتی۔ جدلیاتی مادیت نے سائنس اور عملی تجربے میں انسان کی کامیابیوں کی بنیاد پر جنم لیا اور زور غ پایا اور ان کامیابیوں کے علم کے بغیر اسکے قوانین کا مناسب طور پر اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔

بعض ہم عصر بورژوا فلسفی (جنھیں ایجابیت پسند کہا جاتا ہے) سائنس کی ترقی کیلئے فلسفے کی سائنسی عالمی نقطۂ نظر کی اہمیت سے انکار کرتے ہیں۔ وہ سائنس اور فلسفے کے درمیان تعلق کی نوعیت کو مسخ کرتے ہیں، "ایجابی" (اطلاقی) سائنسی علم کی حمایت کرتے ہیں، فلسفے کو سائنس سے علاحدہ کرتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سائنس کو کسی قسم کے فلسفے کی ضرورت نہیں، یہ کہ "سائنس خود ایک فلسفہ ہے۔"

فلسفے اور سائنس کی تاریخ اِس امر کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہ فلسفہ اور سائنس کو ایک دوسرے سے جُدا نہیں کیا جا سکتا، ایجابیت پسندوں کے نقطۂ نظر کی تردید کرتی ہے۔ روسی مصنف اور فلسفی الیکساندر ہرزن نے فلسفے کو ایک ایسے زبردست درخت کے تنے سے تشبیہ دی جس کی اَن گنت سائنسی شاخیں ہیں جس طرح تنے اور شاخوں کے بغیر کوئی درخت نہیں ہو سکتا، اسی طرح سائنس اور فلسفے کا بھی ایک دوسرے کے بغیر تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ہرزن نے لکھا، "شاخوں کو کاٹ دیجئے اور ایک مُردہ لٹھا باقی رہ جائے گا۔ تنے کو کاٹ دیجئے تو شاخیں سوکھ جائیں گی۔"

قدرتی سائنس جیسے جیسے ترقی کرتی جاتی ہے، ویسے ویسے یہ فلسفے سے زیادہ قریبی طور پر وابستہ ہوتی جاتی ہے اور دونوں روز افزوں طور پر ایک دوسرے پر اثر انداز اور ایک دوسرے سے اثر پذیر ہوتے ہیں۔ اب جبکہ سائنسداں قدرتی سائنس کے ایسے پیچیدہ مسئلوں مثلاً مادے کے ابتدائی ذرات کی نوعیت، زندگی کے آغاز، کائناتی اجسام کے فروغ جیسے مسائل پر کام کر رہے ہیں، فلسفے اور سائنس کے درمیان رشتے اور زیادہ گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ ہمارے عظیم سائنسی کامیابیوں کے عہد میں گہری فلسفیانہ تعمیم

قطعی طور پر لازمی ہیں۔ قدرتی سائنس کی زبردست ترقی اور اس میں رونما ہونے والی گہری انقلابی تبدیلیاں فلسفے اور سائنس کے انتہائی قریبی اتحاد کی متقاضی ہیں۔ ان حالات میں سائنسداں کے لئے جدلیاتی مادیت پسند ہونا لازمی ہے۔

چنانچہ یہ امر محض اتفاقی نہیں ہے کہ زیادہ سے زیادہ سائنسداں مارکسی فلسفے کے شعوری حامی ہوتے جا رہے ہیں۔ اس سے انھیں معروضی دنیا کو صحیح طور پر سمجھنے، اس کے مادی کردار کو مسلسل دیکھنے اور اپنے تحقیق کے خصوصی میدان میں قدرت کی جدلیات کو پیش نظر رکھنے میں مدد ملتی ہے۔

۴۔ مزدور طبقے کا نظریاتی ہتھیار

جدلیاتی مادیت نے سرمایہ داری کے خلاف اور سوشلزم اور کمیونزم کی حمایت میں مزدور طبقے کی جدوجہد میں اس طبقے کے نظریاتی ہتھیار کی حیثیت سے جنم لیا اور فروغ پایا۔ مارکسزم کا فلسفہ خود اپنی نوعیت کے اعتبار سے انقلابی ہے۔ یہ سماجی نظاموں کی غیر تغیر پذیری اور ذاتی ملکیت کی دائمی حیثیت کو تسلیم نہیں کرتا۔ یہ ثابت کرتا ہے کہ سرمایہ داری کا زوال ہونا ہے اور یہ کہ نئے، سوشلسٹ نظام کو لازماً فتحمند ہونا چاہئے۔ یہ سوشلزم اور کمیونزم کی تعمیر کے طریقوں اور وسائل کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔

ہمارے عہد میں جو بنیادی سماجی تبدیلی کا، سرمایہ داری سے کمیونزم میں منتقلی کا عہد ہے، مارکسی فلسفہ پر عبور حاصل کرنا خاص طور پر اہم ہے۔ اس سے مارکسی پارٹیوں کو ہمارے عہد کے بیحد پیچیدہ حالات میں اپنا راستہ تلاش کرنے، موجودہ صورت حال کا سائنسی تجزیہ کرنے اور اس تجزیئے کے مطابق اہم ترین فریضوں کا اور اُن کی تکمیل کے لئے کارگر ترین طریقوں کا انتخاب کرنے میں مدد ملتی ہے۔

مارکسی فلسفہ دنیا کو سمجھنے اور اُسے تبدیل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ لیکن ضروری ہے کہ اس کا اطلاق تخلیقی طور پر کیا جائے اور ان ٹھوس تاریخی حالات کو پیش نظر رکھا جائے جن کے تحت اُس کے قوانین اور اصول کام کر رہے ہیں۔ مارکسی فلسفے پر عبور حاصل کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسکے قضیوں اور نتائج کو محض طوطے کی طرح رٹ لیا جائے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسکی ماہیت کو سمجھا جائے اس کا عملی طور پر اطلاق کرنا سیکھا جائے۔

دوسرا باب

مارکسی فلسفے سے قبل کے دور میں مادّیت اور عینیت کے درمیان جدوجہد

مارکسی فلسفے نے عالمی فلسفیانہ فکر کے اہم سرچشموں سے جنم لیا۔ اُس نے اپنے سے پہلے کے فلسفوں کی اعلیٰ ترین کامیابیوں کو ورثے میں پایا، انقلابی عمل اور نئی سائنسی دریافتوں کی بنیاد پر انھیں تنقیدی انداز میں اپنے اندر سمیٹا اور اس طرح فلسفیانہ فکر کو کیفیتی اعتبار سے بلند کر کے ایک نئی سطح پر پہنچا دیا۔ فلسفے کی تاریخ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مادّیت اور عینیت کے درمیان، جدلیات اور مابعد الطبیعات کے درمیان جدوجہد کے دوران سائنسی، جدلیاتی۔ مادی عالمی نقطۂ نظر کس طرح اُبھرا۔

۱۔ غلامی کے سماج میں مادّیت اور عینیت کے درمیان جدوجہد

مادّیت اور عینیت کم و بیش مکمل نظام ہائے فلسفہ کی حیثیت سے، دنیا کو بہ حیثیتِ مجموعی سمجھنے کی کوششوں کی نمائندگی کرتے ہوئے، ہمارے عہد سے صدیوں پہلے قدیم مشرق (چین، ہندوستان، مصر اور بابل) کے غلامی کے سماجوں میں منصۂ شہود پر آچکی تھیں اور قدیم یونان اور روم میں یہ اوجِ کمال پر پہنچ گئی تھیں۔

مادّیت کا ظہور پیداوار کے فروغ اور سائنس کی ابتدائی کامیابیوں کا مرہونِ منت ہے۔ جیسے ہی مادّیت نے اپنے اوّلین قدم بڑھائے، ویسے ہی اُس نے عینیت کے خلاف جدوجہد شروع کر دی۔ غلامی کے سماجوں میں عینیت کے خلاف مادّیت کی جدوجہد رجعت پرست قوتوں کے خلاف ترقی پسند عناصر کی جدوجہد کی عکاسی کرتی تھی۔

بالکل شروع کے دور کے مادہ پرست مادی دنیا کے معروضی وجود کے قائل تھے اور وہ کسی بنیادی عنصر، کسی بنیادی مادے کی تلاش میں تھے جو دنیا کی ساری متنوع اشیا کا سرچشمہ تھا۔ انھوں نے بعض اوقات اس بنیادی مادے کو ٹھوس قدرتی عناصر یعنی پانی، ہوا، آگ وغیرہ کی صورت میں جانا۔ مثلاً قدیم ہندوستان کے مادی

فلسفیوں کا جنہیں چرواک کہا جاتا تھا اور جن کا تعلق چوتھی سے دوسری صدی قبل مسیح تک تھا، یہ خیال تھا کہ دنیا میں موجود ہر شے چار عناصر پر مشتمل ہے: آگ، ہوا، پانی اور مٹی۔ انسان سمیت تمام زندہ مخلوقات بھی انہی عناصر پر مشتمل ہیں۔ چرواک کسی خدا کے قائل نہیں تھے اور ان کا کہنا تھا کہ دنیا خود اپنی فطرت کے نتیجے میں، خود اپنے اندرونی اسباب کے نتیجے میں نشوونما پاتی ہے۔ سنکھ، نیائے، ویشیشک اور قدیم ہندوستان کے دیگر فلسفیانہ مکاتیب اور رجحانات کے عقائد میں مادی میلانات موجود تھے۔

قدیم مادیت قدیم یونانی فلسفی دمقراطیس (۴۶۰ تا ۳۷۰ قبل مسیح) کے پیش کردہ جوہریت کے نظریئے میں اپنے اوج کمال کو پہنچ گئی۔ دمقراطیس نے یہ دور رس خیال پیش کیا کہ دنیا ایٹموں پر مشتمل ہے۔ اس کا خیال تھا کہ ایٹم نظر نہ آنے والے ذرات ہیں جو اپنی شکلوں اور جسامت کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر وہ اشیاء کے تمام تر تنوع کی تخلیق کرتے ہیں لیکن وہ خود کو نہیں بدلتے۔ ایٹم ناقابلِ تغیر ہیں، وہ دائمی اور ناقابلِ تقسیم ہیں اور ان میں کوئی چیز داخل نہیں ہو سکتی۔ دمقراطیس، جس کا تعلق غلام رکھنے والوں کے درمیانہ حصے سے تھا، سیاست میں جمہوریت پسند تھا۔ وہ دستکاریوں، تجارت اور سائنس کی ترقی کا حامی تھا۔

افلاطون (۴۲۷ تا ۳۴۷ قبل مسیح) جو دمقراطیس کا نظریاتی مخالف تھا، ایک معروضی عینیت پسند تھا۔ اس نے نظر آنے والی (معروضی، مادی) ساری دنیا کو غیر حقیقی قرار دیا اور اس کے مقابلے میں خیالات کی دنیا کو لا کھڑا کیا جسے وہ "حقیقی وجود" کی نہ بدلنے والی دنیا سمجھتا تھا۔ خیالات کی یہ اختراعی، تصوراتی دنیا مفروضہ طور پر نظر آنے والی دنیا پر فوقیت رکھتی ہے جو افلاطون کے مطابق محض اس دنیا کا سایہ یا دھندلا سا عکس ہے۔ افلاطون نے مادہ پرستوں اور مذہب کے منکروں کے خلاف کھل کر جنگ کی اور انھیں خطرناک مجرم قرار دیتے ہوئے ان کے لئے موت کی سزا کا مطالبہ کیا۔

افلاطون کا تعلق یونانی اشرافیہ سے، غلامی کے سماج کے بالائی حلقے سے تھا اور اس کے سماجی۔سیاسی نظریات نہایت رجعت پرستانہ تھے۔ وہ فلسفی حکمرانوں اور سپاہیوں کے زیرِ انتظام مطلق العنان، غلام ساز جمہوریہ کو "ایک مثالی ریاست" سمجھتا تھا۔ وہ غلاموں کو کھلم کھلا ذلت آمیز سلوک کا نشانہ بناتا تھا۔ ان دونوں فلسفیوں کے حامیوں کے درمیان جدوجہد قدیم یونانی فلسفے میں مادیت اور عینیت کے درمیان ہونے والی جدوجہد کی عکاس تھی۔

قدیم فلسفیوں کی جدلیات خود رَو نوعیت کی تھی۔ جدلیاتی نظریات کو یونانی فلسفی ہیرا قلیتس (۵۴۰ تا ۴۸۰ قبل مسیح) نے تفصیل کے ساتھ فروغ دیا جو جدلیاتی سوچ کی اوّلین تشکیل کا باوا آدم تھا جو سادہ سی مادّی جدلیات تھی۔ ہیرا قلیتس کا کہنا تھا کہ ہر چیز بہتی ہے، ہر چیز تبدیل ہوتی ہے۔ اُسکے نزدیک آگ جو ایک غیر معمولی طور پر متلون اور متغیر عنصر ہے، دنیا میں موجود ہر شے کا بنیادی منبع تھی اس کا فعال، دائمی اصول تھی۔ ہیرا قلیتس کا کہنا تھا کہ "دنیا کو کسی خدا یا انسان نے تخلیق نہیں کیا بلکہ یہ ہمیشہ زندہ رہنے والی آگ تھی اور رہے گی، ایسی آگ جو باقاعدگی کے ساتھ جلتی اور باقاعدگی کے ساتھ بجھتی رہتی ہے۔"

لینن نے اس بیان کو "جدلیاتی مادیت کے اصولوں کا ایک بہت اچھا اظہار" قرار دیا۔ یہ بیان جدلیاتی مادیت کے بنیادی تصورات یعنی دنیا کی مادّی وحدت کا، اس کی معروضیت، شعور کی خود مختدی مادے اور حرکت کی وحدت اور مادہ کی حرکت کی باضابطگی کا بے حد سیدھا سادا لیکن اوّلین تاثر پیش کرتا ہے۔

قدیم فلسفیوں نے اشیا میں متضاد پہلوؤں کے وجود کو اور اشیا کے نشوونما کے اندرونی منبع کی حیثیت سے اضداد کی جدوجہد کو تسلیم کیا۔ ہیرا قلیتس نے کہا، "ہر چیز جدوجہد کے ذریعے اور ضرورت کے تحت آگے بڑھتی ہے۔" اس نے اس طرف اشارہ کیا کہ زندگی اور موت، بیداری اور خوابیدگی، جوانی اور بڑھاپا، یہ ساری چیزیں انسان کے اندر موجود ہیں۔ اشیا گرم یا سرد ہو سکتی ہیں، خشک یا تر ہو سکتی ہیں۔ اور ایک صفت مسلسل دوسری سے بدلتی رہتی ہے۔ "سرد گرم سے بدل جاتا ہے، گرم، سرد ہو جاتا ہے، تر خشک ہو جاتا ہے اور خشک تر ہو جاتا ہے۔"

ارسطو (۳۸۴ تا ۳۲۲ قبل مسیح) قدیم یونان کا ممتاز فلسفی تھا۔ اس نے افلاطون کی عینیت پر سنگین اعتراضات کئے اور مادّی دنیا کے معروضی وجود کا ادّعا کرتے ہوئے یہ کہا کہ قدرت اپنے معروضی وجود کے لئے کسی بھی قسم کے تصورات یا خیالات کی محتاج نہیں ہے۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ قدرت کی تمام اشیا مسلسل حرکت میں ہیں، ارسطو نے حرکت کی قسموں کی درجہ بندی کی اور تین اہم قسمیں بیان کیں: ظہور، بربادی اور تبدیلی۔ اس کا خیال تھا کہ دُنیا کو جانا جا سکتا ہے اور اس نے یہ اشارہ کیا کہ خود قدرت، جو مادّی صداقت ہے، علم کا ذریعہ ہے۔ اس نے تمام علوم کو تین گروہوں میں تقسیم کیا: نظریاتی، عملی اور تخلیقی۔ اس نے فلسفے کو نظریاتی علوم میں رکھا اور فلسفے کا مقصد یہ قرار دیا کہ ہر موجود چیز

سے بنیادی ترین اسباب اور آغاز کا مطالعہ کیا جائے۔ ارسطو کو بجا طور پر منطق کا بانی سمجھا جاتا ہے منطق صحیح سوچ کے قوانین اور شکلوں کا علم ہے۔

ارسطو مادّے کو ہر موجود چیز کا بنیادی ترین منبع سمجھتا تھا، لیکن وہ مادّے کو مجہول، غیر متحرک عنصر سمجھتا تھا اور اس کے مقابلے میں "شکل" یعنی زندہ، فعّال عنصر کو لاکھڑا کرتا تھا۔ علاوہ ازیں وہ تمام "شکلوں کی شکل"، محرکِ اوّل اور دنیا کی حتمی علت کو بھی تسلیم کرتا تھا، جس میں ایک مافوق الفطرت وجود کو دریافت کرلینا مشکل نہیں ہے اور یہ چیز عینیت کی جانب ارسطو کے مذبذب رجحان کی عکاس تھی۔

مارکس اور اینگلز ارسطو کے بارے میں اعلیٰ رائے رکھتے تھے۔ مثلاً مارکس ارسطو کو یونانی فلسفے کا سکندرِ اعظم کہتے تھے، لیکن اسکے ساتھ ہی وہ ارسطو کی عدم استقامت پر عینیت کی جانب اُسکے سنگین نرم رویّہ پر تنقید بھی کرتے تھے۔

کلاسیکی دَور کے فلسفی ارسطو کے بعد مادّیت اور جدلیات کے تصورات کو فروغ دیتے رہے۔ اِس دَور کے ممتاز مادہ پرست یونانی فلسفی ایپی کیورس (۳۴۱ تا ۲۷۰ قبل مسیح) اور رومن فلسفی لکریٹس (۹۹ تا ۵۵ قبل مسیح) تھے جنھوں نے دمقراطیس کے نظریۂ جوہریت کو مزید آگے بڑھایا۔

چنانچہ قدیم فلسفیوں نے سائنسی عالمی نقطۂ نظر کے اوّلین بیج بوئے، وہ مادّی فلسفے کی بنیادی شکل یعنی خود رَو مادّیت کے باوا آدم تھے جس میں صداقت کی جانب سادہ سا جدلیاتی رویّہ موجود تھا۔ اُن کے فلسفیانہ نقطہ ہائے نظر، عام طور پر، ایک اعلیٰ ذہن کے ایسے قیاسات تھے جو دنیا سے براہ راست آگاہی پر مبنی تھے۔ وہ ان نقطہ ہائے نظر کے لئے سائنسی بنیاد نہیں فراہم کرسکے کیونکہ اس قدیم زمانے میں سائنس خود اپنے اوّلین قدم آگے بڑھا رہی تھی۔

قدیم فلسفیوں نے بہت سے اہم سوالات (دنیا کی مادّی نوعیت، قدرت میں حرکت وغیرہ) اُٹھا کر فکر کو زبردست حرکت آفرینی بخشی اور فلسفیوں کی ایک سے زیادہ نسلیں ان مسائل پر کام کرتی رہیں جن کی تشکیل اُن کے پیش رووں نے کی تھی۔

۲۔ سترھویں اور اٹھارویں صدی کی مابعد الطبیعاتی مادیت

غلامی پر مبنی سماجی نظام کا گہرا بحران اُسکے زوال کی صورت میں ختم ہوا اور اسکی جگہ جاگیردارانہ سماج نے لے لی جو کمیرٹس (زرعی غلاموں) کی محنت پر مبنی تھا۔ چرچ کو اس عہد میں غالب حیثیت حاصل تھی اور یہ ریاست، سائنس اور تعلیم پر زبردست اثر ڈالتا تھا۔ چنانچہ فلسفے کو مذہبیات کی کنیز بنا دیا گیا۔ قدیم فلسفیوں کی مادیت کو فراموش کر دیا گیا اور ایک مذہبی عینیت پسندانہ عالمی نقطۂ نظر کو صدیوں تک بالادستی حاصل رہی۔

تاہم چرچ کی زبردست قوت کے باوجود فلسفہ اور قدرتی سائنس کو، خاص طور پر چین، ہندوستان، عرب ممالک اور وسطِ ایشیا میں آہستہ آہستہ فروغ حاصل ہوتا رہا۔

پندرھویں اور سولھویں صدی میں مغربی یورپ کے بہت سے ممالک میں ایک نیا، سرمایہ دارانہ طرزِ پیداوار نمودار ہوا اور اسکے ساتھ ہی ایک نیا طبقہ، بورژوازی (سرمایہ دار طبقہ) عالمِ وجود میں آیا۔ جیسے جیسے بورژوازی بڑھتا گیا اور سماج میں اپنی حیثیت کو مستحکم کرتا گیا، ویسے ویسے مادیت کو استحکام حاصل ہوتا گیا۔ بورژوازی جاگیرداری اور چرچ کے خلاف اپنی جدوجہد میں اسے بڑی ہوشیاری کے ساتھ ایک نظریاتی ہتھیار کی حیثیت سے استعمال کر رہا تھا۔

پولینڈ کے سائنسداں نکولس کوپرنکس (۱۴۷۳ - ۱۵۴۳ء) نے عینیت اور چرچ پر ایک کاری ضرب لگائی۔ زمین کو مرکز قرار دینے والے بطلیموسی نظام کے برخلاف جسکے مطابق یہ دعویٰ کیا جاتا تھا کہ زمین کائنات کا مرکز ہے اور سورج زمین کے گرد گردش کرتا ہے، کوپرنکس نے شمسی المرکز نظام پیش کیا جسکے مطابق سورج کائنات کا مرکز ہے جبکہ زمین نظامِ شمسی کا محض ایک حصّہ ہے۔ بعد میں جیورڈانو برونو، گلیلو اور دیگر اطالوی سائنسدانوں نے کوپرنکس کے نظریئے میں ضروری تصحیح کی: سورج صرف نظامِ شمسی کا مرکز ہے جو خلا میں حرکت کرتا ہے۔

سولھویں، سترھویں اور اٹھارویں صدی میں مغربی یورپ میں بورژوا انقلاب کی ایک لہر دوڑ گئی۔ سرمایہ داری کو نیدرلینڈ میں سولھویں صدی کے اواخر میں، برطانیہ میں سترھویں صدی کے وسط میں اور فرانس میں اٹھارویں صدی کے اواخر میں غالب حیثیت حاصل ہو گئی۔ سرمایہ داری کے فروغ کے ساتھ ہی معیشت کو بھی تیزی کے ساتھ ترقی حاصل ہوئی جس نے وسیع تر سائنسی علم کی ضرورت کو لازمی قرار دے دیا۔

صنعتی پیداوار کی تنظیم کے لئے ضروری تھا کہ خام مال اور دیگر مادوں کے خواص کا مطالعہ کیا جائے، زیادہ کامیاب کاشتکاری کیلئے پودوں اور جانوروں کا علم لازمی تھا، تجارت اور جہازرانی کے فروغ کے لئے جہازوں کی پوزیشن کا بالکل صحیح صحیح اندازہ کرنا ضروری تھا، وغیرہ۔ چنانچہ سرمایہ دارانہ پیداوار کی ضروریات نے سائنسی علم میں اضافے کی راہ ہموار کی جسکے نتیجے میں فلکیات، طبعیات اور کیمیا جیسی سائنسوں کو فروغ حاصل ہوا۔

سب سے زیادہ فروغ میکانیات کو حاصل ہوا جسے پیداوار کی فنی ضرورت نے، یعنی مشینوں اور آلات و اوزار کے ڈیزائن، پہاڑی چشموں کی تسخیر وغیرہ نے لازمی قرار دے دیا تھا۔ مزید برآں، میکانکی حرکت اپنی اس شکل میں سادہ ترین حرکت ہے اور اسکی تحقیقات بغیر کسی دشواری کے کی جاسکتی ہے۔ قدرتی سائنس میں حرکت کی دیگر تمام قسموں سے پہلے اسی حرکت کا مطالعہ کیا گیا۔

ان دنوں قدرتی سائنس کا اصل فریضہ یہ تھا کہ الگ الگ چیزوں اور مظاہر کا تجرباتی مطالعہ کیا جائے۔ تجزیاتی طریق کار کا بڑے پیمانے پر استعمال کیا گیا، سائنسدانوں نے ذہنی طور پر قدرت کو الگ الگ حصوں میں تقسیم کیا، ہر ایک حصے کی درجہ بندی کی اور اسکے خواص اور اس کی حرکت کے قوانین کا مطالعہ کیا۔

تجزیاتی طریق کار نے قدرتی سائنس کے فروغ میں اہم حصہ لیا، لیکن اس پر یک طرفہ توجہ کے خراب اثرات بھی مترتب ہوئے۔ الگ الگ چیزوں پر تجزیہ کرتے ہوئے، اُن کی درجہ بندی کرتے ہوئے پیچیدہ کو سادہ ترحصوں میں منقسم کرتے ہوئے، سائنسدانوں نے ان چیزوں کو اُن کے عمومی متن سے جدا کر دیا اور ان کے علتی سلسلۂ عمل کو نظرانداز کر دیا۔ چنانچہ قدرتی سائنس کی اس ترقی نے دنیا کو سمجھنے کے مابعد الطبعیاتی طریق کار کی راہ ہموار کی۔ قدرتی سائنس سے یہ طریق کار فلسفے میں بھی داخل ہو کر پھیل گیا۔

مابعد الطبعیاتی طریق کار محدود تھا، یک طرفہ تھا، لیکن سترھویں اور اٹھارویں صدی میں اس کا غلبہ تاریخ سے مشروط تھا۔ جیسا کہ اینگلز نے اشارہ کیا، ضروری تھا کہ سلسلۂ عمل کا مطالعہ شروع کرنے سے پہلے اشیا کا مطالعہ کیا جائے۔ کسی شے کے اندر رونما ہونے والی تبدیلیوں کے مطالعے کا اہل ہونے کے لئے ضروری تھا کہ پہلے یہ جانا جائے کہ مذکورہ شے ہے کیا۔

قدرت کی جانب مابعد الطبعیاتی رویہ اور میکانیات کی ترجیحی ترقی سترھویں اور اٹھارویں صدی میں مادیت کے مابعد الطبعیاتی اور میکانیاتی کردار کا سبب ہے۔

نئے عہد کا سب سے پہلا مادیت پسند انگریز فلسفی فرانسس بیکن (۱۶۲۶-۱۵۶۱ء) تھا۔ اس نے عینیت

اور مذہب کی سختی کے ساتھ مخالفت کی اور یہ رائے پیش کی کہ فلسفے کا اور عام طور پر سائنس کا فریضہ یہ ہے کہ قدرت کو سمجھا جائے اور اس کی زبردست قوتوں کو مسخر کرنے میں انسان کی مدد کی جائے۔ بیکن دنیا کے مادّی ہونے کو تسلیم کرتا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ مادّے کا کیفیتی تنوّع لامحدود ہے۔ اس نے مادّے کو دھنک کے تمام رنگوں سے رنگ دیا۔

بیکن نے قدرت کا مطالعہ کرنے کے اُس طریق کار کی جسے اُسکے دور کے سائنسداں وسیع پیمانے پر استعمال کرتے تھے، فلسفیانہ تشریح کی۔ بیکن نے کہا کہ جاننے کے لئے ضروری ہے کہ انسان تجربہ کرے، مشاہدہ کرے اور حقائق کا تجزیہ کرے اور پھر واحد حقائق اور اشیاء سے تعمیم اور نتائج کی جانب بڑھے خصوصی حقائق سے تعمیم کی جانب فکر کے سفر کو استقرا کہتے ہیں۔ بیکن تجرباتی سائنس کا، علم کے استقرائی طریق کار کا باوا آدم تھا اور فلسفیانہ فکر کے فروغ میں یہ اُس کا حصّہ تھا۔ بیکن کے نزدیک استقرا واحد طریق کار تھا اور وہ اس کے ضد دعویٰ یعنی استخراج کو بھول گیا جس کے ذریعہ خصوصی حقائق کے بارے میں عمومی مسلمات کی بنا پر نتائج اخذ کرنا ممکن ہوتا ہے۔

انگریزی فلسفے میں بیکن کی مادہ پرستانہ روایات کو تھامس ہابس (۱۶۷۹-۱۵۸۸ء) اور جون لوک (۱۷۰۴ء-۱۶۳۲ء) نے جاری رکھا۔ ہابس نے مابعد الطبیعاتی مادیت کا ایک پورا نظام ترتیب دیا۔ اس نے زندہ عضویوں سمیت قدرت میں موجود تمام اجسام کو مشینوں سے تشبیہ دی۔ اس نے لکھا کہ دل ایک اسپرنگ ہے، اعصاب ڈوریاں ہیں اور جوڑ پہیئے ہیں جن سے سارا جسم حرکت میں آتا ہے۔ ہابس کے فلسفے میں ریاست کو بھی ایک دیو پیکر مشین کی صورت میں پیش کیا گیا۔ ہابس نے مذہب کو اپنے نظام سے باہر رکھا اور کہا کہ مذہب کا مسئلہ سائنس کا موضوع نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق عقیدے سے ہے۔

لوک نے نظریہ محسوسات کے لئے زمین ہموار کرکے فلسفے کے فروغ میں حصّہ لیا۔ یہ نظریہ آگاہی کا ایک نظریہ ہے جسکے مطابق انسان کا سارا علم حسی معلومات سے، حسوں سے جنم لیتا ہے۔

سترھویں صدی کے نصف آخر میں بورژوا انقلاب کو برطانیہ میں فتح حاصل ہوگئی۔ لیکن فتحمند بورژوازی نے جاگیردارانہ اشرافیہ کے ساتھ، جسے ابھی تک برطانوی سماج میں ایک مستحکم حیثیت حاصل تھی، سمجھوتہ کرلیا۔ چنانچہ یہ محض ایک اتفاق امر نہیں تھا کہ اٹھارویں صدی کے نصف اوّل میں مادیت کے بجائے جارج برکلے (۱۷۵۳-۱۶۸۴ء) اور ڈیوڈ ہیوم (۱۷۷۶-۱۷۱۱ء) کے موضوعی عینیت پسندانہ فلسفے کو فوقیت حاصل رہی۔

برکلے مادّیت کا دشمن تھا۔ اس نے گرد و پیش کی دنیا کو انسانی شعور کی پیداوار قرار دیا اور تمام اشیا کو حسوں کا مجموعہ گردانا۔ اشیا صرف اِس وجہ سے وجود رکھتی ہیں کیونکہ انسان اُن کا ادراک کرتا ہے۔ انھیں دیکھتا، سُنتا اور محسوس کرتا ہے۔ اُسکے فلسفے کا بنیادی نظریہ یہ ہے: وجود رکھنے کا مطلب ہے ادراک کیا جانا۔

برکلے کو مادہ کے تصور سے خاص طور پر نفرت تھی۔ اُس نے کہا کہ "دہریت اور لادینیت کی تمام ناپاک اسکیمیں" مادے کے عقیدے کی بنیاد پر گھڑی گئی تھیں، اور یہ کہ مادّی جوہر تمام ادوار میں لامذہبوں کا گہرا دوست رہا ہے۔ اس نے تجویز پیش کی کہ مادہ کے تصور پر پابندی لگادی جائے اور مادّیت کے حامیوں کے خلاف تعزیری کارروائی کی جائے۔

ایک دوسرا فلسفی ہیوم جو معروضی دنیا کو تسلیم نہیں کرتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ انسان کی حس ہی کل صداقت ہے، برکلے کے عینیت پسندانہ نظریات میں اُس کا شریک تھا۔

فلسفی اور ریاضی داں رینے ڈسکارٹے (۱۵۹۶-۱۶۵۰ء) فرانس میں نئے عہد کا پہلا فلسفی تھا۔ ڈسکارٹے کے فلسفے میں ہمیں قدرت (طبیعات) کے بارے میں اُسکے عقیدے اور مافوق الفطرت (مابعد الطبیعات) کے بارے میں اُسکے عقیدے کے درمیان لازماً فرق کرنا چاہیئے۔ طبیعات میں وہ قدرت کی جسمیت (یعنی اس کے مادّی ہونے)، اس کی ازلیت اور ابدیت کا قائل تھا۔ اسکے خیالات کے مطابق قدرت حرکت میں ہے لیکن یہ حرکت میکانیات کے قوانین پر عمل کرتی ہے۔ ڈسکارٹے نے اپنے میکانیات کے نظریئے کو عضویات میں بھی داخل کر دیا۔

ڈسکارٹے فلسفے کے بنیادی سوال کی جانب اپنے رویّہ میں ثنویت پرست تھا، کیونکہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ دنیا کی بنیاد دو ایسے اصولوں پر قائم ہے جو ایک دوسرے سے بالکل آزاد ہیں یعنی مادہ اور شعور۔

وہ عقلیت پسندی کا باوا آدم تھا۔ یہ علم کی تھیوری کا ایک رجحان ہے جسکے تحت عقل کو علم کا واحد منبع سمجھا جاتا ہے۔ ادراکی علم سے، حس سے عقل کی علاحدگی اس رجحان کا کمزور نکتہ ہے۔ سترھویں صدی میں یہ ایک ترقی پسند رجحان تھا کیونکہ یہ عقیدے پر عقل کی بالادستی کا ادعا کرتا تھا، انسان کی لامحدود علمی قوتوں پر اعتماد کا اظہار کرتا تھا اور نتیجتہً ایک ایسے وقت میں یہ زبردست اہمیت کا حامل تھا جبکہ چرچ اور عینیت کا دَور دَورہ تھا۔

ہالینڈ میں جہاں دیگر یورپی ممالک کے مقابلے میں سرمایہ داری نے جلدی ترقی پالی تھی، سترھویں صدی

میں بینے ڈکٹ اسپی نوزا (۱۶۳۲-۱۶۷۷ء) کا مادی فلسفہ ظہور پذیر ہوا۔ اسپینوزا نے دنیا کی مادی وحدت کا نظریہ
تشکیل دیا۔ ڈسکارٹے کی ثنویت پسندی پر غالب آتے ہوئے اس نے یہ ادعا کیا کہ ایک واحد جوہر (مواد یعنی
قدرت) دنیا کی تمام اشیاء کی بنیاد کی تشکیل کرتی ہے۔ یہ جوہر زماں میں دائمی اور مکاں میں لامحدود ہے۔
مارکس سے پہلے کے فلسفے میں جوہر کو ہر موجود چیز کی غیر تغیر پذیر بنیاد سمجھا جاتا تھا۔ شعور اس جوہر کے باہر اپنا
وجود نہیں رکھتا۔ اسپینوزا نے کہا کہ قدرت خود اپنے قوانین کے مطابق نشونما پاتی ہے، یہ خود اپنی علت
ہے اور اسے کسی مافوق الفطرت قوت کی ضرورت نہیں۔

اسپینوزا سترھویں صدی کا ایک ممتاز لامذہب تھا۔ اس نے نہ صرف چرچ پر تنقید کی بلکہ اس کے
بودے پن کو سائنسی طور پر ثابت کرنے اور اس کی جڑ دل اور رجعت پرستانہ رول کو بے نقاب کرنے کی بھی کوشش
فرانس کی اٹھارویں صدی کی مادیت : فرانس میں اٹھارویں صدی کے اواخر میں انقلاب فتحمند
ہوا۔ اس انقلاب نے جو یورپ کے تمام بورژوا انقلابوں میں سب سے زیادہ بھرپور انقلاب تھا، جاگیرداری کا
خاتمہ کر دیا اور ملک میں سرمایہ داری کی غیر منقسم حکمرانی قائم کر دی۔ انقلاب سے پہلے جاگیرداری اور اس کے مذہبی
عینیت پسندانہ عالمی نقطۂ نظر کے خلاف انقلابی بورژوازی طویل نظریاتی جدوجہد کرتا رہا۔ فرانس کی اٹھارویں
صدی کی مادیت نے شدید سیاسی اور نظریاتی جدوجہد سے جنم لیا۔ اسکے خاص ترجمان جولین لامیتری
(۱۷۰۹-۱۷۵۱ء) ڈینس ڈیڈیرو (۱۷۱۳-۱۷۸۴ء)، کلاڈ ایڈرین ہیل ویٹیو (۱۷۱۵-۱۷۷۱ء) اور
پال ہنری ہولباخ (۱۷۲۳-۱۷۸۹ء) تھے۔

فرانس کے مادیت پسند جاگیردارانہ رجعت پرستی، چرچ اور عینیت کے کٹر دشمن تھے۔ فرسودہ جاگیردارانہ
سماج کے برخلاف انھوں نے "دائمی اور فطری عقل" کی حکومت کی، بورژوا سماج کی حمایت کی جسے وہ مثالی
سماجی نظام گردانتے تھے۔

فرانسیسی مادیت پسندوں کا قدرت کا نظام، جو مادے اور حرکت کی وحدت کے اصول پر مبنی تھا، فلسفے
کی تاریخ میں ایک اہم اضافہ تھا۔ ہولباخ نے لکھا: "کائنات، یہ ہر موجود چیز کا زبردست امتزاج، ہر جگہ
ہمارے سامنے صرف مادے اور حرکت کو ہی پیش کرتی ہے۔" فرانسیسی مادیت پسندوں کی رائے کے مطابق مادہ
ہی ہر وہ چیز ہے جو انسان کے حسی اعضا پر اثر انداز ہوتا ہے، جبکہ حرکت مادہ کی جنبش ہے جسے مادہ
خود پیدا کرتا ہے نہ کہ مذہب۔ مادے کی حرکت قدرت کے قوانین کے مطابق ہوتی ہے جنھیں انسان نہ تو ختم

کرسکتا ہے اور نہ بدل سکتا ہے۔ فرانسیسی مادّیت پسندوں نے اِن قوانین کو مابعد الطبیعیاتی انداز میں، سادہ اور ناقابلِ تغیّر سمجھا۔

فرانسیسی مادّیت پسندوں نے علم کی تھیوری کی سطح کو اور زیادہ بلند کیا۔ انھوں نے علم کو معروضی طور پر موجود اشیاء اور مظاہر کا انسانی دماغ میں عکس گردانا۔ اُن کے خیال کے مطابق انسان کے حسی اعضا پر اثر انداز ہونے والی اشیاء حس کو جنم دیتی ہیں جس سے علم پیدا ہوتا ہے۔

فرانسیسی مادّیت پسندوں نے دُنیا کی تخلیق اور روح کی ابدیت وغیرہ کے بارے میں بھی چرچ کے عقائد پر حملہ کیا۔ وہ چرچ کو عوام کی روحانی غلامی کا ایک ہتھیار اور تشدّد اور جہالت کی پشت پناہ سمجھتے تھے۔ انھوں نے یہ محسوس کرلیا کہ چرچ کے سرچشمے عوام کی جہالت اور قدرت کی نامعلوم قوتوں کے خلاف اُن کے خوف میں پنہاں ہیں، اور انھوں نے تعلیم اور سائنس کو اس خوف پر غالب آنے کا ذریعہ سمجھا۔ لینن نے فرانسیسی مادّیت پسندوں کی جانب سے چرچ پر کی جانے والی تنقید کو بے حد سراہا۔

فرانسیسی مادّیت پسندوں کے خیالات میں جدلیاتی عناصر بھی موجود تھے۔ مثلاً ڈیڈیرو نے عضویوں کے نشوونما کے بارے میں، پودوں اور حیوانات پر ماحول کے اثرات کے بارے میں خیالات کا اظہار کیا۔ لیکن بہ حیثیتِ مجموعی اُن کے خیالات میکانیت پسندانہ، مابعد الطبیعیاتی مادّیت سے آگے نہیں بڑھے۔

اٹھارویں صدی میں روس میں مادّیت: روس میں اٹھارویں صدی میں ایک سائنسی عالمی نقطۂ نظر ظاہر ہوا۔ میخائیل لومونوسوف (۱۷۱۱-۱۷۶۵ء) اور الیکسانڈر رادیشچیف (۱۷۴۹-۱۸۰۲ء) مشہور ترین روسی مادّیت پسند فلسفی تھے۔

لومونوسوف ایک قاموسی سائنسداں تھا جو طبیعیات، کیمیا، ارضیات اور دیگر سائنسوں میں کیے جانے والی نمایاں دریافتوں پر اپنے فلسفیانہ خیالات کی بنیاد استوار کرتا تھا۔ اس نے مادّے کی بقا کا قانون دریافت کیا جس نے دنیا کی مادّی وحدت کے تصور کی توثیق کی۔ اُس نے اُن معلومات کے ذریعہ مادّے کی حرکت کی توضیح کی جو اس نے قشرِ ارض کے ارضیاتی ڈھانچے میں تبدیلیوں کے سلسلے میں حاصل کی تھیں۔ لومونوسوف لاادریت کے خلاف تھا اور تجربے کے ذریعے حاصل ہونے والے علم کا علم بردار تھا۔ روس میں اس مادّیت پسند روایت کو رادیشچیف نے جاری رکھا۔

سترھویں اور اٹھارویں صدی میں فلسفے کے فروغ نے مادّیت کی ایک نئی شکل ۔ مابعد الطبیعیا

مادیت پیدا کی۔ اس شکل نے بورژوازی کا عالمی نقطۂ نظر تھی جو اپنے وقت کا ایک ترقی پسند طبقہ تھا، جاگیرداری کی رجعت پرستانہ آئیڈیالوجی، یعنی عینیت اور چرچ پر کاری ضرب لگائی۔ یہ قدرتی سائنس کی کامیابیوں پر تکیہ کرتی تھی جس نے آگے کے لئے سائنسی بنیاد دھیا کی۔ سترھویں اور اٹھارویں صدی کی مابعد الطبیعیاتی مادیت ایک سائنسی عالمی نقطۂ نظر کے فروغ کی سمت میں آگے کی طرف ایک نمایاں قدم کی حیثیت رکھتی تھی۔

مارکس اور انیگلز نے اس مادیت کی مثبت اہمیت کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی سنگین عدم استقامت اور تنگ دامانی کا بھی انکشاف کیا۔ انھوں نے پہلی بات تو اُس کے میکانیت پسندانہ کردار کے بارے میں کہی، یعنی اس میں قدرت کے کیمیاوی، نامیاتی اور دیگر سلسلہائے کی میکانیات کے قوانین کے ذریعے تشریح کرنے کا رجحان موجود ہے، دوسری بات اُس کے مابعد الطبیعیاتی کردار کے بارے میں کہی، یعنی یہ کہ یہ قدرت میں نشوونما کی منکر ہے اور تیسری بات یہ کہ یہ سماجی زندگی کے مظاہر کی عینیت پسندانہ تشریح کرتی ہے۔ سترھویں اور اٹھارویں صدی کے مادیت پسندوں نے سماج کے نشوونما کے مادی اسباب کو نہیں دیکھا اور وہ تاریخ کو خیالات کی تدریجی تعبیر سمجھتے رہے۔

۳۔ جرمن فلسفے میں مادیت اور عینیت کے درمیان جدوجہد

(اٹھارویں اور انیسویں صدی)

جرمنی میں اٹھارویں صدی اور انیسویں صدی کے نصف اوّل میں جاگیردارانہ تعلقات کو غالب حیثیت حاصل تھی۔ جرمنی بہت سی ریاستوں میں منقسم تھا اور یہ چیز اس کی معاشی اور سیاسی پسماندگی کا سبب تھی۔ تاہم، سرمایہ داری یہاں بھی پختگی حاصل کر رہی تھی اور بورژوازی آہستگی کے ساتھ لیکن مسلسل بڑھ رہا تھا۔ فرانس کے مضبوط بورژوازی کے خلاف جرمن بورژوازی بزدل اور کم حوصلہ تھا۔ اپنی معاشی اور سیاسی کمزوری کی وجہ سے وہ سیاسی اقتدار حاصل کرنے کا اہل نہیں تھا اور وہ ادھوری اصلاحات سے اور اس وقت موجود نظام میں ضروری تبدیلیوں اور معمولی ترمیموں سے جو اس کے مفادات میں تھیں، مطمئن تھا۔ اپنی کمزوری سے آگاہ اور انقلاب سے خوفزدہ یہ بورژوازی مجبور تھا کہ جاگیرداری اور مطلق العنانی سے سمجھوتہ کرے۔

جرمن بورژوازی کے متضاد اور دوغلے کردار کا اظہار اٹھارویں اور انیسویں صدی کے جرمن فلسفے میں ہوا۔ یہ تضاد اس عہد کے ممتاز ترین جرمن فلسفیوں کانٹ، ہیگل اور فیورباخ کی تحریروں میں خاص طور پر

کارفرما نظر آتا ہے۔

کانت کا فلسفہ: اِمانوئیل کانت (۱۸۰۴-۱۷۲۴ء) اٹھارویں صدی کا ممتاز جرمن فلسفی تھا۔ نوجوانی کے زمانے میں اس نے قدرتی سائنس کا گہرا مطالعہ کیا۔ اس کا یہ مشہور و معروف مفروضہ جس کے مطابق زمین اور نظامِ شمسی کے دیگر سیارے نیبولا سے قدرتی انداز میں نکلے تھے، دنیا کی آسمانی تخلیق کے مذہبی تصوّر کے سراسر خلاف تھا۔ یہ صحیح ہے کہ کانت نے اپنے اس مفروضے میں چرچ کو اس لحاظ سے کافی رعایت دی تھی کہ اس نے مافوق الفطرت وجود کو تسلیم کر لیا تھا، لیکن جب اُس نے قدرتی قوتوں کی حرکت کا اقرار کر لیا تو اس وجود کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی۔

بعد میں کانت نے خود اپنا فلسفیانہ نظام تیار کیا جس میں تضادیت اور ثنویت موجود تھی۔ اس میں مختلف متخالف فلسفیانہ رجحانات کو مجتمع کیا گیا تھا اور اس بات کی کوشش کی گئی تھی کہ مادیت اور عینیت میں مفاہمت کی جائے، اُن کے درمیان ایک قسم کا سمجھوتہ کیا جائے۔ کانت ایک طرف تو ایک مادیت پسند کی حیثیت سے گفتگو کرتا تھا، وہ کہتا تھا: "ہم سے باہر چیزوں کا وجود ہے جو ہمارے اعضائے حسی پر عمل کر کے حس پیدا کرتی ہیں۔" دوسری طرف اُس کا کہنا تھا کہ یہ چیزیں جانی نہیں جا سکتیں، وہ انسانی عقل کے دائرہ سے باہر ہیں۔ چنانچہ اس معاملے میں وہ عینیت پسند، لاادریت پسند تھا۔ کانت کے کہنے کے مطابق دماغ کسی شے سے آگاہی حاصل نہیں کرتا بلکہ زیرِ آگاہی شے کی تعمیر کرتا ہے۔

کانت نے منطقی مقولوں کا فکر کے عمومی ترین تصورات، مثلاً علت اور معلول، ضرورت اور اتفاق، امکان اور صداقت کا ایک نظام قائم کیا۔ تاہم، اُس نے یہ کہا کہ یہ تصورات صداقت کا عکس نہیں بلکہ محض ہماری عقل کے مقولے ہیں۔ کانت کے کہنے کے مطابق ان تصورات کے ذریعے انسان قدرت کو قطعی نظم اور باضابطگی عطا کرتا ہے۔

کانت کے فلسفے کا مضبوط نکتہ اس کا جدلیاتی عنصر تھا۔ کانت تضادات کے بارے میں بعض قیمتی خیالات کا حامل تھا، اگرچہ اسکے خیال کے مطابق تضادات صرف انسانی عقل میں خلقی طور پر موجود ہوتے ہیں اور مادی دنیا میں نہیں۔ مزید برآں یہ تضادات لاینحل ہیں۔ مثلاً عقل اس مسئلہ کو حل نہیں کر سکتی کہ دنیا محدود ہے یا لامحدود۔ کانت نے کہا کہ عقل کے یہ لاینحل تضادات معروضی دنیا کو جاننے کی انسان کی عدم صلاحیت کے شاہد ہیں۔ اِس سلسلے میں کانت صداقت کی معروضی جدلیات کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ اسکے خیال کے

مطابق عقل یہ فیصلہ کرنے سے بھی قاصر ہے کہ خدا کا وجود ہے یا نہیں اور یہ کہ روح ابدی ہے یا نہیں۔ یہ وہ سوالات ہیں جو معتقدات کے دائرہ میں آتے ہیں۔ چنانچہ کانت سائنس کو محدود کرنے اور مذہب کو، عقیدے کو باقی رکھنے کا حامی بنا۔ اور وہ اس بات کو چھپاتا بھی نہیں ہے۔ اُس نے لکھا ہے: "چنانچہ فروری ہے کہ میں عقیدے کو جگہ دینے کی غرض سے علم کو محدود کردوں۔" لینن نے کانت کے فلسفے کے اس پہلو پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ کانت کا یہ فارمولا کہ انسان قدرت کو قانون دیتا ہے، نہ کہ قدرت انسان کو، عقیدے کا، کلیسائیت کا فارمولا ہے۔

اپنی متضاد اور محدود نوعیت کے باوجود کانت کا نظام فلسفیانہ فکر میں ایک اہم پیش قدمی کی حیثیت رکھتا تھا۔ کانت کے نظریۂ تکوینیات نے، انسانی عقل کی آگاہی کی قوتوں کی چھان بین کرنے کی اسکی کوششوں نے، منطقی مقولوں کے اس کے نظام نے اور خاص طور پر اسکے جدلیاتی خیالات نے بعد میں ہونے والے فلسفے کے نشوونما پر مثبت اثر ڈالا۔ اسی کے ساتھ کانت کی عینیت اور لاادریت کو آج بھی رجعت پرست فلسفی سائنسی عالمی نقطۂ نظر کے خلاف جدوجہد کرنے کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔

ہیگل کی عینیت پسندانہ جدلیات: جارج ہیگل (۱۸۳۱ - ۱۷۷۰ء) کو انیسویں صدی کے جرمن کلاسیکی فلسفیوں میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ اس نے کانت کی موضوعی عینیت پسندی اور لاادریت پر تنقید کی، اگرچہ یہ تنقید معروضی عینیت کے نقطۂ نظر سے کی گئی تھی۔ ہیگل کا کہنا تھا کہ دنیا ایک قسم کے معروضی شعور کی تخلیق کاری کا نتیجہ ہے۔ یہ معروضی شعور انسان کے باہر وجود رکھتا ہے، یہ "خیالِ مطلق"، "روحِ کلی" ہے۔

ہیگل کا کہنا ہے کہ خیال پہلے خود اپنے اندر پیدا ہوتا ہے۔ اسکے بعد اپنے نشوونما کے ایک خاص مرحلے میں یہ قدرت میں "تجسیم پاجاتا ہے" اور اشیا اور مظاہر کی تمام کثرت کو جنم دیتا ہے۔ اسکے بھی بعد کے مرحلے پر خیال انسانی سماج کو وجود بخشتا ہے جسکی تاریخ اس خیالِ مطلق سے آگاہی حاصل کرنے کا ایک سلسلۂ عمل ہے جسے ہیگل کے خیال کے مطابق اسکے اپنے فلسفیانہ نظام میں پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا گیا تھا۔ وہ اپنے فلسفیانہ نظام کو فلسفے کے نشوونما میں حرفِ آخر گردانتا تھا۔

ہیگل نے جدلیات کے اُن بنیادی قوانین کی تشکیل کی جو خیالات و افکار کے نشوونما کے قوانین ہیں۔ اُس نے کہا کہ نشوونما ایک بند دائرے میں عمل میں نہیں آتا، بلکہ یہ ترقی پسندانہ انداز میں ہوتا ہے، ادنیٰ

شکلوں سے اعلیٰ شکلوں کی جانب ہوتا ہے، اور یہ کہ سلسلۂ عمل کے دوران کمیتی تبدیلیاں کیفیتی تبدیلیوں میں ڈھل جاتی ہیں اور یہ کہ اندرونی تضادات نشوونما کا منبع ہیں۔ ہیگل نے جدلیات کے بنیادی تصورات (مقولوں) کی بھی تعریف کی اور بتایا کہ وہ ایک دوسرے سے مربوط اور باہمی طور پر تغیر پذیر ہیں۔

اگرچہ ہیگل کی جدلیات فلسفیانہ فکر میں ایک عظیم پیشقدمی کی حیثیت رکھتی تھی، لیکن اُس میں بعض سنگین خامیاں تھیں، جن میں سے سب سے اہم خامی اُس کے عینیت پسندانہ کردار کی تھی۔ ہیگل کے کہنے کے مطابق جدلیاتی قوانین مادی دُنیا کی اشیا اور مظاہر کے نشوونما کے لئے بنیاد کا کام نہیں دیتے، بلکہ صرف اس خیال کے نشوونما کے لئے بنیاد کا کام دیتے ہیں جس نے ان (اشیا اور مظاہر) کی شکل اختیار کر لی ہے۔

ہیگل نے نشوونما کے سلسلۂ عمل کو بھی محدود مفہوم میں سمجھا؛ قدرت زماں میں نشوونما نہیں پاتی بلکہ صرف مکاں میں توسیع پاتی ہے۔ وہ سمجھتا تھا کہ سماج محض ماضی میں ہی نشوونما پاتا تھا اور وہ اپنے دور کی پروشین مطلق العنانی کو سماجی ترقی کی معراج سمجھتا تھا۔ اس کا یہ بھی خیال تھا کہ سماج میں تضادات جدوجہد کے ذریعے حل نہیں ہوتے، بلکہ اُن میں مفاہمت ہو جاتی ہے۔ اُسکے نزدیک اُس وقت موجود پروشین ریاست طبقاتی مفادات کی مثالی ہم آہنگی کی تصویر تھی۔ چنانچہ اُس نے اپنے فلسفے سے انتہائی رجعت پرستانہ نتائج اخذ کئے۔ اس نے جنگ کو جائز ثابت کیا اور شاونیت (جارحانہ قوم پرستی) کے نظریات کی وکالت کی جنھیں بعد میں سامراج کے رجعتی عینیت پسندوں نے استعمال کیا۔

مارکس اور اینگلز نے اس گہرے تضاد کو بے نقاب کیا جو ہیگل کے عینیت پسندانہ نظام، یعنی اس نظریئے، کہ قدرت اور سماج "خیالِ مطلق" کے وجودی شکلیں ہیں، اور اسکے جدلیاتی طریق کار کے درمیان موجود تھا۔ انھوں نے عینیت پسندانہ فلسفے اور رجعت پرستانہ سیاسی نظریات کی بنا پر ہیگل پر تنقید کی، لیکن ہیگل کی جدلیات کو بڑی قدر و منزلت کی نظروں سے دیکھا۔ جدلیات وہ "عقلی گودا" تھا جسے مارکس اور اینگلز نے ہیگل کے فلسفے سے لے لیا اور اسکے عینیت پسندانہ چھلکے کو چھیل کر اُسے جدلیاتی اور تاریخی مادیت کی تخلیق کے لئے استعمال کیا۔

فیورباخ کی مادیت: لڈوگ فیورباخ (۱۸۰۴ء۔۱۸۷۲ء) جرمن کلاسیکی فلسفے کا وہ آخری ممتاز نمائندہ تھا جس نے عینیت پسندی کے خلاف جو انیسویں صدی کے آخر میں جرمن فلسفے پر غالب تھی، انتھک جدوجہد کی۔ مادیت کو اُس کی صحیح جگہ دیتے ہوئے فیورباخ نے فلسفے کی بڑی خدمت انجام دی۔

عینیت پسندی اور کلیسائیت کو مُسترد کرتے ہوئے فیورباخ نے یہ خیال ظاہر کیا کہ فلسفے کو محض فکرِ خالص کی حدود تک محدود نہیں رہنا چاہیئے، اور یہ کہ فلسفے کا مشن یہ ہے کہ قدرت اور انسان کا مطالعہ کیا جائے۔ قدرت انسان کے باہر وجود رکھتی ہے،..... یہ "اولین، بنیادی معروضی صداقت ہے"۔ انسان قدرت کا حصہ ہے، اسکے طویل نشوونما کی پیداوار ہے، اور شعور کو قدرت پر تقدیم حاصل نہیں ہے بلکہ شعور مادے کی محض عکاسی کرتا ہے۔ مادے کو، قدرت کو جانا جاسکتا ہے، اس تک انسان کی رسائی ہے اور انسان کے تمام اعضائے حسی اس کا ادراک کرتے ہیں۔

فیورباخ کا فلسفہ اس قدر میکانیت پسندانہ نہیں ہے جس قدر کہ سترھویں اور اٹھارویں صدی کی مادیت۔ اس نے قدرت میں صرف میکانکی ہی نہیں، بلکہ اور بھی بہت سے سلسلہ ہائے عمل دیکھے۔ مثلاً زندگی کے آغاز کی تشریح کی کوشش کرتے ہوئے اُس نے یہ خیال ظاہر کیا کہ کیمیاوی تبدیلیاں اِس سلسلۂ عمل میں فیصلہ کُن کردار انجام دیتی ہیں۔

فیورباخ نے حِسیات کی روایت کو استقامت کے ساتھ جاری رکھتے ہوئے علم کے مادی نظریئے کو بلند تر سطح پر پہنچایا۔ اُس کا خیال تھا کہ انسان قدرت کا اولین ادراک اپنے اعضائے حسی کے ذریعے کرتا ہے۔ ان حسی ادراکات کی دماغ تعمیم کرتا ہے جو تصورات کی تشکیل کرتا ہے اور اشیا کے نام رکھتا ہے۔

فیورباخ لامذہب تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو فرانسیسی مادیت پسندوں کی اس رائے تک محدود نہیں رکھا کہ کلیسائیت جہالت اور خوف کی پیداوار ہے، بلکہ اُس نے مذہب کی جڑوں کو خود انسانی زندگی میں تلاش کیا اور انھیں انسان کی قوتِ متخیلہ میں ڈھونڈھ نکالا۔ لیکن وہ مذہب کی طبقاتی جڑوں کو بے نقاب کرنے میں کامیاب نہیں ہوا۔ مذاہب کو مسترد کرتے ہوئے فیورباخ نے مطالبہ کیا کہ مذہب کی جگہ علم کو اور بائیبل کی جگہ عقل کو دے دی جائے۔

اگرچہ فیورباخ نے قدرت کو اسکی حرکت میں، اسکے نشوونما میں سمجھنے کی کوشش کی، لیکن اس کا فلسفہ بہ حیثیتِ مجموعی مابعد الطبیعاتی مادیت کی حدود سے باہر نہیں گیا۔ اُس نے ہیگل کی عینیت پسندانہ جدلیات کو مسترد کر دیا اور معروضی دنیا میں تضادات کو تسلیم نہیں کیا، بلکہ یہ سوچا کہ تضادات محض فکر میں ممکن ہیں۔ مارکس سے پہلے کے دیگر فلسفیوں کی طرح فیورباخ بھی سماج کے نشوونما کو ایک عینیت پسند کے انداز میں دیکھتا تھا وہ اخلاقیات کو، لوگوں کے درمیان اخلاقی تعلقات کو، تاریخ کی اصل قوتِ محرکہ قرار دیتا تھا

اور یہ نہیں سمجھتا تھا کہ خود اخلاقیات اور اخلاقی تعلقات معاشی تعلقات سے، پیداواری تعلقات سے جنم لیتے ہیں۔

فیورباخ کا فلسفہ ایک حقیقی معنوں میں سائنسی عالمی نقطۂ نظر کے نشو و نما کے لئے زبردست اہمیت کا حامل تھا۔ اس میں موجود مادی خیالات وہ اصل "گودا" تھے جسے مارکس اور اینگلز نے جدلیاتی اور تاریخی مادیت کو فروغ دینے میں استعمال کیا۔

چنانچہ اٹھارویں اور انیسویں صدی کا جرمن کلاسیکی فلسفہ ایک سائنسی عالمی نقطۂ نظر کی تخلیق میں ایک اور اہم قدم کی حیثیت رکھتا تھا۔ فیورباخ کے افکار میں مادیت نے مزید فروغ پایا، جبکہ ہیگل نے عینیت پسندانہ جدلیات کو ایک اور ہم آہنگ نظام کو منطقی مقولوں کے مجموعے کی حیثیت سے پیش کیا۔ فلسفے کے لئے ہیگل کی بڑی خدمت یہ ہے کہ خیالات کی جدلیات کے پیچھے اس نے اشیا کی جدلیات کا، یعنی مادی دنیا میں اشیا اور مظاہر کے نشو و نما کی نوعیت کا وجدان حاصل کر لیا تھا۔

وہ جرمن کلاسیکی فلسفہ جس کی نمائندگی ہیگل اور فیورباخ کرتے تھے، وہ بلاواسطہ نظریاتی منبع تھا جس سے مارکسی فلسفہ ظہور پذیر ہوا۔

۴۔ روس کے انیسویں صدی کے مادیت پسندانہ فلسفے کی خدمات

انیسویں صدی میں روس کی جاگیردارانہ معیشت بڑی تیزی کے ساتھ ٹوٹ پھوٹ رہی تھی جبکہ قدیم نظام کے اندر ہی نئی، سرمایہ دارانہ معیشت فروغ پا رہی تھی۔ جاگیرداری کے خلاف کسانوں کی شدید جدوجہد اس سلسلۂ عمل کی خصوصیت تھی۔ کروڑوں مظلوم کسانوں اور اپنی آزادی کیلئے لڑنے والے تمام محنت کش عوام کے مفادات کی ترجمانی انقلابی جمہوریت پسندوں ویساریون بیلنسکی (۱۸۴۸-۱۸۱۱ء)، الیکسانڈر ہرزن (۱۸۷۰-۱۸۱۲)، نکولائی چیرنی شیف سکی (۱۸۸۹-۱۸۲۸ء) اور نکولائی دوبرولیوبوف (۱۸۶۱-۱۸۳۶ء) نے کی۔

انھوں نے ایک مادیت پسندانہ فلسفے کو فروغ دیا اور رجعت پرست کلیسائی عالمی نقطۂ نظر کے خلاف جدوجہد میں اسے استعمال کرنے اور روسی عوام کی انقلابی تحریک نجات کے لئے نظریاتی زمین ہموار کرنے کی کوشش کی۔ یہ لوگ مطلق العنانی اور زرعی غلامی کے کٹر دشمن تھے، انھیں عوام کی تخلیقی قوتوں پر

پورا بھروسہ تھا اور وہ سماج کی انقلابی تبدیلِ ہیئت کی وکالت کرتے تھے۔

عوام اور اُن کی انقلابی جدوجہد کے ساتھ قریبی رابطہ اور اپنے دور کی قدرتی سائنس کی کامیابیوں سے واقفیت نے روسی مادیت پسند فلسفیوں کو بہت سے اہم سوالات کے سلسلے میں قبل مارکس کے مغربی فلسفے کی تنگ دامانی پر غالب آنے اور سائنسی فلسفیانہ فکر کے فروغ میں نمایاں قدم اُٹھانے کا اہل بنایا۔ انہوں نے ہیگل کی جدلیات کی مادیت پسندانہ انداز میں تعبیر کی اور اُسے محنت کش عوام کی جدوجہدِ آزادی کو جائز ثابت کرنے کے لئے استعمال کیا۔ مثال کے طور پر، ہرزن کو اس میں "انقلاب کا الجبرا" نظر آیا۔ چیرنی شیف سکی اور ہرزن نے سماجی نشوونما میں مادی عوامل کے اہم رول پر بہت سے شاندار قیاسات پیش کئے۔ مارکس اور لینن روسی انقلابی جمہوریت پسندوں کے فلسفے کے بارے میں بڑی اچھی رائے رکھتے تھے لینن نے ہرزن کے فلسفیانہ خیالات کا خلاصہ کرتے ہوئے یہ کہا کہ ہرزن جدلیاتی مادیت کے دروازے تک پہنچ گیا تھا اور تاریخی مادیت کے سامنے رُک گیا تھا۔ ممتاز انقلابی جمہوریت پسند روس میں مارکسزم کے بلاواسطہ پیش رو تھے۔

روسی مادیت پسندانہ فلسفے کے مؤسسین فلسفے کی طبقاتی نوعیت کی صحیح فہم کے قریب پہنچ گئے تھے۔ چیرنی شیف سکی نے لکھا، ہر فلسفی نے ہمیشہ ان سیاسی پارٹیوں میں سے کسی ایک کے خیالات کی حمایت کی ہے جو سماج میں غلبہ کے لئے لڑتی تھی۔

فلسفے کے نفسِ مضمون کو سمجھنے میں چیرنی شیف سکی جدلیاتی مادیت کے قریب آگیا۔ اُس کی رائے میں فلسفہ سائنس کے عمومی ترین مسائل اور خاص طور پر "روح اور مادے کے تعلق" کے مسائل کے حل سے سروکار رکھتا تھا۔ مزید برآں، چیرنی شیف سکی نے زور دے کر یہ بات کہی کہ اس سوال کے صرف دو ممکنہ حل ہیں، مادیت پسند اور عینیت پسند اور ان دونوں کے درمیان کوئی مفاہمت نہیں ہو سکتی۔

روسی انقلابی جمہوریت پسندوں نے فلسفے کے بنیادی سوال کی جانب ایک مستقل مادیت پسندانہ انداز اختیار کیا۔ انہیں اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ باہر کی دنیا کی اشیا اور مظاہر معروضی طور پر وجود رکھتے ہیں، یہ کہ وہ انسانی شعور کے محتاج نہیں اور مادے کے متنوع امتزاجات کی نمائندگی کرتے ہیں دنیا کی تمام اشیا میں کوئی چیز مشترک ہے، کوئی چیز مماثل ہے۔ "مادی اشیا میں یہ مماثل چیز مادہ کہلاتی ہے" چیرنی شیف نے لکھا۔ یہ لوگ شعور کو ثانوی سمجھتے تھے، اُسے مادے سے نکلی ہوئی ایک چیز سمجھتے تھے۔ ہرزن نے کہا،

"شعور کوئی قدرت سے بیگانہ چیز نہیں ہے، بلکہ یہ اُسکے نشوونما کا اعلیٰ ترین درجہ ہے"۔
روسی انقلابی جمہوریت پسند سائنس کے پُر جوش علمبردار تھے اور انسانی دماغ کی لامحدود صلاحیتوں کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ وہ علم کو گردوپیش کی صداقت کا انسانی شعور میں انعکاس سمجھتے تھے۔ دوبرولیوبوف نے لکھا، "انسان خود اپنے اندر سے تصورات کو نہیں اُبھارتا، بلکہ انھیں باہر کی دنیا سے وصول کرتا ہے"۔ چیرنی شیف سکی نے کہا، "حاصل شدہ علم کی صحت اور اس کی سچائی کی آزمائش زندگی کے عملی تجربے سے ہوتی ہے"۔ چیرنی شیف سکی نے سچائی کے ٹھوس کردار اور ٹھوس تاریخی حالات پر اُسکے انحصار کے بارے میں بھی اظہارِ خیال کیا۔

روسی انقلابی جمہوریت پسندوں کی مادیت جدلیاتی خیالات سے پُر تھی۔ صداقت کے ہمہ گیر نشوونما کا تصور اُن کی تمام تحریروں میں کارفرما نظر آتا ہے۔ ہرزن نے لکھا کہ قدرت ایک "سلسلۂ عمل، چشمۂ بہاؤ، حرکت" ہے۔ مزید برآں، یہ لوگ حرکت کو محض تکرار نہیں سمجھتے تھے بلکہ اُسے ایک ترقی پسندانہ فروغ سمجھتے تھے، سادہ سے پیچیدہ میں، ادنیٰ سے اعلیٰ میں منتقلی سمجھتے تھے۔ بلینسکی نے کہا، "زندہ رہنے کا مطلب ہے فروغ پانا، آگے بڑھنا"۔ انقلابی جمہوریت پسندوں نے دنیا کی اشیا اور مظاہر میں اضداد کی جدوجہد کو نشوونما کا منبع سمجھا۔ یہ جدوجہد جدلیاتی نفی کی جانب لے جاتی ہے، قدیم کی جدید میں منتقلی کی جانب لے جاتی ہے۔ بلینسکی نے لکھا کہ ضروری ہے کہ جدید، قدیم کی نفی سے اُبھرے۔ انھوں نے اپنے تضادات کے نظریئے کو سماجی زندگی کے ایک تجزیئے پر منطبق کرنے اور اُسے طبقاتی جدوجہد میں استعمال کرنے کی کوشش کی۔ ہیگل کے برخلاف، جو طبقاتی تضادات کے درمیان مفاہمت کے امکان کو تسلیم کرتا تھا، ان لوگوں نے اِس بات پر زور دیا کہ تضادات میں مفاہمت نہیں ہوتی بلکہ وہ شدید جدوجہد کے ذریعے ختم ہو جاتے ہیں۔

مادیت اور جدلیات کی صراحت میں اپنی نمایاں کامیابیوں کے باوجود روسی انقلابی جمہوریت پسند ان دونوں (مادیت اور جدلیات) کو آپس میں ملاکر ایک واحد عالمی نقطۂ نظر کی تشکیل نہیں کر سکے، وہ اُن کا سماجی زندگی کے مظاہر پر استقامت کے ساتھ اطلاق نہیں کر سکے اور مادیت پسندانہ جدلیات کو قدرت، سماج اور فکر کے نشوونما کے عمومی ترین قوانین کی سائنس میں نہیں ڈھال سکے۔

سماج کے بارے میں اپنے خیالات کے اعتبار سے یہ لوگ عینیت پسند رہے۔ انھوں نے سماج کی زندگی میں مادی پیداوار کی فیصلہ کن اہمیت کو نہیں سمجھا، اگرچہ انھوں نے اُسے بہت اہمیت دی۔

زرعی غلامی، مطلق العنانی اور سرمایہ دارانہ نظم پر نکتہ چینی کرتے ہوئے یہ لوگ سوشلسٹ خیالات تک پہنچ گئے تھے۔ لیکن اُن کا سوشلزم یوٹوپیائی (خیالی) تھا۔ وہ یہ دیکھنے سے قاصر رہے کہ جاگیرداری کے مقابلے میں سرمایہ داری ترقی پسند تھی۔ اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ روس کسانوں کے ذریعہ سوشلزم تک پہنچ جائیگا اُن کا خیال تھا کہ جیسے ہی کسان مطلق العنانی اور زرعی غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہو جائے گا، ویسے ہی وہ سوشلسٹ سماج کا مرکز بن جائے گا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ کسان سوشلزم کا مرکز نہ تو ہو سکتا تھا اور نہ ہوا۔ پرولتاریہ واحد پُراستقامت انقلابی طبقہ ہے اور سوشلسٹ تبدیلیاں لانا اُسی کا کام ہے۔ چونکہ روس نے سرمایہ دارانہ راہ ترقی پر دیگر یورپی ممالک کے مقابلے میں دیر سے قدم رکھا تھا اِس لئے اُنیسویں صدی کے نصفِ آخر میں روسی پرولتاریہ اپنی تعداد کے لحاظ سے چھوٹا تھا اور نتیجتہً یہ ایک عظیم انقلابی قوت نہیں تھا۔

روسی مفکرین پرولتاریہ سے واقف نہیں تھے اور اس کے انقلابی رول کو نہیں سمجھتے تھے۔ وہ یوٹوپیائی خیالات میں اُلجھے ہوئے تھے، اگرچہ اُن کا یوٹوپیائی سوشلزم مغربی سوشلزم سے کافی حد تک مختلف تھا۔ اُن کے سوشلزم میں انقلابی جمہوریت شامل تھی، یہ ایقان شامل تھا کہ سوشلزم صرف انقلابی جدوجہد کے ذریعے، عوام کی مسلح بغاوت کے ذریعے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ بلینسکی نے لکھا کہ مستقبل کا سوشلسٹ سماج، "میٹھے اور پُرجوش الفاظ کے ذریعے نہیں" بلکہ "قول و فعل کی دُودھاری تلوار کے ذریعے" قائم ہوگا۔

روسی انقلابی جمہوریت پسندوں کا عالمی نقطۂ نظر مادیت کے فروغ میں ایک مزید قدم کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ وہ مادیت تھی جو صداقت کی جانب رویے کے جدلیاتی طریق کار کے ساتھ وابستہ تھی، جو اپنی آزادی کے لئے جدوجہد کرنے والے مظلوم کسانوں کی خدمت کے لئے مامور کر دی گئی تھی اور جس کی بنیاد اس دور کی قدرتی سائنس پر تھی۔ اگرچہ روسی مادیت پسندوں کی جدلیات ایک ہم آہنگ منطقی نظام کی تشکیل نہیں کرتی تھی، تاہم اسکی قدر و قیمت سماجی کارنے کے لئے، انقلاب کے کار کے لئے، اس کی خدمات میں پوشیدہ تھی۔ اُنیسویں صدی کے روسی مادیت پسندانہ فلسفے نے ایک عالمی سائنسی نقطۂ نظر کے فروغ میں نمایاں حصہ لیا۔

تیسرا باب

مارکسی فلسفے کا فروغ

مارکسزم کے فلسفے کو مزدور طبقے کے عظیم رہنماؤں کارل مارکس (۱۸۱۸-۱۸۸۳ء) اور فریڈرک اینگلز (۱۸۲۰-۱۸۹۵ء) نے تخلیق کیا۔ کیا یہ فلسفہ محض اپنے بانیوں کی اعلیٰ ذہانتوں کا نتیجہ ہے یا یہ ایک عہد کی پیداوار ہے، وقت کی علامت ہے؟ کس چیز نے اسے وجود بخشا؟

مارکسی فلسفے کا ظہور تاریخی نشوونما کا فطری نتیجہ ہے۔ اسے سماجی معاشی حالات نے جنم دیا اور قدرتی سائنس کی بعض شاخوں اور فلسفے نے اسے صورت پذیر ہونے میں مدد دی۔

۱۔ مارکسی فلسفے کے ظہور کیلئے حالات اور ضروری شرائط

سماجی معاشی حالات: اُنیسویں صدی کے وسط میں بہت سے ممالک میں سرمایہ داری نے جاگیرداری کی جگہ لے لی تھی۔ سرمایہ داری اپنے ساتھ پیداوار کی زبردست پیش قدمی اور ٹیکنولوجی، سائنس اور ثقافت کی تیز رفتار ترقی بھی لے کر آئی۔

سرمایہ داری نے اس طبقے کو بھی جنم دیا جو سرمایہ دارانہ نظام کو ختم کرنے والا اور سوشلسٹ اصلاحات نافذ کرنے والا طبقہ تھا۔ یہ طبقہ پرولتاریہ (صنعتی مزدوروں کا طبقہ) تھا۔ بورژوازی کے استحصال کا شکار اور بنیادی انسانی حقوق سے محروم مزدور طبقہ اپنے غلام بنانے والوں کے خلاف شدید جدوجہد میں معروف ہو گیا۔ سرمایہ داری کے تحت طبقاتی تضادات غیر معمولی طور پر شدید ہو گئے اور اُن کا اظہار بورژوازی کے خلاف پرولتاریہ کے راست اقدامات میں ہوا۔ فرانس میں لیونز کے مزدور اور جرمنی میں سلیسین پارچہ باف اُٹھ کھڑے ہوئے اور برطانیہ میں چارٹسٹ تحریک پھیل گئی۔ مزدور بہتر حالات، زیادہ اُجرتوں، مختصر یومِ کار وغیرہ کا مطالبہ کرتے تھے لیکن اس دور میں اُن کے اقدامات غیر منظم اور خودرَو نوعیت کے تھے۔ مزدور ابھی تک اُن حتمی مقاصد کو نہیں سمجھ پائے تھے جن کے لئے اُنھیں لڑنا چاہیئے تھا، وہ اپنے طبقاتی دشمنوں کے خلاف جدوجہد کے حقیقی اور مؤثر طریقوں سے واقف نہیں تھے۔ ان تمام چیزوں نے پرولتاریہ کی تحریک میں رکاوٹ ڈالی اور اسے کامیابی

حاصل کرنے سے روکا۔ ایک ایسے سائنسی نظریئے کی فوری ضرورت تھی جو پرولتاریہ کو سماجی نشوونما کے قوانین سے واقف ہونے، سرمایہ داری کے ناگزیر زوال کو سمجھنے اور اپنے اس مشن سے آگاہ ہونے کا اہل بنا سکے کہ وہ (پرولتاریہ) بورژوازی کی قبر کھودنے والا اور ایک نئے، سوشلسٹ سماج کی تعمیر کرنے والا (طبقہ) ہے۔

پرولتاری تحریک کے فروغ نے سائنس کے سامنے زبردست اہمیت کا حامل ایک فریضہ پیش کیا یعنی سرمایہ داری کے خلاف اور سوشلزم کی حمایت میں پرولتاریہ کی جدوجہد میں پرولتاریہ کے لئے ایک انقلابی نظریئے کی تخلیق کرنے اور ایک نظریاتی ہتھیار ڈھالنے کا فریضہ۔ اور سائنس نے، مارکس اور اینگلز جیسے اپنے نمائندوں کے ذریعہ، تاریخ کی اس اہم ضرورت کو پورا کیا۔ مارکسزم کی تخلیق عمل میں آئی اور مارکسی فلسفہ، یعنی جدلیاتی اور تاریخی مادیت، مارکسزم کا جزو لازم اور اس کی نظریاتی بنیاد ہے۔

قدرتی سائنس اور نظریاتی منابع کی ضروری شرائط

قدرتی سائنس اور فلسفیانہ فکر کے تمام تر فروغ نے مارکسی فلسفے کے لئے راہ ہموار کی۔ انیسویں صدی میں قدرتی سائنس کا فروغ غیرمعمولی طور پر تیز تھا۔ قدرتی سائنس اب حقائق کو جمع کرنے والی اور الگ الگ اشیا کا مطالعہ کرنے والی سائنس نہیں رہی بلکہ اس نے ایک نظریاتی سائنس کی حیثیت اختیار کر لی جو ان حقائق کی تشریح کرنے اور ان کے درمیان تعلق قائم کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ قدرتی سائنس میں دنیا کی وحدت اور اس کے تاریخی نشوونما کے بارے میں مابعد الطبیعات کی جگہ جدلیاتی نظریات نے لے لی۔

قدرت کے بارے میں مابعد الطبیعاتی نظریات پر پہلا حملہ کانت نے کیا تھا جس کے بنیادی فرضیے میں یہ بات کہی گئی تھی کہ زمین اور نظام شمسی ازلی نہیں ہیں بلکہ مادے کے طویل نشوونما کا نتیجہ ہیں۔ علم ارضیات، وہ علم جو قشر ارض کے نشوونما کا پتہ لگاتا ہے، بعد میں ظہور پذیر ہوا اور طبعیات، کیمیا، حیاتیات اور دیگر سائنسوں نے بہت تیز رفتاری کے ساتھ ترقی کی۔

قدرتی سائنس کی تین اہم دریافتیں قدرت کے بارے میں جدلیاتی مادیت پسندانہ نقطۂ نظر کی تشکیل کرنے اور اسے ثابت کرنے میں خاص طور پر اہمیت رکھتی تھیں۔ یہ تھیں، توانائی کی ہمیشگی اور تبدیلی کے قانون کی دریافت، زندہ عضویوں کے خلیے دار ڈھانچے کے نظریئے کی دریافت اور ڈارون کا نظریۂ ارتقا۔

توانائی کی ہمیشگی اور تبدیلی کا قانون، جسے روسی سائنس داں لومونوسوف، جرمن سائنسداں میئر اور برطانوی ماہر طبعیات جول نے الگ الگ دریافت کیا تھا، دنیا کی مادی وحدت اور مادے اور حرکت

کی غیر فنا پذیری کو قائل کُن طور پر ثابت کرتا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ قانون یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ مادّہ اور حرکت کیفیتی لحاظ سے متنوع ہیں، وہ تبدیل پذیر ہیں اور ایک شکل سے دوسری شکل میں ڈھل جانے کے اہل ہیں۔
زندہ بافت کے خلیہ دار ڈھانچے کے نظریئے نے، جسے روسی ماہرِ علم نباتات گوریانی نوف، چیکوسلواکیہ کے ماہر علم نباتات پورکن اور جرمن سائنس دانوں شلیڈن اور شوان نے پیش کیا تھا، یہ ثابت کیا کہ ایک مادی عنصر یعنی خلیہ کسی بھی کم یا زیادہ پیچیدہ عضویئے کی بنیاد ہے۔ خلیہ کی اس صلاحیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہ وہ بدل سکتا ہے، ان مفکروں نے عضویوں کو بہتر طور پر سمجھنے کی راہ کھول دی۔
عظیم برطانوی سائنس داں چارلس ڈارون نے اپنے نظریۂ ارتقا کے ذریعہ اس تصور کا خاتمہ کر دیا کہ پودوں اور حیوانات کی انواع اتفاقی ہیں، اُن کا کسی چیز سے تعلق نہیں، یہ آسمانی تخلیق ہیں اور ناقابل تغیر ہیں۔ ڈارون نے ثابت کیا کہ پیچیدہ اعلیٰ تر عضویوں کی سادہ، ادنیٰ تر عضویوں سے تشکیل پائی تھی، آسمانی خواہش کے تحت نہیں بلکہ خود قدرت میں فطری طور پر موجود قدرتی انتخاب کے قوانین کے عمل کے ذریعے۔ ڈارون نے یہ بھی ثابت کیا کہ انسان بھی زندہ مادّے کے طویل ارتقا کی پیداوار ہے۔ اس چیز نے جدلیات کے بنیادی تصور کی۔ نشو ونما کے تصور کی، ادنیٰ سے اعلیٰ تر اور سادہ سے پیچیدہ تر میں منتقلی کے تصور کی توثیق کی۔
قدرتی سائنس کی کامیابیوں کے علاوہ اس دور کی فلسفیانہ فکر کا فروغ بھی مارکسی عالمی نقطۂ نظر کو متشکل کرنے میں زبردست اہمیت کا حامل تھا۔ مارکس اور اینگلز نے جدلیاتی اور تاریخی مادیت پر کام کرتے ہوئے فلسفے کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا اور فلسفیانہ فکر نے صدیوں کے دوران جو بہترین باتیں پیش کی تھیں، اُن کا استعمال کیا۔ انیسویں صدی کا جرمن کلاسیکی فلسفہ، خاص طور سے ہیگل اور فیورباخ کا فلسفہ فی الحقیقت مارکسی فلسفے کا براہِ راست، نظریاتی منبع ہے۔
مارکس اور اینگلز سیدھے جدلیاتی مادیت تک نہیں پہنچ گئے تھے، بلکہ اس تک پہنچنے کے لئے انہیں ایک پُر پیچ راستہ طے کرنا پڑا تھا۔ اپنی نوجوانی کے زمانے میں وہ ہیگل کے عینیت پسندانہ فلسفے میں کشش محسوس کرتے تھے جو اس زمانے میں جرمنی میں وسیع پیمانے پر پھیلا ہوا تھا۔
سیاست میں مارکس اور اینگلز نے انقلابی جمہوریت پسندوں، سارے محنت کش عوام کے مفادات کے عَلَم برداروں کی حیثیت سے آغاز کیا۔ جاگیردارانہ پروشین ریاست پر سخت تنقید کرتے ہوئے وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ صرف ایک عوامی ریاست ہی آبادی کی محنت کش اکثریت کے مفادات کی ترجمانی کر سکتی ہے۔

فیورباخ کی مادیت نے مارکس اور اینگلز پر گہرا اثر ڈالا اور ہیگل کی عینیت کو مسترد کرنے اور پُر استقامت مادیت پسند بننے میں اُن کی مدد کی۔ اگرچہ انہوں نے فیورباخ کے فلسفے کو استعمال کیا، تاہم وہ اُسکے تاملی کردار سے اور زندگی اور عوام کی جد وجہد آزادی سے اُسکی علاحدگی سے مطمئن نہ تھے۔ مارکس اور اینگلز کو اس امر کا پختہ یقین تھا کہ اہم فلسفیانہ اور سماجی مسائل کو لازماً عمل میں، انقلابی، سیاسی جد وجہد میں حل کیا جانا چاہئے نہ کہ محض مطالعے میں۔

محنت کش عوام کی جانب سے کی جانے والی سماجی اور سیاسی جد وجہد میں شرکت اور قدرتی سائنس، فلسفے اور تاریخ کے گہرے مطالعے نے مارکس اور اینگلز کو ایک طرف تو اس امر کا قائل کر دیا کہ عینیت کی حقیقت میں کوئی بنیاد نہیں اور ساتھ ہی اُنھیں مزدور طبقے کا محکم حامی بنا دیا۔

اپنے فلسفے کی بنیاد رکھتے ہوئے مارکس اور اینگلز نے ہیگل کی جدلیات اور فیورباخ کی مادیت کا تنقیدی انداز میں جائزہ لیا۔ اُنھیں بہت سے غیر سائنسی مواد سے پاک کیا اور انھیں پرولتاریہ کی انقلابی جد وجہد کے وسیع تجربے اور جدید ترین سائنسی کامیابیوں سے مالا مال کیا۔

جدلیاتی اور تاریخی مادیت کی تشکیل کر کے مارکس اور اینگلز نے فلسفے کی دُنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔

۲۔ فلسفے میں مارکسی انقلاب

اِس امر کا جائزہ لے کر کہ مارکس اور اینگلز کے فلسفے میں کون سی نئی بات ہے اور اُن نئی کیفیتی خصوصیات کا مطالعہ کر کے جو اس فلسفے کو پہلے کے فلسفیانہ نظاموں سے ممتاز کرتی ہیں، اس انقلاب کی نوعیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

سب سے پہلے تو یہ فلسفہ اپنی طبقاتی نوعیت کے لحاظ سے، سماجی زندگی میں اپنے رول کے اعتبار سے ماضی کے فلسفیانہ نظاموں سے مختلف ہے۔

مارکس سے پہلے کے فلسفے، محض چند ایک کو چھوڑ کر، استحصال کرنے والوں کے مفادات کی عکاسی کرتے تھے اور اسی وجہ سے وہ محنت کش عوام کے مفادات میں دُنیا کی تعمیر نو کے مقصد کو سامنے نہیں رکھتے تھے۔

مارکسی فلسفہ بالکل مختلف ہے۔ یہ سب سے زیادہ ترقی پسند طبقے یعنی پرولتاریہ اور تمام تر محنت کش عوام کے مفادات کی عکاسی کرتا ہے۔ مارکس اور اینگلز نے فلسفے کے محض بانی نہیں تھے بلکہ پرولتاریہ کی

بڑھتی ہوئی انقلابی تحریک کے لیڈر بھی تھے۔ انہوں نے بتایا کہ محنت کش عوام کی نجات کا واحد راستہ صرف سوشلسٹ انقلاب اور پرولتاریہ کی آمریت کا راستہ ہے۔

مظلوم طبقے، یعنی پرولتاریہ کی حمایت کر کے مارکس اور اینگلز نے ایک ایسے فلسفے کی تخلیق کی جو سرمایہ داری کے خلاف جدوجہد میں اُس کا روحانی ہتھیار ہے، زندگی کی تشکیلِ نو کا ایک طاقتور آلہ ہے۔ اس چیز نے سماجی نشوونما میں فلسفے کے رول میں بے پایاں اضافہ کر دیا۔ یہ فلسفہ محنت کش عوام کے ذہنوں کو مسخر کر کے ایک زبردست مادی قوت بن گیا۔ مارکس نے جدلیاتی اور تاریخی مادیت کی بنیادی امتیازی خصوصیت کو بیان کرتے ہوئے کہا، "فلسفیوں نے دنیا کی مختلف طریقوں سے محض تفسیر کی ہے، لیکن نکتہ یہ ہے کہ اسے (دنیا کو) تبدیل کیا جائے۔" مارکسی فلسفہ طاقتور اس وجہ سے ہے کیونکہ یہ عملی زندگی سے نامیاتی طور پر وابستہ ہے، کیونکہ یہ سرمایہ داری کے خلاف اور سوشلزم اور کمیونزم کی حمایت میں مزدور طبقہ کی جدوجہد کی خدمت بجا لاتا ہے۔

مادیت اور جدلیات کا نامیاتی اتحاد فلسفے میں مارکسی انقلاب کی اہم ترین خصوصیت ہے۔ فلسفے کی تاریخ سے ہم یہ بات جانتے ہیں کہ مادیت اور جدلیات، دونوں ہی کا آغاز مارکس سے بہت پہلے ہو چکا تھا لیکن پرانے فلسفے کی غلطی یہ تھی کہ مادیت اور جدلیات کو ایک دوسرے سے الگ رکھا گیا تھا۔ ہیگل جدلیات پسند تھا لیکن وہ مادیت پسند نہیں تھا۔ فیورباخ مادیت پسند تھا لیکن جدلیات پسند نہیں تھا۔ مارکس اور اینگلز نے جدلیات اور مادیت کے درمیان خلیج کو پُر کیا اور ایک جدلیاتی۔ مادی عالمی نقطۂ نظر کی صورت میں اُن کو متحد کر دیا۔

مارکسزم کے ظہور نے سماج کے بارے میں نظریات میں بھی ایک انقلاب برپا کر دیا۔

مارکس سے پہلے کے فلسفی سماجی نشوونما کو عینیت پسندانہ انداز میں دیکھتے تھے۔ وہ انسانوں کے خیالات کو اور اُن کے شعور کو اس نشوونما کی محرک قوتیں گردانتے تھے۔ مارکس اور اینگلز نے اس کے برخلاف تاریخ کا مادی تصور پیش کیا۔ انہوں نے ہی فلسفے کے بنیادی سوال کو، وجود کے ساتھ خیال کے تعلق کے سوال کو، پہلی مرتبہ اٹھایا اور سماج کے ناتے سے اس کا صحیح حل پیش کیا۔ انہوں نے ثابت کیا کہ انسانوں کا سماجی شعور اُن کے وجود کا تعین نہیں کرتا، بلکہ اس کے برعکس سماجی وجود، اور خاص طور سے مادی اقدار کی پیداوار وہ چیز ہے جو سماجی شعور کا تعین کرتی ہے، یہ کہ سماج کے نشوونما کا انحصار مادی

اسباب پر ہوتا ہے، نہ کہ لوگوں کے خیالات، خواہشات اور ارادوں پر۔ نتیجتہً سماج کی تاریخ کو مظاہر کے ایک گڈمڈ مجموعے کے بجائے قوانین کا پابند ایک ایسا فطری سلسلۂ عمل سمجھا جانے لگا جس میں بعض ادنیٰ تر طرز ہائے پیداوار کی جگہ اعلیٰ تر طرز ہائے پیداوار لے لیتے ہیں۔ مزید برآں یہ ثابت ہو گیا کہ یہ تبدیلی اتفاقی نہیں ہوتی، بلکہ معروضی قوانین کے مطابق ہوتی ہے جو انسان کی خواہش اور اس کے شعور کے پابند نہیں ہوتے۔

مارکسی فلسفے کی جانب داری: بورژوا فلسفی اکثر اوقات یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اُن کا فلسفہ "غیر جانب دار" ہے، یعنی یہ فلسفہ تمام لوگوں کے مفادات کی آئینہ داری کرتا ہے خواہ وہ کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتے ہوں۔ لیکن اُن میں سے بہت سے فلسفی سماجی تنازعے کے وقت سرمایہ داروں کی حمایت کرتے ہیں، ذاتی ملکیت کا دفاع کرتے ہیں اور استحصال اور جنگ کو جائز ثابت کرتے ہیں، کیونکہ غیر جانب داری کے بہروپ میں وہ بورژوا فلسفے کے طبقاتی، جانب دارانہ کردار کو چھپاتے ہیں۔

بورژوازی کے نظریہ سازوں کے برخلاف مارکسزم۔لیننزم کے بانیوں نے فلسفے اور سیاست کے درمیان قریبی رابطے کا اور مخصوص سماجی طبقات اور پارٹیوں کے مفادات کا کھلم کھلا اعلان کیا۔ فلسفہ ایک خاص عہد کی اور ایک خاص طبقے کی پیداوار ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ ہمیشہ اس عہد کی ضروریات کا اظہار کرتا ہے اور اس طبقے کے مفادات کا دفاع کرتا ہے۔ فلسفے میں جانبداری کا مطلب ہے خاص سماجی قوتوں کی خدمت بجا لانا۔ مارکسی فلسفے کی جانب داری کا مطلب یقیناً یہ نہیں ہے کہ ایک مارکسی فلسفی لازماً کمیونسٹ پارٹی کا رکن ہو بلکہ ضروری یہ ہے کہ وہ محنت کش عوام کے مفادات کا علمبردار ہو۔

مارکسی فلسفہ بورژوازی کے خلاف مزدور طبقے کی جدوجہد میں اس طبقے کے روحانی ہتھیار کے طور پر اُبھرا۔ اِس فلسفے کی پرولتاری جانب داری سب سے بڑھ کر تو مزدور طبقے کے لئے محنت کش عوام کے لئے اُس کی بے لوث خدمت میں اور رجعت پرست بورژوازی کی جانب اس کی عدم مفاہمت میں مضمر ہے۔ جیسا کہ لینن نے لکھا، فلسفے میں جانب داری کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی روش پر گامزن رہیں اور اپنی مخالف قوتوں اور طبقات کی پوری روش کے خلاف لڑیں۔

فلسفے میں جانب داری کا تقاضا ہے کہ مادیت اور عینیت کے درمیان جدوجہد میں جو دو ہزار سال سے زیادہ سے جاری ہے، ایک خاص موقف اختیار کیا جائے۔ آج یہ جدوجہد ختم ہونے کے بجائے بہت زیادہ شدید

ہوگئی ہے اور اس کا اظہار جدلیاتی مادیت اور عینیت پسندانہ فلسفے کے درمیان خوفناک تصادم میں ہوتا ہے۔
مارکسی لیننی فلسفے میں جانبداری کا مطلب ہے پُراستقامت مادیت پسندانہ موقف پر سختی کے ساتھ قائم رہنا، جدلیاتی اور تاریخی مادیت کو ہر طرح سے فروغ دینا، مارکسزم کی مخالف ہر آئیڈیالوجی، عینیت اور کلیسائیت کے ہر مظاہرے کے خلاف جنگ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا۔ موجودہ دور میں، جبکہ ساری دنیا دو نظریوں، سوشلسٹ نظریئے اور بورژوا نظریئے کے درمیان شدید جدوجہد کا میدان بن گئی ہے، جبکہ بورژوازی مارکسزم کے فلسفے کے خلاف لڑنے کے لئے عینیت اور کلیسائیت کی شستہ ترین شکلیں استعمال کر رہا ہے، یہ مطالبہ خاص طور پر اور بھی برمحل ہو گیا ہے۔

مارکسزم کے ترمیم پسند بورژوا نظریہ سازوں کی پیروی کرتے ہوئے، فلسفہ میں جانبداری کے مارکسی۔ لیننی اصول کو مسخ کرتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سائنسی اور معروضی طریق کار میں جانبداری قطعی ناموزوں ہے۔ مزید برآں، وہ بورژوا آئیڈیالوجی کو ایک ایسے فلسفے کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں جو طبقات سے بالاتر ہے اور چنانچہ وہ اُسے واحد سائنسی آئیڈیالوجی قرار دیتے ہیں۔ وہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اس آئیڈیالوجی کے خلاف جدوجہد ترک کر دی جائے کیونکہ یہ اُن کے دعوے کے مطابق، عمومی انسانی علم پر مشتمل ہے جو سماج کے تمام طبقات کے لئے مفید بھی ہے اور جس کی انھیں ضرورت بھی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بورژوازی سماجی نشوونما کے قوانین کی مسلسل ایک غلط تصویر پیش کر رہا ہے تاکہ سرمایہ داری کو اس زوال سے بچایا جا سکے جو تاریخی طور پر اس کا مقدر ہو چکا ہے۔ دوسری طرف پرولتاریہ دنیا کی تعمیر نو کر رہا ہے اور اس مقصد کے لئے اُسے حقیقی قوانین کے علم کی ضرورت ہے۔ چنانچہ پرولتاریہ سائنس کا حامی ہے کیونکہ صرف ایک سائنسی عالمی نقطۂ نظر ہی عمل کے ایک با اعتماد رہنما کا کام دے سکتا ہے۔ پرولتاریہ کا حتمی مقصد کمیونزم کی فتح ہے۔ اور کمیونزم کی جانب پیش قدمی جدید سماج کے نشوونما کا معروضی مافیہ (مواد) ہے۔ نتیجتہً، تاریخ کی معروضی روش اور پرولتاریہ کے طبقاتی مفادات مکمل طور پر ہم آہنگ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پرولتاریہ کے مفادات کے پُراستقامت دفاع اور سائنسی معروضیت کا امتزاج، مارکسی۔ لیننی فلسفے میں جانب داری کی ایک اہم خصوصیت ہے۔

۲۔ مارکسی۔لینِنی فلسفے کا تخلیقی کردار

مارکسزم کا فلسفہ ایسے ناقابلِ تغیّر اور غیر لچکدار اصولوں کا مجموعہ نہیں ہے جنہیں اندھے پن کے ساتھ اپنا لیا جانا چاہیئے، بلکہ یہ ایک تخلیقی، ترقی پذیر سائنس ہے۔ یہ فلسفہ ساکت و جامد نہیں ہے بلکہ یہ آگے بڑھتا ہے، زندگی کی مسلسل تبدیلی کے ساتھ قدم بہ قدم چلتا ہے، یہ سماج کے نئے نئے عملی تجربات اور سائنس کی کامیابیوں سے مالا مال ہوتا ہے۔

مارکسی فلسفہ اس وقت صورت پذیر ہوا جبکہ سرمایہ داری زور دل پر تھی، ترقی کر رہی تھی اور سماجی نشوونما نسبتاً آہستہ اور پُرسکون تھا۔ بیسویں صدی کی آمد کے ساتھ تاریخی صورتِ حال میں بنیادی تبدیلی پیدا ہوگئی اور سرمایہ داری اپنے آخری مرحلے، یعنی سامراج میں داخل ہوگئی، کیونکہ اس کے معاشی اور سیاسی تضادات انتہائی شدت اختیار کر گئے تھے۔ نسبتہً پُرامن نشوونما کے دور کی جگہ سماجی طوفانوں اور انقلابات نے لے لی۔

سماجی تعلقات میں بنیادی شکست و ریخت کا دور قدرتی سائنس میں ایک انقلاب کے دور کے ساتھ ہی وقوع پذیر ہوا۔ الیکٹرون اور تابکاری کی دریافت اور دیگر سائنسی کامیابیوں نے مادے اور اس کے خواص کے بارے میں پُرانے، مابعد الطبیعیاتی خیالات کے زوال کی راہ روشن کی۔

نئے حالات میں قدرتی طور پر مارکسی فلسفے کے تخلیقی فروغ کی ضرورت تھی۔ ضروری تھا کہ پرولتاریہ کی انقلابی جدوجہد اور قدرتی سائنس کی جدید ترین کامیابیوں کا خلاصہ کیا جائے۔ یہ چیز زیادہ اہم اس وجہ سے بھی تھی کیونکہ مارکسزم کی مخالف قوتیں زیادہ سرگرم ہوگئی تھیں اور انھوں نے جدلیاتی اور تاریخی مادیت پر اپنے حملے شدید کر دیئے تھے۔

انیسویں صدی کے اواخر میں بین الاقوامی انقلابی تحریک کا مرکز روس میں منتقل ہونے لگا جہاں ایک سماجی انقلاب پک رہا تھا۔ روس لینن ازم کی جنم بھومی تھا اور لینن ازم، نئے تاریخی دور کا، سامراجیوں اور پرولتاری انقلابیوں کے دور کا، سرمایہ داری سے سوشلزم میں منتقلی اور کمیونسٹ سماج کی تعمیر کے دور کا مارکسزم ہے۔ چنانچہ یہ محض ایک اتفاقی امر نہیں ہے کہ مارکسزم کا مزید تخلیقی نشوونما روسی اور عالمی پرولتاریہ کے رہنما، ولادیمیر ایلیچ لینن (۱۸۷۰ء۔ ۱۹۲۴ء) کے نام کے ساتھ ناقابلِ شکست طور پر وابستہ ہے۔

فلسفے میں لینن کا حصہ اس قدر عظیم اور پہلو دار ہے کہ فلسفیانہ فکر کی تاریخ میں ایک پورے مرحلے کی تشکیل کرتا ہے۔

فلسفے کا لینینی مرحلہ۔ فلسفے کی فروغ میں لینینی مرحلہ انیسویں صدی کے اواخر سے لیکر آج تک کے دور پر محیط ہے۔

لینن نے نئے تاریخی حالات میں جدلیاتی اور تاریخی مادیت کو سربلند کیا اور اُسے مزید فروغ دیکر فلسفے کی زبردست خدمات انجام دیں۔ اُن کا انقلابی کام پرولتاریہ کی انقلابی جدوجہد اور سوویت یونین میں سوشلزم کی تعمیر سے براہِ راست وابستہ تھا۔ لینن نے مارکسی فلسفے میں نہ صرف اضافہ کیا بلکہ اُس کے اصولوں کے عملی اطلاق کی بھی رہنمائی کی۔ اُنھوں نے کمیونسٹ پارٹی کی، ایک نئی انقلابی نوعیت کی پارٹی کی بنیاد ڈالی۔ اُن کی پارٹی کی رہنمائی میں رُوس کے مزدوروں اور کسانوں نے سرمایہ داری کا خاتمہ کر دیا اور دنیا کی پہلی سوشلسٹ ریاست قائم کی۔ لینن نے سوشلزم کی تعمیر کا منصوبہ بنایا اور وہ اپنی زندگی کے آخری دنوں تک اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں عوام اور پارٹی کی رہنمائی کرتے رہے۔

نئے تاریخی عہد نے مزدور طبقے اور اسکی مارکسی پارٹی کے سامنے یہ فریضہ پیش کیا کہ سماج کی ایک انقلابی انداز میں تعمیرِ نو کی جائے، سرمایہ داری کا خاتمہ کیا جائے اور سوشلزم کی تعمیر کی جائے۔ چنانچہ اس چیز کے پیشِ نظر لینن سماجی نشوونما کے قوانین کے تجزیئے پر اور، بنیادی طور پر، سامراج کی فطرت کے مطالعے پر، خاص توجہ دیا کرتے تھے۔ تبدیل شدہ تاریخی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے لینن نے سوشلسٹ انقلاب کے مارکسی نظریئے کو مزید فروغ دیا۔ اور اس چیز نے سماجی نشوونما کی روش پر زبردست اثر و نفوذ مرتب کیا۔

لینن نے طبقات اور طبقاتی جدوجہد، پرولتاریہ کی آمریت اور اسکی شکلیں، تاریخ میں عوام کے رول اور مزدور طبقے کی پارٹی کے رول وغیرہ کے بارے میں مارکسی تعلیمات میں اضافہ کیا۔

اُنھوں نے جدلیات کے مسائل کی صراحت میں زبردست کام کیا۔ ہر اقسام کے مابعد الطبیعات پسندوں کے خلاف جدوجہد میں اُنھوں نے مادی جدلیات کے قوانین اور مقولوں کے مارکسی نظریئے کو برقرار رکھا اور اُسے مزید فروغ دیا۔ اُنھوں نے جدلیات کے قلب، یعنی اضداد کے اتحاد اور جدوجہد کے قانون پر خصوصی توجہ دی۔

لینن نے علم کے جدلیاتی مادی نظریے کو فروغ دیا۔ انھوں نے قدرتی سائنس کے اُس بحران کا تجزیہ کیا جو جدید ترین سائنسی دریافتوں کے نتیجے میں انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں ابھرا تھا۔ انھوں نے کہا کہ صرف مادی جدلیات ہی اس بحران کو دور کر سکتی ہے۔

لینن نے رجعت پرست آئیڈیالوجی، ترمیم پسندی اور عقیدہ پرستی کے خلاف مسلسل جدوجہد کی۔ ترمیم پسندی اور عقیدہ پرستی کی بنیادی خصوصیات کو بے نقاب کر کے اور اُن کے فروغ کے رجحانات کی طرف اشارہ کر کے انھوں نے مارکسسٹوں کو ترمیم پسندوں اور عقیدہ پرستوں کے خلاف جدوجہد کے لئے مسلح کیا۔

مارکسزم لینن ازم کا فلسفہ رجعت پرست آئیڈیالوجی، عینیت اور کلیسائیت کے خلاف شدید جدوجہد کے عمل کے دوران فروغ پاتا ہے۔ صدیوں سے فلسفے کے نشوونما کے ساتھ جو فلسفیانہ کشمکش مادیت اور عینیت کے کیمپوں میں ہوتی ہے وہ ختم نہیں ہوتی ہے۔ آج ان رجحانات کی جنگ ترقی پسند اور رجعت پسند طبقاتی قوتوں کے درمیان جدوجہد کی عکاسی کرتی ہے۔

انقلابی پرولتاریہ اور محنت کش عوام کے عالمی نقطۂ نظر کی حیثیت سے مارکسی لیننی مادیت پسندانہ فلسفہ سامراج، رجعت پسندی کے خلاف اور سوشلزم اور ترقی کی حمایت میں کی جانے والی جدوجہد میں ایک طاقتور ہتھیار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے برعکس سامراجی بورژوازی کا عینیت پسندانہ فلسفہ ہے جس کا مقصد سرمایہ داری کا دفاع کرنا، محنت کش عوام کو عینیت کی گرفت میں رکھنا، مارکسزم لینن ازم کی تردید کرنا اور حقیقت اور سائنسی کمیونزم کے نظریات کو لوگوں میں مقبول ہونے سے روکنا ہے۔

معاصر بورژوا فلسفے میں بہت سے رجحانات اور مکاتیب موجود ہیں لیکن اُن کے درمیان اختلافات بنیادی نوعیت کے نہیں ہیں۔ اپنی اصل جوہر کے لحاظ سے یعنی اپنے عینیت پسندانہ جوہر اور سامراجی رجعت پسندی کی خدمت گزاری کے لحاظ سے وہ سب ایک جیسے ہیں۔ ان میں سے بعض رجحانات تو عینیت پسندی، تصوف اور سائنس سے نفرت کی کھلم کھلا وکالت کرتے ہیں۔ دوسرے رجحانات بھی سب کچھ زیادہ شستہ طریقوں سے کام لیتے ہیں۔ وہ سائنس کی جدید ترین کامیابیوں کو اس مقصد کے لئے استعمال کرنے کی اور تحقیق کو سامراجی نظریات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بعض دیگر رجحانات ازمنۂ وسطیٰ کی مدرسیت کو دوبارہ جاری کرنا چاہتے ہیں اور فرسودہ کلیسائی عقائد کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

عہدِ حاضر کے بورژوا نظریہ سازوں کی کوششوں کے باوجود یہ رجحانات مارکسی۔ لینینی نظریئے کی نفی کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکینگے۔

مارکسزم کا فلسفہ اب سوشلسٹ ممالک میں جاری وساری عالمی نقطۂ نظر کی حیثیت رکھتا ہے اور سوشلسٹ ملکوں کی آبادی ایک ارب سے زیادہ ہے۔ جدلیاتی مادیت سرمایہ دار ملکوں میں بھی لوگوں کے دل و دماغ کو بتدریج مسخر کرتی جارہی ہے اور ساری دنیا کے ایماندار لوگ زیادہ سے زیادہ تعداد میں مارکسزم کے حامی بنتے جارہے ہیں اور عینیت کے دیوالیہ پن اور سماجی ترقی اور سائنس کے فروغ کے ساتھ اس کی عدم مطابقت کے قائل ہوتے جارہے ہیں۔ اِس سلسلہ کی بہت سی مثالوں میں سے ایک مثال ممتاز جاپانی فلسفی کیجورویانا گیدا کی ہے جو طویل عرصے تک ایک عینیت پسند کی حیثیت سے جانے جاتے رہے، لیکن جو عملی تجربے کی راہ سے گزرکر برسہا برس تک سچائی کی تلاش کرنے کے بعد مارکسی بن گئے۔

جدلیاتی مادیت کو عصرِ حاضر کی قدرتی سائنس میں ایک روز افزوں مستحکم مقام حاصل ہوتا جارہا ہے۔ یہ نہ صرف سوشلسٹ ممالک کے سائنس دانوں کا، بلکہ سرمایہ دار ملکوں کے بہت سے سائنسدانوں کا بھی نقطۂ نظر بن گئی ہے۔ ممتاز فرانسیسی سائنسداں فریڈرک جولیٹ کیوری نے جدلیاتی مادیت کی حمایت کی تھی اور برطانوی سائنسداں جون برنل اور دیگر سائنسداں بھی اِس کے حامی ہیں۔

ہمارا دور مادیت کی فتح اور عینیت کے گہرے بحران اور انحطاط کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ اور اگرچہ عینیت آج بھی مادیت پسندانہ فلسفے کے خلاف لڑ رہی ہے، لیکن اِس لڑائی کا انجام ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ مستقبل سائنسی، مارکسی۔ لینینی عالمی نقطۂ نظر کا ہے۔

حصۂ اوّل

جدلیاتی مادّیت

چوتھے سے نویں باب تک

مادّہ اور اس کے وجود کی شکلیں

مادّہ اور دماغ

جدلیاتی مادّیت، نشوونما اور آفاقی
رابطے کے نظریے کی حیثیت سے

مادی جدلیات کے بنیادی قوانین

مادی جدلیات کے مقولے

جدلیاتی مادّیت کا نظریۂ علم

چوتھا باب

مادّہ اور اُس کے وجُود کی شکلیں

ہم اِس بات سے واقف ہو چکے ہیں کہ جدلیاتی مادّیت کی اصل چیز فلسفے کا بنیادی سوال، مادّے کے ساتھ دماغ کے تعلق کا سوال ہے۔ آیئے ہم یہ دیکھیں کہ مادّہ آخر ہے کیا، اور یہ کن شکلوں میں وجود رکھتا ہے؟

۱۔ مادّہ کیا ہے؟

انسان کے گِرد انتہائی مختلف قسم کے لاتعداد اجسام موجود ہیں ان میں بیجان چیزیں، ایٹم کے خفیف ترین ذرات سے لے کر قوی الجثہ کائناتی اجسام تک، اور سادہ ترین زندہ عضویوں سے لیکر پیچیدہ ترین زندہ عضویوں تک سبھی کچھ شامل ہے۔ اُن میں سے بعض اشیا ہم سے قریب ہیں، ہم ان کے درمیان رہتے اور اُن کی موجودگی کو مسلسل محسوس کرتے ہیں، جبکہ بعض ہم سے بہت ہی زیادہ فاصلے پر ہیں۔ یہ اجسام متنوع ترین خواص اور کیفیات کے حامل ہیں۔

دنیا کے تنوع سے حیران ہو کر انسان نے بہت عرصہ پہلے اس امکان پر کافی غور کیا کہ گرد وپیش کے تمام اجسام ایک واحد بنیاد رکھتے ہیں۔

بتدریج، انسان کی عملی سرگرمیوں اور سائنس کی ترقی نے اس کو اس بات کا قائل کر دیا ہے کہ اشیا اور مظاہر ایک دوسرے سے خواہ کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں وہ سبھی کے سب مادّی ہیں لو انسان کے دماغ، اسکے شعور سے باہر اپنا آزادانہ وجود رکھتے ہیں۔ مثلاً قدرتی سائنس نے غیر متنازعہ طور پر یہ بات ثابت کر دی ہے کہ زمین، انسان اور زندگی کے ظہور میں آنے سے اربوں سال پہلے موجود تھی۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مادّہ اور قدرت معروضی ہیں اور انسان اور اس کے شعور سے آزاد ہیں، اور یہ کہ شعور بذاتِ خود مادّی دنیا کے طویل ارتقا کی محض ایک پیداوار ہے۔

ایک فلسفیانہ تصور یا مقولے کی حیثیت سے مادّہ تمام اشیا اور مظاہر میں موجود اس خصوصیت کا

اظہار کرتا ہے کہ وہ (اشیا اور مظاہر) معروضی حقیقت ہیں، وہ انسان کے شعور سے آزاد اپنا وجود رکھتے ہیں اور انسان کے شعور میں منعکس ہوتے ہیں۔

مادّہ کا مقولہ بیحد وسیع ہے۔ یہ کسی الگ الگ شے یا سلسلۂ عمل کا یا حتیٰ کہ اشیا اور مظاہر کے ایک گروپ کا احاطہ نہیں کرتا، بلکہ یہ معروضی صداقت کا مکمل طور پر احاطہ کرتا ہے۔ یہ وہ مقولہ ہے جو الگ الگ اشیا کی امتیازی خصوصیات، خواص اور پہلوؤں اور اُن کے تمام روابط اور تعاملات کا لحاظ نہیں کرتا اور اس چیز کا اظہار کرتا ہے جو (ساری اشیا میں) مشترکہ طور پر موجود ہے، جو ان سب کی بنیاد ہے، یعنی ان کی معروضیت، انسان کے دماغ سے آزاد اُن کا وجود۔

مادّے کا تصور نہ صرف معروضی دنیا کے عمومی خواص کے بارے میں بتاتا ہے، بلکہ یہ علم کا بھی ایک بنیادی مقولہ ہے۔ یہ اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ انسان دنیا کو سمجھنے کا اہل ہے، یہ ہمارے علم کے منبع کی جانب اشارہ کرتا ہے، یہ جدلیاتی مادیت کے نظریۂ علم کے اہم مسائل کے حل کے لئے بھی ایک بنیاد فراہم کرتا ہے۔

ہمارے گردوپیش کی دنیا کی معروضیت کا اعتراف اور اس امر کا اعتراف کہ انسانی دماغ اس دنیا کو سمجھ سکتا ہے، جدلیاتی۔ مادی عالمی نقطۂ نظر کے بنیادی اصولوں کی تشکیل کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مادّے کا تصور، جو ان بنیادی اصولوں کی عکاسی کرتا ہے، جدلیاتی مادیت کا اہم ترین مرکزی مقولہ ہے۔

مادّے کا تصور دیگر سائنسوں کیلئے، خاص طور پر قدرتی سائنس کے لئے بھی زبردست اہمیت کا حامل ہے۔ کوئی بھی سائنس اگر معروضی صداقت کے کسی نہ کسی پہلو کا مطالعہ نہ کرے تو یہ انسانی دماغ کی بے معنی ورزش بن کر رہ جائے گی۔

اپنی کتاب "مادیت اور تجربی تنقید" میں لینن نے مادّے کی سائنسی اور جامع تعریف کی ہے، "مادّہ ایک فلسفیانہ مقولہ ہے جو اس خارجی صداقت کو ظاہر کرتا ہے جسے انسان اپنے حواس کے ذریعے موصول کرتا ہے اور جس کی ہمارے حواس نقل کرتے، تصویر بناتے اور عکاسی کرتے ہیں، جبکہ وہ ہمارے حواس سے آزاد اپنا وجود رکھتا ہے۔"

لینن نے مادّے کی جو تعریف کی ہے وہ بے حد اہم ہے۔ یہ تعریف جو صدیوں کے انسانی تجربے کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے، ہمارے گردوپیش کی دُنیا کی صحیح تفہیم عطا کرتی ہے اور ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ ہم اپنے

علمی کام اور نظریاتی مطالعے میں خود صداقت کو، معروضی مادّی حالات کو بنیاد بنائیں، نہ کہ خود اپنے موضوعی خیالات کو۔ یہ تعریف اِس امر کا ادعا کرتی ہے کہ دنیا علم ہے، یہ انسانی عقل کے سامنے لامحدود امکانات کو روشن کرتی ہے، ذہن کو متحرک کرتی ہے اور کائنات کے عمیق ترین اسرار کی دنیا میں انسان کے داخلے میں مدد دیتی ہے۔

مادّے کی تعریف مادیت اور عینیت والا ادریت کے درمیان بنیادی اختلاف کی عکاسی کرتی ہے۔ اِس میں گہرا لامذہبی مفہوم بھی موجود ہے، کیونکہ یہ اِس قدیم مذہبی عقیدے کی اہمیت کو گھٹاتی ہے کہ دنیا کسی مافوق الفطرت قوت کی تخلیق ہے۔ بےشک، اگر مادّہ بنیادی اور دوامی ہے، تو پھر اُسے نہ تخلیق کیا جا سکتا ہے نہ برباد کیا جا سکتا ہے اور یہ ہر موجود شے کی باطنی اور حتمی علت ہے۔ ایک ایسی دنیا میں جہاں مادّہ بنیادی علت ہو، ہر چیز کی بنیادی اساس ہو، وہاں کسی مافوق الفطرت قوت کے لئے کوئی جگہ نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ عینیت اور کلیسائیت نے مادّے کو تسلیم کئے جانے کے خلاف ہمیشہ جدوجہد کی ہے۔ ماضی کے عینیت پسند، افلاطون سے لیکر برکلے تک، مادّے کے تصور کو "برباد" کرنے میں مصروف رہے، جبکہ آسٹریا کے فلسفی ارنسٹ ماش کے پیروؤں نے اُسکے خلاف "جہاد" بھی کیا۔ آج بھی بہت سے عینیت پسند اور ترمیم پسند موجود ہیں جو انہیں لوگوں کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ مادّے کے تصور پر کثیر الطرفہ حملوں کا مقصد یہ رہا ہے کہ مادیت کے بنیادی تصور کو کمزور کیا جائے۔ مادّہ کو فلسفے اور سائنس سے نکال باہر کیا جائے اور اس طرح کلیسائیت، عینیت اور لاادریت کے لئے راستہ صاف کر دیا جائے۔

لیکن یہ تمام حملے بالکل بے بنیاد ہیں۔ سائنسی ترقی اور انسان کے سارے علمی تجربے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مادّہ معروضی صداقت کے طور پر وجود رکھتا ہے اور یہ کہ یہ لامحدود اور دوامی ہے۔ تمام چیزیں، اشیا اور سلسلۂ عمل حرکت میں مادّے کی شکلوں کا اظہار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے گرد و پیش کی دنیا ایک واحد مادی دنیا ہے۔ لیکن جیسا کہ ذاتی تجربے اور سائنسی کامیابیوں سے ظاہر ہے، مادّے کی شکلیں متنوع ہیں۔ اِس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مادّی دنیا تنوع کی ایک وحدت ہے۔ مادّی دنیا میں کوئی ایک چیز بھی ایسی نہیں ہے، خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو، جو لاشے (ہیچ، کسی چیز کا نہ ہونا) سے جنم لے سکتی ہو یا کسی نشان کے بغیر غائب ہو سکتی ہو۔ ایک شے کی بربادی سے دوسری شے ظہور میں آتی ہے اور دوسری چیز سے کوئی تیسری چیز، اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے۔ ٹھوس چیزیں بدل جاتی ہیں، وہ ایک سے دوسری شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ لیکن اِس سلسلۂ عمل کے دوران مادّہ نہ تو غائب ہو جاتا ہے اور نہ ہی اسکی نئے سرے سے تخلیق عمل میں آتی ہے۔

مادے کا تصور اور سائنس ضروری ہے کہ مادے کے فلسفیانہ تصور کو دنیا کی اس تصویر سے کی پیش کردہ دنیا کی تصویر، جو سائنس کی پیش کردہ ہے، مادے کی ٹھوس شکلوں کے ڈھانچے، حالت اور خواص کے بارے میں سائنس کے پیش کردہ نظریات سے، ممتاز کیا جائے۔ اِن نظریات میں مسلسل تبدیلی ہوتی ہے، نشوونما ہوتا ہے اور بعض اوقات تو یہ بالکل ہی بدل جاتے ہیں لیکن یہ چیز مادے کی اِس فلسفیانہ تفہیم کی سچائی پر اثر انداز نہیں ہوتی کہ مادہ ایک معروضی صداقت ہے جو ہمارے شعور سے آزاد اپنا وجود رکھتا ہے۔

مادے کی "تردید" کرنے کی کوشش میں عینیت پسند مادے کے فلسفیانہ تصور کو ٹھوس مادی اجسام کے ڈھانچے کے بارے میں سائنس کے نظریات کے ساتھ جان بوجھ کر خلط ملط کرتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ ان نظریات میں تبدیلی، پرانے نظریات کا خاتمہ اور اُن کی جگہ نئے، زیادہ صحیح اور بہتر نظریات کی آمد، مادے کے "غائب ہو جانے" اور مادیت کے زوال کی عکاسی کرتی ہے۔

مثلاً مابعد الطبیعیاتی مادیت پسند کئی صدیوں تک ایٹم کو ہی مادہ سمجھتے رہے اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ ایٹم کے اندر کوئی چیز داخل نہیں ہو سکتی اور یہ کہ یہ ناقابلِ تقسیم ہے۔ لیکن اُنیسویں صدی کے اختتام پر سائنسدانوں نے الیکٹرون دریافت کر لیا جو ایٹم کا جزو ترکیبی ہوتا ہے۔ اور پھر دیگر ذرات کی دریافت بھی عمل میں آئی۔ نتیجۃً ایٹم، جسے صدیوں تک دنیا کی حتمی "ناقابلِ تقسیم اکائی" سمجھا جاتا رہا تھا، انسان کے سامنے ایک غیر معمولی طور پر پیچیدہ مظہر کی شکل میں ظاہر ہوا۔ الیکٹرون کے خواص ایٹم کے بہ حیثیتِ مجموعی خواص سے بالکل مختلف ثابت ہوئے۔ اِس چیز نے مابعد الطبیعیاتی انداز میں سوچنے والے ماہرینِ طبیعیات کو پریشان کر دیا، جب کہ عینیت پسند فلسفیوں کو، جنھوں نے اِس طرح پیدا ہونے والی مشکلات سے فائدہ اُٹھایا، ایٹم کی "عدم مادیت" اور مادے کے "غائب ہو جانے" کے بارے میں باتیں بنانے کا بہانہ ہاتھ آیا۔

اپنی کتاب "مادیت اور تجربی تنقید" میں لینن نے ان دعووں کے بودے پن کو ثابت کیا۔ انھوں نے یہ بتایا کہ جدید ترین سائنسی دریافتوں کے نتیجے میں مادہ غائب نہیں ہوا بلکہ اُن کے نتیجے میں مادے کی وہ حد ختم ہو گئی جس حد تک ہم اُس وقت مادے کو جانتے تھے۔ کل ہمارے علم کی حد ایٹم تک تھی، آج یہ الیکٹرون تک ہے، جبکہ کل یہ حد بھی ختم ہو جائے گی۔ ہمارا علم مادے کی گہرائیوں میں سرایت کرتا جا رہا ہے، اِس کے زیادہ سے زیادہ خواص کو، اسکے ڈھانچے کے لطیف تر پہلوؤں کو منکشف کرتا جا رہا ہے۔ الیکٹرون کی دریافت

کے نتیجے میں مادّے کی ایک نئی شکل منکشف ہوئی۔ لینن نے اپنے دور کی سائنس کی جدید ترین کامیابیوں کا خلاصہ دیتے ہوئے نتیجہ اخذ کیا کہ الیکٹرون بھی اسی طرح لافانی ہے جس طرح ایٹم اور قدرت لامحدود ہے۔

مادّے کے کیفیتی تنوع اور اس کے ڈھانچے اور خواص کے لافانی تنوع کے بارے میں لینن کے خیالات کی موجودہ سائنس اور بالخصوص طبیعیات کی دریافتوں نے مکمل طور پر توثیق کر دی ہے۔

جدید طبیعیات میں جوہر (مادہ) مادّے کی ایک شکل ہے۔ ہر وہ چیز جو ایک میکانکی کمیت کی حامل ہو، جوہر ہوتی ہے۔ انسان کے گرد و پیش نظر آنے والے تمام اجسام جوہر ہیں۔ یہ اجسام سالموں پر مشتمل ہوتے ہیں اور یہ سالمے ایٹموں کے حامل ہوتے ہیں۔ اجسام، سالموں اور ایٹموں میں بہت فرق ہے۔ لیکن جوہر کا کیفیتی تنوع یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ ایٹم بذاتِ خود بے حد پیچیدہ ڈھانچے کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ ابتدائی ذرات، پروٹون اور نیوٹرون پر مشتمل ہوتے ہیں جو مرکزہ کی تشکیل کرتے ہیں اور الیکٹرونوں پر مشتمل ہوتے ہیں جو مرکزے کے گرد زبردست رفتار کے ساتھ گردش کرتے ہیں۔ یہ اور دیگر "ابتدائی" ذرات جن سے سائنس واقف ہے (میسن، ہائپرون، نیوٹرون وغیرہ) جوہر کے خفیف ترین ذرات ہیں جن سے ہم آج واقف ہیں۔ انھیں ابتدائی کہا جاتا ہے، کیونکہ ابھی تک سائنس داں انھیں اور بھی چھوٹے حصوں میں منقسم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ ذرات بھی ایٹم کی طرح ایک پیچیدہ ڈھانچے کے حامل ہیں۔ یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ ابتدائی ذرات محض ایٹموں اور مرکزوں کے حصے کی حیثیت سے ہی موجود نہیں رہتے، بلکہ وہ آزاد حالت میں بھی وجود رکھتے ہیں۔ مثلاً ان میں سے بہت سے ذرات کائناتی شعاعوں میں موجود ہیں۔

جب لینن نے اپنی کتاب "مادیت اور تجربی تنقید" لکھی، تو اس وقت دنیا صرف ایک ابتدائی ذرے سے واقف تھی اور یہ تھا الیکٹرون۔ تب سے اب تک سائنس داں تیس سے زیادہ ذرات دریافت کر چکے ہیں جو متحرک اور متلون ہیں اور جن کی قلبِ ماہیت کو بدلا جا سکتا ہے۔ ماہرینِ طبیعیات نے نہ صرف ایٹم کے بہت سے ذرات دریافت کیے ہیں بلکہ ان کے خواص کے زبردست تنوع کا پتہ چلا کر یہ بھی ثابت کیا ہے کہ یہ ذرات، ایٹم کی طرح لافانی ہیں۔ آج الیکٹرون کو ایک حقیر، نہ بدلنے والا حلقہ نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس میں تواتر اور عدم تواتر، دونوں کے خواص موجود ہیں، یا ایک ذرے کے اور ایک لہر کے، دونوں کے خواص موجود ہیں، نیز ایک کمیتی مادّے، ایک الیکٹریکل چارج اور مقناطیسی معیارِ اثر کے خواص موجود ہیں۔

ابتدائی ذرات بھی اسی طرح کے وسیع خواص کے حامل ہیں۔

جوہر کا وجود کئی حالتوں میں ہو سکتا ہے۔ عام حالت میں ہم جوہر کو صرف ٹھوس، مائع یا گیس کی حالت میں پاتے ہیں۔ لیکن کائنات میں پلازما (حیاتیہ) وسیع ترین پیمانے پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ گیس کی حالت میں ہے اور برقی طور پر چارج شدہ ذرات، الیکٹرون اور آئیون پر مشتمل ہے۔ ستارے، سحابیئے (نیبولا) اور بین کوکبی گیس پلازما کی حالت میں ہیں جبکہ ٹھوس، مائع اور گیس کے اجسام جو کرۂ زمین پر بکثرت موجود ہیں، کائنات میں بہ حیثیت مجموعی بہت کمیاب ہیں۔

پلازما گیس سے ملتا جلتا ہے، لیکن اسکے خواص مختلف ہوتے ہیں: مضبوط مقناطیسی میدان کے زیر اثر پلازما کے ذرات کی حرکت ایک خصوصی، چکر دار نوعیت حاصل کر لیتی ہے۔ مقناطیسی میدان ایک ایسی دیوار یا برتن کا کام بھی کرتا ہے جو پلازما کو ایک خاص شکل اور حجم میں رکھنے کا اہل ہو۔ اس قسم کے منفرد خواص کی موجودگی اس امر کو ممکن بناتی ہے کہ پلازما کو جوہر کی ایک اور، چوتھی حالت میں سمجھا جائے۔

سائنس داں اب پلازما میں خصوصی دلچسپی لے رہے ہیں، کیونکہ اس کا مطالعہ ٹیکنولوجی کی ترقی کے لئے عظیم ترین مواقع مہیا کرتا ہے۔ یہ مطالعہ خاص طور پر حرِ نیوکلیر تعاملات کو کنٹرول کرنے اور اس طرح توانائی کے عملاً لامحدود وسائل حاصل کرنے کی راہ کھولتا ہے۔

اگر جوہر کو عام ٹھوس حالت میں بہت زیادہ کثافت تک دبا دیا جائے تو اسکے ایٹموں کے الیکٹرون مرکزے میں داخل ہو جائیں گے اور پروٹونوں کے ساتھ ملکر نیوٹرون بن جائیں گے۔ اس طرح جوہر کی ایک اور حالت وجود میں آئے گی، یعنی نیوٹرون حالت۔ اس حالت میں جوہر منفرد خصوصیات اختیار کر لیتا ہے، یعنی زبردست برقی موصلیت (بہترین موصلوں یعنی دھاتوں کے مقابلے میں لاکھوں گنا زیادہ) اور اگر برقی کرنٹ اس میں دوڑایا جائے تو طاقتور مقناطیسی میدانوں کا ظہور نیز حیرت انگیز کثافت۔ نیوٹرون حالت میں ایک مکعب سنٹی میٹر جوہر کا وزن دس لاکھ ٹن سے کم نہ ہوگا۔

جدید سائنس میں میدان مادے کی ایک اور بنیادی قسم ہے۔ طبیعاتی میدان ایک مادی تشکیل ہے جو اجسام کو آپس میں مربوط کرتی اور عمل کی ایک جسم سے دوسرے جسم میں ترسیل کرتی ہے۔ میدانِ تجاذب (کشش) اور برقی۔ مقناطیسی میدان (نور، اس کی مختلف قسموں میں سے ایک ہے) سے دنیا انیسویں صدی میں واقف تھی۔

فوٹون برقی مقناطیسی میدان کے عناصر، ذرات ہوتے ہیں جو جوہر کے ذرات سے اس لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں کہ ان میں جوہر کے ذرات کی سکونی کمیت کی خصوصیت موجود نہیں ہوتی۔ مزید برآں، کسی خالی جگہ (ویکیوم) میں فوٹون ہمیشہ تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ کی مستقل رفتار سے سفر کرتے ہیں جبکہ جوہر کے ذرات کی رفتار اگرچہ بہت مختلف ہو سکتی ہے، لیکن یہ فوٹون کی رفتار سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔

تجاذبی اور برقی مقناطیسی میدانوں کے علاوہ نیکلیر، میسن اور الیکٹرون۔ پازیٹرون میدان بھی ہوتے ہیں اور ہر میدان کی مطابقت سے معینہ ذرات ہوتے ہیں جن کے خواص فوٹون کے خواص جیسے نہیں ہوتے۔ چنانچہ جوہر اور میدان، دونوں ہی اپنے ڈھانچے اور خواص کے اعتبار سے متنوع اور کبھی نہ ختم ہونے والے ہوتے ہیں۔

جوہر اور میدان کے درمیان حدود فاصل صرف مرئی دنیا میں نمایاں ہیں۔ خورد سلسلۂ عمل کے دائرے میں یہ حدود اضافی ہو جاتی ہیں۔ جوہر کے بعض ذرات (مثال کے طور پر میسن) ایک ہی وقت میں متعلقہ میدان کے ذرات بھی ہوتے ہیں۔ جوہر اور میدان ایک دوسرے کے ساتھ نہایت پیچیدہ طور پر مربوط ہوتے ہیں۔ وہ تفاعل کرتے ہیں اور بعض حالات کے تحت ایک دوسرے سے بدل جانے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ جوہر کے دو ذرات (الیکٹرون اور پوزیٹرون) بعض حالات میں ایک فوٹون میں بدل سکتے ہیں جو برقی مقناطیسی میدان کا ذرہ ہوتا ہے۔ اس تجربے کی عملی شکل طبعیات کی عظیم کامیابیوں میں سے ایک تھی جس نے ایک بار پھر دنیا کی مادی وحدت کا، اس کی صلاحیتِ تبدیلی کا اور حرکت پذیری کا اظہار کیا۔

بڑی قسم کے سالمات کے جنہیں پولیمر کیمیاوی مرکبات کہا جاتا ہے (ربر، پروٹین، سیلولوس، اسٹارچ وغیرہ) مطالعے نے مادے کے ڈھانچے کے نظریے میں اہم اضافہ کیا ہے۔

پولیمروں کی دریافت سے انسانی دماغ ایک ایسے میدان میں داخل ہو گیا جو فی الواقع مرئی اور خورد دنیا کی درمیانی سرحد پر واقع ہے۔ چونکہ بہت سے پولیمر مرکبات، خاص طور سے پروٹین، زندہ جوہر کی تشکیل کے لئے مواد کا کام دیتے ہیں، اس لئے ان کا مطالعہ زندگی کے مظاہر کی تحقیقات میں اور حیاتی سلسلہ ہائے عمل کو مکمل طور پر سمجھنے اور کنٹرول کرنے میں ایک اہم پیش قدمی کی حیثیت رکھتا ہے۔

چنانچہ جدید طبعیات، کیمیا اور دیگر سائنسوں کی تمام کامیابیاں مادے کی معروضیت کے بارے میں، دنیا کی وحدت اور تنوع کے بارے میں، مادے کے لامحدود اور انسانی علم کے لامتناہی ہونے کے بارے میں

جدلیاتی مادیت کے دعووں کی تصدیق کرتی ہیں۔ تاہم، اِس امر کو ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ ہر ایک سائنس اپنی عظیم کامیابیوں کے باوجود، تسلسلات اور غیر حل شدہ مسائل بھی رکھتی ہے جنہیں سائنسی علم کے دشمن اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً، کلیسائیت کے حامی یہ اعلان کرتے ہیں کہ سائنس ان مشکلات پر قابو پانے کی اہل نہیں، انسان کو تحقیقات کے سائنسی طریقۂ کار ترک کر دینے چاہئیں اور عقیدہ کا سہارا لینا چاہیے۔ اُن کے کہنے کے مطابق صرف عقیدہ ہی دنیا کی سچی تصویر کا انکشاف کرنے کا اہل ہے۔

سائنس کو درپیش مشکلات کو بورژوا فلسفی اور بعض عینیت پسند ماہرینِ طبعیات، دونوں ہی مادیت کی تردید کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اِس حقیقت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کہ "ابتدائی" ذرات کا براہ راست مشاہدہ نہیں کیا جا سکتا، وہ ان ذرات کو محض منطقی (ذہنی) تعمیرات قرار دیتے ہیں، نہ کہ مادی اجسام۔

لیکن درحقیقت ایٹمی ذرات بھی اسی طرح مادی اور معروضی ہیں جس طرح خود ایٹم، جس طرح ایٹموں سے بنے ہوئے سالمے اور سالموں سے بنے ہوئے اجسام۔ یہ سب کے سب ایک واحد مادی دنیا کے محض عناصر ہیں۔

حقیقی مادی تشکیلات کے ڈھانچے اور خواص کے بارے میں، خواہ وہ الیکٹرون ہوں، ایٹم ہوں، سالمے ہوں یا کوئی اور جسم، ہمارا علم اضافی ہے اور یہ بدل سکتا ہے۔ یہ ماضی میں بدلا ہے اور مستقبل میں پھر بدل جائے گا۔ لیکن اس سب کے باوجود مادہ ایک معروضی صداقت ہی رہتا ہے۔ مادے کے وجود کو انسانی شعور اور اس کی حسوں سے قطعی طور پر آزاد سمجھنا ہی وہ چیز ہے جو جدلیاتی مادیت کو مادیت سمیت عینیت کی تمام شکلوں سے الگ کرتی ہے۔

جیسا کہ ہم نے دیکھا، دنیا اپنی فطرت کے اعتبار سے مادی ہے، ہر موجود چیز مادے کی متعدد شکلوں اور قسموں کی نمائندگی کرتی ہے۔ لیکن مادہ کوئی جامد اور غیر متحرک چیز نہیں ہے۔ یہ زمان و مکاں میں مسلسل حرکت کرتا ہے۔ حرکت، مکان و زمان مادے کے وجود کی بنیادی شکلیں ہیں۔ دنیا کی مادی فطرت کو زیادہ بہتر طور پر سمجھنے کے لئے ہمیں ان اشکال کا جائزہ لینا ہو گا۔

ہم سب سے پہلے حرکت کو لیں گے۔

۲۔ حرکت، مادے کے وجود کی ایک شکل

مادہ صرف حرکت میں وجود رکھتا ہے اور اپنے آپ کو حرکت کے ذریعے ہی ظاہر یا منکشف کرتا ہے۔ روزمرہ زندگی کے حقائق اور سائنس اور عمل کی ترقی نے اس کا قائل کُن ثبوت فراہم کر دیا ہے۔

آیئے، ہم مثال کے طور پر ایٹم کو لیں۔ یہ ایک خاص مادّی جسم کی حیثیت سے صرف اس صورت میں وجود رکھتا ہے جبکہ اسکی تشکیل کرنے والے ابتدائی ذرّات مسلسل حرکت میں ہوں۔ اِن ذرّات کی حرکت کے بغیر ایٹم کا وجود قائم نہیں رہ سکتا، اور نہ ہی کوئی دوسرا جسم حرکت کے بغیر وجود قائم رکھ سکتا ہے۔ جیسے ہی زندہ عضویئے اور ماحول کے درمیان تحویلی تبادلہ باہمی ختم ہو جاتا ہے (اور یہ بھی حرکت کی ایک شکل ہے) ویسے ہی زندہ عضویہ فوراً ہلاک ہو جاتا ہے۔

حرکت کی وجہ سے مادّی اجسام اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں اور ہمارے اعضائے حسی پر عمل کرتے ہیں مثلاً سورج کائناتی خلا میں حرکت کرتے ہوئے لاتعداد ذرّات کو مسلسل روشن کرتا ہے۔ جب یہ ذرّات زمین پر پہنچتے ہیں تو یہ ہمارے اعضائے حسی پر عمل کرتے ہیں اور ہمیں سورج کے وجود کا احساس دلاتے ہیں۔ اگر ان ذرّات کی حرکت کا وجود نہ ہوتا تو ہم سورج کے وجود کا گمان بھی نہیں کر سکتے تھے جو زمین سے پندرہ کروڑ کلومیٹر کی دُوری پر ہے۔

اِسی طرح باقی تمام مادّی اجسام صرف حرکت میں ہی وجود رکھتے اور اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں۔ نہ صرف ایٹم کے ابتدائی ذرّات حرکت کرتے ہیں بلکہ سالموں میں ایٹم اور اجسام میں سالمے بھی حرکت کرتے ہیں۔ تمام ارضی و سماوی اجسام حرکت میں ہیں۔ اسی طرح زندہ عضویوں اور سماجی زندگی میں بھی تبدیلیاں ہوتی ہیں یا نئی دُنیا کا کوئی ایسا واحد ذرہ تلاش کرنا ناممکن ہے۔ جو حرکت کرتا یا بدلتا نہ ہو۔

چنانچہ حرکت مادّے کے وجود کی ایک شکل ہے، اِس کا ناگزیر وصف ہے۔ اینگلز نے لکھا ہے:
"حرکت مادّے کے وجود کا طرز ہے۔ کبھی بھی اور کہیں بھی مادّہ حرکت کے بغیر نہیں رہا ہے"۔

حرکت مُطلق ہے اور سکوت اضافی ہے: مادّے کی حرکت مطلق اور دائمی ہے۔ جس طرح مادّے کو نہ تو تخلیق کیا جا سکتا ہے اور نہ برباد کیا جا سکتا ہے اسی طرح حرکت کو بھی نہ تو تخلیق کیا جا سکتا ہے اور نہ برباد کیا جا سکتا ہے۔ اس کا ثبوت سائنس توانائی کی بقا اور اسکی تبدیلی کے قانون کی صورت میں دیتی ہے۔ یہ قانون یہ کہتا ہے کہ مادّے ہی کی طرح حرکت نہ تو غائب ہوتی ہے اور نہ ہی از سرِ نو پیدا ہوتی ہے، بلکہ یہ محض بدل جاتی ہے۔ ایک شکل کے بجائے دوسری شکل اختیار کر لیتی ہے۔

لیکن اگر حرکت دوامی اور مطلق ہے تو کیا ہم سکون کی بات کر سکتے ہیں؟
ہاں ہم کر سکتے ہیں۔ مادّی تبدیلیوں کے عمل کے دوران سکون کے لمحات بھی آتے ہیں لیکن وہ

تمام تر مادے پر اثر انداز نہیں ہوتے بلکہ صرف خاص اشیا اور مظاہر پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ حرکت کے مطلق ہونے میں سکون بھی لازمی طور پر مضمر ہے جو دنیا کے نشو و نما کے لئے لازمی شرط ہے۔ ایک شے حرکت میں اُبھرتی ہے جبکہ سکون گویا، حرکت کے نتیجے کو متعین کرتا ہے جس کے نتیجے میں یہ چیز ایک خاص مدت کے لئے محفوظ ہو جاتی ہے اور اپنی اسی حالت میں باقی رہتی ہے۔

حرکت کے مطلق ہونے کے برخلاف سکون اضافی ہے اور اسے کسی جامد، مردہ حالت سے ہرگز تعبیر نہیں کرنا چاہیے۔ ایک جسم کسی دوسرے جسم کے تعلق سے حالتِ سکون میں ہو سکتا ہے، لیکن یہ مادے کی عمومی حرکت میں لازمی طور پر شامل رہتا ہے۔ وہ مکان جس میں ہم رہتے ہیں، زمین کی سطح کے تعلق سے حالتِ سکون میں ہے لیکن یہ زمین کے محور کے گرد گھوم رہا ہے اور زمین کے ساتھ سورج کے گرد گھوم رہا ہے۔ وغیرہ۔ مزید برآں، جب ایک جسم حالتِ سکون میں ہو، تب بھی اس میں طبعیاتی، کیمیاوی یا دیگر سلسلہ ہائے عمل جاری و ساری رہتے ہیں۔

مادے کی حرکت دوامی، مطلق ہے جبکہ سکون عارضی اور اضافی ہوتا ہے، یہ صرف حرکت کا ایک لمحہ ہوتا ہے۔

مادے کی حرکت کی شکلیں: مادے کی حرکت کے آفاقی کردار کو مارکس سے پہلے کے مادیت پسندوں نے بھی تسلیم کیا تھا، لیکن انھوں نے اس کی تفسیر تنگ، مابعد الطبعیاتی انداز میں کی۔ انھوں نے حرکت کو تبدیلی کے ساتھ، اجسام کے نشو و نما کے ساتھ وابستہ نہیں کیا، بلکہ اکثر اوقات اُسے مکاں میں محض میکانکی تبدیلیٔ نقل و حرکت سمجھا۔

جدلیاتی مادیت حرکت کی شکلوں کے تنوع کو گھٹا کر ایک واحد میکانکی یا کسی دوسری شکل تک محدود نہیں کرتی بلکہ حرکت کو تبدیلی کے ساتھ، اجسام کے نشو و نما کے ساتھ، جدید کے ظہور میں آنے اور قدیم کے ختم ہو جانے کے ساتھ وابستہ کرتی ہے۔ جدلیاتی مادیت میں حرکت کو ہر ایسی عمومی تبدیلی سمجھا جاتا ہے جو کائنات میں جاری و ساری تمام تر سلسلہ ہائے عمل کا، سادہ ترین میکانکی منتقلی کے سلسلۂ عمل سے لے کر انسانی سوچ جیسے انتہائی پیچیدہ سلسلۂ عمل تک کا احاطہ کرتی ہو۔

حرکت کی بہت سی اقسام اور اشکال ہیں۔ جدلیاتی مادیت سائنس کی کامیابیوں کی بنا پر حرکت کی اقسام کی تقسیم کرتی ہے اور بنیادی اشکال کو اہمیت دیتی ہے۔ اینگلز نے مادے کی حرکت کی اشکال کی پہلی

سائنسی تقسیم پیش کی۔ انھوں نے بنیادی اشکال میں میکانکی، طبیعاتی، کیمیاوی، حیاتیاتی اور سماجی اشکال کو شامل کیا۔ مزید برآں انھوں نے حرکت کی ہر شکل کو مادے کی ایک خاص شکل سے وابستہ کیا، میکانکی شکل کو سماوی و ارضی اجسام سے، طبیعاتی شکل کو سالموں سے، وغیرہ۔

اینگلز نے حرکت کی اہم شکلوں کی جو تقسیم کی تھی اُس کی سائنسی قدر و قیمت آج بھی باقی ہے، لیکن سائنس کی جدید ترین کامیابیوں نے ان اشکال کے بارے میں ہمارے علم میں کافی اضافہ کیا ہے۔

مثلاً انیسویں صدی میں میکانکی حرکت کو بیشتر مرئی (نظر آنے والے) اجسام کی مکانی منتقلی سمجھا جاتا تھا۔ اب یہ بات طے ہو چکی ہے کہ مکانی منتقلی مادے کی تمام تر تشکیلات میں، ابتدائی ذرات سے لے کر ایک زندہ عضویے تک میں موجود ہے۔ میکانکی حرکت کو مادے کی محض ایک شکل سے، یعنی مرئی اجسام سے ہی ہرگز منسوب نہیں کیا جانا چاہیے۔ یہ حرکت مادے کی ہر قسم میں، حرکت کی ہر دوسری شکل میں موجود ہے اگرچہ دیگر غیر میکانکی اشکال میں یہ ایک تحتی اور ذیلی کردار کی حامل ہوتی ہے۔

مادے کی حرکت کی طبیعاتی شکل کے بارے میں ہمارے خیالات میں، خاص طور پر ایٹم میں علم طبیعات کے گہرے نفوذ کے سبب، کافی اضافہ ہوا ہے۔ سائنسدانوں نے انٹرا ایٹمک اور انٹرا نیوکلیر حرکت جیسی طبیعاتی حرکت کی شکلیں دریافت کی ہیں اور اُن کا مطالعہ کیا ہے جن سے ہم اب تک ناواقف تھے۔ اینگلز نے مادے کی طبیعاتی حرکت کو بیشتر سالماتی سلسلہ ہائے عمل کے ساتھ منسوب کیا۔ لیکن عصرِ حاضر کی معلومات کی روشنی میں حرکت کی اس قسم میں حرارتی، برقی، مقناطیسی، انٹرا ایٹمک اور انٹرا نیوکلیر سلسلہ ہائے عمل نیز ٹھوس، مائع اور گیس کے اجسام کے سلسلہ ہائے عمل جو ابتدائی ذرات کی نقل و حرکت کا نتیجہ ہیں، شامل ہیں۔

مادے کی حرکت کی کیمیاوی شکل ایٹموں کے تلازم یا افتراق سے وابستہ ہے جس کے نتیجے میں سالمات یا تو تشکیل پاتے ہیں یا ٹوٹتے ہیں، اور تمام کیمیاوی مرکبات سالمات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ کیمیاوی سلسلہ ہائے عمل کے ساتھ الیکٹرونوں کی حرکت بھی ہوتی ہے۔ کیمیاوی قلبِ ماہیت کی تبدیلی غیر نامیاتی اور نامیاتی قدرت، دونوں ہی میں وسیع پیمانے پر پائی جاتی ہے۔

حیاتیاتی حرکت مادے کی حرکت کی پیچیدہ ترین اشکال میں سے ایک ہے جو زندہ عضویے کے تمام تر متنوع سلسلہ ہائے عمل پر محیط ہے۔ ان سلسلہ ہائے عمل کا تعلق زندگی برقرار رکھنے والے پروٹینی اجسام سے ہے جو اپنے ماحول کے ساتھ مسلسل تحوّلی تبادلہ باہمی قائم رکھتے ہیں۔ یہ تحوّل پروٹینی اجسام کی کیمیاوی ترکیب

کی مسلسل بازپیدائش میں منتج ہوتا ہے، جو ہر زندہ عضویئے کی اصل خصوصیت ہے۔

سماجی زندگی، انسانی سماج کی تاریخ مادے کی حرکت کی ایک اور بھی اعلیٰ شکل ہے۔ یہ تمام سابقہ اشکال سے بنیادی طور پر اور کیفیتی لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔ یہ انسانی سماج کے نمودار ہونے کے ساتھ منصۂ شہود پہ آئی اور اسکی اہم امتیازی خصوصیت مادی پیداوار کا سلسلۂ عمل ہے جو سماجی زندگی کے دیگر تمام پہلوؤں کا تعین کرتا ہے۔

مادہ کی حرکت کی اشکال باہمی طور پر مربوط ہیں۔ انھیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ ان کی وحدت اور ربطِ باہمی کی اساس دنیا کی مادی وحدت پہ ہے۔ حرکت کی ایک شکل مناسب حالات پاکر ایک دوسری شکل میں بدل سکتی ہے۔ مثلاً میکانکی حرکت حرارت، آواز، نور، برق اور طبیعاتی حرکت کی دیگر شکلوں کا سبب بن سکتی ہے۔ طبیعاتی سلسلۂ ہائے عمل کا تعامل کیمیادی تبدیلیوں کا سبب بنتا ہے جبکہ کیمیادی سلسلہ ہائے عمل بعض حالات میں نامیاتی زندگی کی تشکیل کرتے ہیں۔

مادے کی حرکت کی ادنیٰ تر اشکال لازمی طور پر اعلیٰ تر حرکت میں شامل ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پہ حیاتیاتی حرکت خاص میکانکی، طبیعاتی اور کیمیادی سلسلہ ہائے عمل سے وابستہ ہوتی ہے۔ لیکن حرکت کی اعلیٰ تر اشکال کو گھٹا کر ادنیٰ تر اشکال نہیں بنایا جاسکتا۔ حرکت کی اعلیٰ تر شکل خود اپنے خصوصی قوانین کی حامل ہوتی ہے جو اسے ادنیٰ تر شکل سے ممتاز کرتے ہیں اور اسکی منفرد کیفیتی خصوصیات کا تعین کرتے ہیں۔ چنانچہ تحول کے قوانین نامیاتی زندگی کو بے جان قدرت سے الگ کرتے ہیں۔ عضویوں میں خلقی طور پر موجود میکانکی، طبیعاتی اور کیمیادی سلسلہ ہائے عمل کوئی آزاد خصوصیت نہیں رکھتے اور عضویئے کے اصل سلسلۂ عمل، یعنی تحول کے تابع ہوتے ہیں۔

حرکت کے مطلق اور آفاقی کردار کو تسلیم کرنا اور اسکے ساتھ ہی ہر شکل کے کیفیتی امتیاز کو، ان اشکال کی آپس میں ایک دوسرے سے بدل جانے کی صلاحیت کو اور اعلیٰ تر اشکال کے گھٹ کر ادنیٰ تر اشکال بن جانے کے عدم امکان کو نظر میں رکھنا ـــ یہ ہے حرکت کے جدلیاتی ـ مادی تصور کی ماہیت۔

مادے کو حرکت سے جدا نہیں کیا جاسکتا ہم پہلے یہ بیان کرچکے ہیں کہ مادے کی کوئی جامد، غیر متحرک حالت نہیں ہوسکتی، اور یہ کہ مادہ اور حرکت کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا ہے۔ تاہم آج بھی بعض لوگ مادے کو حرکت کے بغیر سمجھتے ہیں، مادے کو حرکت سے الگ کرتے ہیں۔

مثلاً یہ لوگ کائنات کے خاتمۂ حرارت کے نظریئے کے حامی ہیں۔ یہ نظریہ سائنسی دریافتوں کو مسخ کرتے ہوئے دُنیا کے آئندہ "خاتمے" کی، ہر موجود چیز کی "موت" کی پیشین گوئی کرتا ہے۔ یہ نظریہ اس حقیقت کو بنیاد بناتا ہے، جسے سائنس نے بہت عرصہ پہلے ثابت کر دیا تھا، کہ توانائی کی تمام تر شکلیں حرارتی توانائی میں بآسانی بدل جاتی ہیں، جبکہ اُسکے برعکس سلسلۂ عمل زیادہ پیچیدہ ہوتا ہے اور توانائی کے مزید صرف کا متقاضی ہوتا ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ کسی بھی گرم شدہ جسم کو اگر ایسی فضا میں رکھ دیا جائے جس کا درجۂ حرارت کم ہو تو وہ ٹھنڈا ہونے لگتا ہے، اپنی حرارت فضا کو منتقل کرنے لگتا ہے۔ ان اصولوں کا ساری کائنات پہ اطلاق کرتے ہوئے یہ نظریہ ساز یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ایک خاص وقت گرم و روشن مادی اجسام اپنی تمام تر حرارت سرد کائناتی خلا کو منتقل کر دینگے۔ اور اس صورت میں، اُن کے خیال کے مطابق، کائنات بالآخر "توازنِ حرارت" یا "خاتمۂ حرارت" کی حالت میں پہنچ جائے گی اور سرد اجسام کے ایک عظیم مجموعے میں بدل جائیگی جبکہ مادے کی حرکت کی تمام تر اشکال حرارتی توانائی بن جائینگی اور وہ مزید تبدیلی کی اہل نہیں ہوں گی اور مادہ حرکت کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھے گا۔

اگرچہ اینگلز نے اِس نظریئے پر تنقید کی تھی اور اس کی نفی کی تھی، تاہم بعض عینیت پسند اور کلیسائیت پسند اب بھی اس کی حمایت کر رہے ہیں اور اسے اس بات کے "ثبوت" کے طور پر استعمال کر رہے ہیں کہ دنیا کا خاتمہ ناگزیر ہے۔

سائنسی اعتبار سے "کائنات کے خاتمۂ حرارت کا نظریہ" مکمل طور پر بے بنیاد ہے اور توانائی کی بقا اور تبدیلی کے قانون کو نظرانداز کرتا ہے جس کا یہ دعویٰ ہے کہ حرکت کو نہ صرف کمیتی اعتبار سے بلکہ کیفیتی اعتبار سے بھی تباہ نہیں کیا جاسکتا، یعنی یہ کہ حرکت کا وجود صرف ایک شکل میں نہیں رہ سکتا اور نہ ہی مادہ عدم حرکت کی حالت میں رہ سکتا ہے، یعنی ایسی حالت میں جس میں حرکت ایک شکل سے دوسری شکل اختیار نہ کرے۔ حرکت کی اشکال کی تبدیلی اتنی ہی فطری اور مطابقِ قانون ہے جتنی کہ ان تبدیلیوں کے دوران حرکت کی کمیتی بقا۔

فلکیات کی جدید ترین کامیابیاں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ کائنات میں مادے کا دور (سائیکل) ایک لمحے بھی نہیں رُکتا۔ کائناتی خلا کے بعض خطوں میں مادہ اور توانائی منتشر ہو جاتے ہیں اور بعض دیگر خطوں میں وہ دوبارہ مرتکز ہو جاتے ہیں اور نئے اجسامِ مادی کی تشکیل کرتے ہیں۔ سوویت یونین کی اکیڈیمی آف سائنسز

کے رکن ڈکٹور امبارت سومیان نے یہ ثابت کیا ہے کہ نئے ستارے اب بھی عالم وجود میں آ رہے ہیں، نہ صرف واحد ستاروں کی حیثیت سے بلکہ پورے کے پورے جھرمٹوں کی شکل میں، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مادے کی کوئی غیر متحرک حالت نہیں ہو سکتی۔

تو پھر حرکت شاید خود سے وجود رکھتی ہے اور اس کا کوئی مادی حامل (کیریئر) نہیں ہوتا؟

اس بات کی توثیق توانائیت کے حامی کرتے ہیں۔ توانائیت فلسفے اور قدرتی سائنس کا وہ رجحان ہے جو انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں نمودار ہوا تھا۔ اس رجحان کے حامی مادے کو گھٹا کر محض حرکت یا توانائی تک محدود کر دیتے ہیں، اور یہ چیز مادے کو تسلیم کرنے سے انکار کے علاوہ کچھ نہیں، اور خالص اور سادہ عینیت ہے۔

توانائیت کے موجودہ حامی اپنے عینیت پسندانہ نظریات میں خاص طور پر پرجوش ہیں۔ سائنس کی جدید ترین کامیابیوں کو غلط انداز میں پیش کرتے ہوئے وہ مادے کی "معدومیت"، خالص توانائی میں اس کی تبدیلی کا ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً اس مقصد کے لئے وہ، جوہر کے ابتدائی ذرات کے ایک جوڑے (الیکٹرون اور پوزٹرون) کی فوٹون میں، جو برقی مقناطیسی میدان (یعنی نور) کے ذرات ہیں، تبدیلی کی عینیت پسندانہ تفسیر کرتے ہیں۔ نور کو مادے کے بغیر "خالص" توانائی قرار دیتے ہوئے اور جوہر کو مادے کی واحد شکل مانتے ہوئے، توانائیت کے حامی اس غلط نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس صورت میں مادہ غائب ہو جاتا ہے اور توانائی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ لیکن فوٹون میدان کا ایک ذرہ ہے، مادے کی ایک خصوصی قسم ہے۔ الیکٹرون اور پوزٹرون کی فوٹون میں تبدیلی کو مادے کی توانائی میں تبدیلی نہیں قرار دیا جا سکتا، بلکہ یہ مادے کی ایک قسم یعنی جوہر کی ایک دوسری قسم یعنی میدان میں تبدیلی ہے۔

توانائیت کے مکمل دیوالیہ پن کا اظہار جدید طبیعیات کی کامیابیوں سے اور خاص طور پر کمیت اور توانائی کے ربط باہمی کے قانون سے ہوتا ہے جسے اس صدی کے اوائل میں عظیم ماہر طبیعیات البرٹ آئن شٹائن (۱۸۷۹ - ۱۹۵۵ء) نے دریافت کیا تھا۔ اس قانون کے مطابق ایک جسم کی کمیت ہمیشہ توانائی کی ایک متناسب مقدار سے وابستہ ہوتی ہے۔ اس انحصار کا نسبتاً آہستہ رفتاروں کی صورت میں تعین کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن جب ایک جسم اس رفتار سے سفر کرتا ہے جو نور کی رفتار سے قریب ہو (اور ابتدائی ذرات نکلیر تبدیلیوں کے دوران اس رفتار کے حامل ہوتے ہیں) تو اس کی کمیت میں اضافہ نظر آنے لگتا ہے۔ تجربے نے اس امر کی تصدیق

کردی ہے کہ رفتار کی وجہ سے کمیت میں تبدیلی ہوتی ہے۔ تاہم، کمیت مادّے کا پیمانہ ہے جبکہ توانائی حرکت کا پیمانہ ہے۔ نتیجتہً آئن سٹائن کا قانون مادّے اور حرکت کی وحدت کو، اُن کے درمیان بلا واسطہ ربطِ باہمی کو منکشف کرتا ہے۔

۳۔ مکان و زماں

مکان و زماں کا فلسفیانہ تصور

جب ہم اپنے گرد و پیش کی اشیا کو غور سے دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک نہ صرف حرکت میں ہے بلکہ یہ بُعد (ڈائی مین شن) بھی رکھتی ہے۔ اشیا چھوٹی بڑی ہو سکتی ہیں، لیکن وہ سب کی سب لمبائی، چوڑائی اور اونچائی رکھتی ہیں۔ وہ ایک خاص جگہ گھیرتی ہیں اور ان کا ایک حجم ہوتا ہے۔ قدرت میں اشیا نہ صرف ابعاد رکھتی ہیں، بلکہ ایک خاص انداز میں ایک دوسرے سے تعلق سے محل وقوع بھی رکھتی ہیں۔ بعض اشیا ہم سے دور واقع ہیں، بعض اشیا دوسری اشیا کے مقابلے میں ہم سے قریب ہیں، بعض بلندی پر ہیں، بعض پستی پر، دائیں طرف ہیں یا بائیں طرف۔

مکان کا فلسفیانہ تصور مادّی اجسام کی اس آفاقی خصوصیت کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ مکان میں توسیعت رکھتی ہیں، ایک خاص جگہ گھیرتی اور ایک خاص انداز میں دنیا کی دیگر اشیا کے تعلق سے محل وقوع بھی رکھتی ہیں۔

اشیا نہ صرف مکان میں وجود رکھتی ہیں بلکہ ایک خاص سلسلہ کے ساتھ ایک دوسرے کا تعاقب بھی کرتی ہیں۔ بعض اشیا کی جگہ دوسری اشیا لے لیتی ہیں اور پھر ان اشیا کی جگہ بھی دوسری اشیا لے لیتی ہیں اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے۔ ہر شے ایک مدت کی حامل ہوتی ہے، اس کا ایک آغاز اور ایک انجام ہوتا ہے اور یہ اپنے نشوونما کے دوران بعض مراحل اور حالتوں سے گزرتی ہے۔ بعض اشیا ابھی وجود میں آنا شروع ہوتی ہیں، بعض اشیا ایک خاص وقت سے وجود میں ہیں، جبکہ بعض دیگر اشیا بربادی کے سلسلۂ عمل سے گزر رہی ہیں۔

وقت کا فلسفیانہ تصور مادّی سلسلہ ہائے عمل کی اس آفاقی خصوصیت کی عکاسی کرتا ہے کہ وہ ایک خاص سلسلے کے ساتھ ایک دوسرے کے بعد وقوع پذیر ہوتے رہیں، اُن کی مدت ہو اور وہ مرحلہ وار نشوونما پائیں۔

مکان و زماں مادّے کے وجود کی آفاقی شکلیں ہیں۔ لینن نے لکھا ہے، "دنیا میں معروفِ حرکت مادّے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اور معروفِ حرکت مادّہ زمان و مکاں میں حرکت کے علاوہ اور کسی طرح حرکت نہیں کر سکتا۔"

مکان و زماں کا اہم ترین وصف اُن کی معروضیت ہے، یعنی انسانی ذہن سے آزاد اُن کا وجود۔ یہ

امر فطری ہے، کیونکہ معروضی طور پر موجود مادّے کی اصل شکلوں کی حیثیت سے انھیں لازماً معروضی ہونا چاہیے۔
عینیت مکان و زماں کی معروضیت کی منکر ہے۔ موضوعی عینیت پسند مکان و زماں کو انسان کے شعور کی پیداوار سمجھتے ہیں، جبکہ معروضی عینیت پسند یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مکان و زماں کو خیالِ مطلق نے رُوحِ آفاقی نے پیدا کیا ہے۔

اپنی کتاب "مادیت اور تجربی تنقید" میں لینن نے مکان و زماں کے بارے میں عینیت پسندانہ نظریات کے کھوکھلے پن کو قائل طور پر ثابت کیا۔ انھوں نے لکھا کہ اگر ہم عینیت پسندوں کی یہ بات مان لیں کہ مکان و زماں محض انسانی عقل کی پیداوار ہیں تو پھر سائنس کی ثابت کردہ اِس غیر متنازعہ فیہ حقیقت کا کیا ہوگا کہ زمین انسان کے ظہور سے بہت پہلے مکان و زماں میں اپنا وجود رکھتی تھی؟ زمین اربوں سال سے عالمِ وجود میں ہے اور انسان محض ہزارہا سال سے! ظاہر ہے کہ اس میں اِس امر کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی کہ مکان و زماں کو انسان نے یا کسی خیالِ مطلق یا عقلِ آفاقی نے "تخلیق" کیا ہو!

مکان و زماں کی معروضیت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے جدلیاتی مادیت اُن کے دیگر عمومی ترین خواص کا انکشاف بھی کرتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ یہ خواص خود مادّے کی نوعیت سے متعین ہوتے ہیں۔ چنانچہ مادّے کی ابدیت اور لامحدودیت زماں کی ابدیت اور مکاں کی لامحدودیت کا تعین کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اُن کا نہ تو کوئی آغاز تھا اور نہ ہی کوئی انجام ہوگا۔ جدید سائنس بیرونی خلا کے دُور دراز خطوں تک میں سرایت کرتی ہے اور زماں کے بہت ہی وسیع ادوار کا مطالعہ کرتی ہے۔ مثلاً ماہرینِ فلکیات طاقتور ریڈیو دُوربینوں کے ذریعے ایسے مادّی اجسام کا مطالعہ کرتے ہیں جو کرۂ ارض سے اربوں سال ہائے نور کے فاصلے پر واقع ہیں۔ نور تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کرتے ہوئے ایک ارب سال ہائے نور میں $۹٫۵ \times ۱۰^{۲۱}$ کلومیٹر کا فاصلہ طے کرتا ہے۔ یہ فاصلے خواہ کتنے ہی وسیع کیوں نہ ہوں وہ لامحدود دنیا کے پیمانے کے مقابلے میں بہت ہی کم ہیں۔ اسی طرح کائنات کی ابدیت کے مقابلے میں زماں کے وسیع ادوار، جنھیں کھربوں سالوں کے پیمانے میں ناپا جاتا ہے، جن کا جدید ارضیات مطالعہ کرتی ہے، بہت چھوٹے ہیں۔

مکان، مادّے کے وجود کی ایک شکل کی حیثیت سے سہ ابعادی ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر مادّی جسم تین ابعاد رکھتا ہے: لمبائی، چوڑائی اور اونچائی۔ اِس طرح اجسام تین عمودی سمتوں میں حرکت کر سکتے ہیں۔
مکان کے برخلاف وقت صرف ایک بُعد کا حامل ہے، یہی وجہ ہے کہ زماں میں تمام اجسام صرف ایک

سمت میں نشو ونما پاتے ہیں، ماضی سے مستقبل کی طرف۔ زمان کو پیچھے کی طرف نہیں لوٹایا جا سکتا، یہ صرف آگے کی جانب حرکت کرتا ہے اور اس کی حرکت کو معکوس کر دینا، ماضی کو واپس لے آنا ناممکن ہے۔

یہ ہیں مکان و زماں کے عمومی ترین خواص۔

سائنس میں مکان و زمان کا تصور: مادے کے وجود کی آفاقی شکلوں کی حیثیت سے مکان و زماں کے اِن فلسفیانہ تصورات کو ٹھوس مادی اشیا کے مکانی۔ زمانی خواص کے بارے میں سائنسی تصورات سے ممیز کیا جانا چاہیئے۔

سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ ان تصورات کو بھی فروغ حاصل ہوتا ہے اور مکان و زماں کے منفرد نئے خواص دریافت ہوتے ہیں اور ان خواص کا اجسام کی مادی نوعیت پر انحصار زیادہ قطعیت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔

کلاسیکی میکانیات نے مکان و زماں کی معروضیت کو تسلیم کرتے ہوئے اُنھیں مادے سے الگ کر دیا، انھیں قطعی طور پر یکساں اور غیر تغیر پذیر سمجھا۔ مثلاً، کلاسیکی میکانیت کے باوا آدم اسحاق نیوٹن (۱۶۴۲-۱۷۲۷ء) نے مکان کو ایک بہت بڑے گھر سے تعبیر کیا جس میں چیزیں ایک خاص ترتیب سے رکھی ہوتی تھیں، لیکن یہ چیزیں بذاتِ خود مکان سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔

نیوٹن کا کہنا تھا کہ کائنات کے تمام اجسام کے خواصِ مکانی ایک جیسے ہیں اور اقلیدسی جیومیٹری اُن کا مکمل طور پر احاطہ کر لیتی ہے۔ نیوٹن اقلیدسی جیومیٹری کو واحد ممکن، مطلق جیومیٹری سمجھتا تھا۔

زمان کے بارے میں نیوٹن کے نظریات اسی طرح مابعد الطبیعیاتی تھے۔

روسی ریاضی داں نکولائی لوباچیف سکی (۱۷۹۲-۱۸۵۶ء) نے ایک نئی غیر اقلیدسی جیومیٹری پیش کی جس نے مکاں کے بارے میں مابعد الطبیعیاتی نظریات کی تردید کی اور اجسام کے خواصِ مکانی کے بارے میں انسان کے خیالات کو وسیع کیا۔ لوباچیف سکی اس نتیجہ پر پہنچا کہ مکاں کے خواص کائنات کے مختلف خطوں میں ایک جیسے نہیں ہیں، یہ کہ ان کا انحصار طبعی اجسام کی نوعیت پر، ان میں رونما ہونے والے مادی سلسلۂ عمل پر ہوتا ہے۔ اِس بات کا قائل ہو کر کہ قدرت میں ایسے اجسام موجود ہیں جنکے خواصِ مکانی اقلیدسی جیومیٹری کے ڈھانچے میں صحیح نہیں بیٹھتے، لوباچیف سکی نے اُن نئے خواص کی تلاش کی اور دیگر باتوں کے علاوہ یہ ثابت کیا کہ ایک مثلث کے زاویوں کا مجموعہ ایکسو اسی درجے نہیں ہوتا، جیسا کہ اقلیدسی جیومیٹری میں ہے، بلکہ اس سے کم ہوتا ہے

البرٹ آئن شٹائن کا پیش کردہ نظریۂ اضافیت قدرتی سائنس میں مکان وزماں کا جدید نظریہ ہے۔ یہ نظریہ مکان وزماں کے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اور مصروفِ حرکت مادے کے ساتھ نامیاتی ربط کا انکشاف کرتا ہے۔

خصوصی نظریۂ اضافیت یہ ظاہر کرتا ہے کہ اجسام کے مکانی۔ زمانی خواص کا انحصار ان کی حرکت کی رفتار پر ہے۔ اس انحصار کو نسبتہً کم رفتار پر تلاش کرنا ناممکن ہے کیونکہ مکانی۔زمانی خواص اُس رفتار پر بدلتے ہیں جو عملی طور پر صرف نور کی رفتار کے قریب قریب ہوتی ہے۔

نظریۂ اضافیت یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان رفتاروں پر جو نور کی رفتار کے قریب ہوتی ہیں، ایک حرکت کرتے ہوئے جسم کی لمبائی ایک ایسے جسم کے مقابلے میں جو حالتِ سکون میں ہو، رفتار کے بڑھنے کے ساتھ گھٹتی جاتی ہے۔ مزید براں وقت (زماں) غیر تغیر پذیر نہیں رہتا۔ رفتار میں اضافے کے ساتھ وقت کی روش آہستہ ہوجاتی ہے۔ یہ نتائج جو نظریۂ اضافیت سے نکلتے ہیں، تجربے میں صحیح ثابت ہو چکے ہیں۔ مثلاً میسن (ایک ابتدائی ذرہ جو ایک ایٹمی مرکزے کے انشقاق کے دوران نمودار ہوتا ہے) کی زندگی بہت مختصر ہوتی ہے، لیکن اگر اس کی رفتار کو بڑھا دیا جائے تو میسن کے مجموعۂ زندگی میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

نظریۂ اضافیت کے مطابق مکان وزماں خود سے نہیں بدلتے بلکہ غیر منفک ربطِ باہمی کے ساتھ بدلتے ہیں۔ یہ ربط اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ وہ ایک ناقابلِ شکست کل بن جاتے ہیں۔ اور وقت (زماں) گویا، مکاں کے تین ابعاد کے علاوہ، چوتھے بعد کا رول اختیار کرلیتا ہے۔ نظریۂ اضافیت مکان وزماں کے نامیاتی ربط کو قطعی ریاضیاتی صورت میں بھی پیش کرتا ہے۔

عمومی نظریۂ اضافیت یہ ثابت کرتا ہے کہ مکان وزماں کے خواص مادّے کی کمیتوں کی موجودگی پر بھی منحصر ہوتے ہیں۔ ایسے اجسام جو زیادہ کمیت اور زیادہ قوتِ کشش کے حامل ہوتے ہیں، اپنے قریب کے مکاں میں ایک تبدیلی، یا ماہرینِ طبعیات کی زبان میں خمیدگی پیدا کرتے ہیں۔ وقت (زماں) بھی اسی مناسبت سے بدل جاتا ہے ــــ یہ آہستہ ہوجاتا ہے۔

نظریۂ اضافیت کے اخذ کردہ نتائج، پہلی نظر میں، مکان وزماں کے خواص کے بارے میں ہمارے مروجہ تصورات کے بالکل برعکس نظر آتے ہیں۔ لیکن وہ سچے ہیں اور سائنسی تجربات نے اُن کی توثیق کی ہے۔ ان کا غیر معمولی کردار اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ علم میں انسان کو اپنے آپ کو محض مروجہ تصورات تک ہرگز محدود نہیں کرلینا

چاہیے، بلکہ اُسے لازماً آگے اور زیادہ گہرائی میں جانا اور مادّی دنیا کی تمام تر پیچیدگی اور تنوّع کا انکشاف کرنا چاہیے۔

ہم نے دیکھا ہے کہ مکان و زماں کے سائنسی تصوّرات میں تبدیلی ہوئی ہے۔ لیکن ان کی یہ تغیر پذیری اُن کے معروضی وجود کے بارے میں جدلیاتی مادّیت کے قضایا کو کسی بھی صورت چیلنج نہیں کرتی۔ اس کے برعکس، سائنس کی ہر کامیابی مکان و زماں کی معروضیت اور معروف حرکت مادّے کے ساتھ اُن کے غیر منفک رابطے کا زیادہ سے زیادہ ثبوت پیش کرتی ہے۔

پانچواں باب

مادّہ اور دماغ

گزشتہ باب میں ہم نے مادّے اور اس کی شکلوں سے بحث کی اور یہ دیکھا کہ مادّہ انسان کے دماغ کے باہر اور اُس سے آزاد وجود رکھتا ہے۔ آیئے اب ہم یہ دیکھیں کہ دماغ یا شعور کا کیا مطلب ہے۔

۱۔ دماغ ـ اعلیٰ تنظیم یافتہ مادّے کا ایک خاصہ

دماغ یا شعور کی نوعیت پر بحث کرنے سے پہلے ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ انسان کی شعوری، روحانی سرگرمی میں اُسکے خیالات وجذبات، خواہش اور کردار، حسیں، خیالات، نظریات وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔

اِن مظاہر کی صحیح تعریف کرنے کے لئے سائنس اور فلسفے کو ایک طویل اور دشوار راہ طے کرنی پڑی۔ عصرِ حاضر کی سائنس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ شعور مادّے کے طویل ارتقا کی ایک پیداوار ہے۔ مادّہ، قدرت ہمیشہ سے وجود میں ہے، جبکہ انسان مادی دنیا کے نسبتاً بعد کے نشوونما کا نتیجہ ہے۔ مادّہ کا نشوونما پاکر انسان، سوچنے کی صلاحیت رکھنے والے حیوان کے ظہور میں نتیج ہونا ایک ایسا عمل تھا جسکے لئے اربوں سال درکار تھے۔ شعور قدرت کی ایک پیداوار ہے، مادّے کا ایک خاصہ ہے، سارے مادّہ کا نہیں، بلکہ انسانی دماغ جیسے اعلیٰ تنظیم یافتہ مادّے کا۔

شعور جس نے مادّے کے نشوونما کے نتیجے میں جنم لیا ہے، مادّے کے ساتھ غیرمنفک طور پر وابستہ ہے۔ اسے دماغ کے سوچنے والے اس مادّہ سے جس کا یہ وصف ہے، الگ نہیں کیا جا سکتا۔ روسی ماہرین عضویات ایوان سیچینوف (۱۸۲۹ـ۱۹۰۵ء) اور ایوان پاولوف (۱۸۴۹ـ۱۹۳۶ء) نے یہ ثابت کیا کہ تمام تر دماغی فعل خاص مادی سلسلہ ہائے عمل یعنی، عضویاتی سلسلہ ہائے عمل پر مبنی ہے جو انسانی دماغ میں، خاص طور پر قشر (دماغ کی بیرونی تہیں) وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ دماغ کے عام فعل کا خلل، بیماری، چوٹ یا دیگر اسباب کی بنا پر اس کو پہنچنے والا صدمہ انسان کی سوچ میں گہری پراگندگی، دماغی بے قاعدگی پیدا کرتا ہے۔

بہت سی تجرباتی معلومات کی بنیاد پر پاولوف نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جسمانی فعل دماغ کی ایک

خاص کیمیت کے عضویاتی فعل کا نتیجہ ہے۔

پاولوف کا اعلیٰ تر اعصابی فعل کا نظریہ جدلیاتی مادیت کے اس بنیادی خیال کی توثیق کرتا ہے کہ دماغ کا انحصار مادہ پر ہوتا ہے۔ یہ نظریہ قائل کن طور پر یہ ثابت کرتا ہے کہ دماغ اور اس میں وقوع پذیر ہونے والے عضویاتی سلسلہ ہائے عمل انسانی شعور کی بنیاد (سبسٹریٹم) کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ ان مادی شرائط کی حیثیت رکھتے ہیں جن کے بغیر سوچنا ناممکن ہے۔

لیکن انسانی دماغ تنہا شعور کے کام کی انجام دہی کے لئے کافی نہیں ہے۔ یہ خود سے گرد و پیش کی دنیا کے اثر و نفوذ سے آزاد رہ کر نہیں سوچ سکتا۔

پاولوف نے کہا کہ دماغ کوئی پیانو نہیں ہے جس سے ہم کوئی بھی نغمہ، اپنی مرضی کی کوئی بھی موسیقی، نکال سکیں۔ شعور انسان کے مادی ماحول سے غیر منفک طور پر وابستہ ہے اور یہ اس ماحول کے اثر و نفوذ کے بغیر کام نہیں کرتا۔ دماغ میں بصارت، سماعت اور بو وغیرہ کی حس صرف معروضی طور پر موجود ان اشیا کے اثر و نفوذ کے تحت ہی پیدا ہوتی ہے جو رنگوں، بوؤں، آوازوں اور دیگر خواص کی حامل ہوتی ہیں جو ان کے اندر خلقی طور پر موجود ہوتے ہیں۔ یہ اشیا اور ان کے خواص اعضائے حسی پر عمل کرتے ہیں، اس عمل کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ہیجانات اعصاب کے ذریعہ دماغی نصف کروں کے قشر (دماغ کی بیرونی تہ) تک پہنچتے ہیں جہاں متعلقہ حس پیدا ہوتی ہے۔ حسوں کی بنیاد پر ادراک، خیالات، تصورات نیز خیال کی دیگر شکلیں تشکیل پاتی ہیں۔ یہ سب کی سب صرف شبیہوں کو معروضی طور پر موجود اشیا اور مظاہر کے کم و بیش بالکل صحیح عکسوں کو پیش کرتی ہیں۔ ان اشیا اور مظاہر کے باہر یہ شبیہیں انسان کے شعور میں نہیں پیدا ہو سکتیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مادی دنیا کا احساس کرنے کی صلاحیت شعور کی ایک ممتاز خصوصیت ہے جو دماغ کا ایک خاصہ ہے۔

انسان کے دماغ میں جو شبیہیں پیدا ہوتی ہیں وہ صرف ان اشیا اور مظاہر کی ہی شبیہیں نہیں ہوتیں جن کا فی الحقیقت وجود ہے بلکہ وہ ایسی چیزوں کی شبیہیں بھی ہو سکتی ہیں جو ابھی تک وجود نہیں رکھتیں۔ انسان مستقبل کی ایک عمارت کی، مستقبل کی ایک مشین کی، مستقبل کے ایک سماجی نظام وغیرہ کی شبیہیں تخلیق کر سکتا ہے، لیکن وہ کسی ایسی چیز کے عکس کی بنیاد پر ابھرتی ہیں جو پہلے سے موجود ہے، وہ اپنے گرد و پیش کی دنیا کے بارے میں انسان کے علم پر مبنی ہوتی ہیں۔

چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسان کا شعور، اعلیٰ تنظیم یافتہ مادے کا، دماغ کا ایک منفرد خاصہ ہے

جس کے ذریعہ شعور مادی صداقت کی عکاسی کرتا ہے۔

عامیانہ مادیت اور عینیت بے بنیاد ہیں

جدلیاتی مادیت کے بخلاف عامیانہ مادیت پسند مادے کو شعور کے ساتھ ایک ہی گردانتے ہیں (عامیانہ مادیت ایک فلسفیانہ رجحان ہے جو انیسویں صدی کے وسط میں جرمنی میں پیدا ہوا)۔ مثال کے طور پر ووگٹ نے کہا کہ خیال کا دماغ کے ساتھ تقریباً وہی رشتہ ہے جیسا کہ پتّے کا جگر کے ساتھ۔

جدلیاتی مادیت شعور کی عامیانہ مادیت پسندانہ تفہیم کو مسترد کرتی ہے اور اس معاملے میں سائنس کی کامیابیوں سے اتفاق کرتی ہے۔ اگرچہ شعور کا تعلق خاص مادی عضویاتی سلسلہ ہائے عمل سے ہوتا ہے، لیکن اسے گھٹا کر ان سلسلہ ہائے عمل تک محدود نہیں کیا جاسکتا۔ خیال کو مادے سے، دماغ سے جدا نہیں کیا جاسکتا، لیکن اسے مادہ ہی قرار دے دینا غلط ہوگا۔ لینن کا کہنا تھا کہ خیال کو مادی سمجھنے کا مطلب ہے ایک غلط قدم اٹھانا، ایسا قدم جو مادیت اور عینیت کے التباس کی جانب لے جاتا ہے۔

خیال ایک شے نہیں ہے، اسے دیکھا نہیں جاسکتا اور اس کی تصویریں نہیں اتاری جاسکتیں۔ خیال دنیا کی اشیا اور مظاہر کی شبیہہ ہے، ایک معنی (مثالی) نہ کہ مادی شبیہہ۔ یہ صداقت کی محض تصویر نہیں ہوتا، اس کی بے جان نقل نہیں ہوتا، بلکہ یہ انسانی دماغ میں مناسب طور پر منتقل شدہ صداقت ہوتا ہے۔ مارکس نے خیال کے بارے میں لکھا ہے کہ "مثالیہ، انسانی دماغ کی منعکس کردہ اور خیال کی شکلوں میں منتقل کردہ مادی دنیا کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے"۔ صداقت، انسان پر عمل کرتے ہوئے، خیال کے خصوصی قوانین مثلاً تجزیہ، تعریف، تعمیم وغیرہ کے عملیت سے گزرتی ہے۔ انسان کو جو چیز جانوروں سے جدا کرتی ہے وہ ہے سوچنے کی صلاحیت، یعنی صداقت کی سرگرمی کے ساتھ عکاسی کرنے، اس پر اثر انداز ہونے، اپنے سامنے بعض مقاصد متعین کرنے اور ان کے حصول کے لئے کام کرنے کی صلاحیت۔

جدلیاتی مادیت اس دعوے کو ایک سنجیدہ غلطی سمجھتی ہے کہ شعور یا خیال تمام مادہ کا وصف ہے مثلاً، اسپنوزا کا خیال تھا کہ شعور ساری قدرت کا اتنا ہی ضروری خاصہ ہے جتنا کہ بعد، جسمانیت۔

یہ خیال غلط ہے کیونکہ یہ بے جان اور جاندار مادے (خاص طور پر سوچنے والے مادے) کے درمیان کیفیتی فرق کو نظر انداز کرتا ہے۔ لینن کا کہنا تھا کہ حس، صاف طور پر ظاہر شدہ شکل میں، مادے کی محض اعلیٰ تر، نامیاتی شکلوں میں خلقی طور پر موجود ہے، جبکہ تمام مادے میں صرف انعکاس کا خاصہ پایا جاتا ہے یعنی

بیرونی اثر و نفوذ پر ایک خاص انداز میں تعامل (ردِ عمل) کرنے کی صلاحیت۔ کسی حد تک یہ خاصہ حس سے ملتا جُلتا ہے، لیکن یہ حس جیسا نہیں ہے، اس لئے شعور کو سارے مادّے کا خاصہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔

ایک نئی سائنس سائبرنیٹکس (علمِ دماغِ مشینی) کی حاصل کردہ کامیابیوں نے سوچنے کی صلاحیت کو بے جان اشیاء سے بھی منسوب کر دینے کی کوششوں کو بڑھاوا دیا ہے۔ یہ علم متعدد کنٹرول کے نظاموں اور کنٹرول کے سلسلہ ہائے عمل کا مطالعہ کرتا ہے اور اس نے شاندار مشینیں تیار کی ہیں۔ ان میں سے بعض مشینیں طیارے کی رہنمائی یا ایک پیچیدہ پیداواری سلسلۂ عمل کی رہنمائی کر سکتی ہیں، بعض مشینیں ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کر سکتی ہیں، انتہائی مشکل ریاضیاتی عمل سر انجام دے سکتی ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ یہ مشینیں باہر سے اطلاع موصول کر سکتی ہیں، اُسے "یاد کر سکتی ہیں"، اس کی چھان بین کر سکتی ہیں اور بہترین حل تلاش کر سکتی ہیں۔ اس چیز نے بعض سائنسدانوں کو حس کا تجربہ کرنے کی صلاحیت کو بلکہ سوچنے کی صلاحیت کو خود کار مشینوں سے منسوب کر دینے کے لئے بنیاد فراہم کی۔

لیکن کامل ترین مشین بھی حسی ادراک کی حامل نہیں ہوتی اور سوچنے کی صلاحیت ہرگز نہیں رکھتی۔ سوچنا صرف انسان کا وصف ہے۔ اور انسان مادی دنیا کے اور خاص طور پر اپنے سماجی ماحول کے ہزارہا سال کے ارتقا کی پیداوار ہے۔ انسان ساری قدرت میں یکتا ہے، انسان اپنے گرد و پیش کی صداقت سے آگاہی حاصل کرتا ہے، اس پر اثر ڈالتا ہے اور اُسے بدلتا ہے۔ انسان کبھی نہ ختم ہونے والی تخلیقی صلاحیت کا مالک ہے، وہ رفیع الشان ثقافتی دولت کا خالق ہے۔ مشین ایسا کوئی کام نہیں کر سکتی، کیونکہ یہ انسان کے ہوشیار ذہن اور ہنرمند ہاتھوں کی تخلیق ہے۔ جو ان وظائف کو پہلے سے جانتا ہے جو یہ مشین انجام دے گی۔ اور وہ خود ہی اس میں اسکی ساری "صلاحیتوں" کی تعمیر کرتا ہے، خواہ یہ صلاحیتیں کتنی ہی پیچیدہ اور شاندار کیوں نہ نظر آئیں (وہ انسان ہی کی تعمیر کردہ ہوتی ہیں)۔

ایک عام سی مشین انسان کی جسمانی محنت کو ہلکا کر دیتی ہے، ایک سائبرنیٹک مشین انسان کے دماغی کام کو ہلکا کر دیتی ہے اور تھکا دینے والی، بے تنوع کارروائیوں سے جن کے لئے کسی تخلیقی کوشش کی ضرورت نہیں ہوتی، دماغ کو نجات دلاتی ہے۔ یہ انسان کی صلاحیتِ دانش میں توسیع کرتی اور اسے بہتر بناتی ہے لیکن سائبرنیٹکس کی سائنس خواہ کسی بھی سطح پر کیوں نہ پہنچ جائے، یہ انسانی خیالات کی حامل کبھی نہیں بن سکتی اور ایک سماجی وجود کی حیثیت سے انسان کا نعم البدل کبھی نہیں بن سکتی۔ مشین ہمیشہ ایک آلہ رہے گی، انسان

کو ذہن میں پیداواری اور آگاہی سے متعلق مسائل کو حل کرنے کا ایک وسیلہ رہیگی۔

چنانچہ ہمیں کسی حالت میں بھی شعور اور مادّہ کو ایک ہی چیز نہیں قرار دینا چاہئیے۔

عینیت پسندوں کا مفروضہ یہ ہے کہ شعور مادّے سے آزاد وجود رکھتا ہے۔ یہ تصور اس حقیقت سے نکلا ہے کہ شعور عینی (مثالی) ہے، نہ کہ مادّی۔ عینیت پسندوں کا استدلال یہ ہے، اگر خیال عینی (مثالی) ہے، اگر یہ ایک شے نہیں ہے اور انسانی دماغ میں نہیں پایا جاتا تو پھر اسے مادّے یا دماغ سے وابستہ نہیں کیا جاسکتا، اور لازمی ہے کہ یہ آزادانہ وجود رکھتا ہو، یہ نہ صرف مادّے سے آزاد ہے، بلکہ یہ مادّے کی تخلیق بھی کرتا ہے۔ عینیت پسند خیال کے پیچھے اس کی اصل، یعنی معروضی دنیا کی چیزوں اور اشیاء کو دیکھنے سے انکار کرتے ہیں۔

خیال کو دماغ سے علاحدہ کرنے کی کوششیں بھی قطعی طور پر کھوکھلی ہیں۔ لینن نے ایسے فلسفے کو جو اس قسم کی کوششیں کرتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ خیال دماغ کے بغیر وجود رکھتا ہے، بجا طور پر "دماغ سے محروم فلسفہ" قرار دیا۔ انھوں نے کہا کہ سائنس اپنے اس دعوے پر سختی کے ساتھ قائم ہے کہ شعور دماغ سے آزاد وجود نہیں رکھتا، یہ کہ شعور ثانوی ہے اور یہ دماغ کا ایک وظیفہ، بیرونی دنیا کا ایک انعکاس ہے۔

اس کے ساتھ ضروری ہے کہ ہم شعور کو مکمل طور پر مادّے کے مقابلے میں لا کھڑا کریں، کیونکہ شعور اعلیٰ تنظیم یافتہ مادّے کا خاصہ ہے، یہ مادّی عوامل کے زیر اثر پیدا ہوتا اور نشوونما پاتا ہے، اور اگرچہ یہ مادّے سے ہی نکلتا ہے لیکن ایک خاص آزادی حاصل کر لیتا ہے اور مادّی دنیا کے نشوونما پر سرگرمی کے ساتھ اثر ڈالتا ہے۔

۲۔ شعور۔ مادّے کے نشوونما کی ایک پیداوار

شعور کا آغاز اور نشوونما: جیسا کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں، سارے مادّے میں انعکاس کا ذاتی عمومی خاصہ موجود ہوتا ہے یعنی بیرونی اثر و نفوذ کے تحت خود اپنی اندرونی طور پر تعمیرِ نو کرنے، بیرونی اثر و نفوذ پر اس کے مطابق تعامل (ردِّ عمل) کرنے کی صلاحیت۔ انعکاس ہمیشہ دو (یا دو سے زیادہ) اجسام، فعلی اور انفعالی اجسام کے تعامل سے وابستہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انعکاس کے کردار کا انحصار بیرونی اثر و نفوذ پر اور اثر و نفوذ پر تعامل (ردِّ عمل) کرنے والے جسم کی اندرونی حالت پر، دونوں پر ہوتا ہے۔

اگر ہم اِس سلسلہ میں ایک بے جان جسم اور ایک زندہ عضویئے اور ایک انسان کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ وہ دنیا کا انعکاس مختلف طور پر کرتے ہیں۔

سادہ، انفعالی انعکاس ایک بے جان شے میں خلقی طور پر موجود ہوتا ہے۔ اِس قسم کا (بے جان) جسم ماحول کے عوامل میں امتیاز نہیں کرتا، سازگار عوامل کا انتخاب نہیں کرتا اور ناسازگار عوامل سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کا اہل نہیں ہوتا۔

ایک زندہ عضویہ بیرونی اثر و نفوذ پر مختلف انداز میں تعامل (ردِ عمل) کرتا ہے۔ یہ اپنے آپ کو ماحول کے مطابق ڈھالتا ہے، متعدد بیرونی ہیجات پر مختلف انداز میں تعامل (ردِ عمل) کرتا ہے اور غیر ضروری، نقصان دہ عوامل سے بچتے ہوئے سازگار عوامل کو استعمال کرتا ہے۔ ایک زندہ عضویہ اپنے آپ کو کامیابی کے ساتھ ماحول کے مطابق ڈھال لینے ہی کی وجہ سے زندہ رہتا اور نشو و نما پاتا ہے۔

ہم انسان میں انعکاس کی کیفیتی لحاظ سے ایک نئی شکل پاتے ہیں جو صداقت کا شعوری طور پہ انعکاس کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ انسان اپنے آپ کو نہ صرف ماحول کے مطابق ڈھالتا ہے، بلکہ وہ ماحول پر عمل کرتا ہے، اور اپنے حاصل شدہ علم کی بنیاد پر اُسے بدلتا ہے۔

شعور کے آغاز کا تعین کرنے کے لئے ضروری ہوگا کہ ہم بے جان مادے سے زندہ مادے میں اور پھر سوچنے والے مادے (انسانی دماغ) میں منتقلی کا پتہ لگائیں اور یہ دیکھیں کہ کس طرح غیر زندہ، انفعالی انعکاس، فعلی، انتخابی انعکاس میں، جو ہر زندہ چیز میں خلقی طور پہ موجود ہوتا ہے، بدل گیا اور کس طرح موخر الذکر انعکاس سے سوچنے کی صلاحیت پیدا ہوئی۔

بے جان مادے سے جان دار مادے تک اور پھر یہاں سے سوچنے والے مادے تک

سائنس کے پاس ایسے بہت سارے حقائق موجود ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ زندہ قدرت نے غیر زندہ بے جان قدرت سے جنم لیا۔ اِن دونوں کے درمیان کوئی ناقابلِ عبور سرحد موجود نہیں ہے۔ کیمیاوی تجزیئے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بے جان اشیا اور زندہ عضویئے، دونوں ایک ہی کیمیاوی عناصر سے بنے ہوئے ہیں زندہ عضویوں میں بڑی مقدار میں ہائیڈروجن آکسیجن، نائٹروجن اور خاص طور سے کاربن موجود ہوتی ہے جو اُن کی کیمیاوی ساخت کی اور ان کے حیاتیاتی فعل کے اصلوں کی بنیادی تشکیل کرتی ہے۔

سائنس دانوں نے یہ مفروضہ پیش کیا ہے کہ بنیادی "گیس۔ غبار" مادہ جس سے ہماری زمین نے

تشکیل پائی، ابتداً ہائیڈروجن اور دیگر جوہروں کے ساتھ کاربن کے سادہ ترین مرکبات، ہائیڈروکاربنوں پر مشتمل تھا جس سے بعد میں زیادہ پیچیدہ نامیاتی مرکبات بنے۔ ایک دوسرے کے ساتھ کیمیاوی تعلق قائم کر کے نامیاتی مرکبات زیادہ سے زیادہ پیچیدہ ہوتے گئے۔ تاآنکہ امینو ایسڈز کی تشکیل عمل میں آئی جو پروٹینی سالموں کے بنیادی عناصر ہیں۔ نامیاتی جوہر جیسے جیسے زیادہ ممتاز اور پیچیدہ ہوتے گئے، اُنکی انعکاسی صلاحیت بھی زیادہ متنوع اور پیچیدہ ہوتی گئی۔

کروڑوں سال بعد امینو ایسڈ سے تشکیل پانے والے اس بنیادی کیمیاوی پروٹین کے سالمے ایک زندہ پروٹینی جسم میں بدل گئے اور اس طرح انھوں نے تحوّل کا خاصہ حاصل کر لیا جو ہر زندہ چیز کی بنیادی خصوصیت ہے۔

ابتدا میں اِن پروٹینوں نے اور دیگر پیچیدہ نامیاتی مرکبات نے، غیر نامیاتی نمکوں کے ساتھ مل کر خصوصی قطرہ نما مرکبات کی تشکیل جو کواسرویٹ کہلاتے ہیں اور جو آبی ماحول کے ساتھ تحوّلی تبادلہ باہمی میں داخل ہونے اور دیگر نامیاتی جوہروں کو جذب کرنے کے اہل تھے۔ اس کے بعد انتہائی پیچیدہ کثیر السالماتی پروٹین جو زندگی کی اہل تھی، زیادہ مستحکم کواسرویٹوں سے تشکیل پذیر ہوئی۔ ایک سازگار ماحول میں رہ کر اور اس ماحول کے ساتھ تحوّلی تبادلہ باہمی میں داخل ہو کر یہ پروٹین ایک عضویہ بن گئی۔

تحوّل انجذاب کا (ماحول سے غذائی جوہر حاصل کرنا اور ان جوہروں کا عضویئے کے زندہ خلیوں اور بافتوں میں بدل جانا)، اور تفرّق کا (اس زندہ بافت کا انتشار اور تباہی)، ایک متضاد سلسلۂ عمل ہے۔ یہ سلسلۂ عمل صرف ایک عضویئے میں زندہ پروٹین میں خلقتاً پایا جاتا ہے۔ ماحول کے ساتھ تحوّلی تبادلۂ باہمی اور مسلسل بازپیدائش سادہ ترین عضویئے کو پیچیدہ ترین بے جان جسم سے ممیز کرتے ہیں۔ صرف تحوّل کے ذریعے ہی، یعنی غذائی جوہروں کو جذب کر کے اور اُن کے انتشار سے پیدا ہونے والے مادّے کو خارج کر کے ہی ایک عضویہ زندہ رہ سکتا اور فروغ پا سکتا ہے۔ اینگلز نے لکھا ہے: "زندگی پروٹینی اجسام کے وجود کا طرز ہے، جن کا بنیادی عنصر اُن سے باہر موجود قدرتی ماحول کے ساتھ مسلسل تحوّلی تبادلۂ باہمی پر مشتمل ہوتا ہے اور جو اس تحوّل کے ختم ہونے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے۔"

اوّلین سادہ ترین زندہ عضویوں کا ظہور، انعکاس کے نشوونما میں جو مادّے کا ایک عمومی ذاتی خاصہ ہے اور دماغ کے نشوونما میں ایک زبردست پیشقدمی کی حیثیت رکھتا تھا۔ صداقت کا انعکاس، جو بے جان قدرت میں خلقی طور پر پایا جاتا ہے، کیفیتی لحاظ سے ایک نئے، حیاتیاتی انعکاس میں بدل گیا۔ حیاتیاتی

انعکاس کی سادہ ترین شکل ہیجات پر جوابی عمل ہے جو سارے عضویوں میں خلقی طور پر موجود ہوتا ہے اور جو ان عضویوں کے بیرونی ماحول کے مطابق ڈھل جانے میں ایک وسیلے کا کام دیتا ہے۔

مثلاً پودے دھوپ کے سلسلے میں بہت حساس ہوتے ہیں، وہ واقعی دھوپ کی طرف بڑھتے ہیں کیونکہ یہ اُنکی زندگی کا سرچشمہ ہے۔ سادہ ترین ایک خلیئے والا عضویہ امیبا غذا کے ہیجان پر تعامل (ردِ عمل) کرتا ہے اگر اسنے فوراً ہی بعد غذا نگل لی ہو تو غذا کے ہیجات اُس پر کوئی اثر نہیں کرتے۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ امیبا، کسی بھی دوسرے عضویئے کی طرح ہیجات پر جوابی عمل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوئے، بیرونی دنیا کا انعکاس انفعالی طور پر نہیں بلکہ انتخابی طور پر کرتا ہے۔ اس کا جسم مفید اور ضروری ہیجات کی جانب گویا کھنچتا ہے اور نقصان دہ، غیر ضروری ہیجات کو مسترد کرتا ہے۔ لیکن اس کی انتخابی قوت زیادہ بڑی نہیں ہوتی ہے۔ ایک سادہ زندہ عضویہ ایسے اعضا یا فنوں یا خلیوں کا حامل نہیں ہوتا جو ہیجات کی خصوصی شکلوں کی جانب خاص طور پر قبول پذیر ہوتے ہیں۔ سادہ زندہ عضویہ اپنی کلیت کے ساتھ بیرونی ہیجات پر جوابی عمل کرتا ہے۔

مزید ارتقا کے عمل کے دوران جبکہ خود زندہ عضویئے زیادہ پیچیدہ ہوتے گئے اور ماحول بھی زیادہ پیچیدہ ہوتا گیا، انعکاس کی ایک اور بھی اعلیٰ تر شکل، حس، ہیجات پر جوابی عمل کی بنیاد پر، اُبھری لینن نے لکھا کہ حس بیرونی ہیجان کی توانائی کو شعور میں تبدیل کر دیتی ہے۔ حسیں ہیجات پر جوابی عملوں کی طرح عضویوں پر بیرونی اثر و نفوذ کا نتیجہ ہوتی ہیں، لیکن بیرونی ہیجات کا حلقہ بہت بڑھ گیا تھا اور اس طرح زندہ عضویہ رنگ آواز، بو پر تعامل (ردِ عمل) کرنے لگا۔ اُس نے ذائقہ، سردی، گرمی اور نمی کی حسیں اختیار کر لیں اور وہ میکانکی، طبعیاتی، اور دیگر قسم کے اثر و نفوذ پر جوابی عمل کرنے لگا۔ عضویئے میں ایسے اعضا نمودار ہو گئے، جو بیرونی اثر و نفوذ کے صرف ایک خاص حلقے (رنگ، آواز، بو وغیرہ) کا ادراک کرتے تھے۔ بعد میں جیسے جیسے زندہ عضویئے فروغ پاتے گئے، اُن کی حسیں زیادہ نازک اور متنوع ہوتی گئیں۔ ماحول کے مطابق ڈھل جانے کی زندہ عضویئے کی صلاحیت بڑھتی گئی اور ماحول کے ساتھ رابطہ قائم رکھنے کے لئے ایک خصوصی عضو، مرکزی اعصابی نظام نمودار ہوا۔

حیاتیات کے میدان میں "افعالِ اضطراری" کے مطالعے سے یہ ظاہر ہوا ہے کہ گرد و پیش کی دنیا کا انعکاس کرنے کی، ماحول کے مطابق ڈھل جانے کی صلاحیت اعلیٰ تر اور ادنیٰ تر حیوانوں میں ایک جیسی نہیں ہوتی۔ افعالِ اضطراری بیرونی اثر و نفوذ پر زندہ عضویئے کے جوابی تعامل (ردِ عمل) ہوتے ہیں۔ ان تمام افعالِ اضطراری کو

غیر مشروط اور مشروط افعالِ اضطراری میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ غیر مشروط افعالِ اضطراری ادنیٰ تر اور اعلیٰ تر، تمام زندہ عضویوں میں خلقی طور پر موجود ہوتے ہیں۔ یہ پیدائشی اور موروثی ہوتے ہیں۔ اگر کسی انسان کا ہاتھ کسی گرم چیز سے چھو جائے تو وہ فوراً ہاتھ کو کھینچ لیتا ہے۔ یہ ایک غیر مشروط فعلِ اضطراری ہے۔ غیر مشروط افعالِ اضطراری کی پیچیدہ باہمی پیچیدگی جبلتوں (جنس، غذا وغیرہ) کی تشکیل کرتی ہے جو ایک زندہ عضویے کی زندگی اور نشوونما میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

اعلیٰ تر حیوانات مشروط افعالِ اضطراری کے بھی حامل ہوتے ہیں جو ایک عارضی نوعیت کے ہوتے ہیں اور مخصوص حالات میں تشکیل پاتے ہیں۔ اگر کسی کتے کو کچھ عرصہ تک گھنٹی بجا کر کھانا کھلایا جائے تو ایک ایسا وقت آئے گا جب کتا گھنٹی کے بجنے پر اسی انداز میں تعامل (ردِ عمل) کرے گا جس انداز میں وہ کھانے کے وقت کرتا ہے، اس کی رال بہنے لگے گی۔ کتے کے دماغ میں ایک عارضی رابطہ قائم ہو جاتا ہے جس کے تحت گھنٹی کی آواز کھانے کا سگنل بن جاتی ہے۔ باقی تمام مشروط افعالِ اضطراری اسی اصول پر تشکیل پاتے ہیں۔ ان کی وجہ سے عضویہ اپنے آپ کو بہت زیادہ باریکی کے ساتھ ماحول کے مطابق ڈھالتا ہے اور ماحول کے اثر و نفوذ کے سلسلے میں بہت زیادہ حساس ہوتا ہے۔ مشروط افعالِ اضطراری جو زندہ عضویے کیلئے خصوصی اہمیت اختیار کر لیتے ہیں، مقرر ہو جاتے ہیں اور غیر مشروط افعالِ اضطراری کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ موخر الذکر کی بنیاد پہ نئے عارضی روابط پیدا ہوتے ہیں، جن کا ایک حصہ پھر مقرر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ زندہ عضویوں کے ارتقا کے عمل کے دوران، دماغیت مسلسل ترقی کرتی رہی اور یہ چیز بالآخر ذی حس مادے کو سوچنے کی صلاحیت حاصل کرنے کی طرف لے گئی۔

شعور کے فروغ میں انسان اور اعلیٰ تر حیوانات، دونوں ہی جس کا تجزیہ کر سکتے ہیں۔ پاولوف

محنت کا فیصلہ کن رول کے کہنے کے مطابق یہ صلاحیت ایک عضویاتی بنیاد پہ قائم ہے جو انسان اور حیوانات دونوں میں مشترک ہے یعنی سگنلوں کا اوّلین نظام۔ یہ ایک میکانیت (میکانزم) ہے جس کے ذریعہ زندہ عضویہ محسوس اشیا اور مظاہر کے عمل پر براہِ راست جوابی عمل کرتا ہے۔ اشیا اعضائے حسی پر عمل کرتی ہیں اور ایک حیوان کے اعصابی نظام میں متعلقہ حسوں کو ابھارتی ہیں۔ حیوان صرف انھیں سگنلوں کو جانتا ہے۔

حیوانوں کے برخلاف انسان کی حسیں ہمیشہ عقل کی روشنی سے منور رہتی ہیں۔ انسان مجرد سوچ

کا، یعنی الفاظ میں پیش کردہ تصورات میں صداقت کے تعمیم شدہ انعکاس کا اہل ہے۔ چونکہ الفاظ موجود ہیں جو خاص اشیا کو ظاہر کرتے ہیں اور ان سے ناقابل شکست طور پر وابستہ ہوتے ہیں، اس لئے انسان الفاظ پر اسی طرح تعامل (ردِ عمل) کرتا ہے جس طرح وہ خود اشیا کے براہِ راست اثر و نفوذ پر۔ چونکہ اوّلین سگنل اشیا خود ہوتی ہیں اس لئے اُن کا اظہار کرنے والے الفاظ ثانوی سگنلوں کا رول اختیار کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ پاولوف نے کہا، الفاظ "سگنلوں کا سگنل" ہیں۔ پاولوف نے اُس عضویاتی میکانیت کو جس کے ذریعہ انسان الفاظ پر گفتگو پر تعامل (ردِ عمل) کرتا ہے، سگنلوں کا دوسرا نظام قرار دیا۔ یہ نظام صرف انسان کا وصف ہے۔

سگنلوں کے پہلے اور دوسرے نظام ایک دوسرے کے ساتھ نامیاتی طور پر مربوط ہیں، وہ انسان کو صداقت کا ہمہ گیر اور گہرا علم عطا کرتے ہیں۔

اور چنانچہ انسان کا شعور حیوانوں کی دماغیت سے کیفیتی طور پر مختلف ہوتا ہے۔

اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ حیوانوں کی دماغیت صرف حیاتیاتی نشو و نما کا ماحصل ہوتی ہے، جبکہ انسان کا شعور تاریخی، سماجی نشو و نما کا نتیجہ ہے۔

انسانوں کی حِسیں بھی حیوانوں کی حِسوں سے قطعی طور پر مختلف ہوتی ہیں مثلاً عقاب کی آنکھیں انسانی آنکھوں کے مقابلہ میں بہت دور تک دیکھ لیتی ہیں لیکن جو چیز دیکھی جا رہی ہے اس میں انسان کی بصیرت عقاب کے مقابلے میں بے پایاں زیادہ ہے۔

مارکس کا کہنا ہے کہ انسان کے پانچ اعضائے حِسی کی تشکیل ساری عالمی تاریخ کی پیداوار ہے۔ موسیقی کے لئے انسان کے کان، قدرتی حسن کے لئے اُس کی آنکھ، اس کے اعلیٰ ذوق اور دیگر اعضائے حِسی نے انسانی سماج کے عملی تجربے کی بنیاد پر فروغ پایا ہے۔

محنت، یعنی مادّی اقدار کی پیداوار، انسان کے نشو و نما میں، اس کے شعور کے ظہور اور فروغ میں ایک فیصلہ کُن عامل ہے۔ اینگلز نے کہا ہے، "محنت نے خود انسان کی تخلیق کی"۔ محنت کے سبب ہمارے جدِ امجد نے، وحشی نے انسانی ہیئت حاصل کی۔ محنت نے انسان کو غذا، لباس اور سر چھپانے کی جگہ فراہم کی اور اُسے نہ صرف عنصری قوتوں سے بچایا، بلکہ اُسے ان قوتوں کو مطیع کرنے، اُن سے کام لینے کا بھی اہل بنایا۔ محنت کے ذریعہ انسان نے اپنے آپ کو یکسر بدل ڈالا اور ہماری دُنیا کو بھی بدل ڈالا۔ محنت انسان کی

عظیم ترین دولت ہے اور اس کی زندگی اور ترقی کے لئے ناگزیر ہے۔

انسان نما بندر (ایپ) محنت کی لازمی بنیادی شرائط کے حامل تھے۔ وہ غذا کے حصول کیلئے ڈنڈے، پتھر اور سادہ اشیا استعمال کرتے تھے۔ لیکن اُن کا یہ عمل غیر شعوری اور اتفاقی تھا۔ نہ تو بندر اور نہ کوئی دوسری قسم کے جانور اس بات کے اہل ہیں کہ سادہ ترین اوزار بھی بنا سکیں۔ لیکن انسان نے اوزار بنائے اور انھیں استعمال کیا اور اس چیز نے اس کی محنت کو کیفیتی طور پر مختلف بنا دیا۔ اِس بات کو سیکھنے کے لئے انسان کو لکھوکھا برس لگے۔ اور یہ وہ مدت تھی جسکے دَوران بندر انسان بن گیا اور اسکے دماغ نے تشکیل پائی اور ترقی کی۔

انسان نما بندر کا سیدھے کھڑے ہو کر حرکت کرنے کا عمل اختیار کر لینا محنت کے اور شعور کی اوّلین جبلتوں کے حالات کی تخلیق کے لئے زبر دست اہمیت کا حامل تھا۔ سیدھے کھڑے ہونے کے انداز کا مطلب یہ تھا کہ سامنے کے اعضا کو چلنے میں مدد دینے کے لئے استعمال کرنے کی ضرورت نہیں تھی اور انھیں اب کام کے لئے استعمال کیا جا سکتا تھا۔ ابتداً ہمارے جدِ امجد نے اپنے ہاتھوں کی مدد سے "اوزاروں" (ڈنڈوں اور پتھروں) کو اُن کی اصلی حالت میں استعمال کیا اور اسکے بعد وہ بتدریج انھیں اپنی مرضی کے مطابق بدلنے لگا۔ اوّلین اوزار انتہائی ابتدائی نوعیت کے تھے (ایک بیڈھب تراشا ہوا پتھر، ایک نکیلی کی ہوئی لکڑی وغیرہ)۔ اُس دور کے انسان کا شعور بھی ابتدائی نوعیت کا تھا۔ وہ ابھی تک اشیا کی نوعیت میں امتیاز نہیں کرتا تھا، یہ نہیں سمجھتا تھا کہ وہ (اشیا) کیا مشترکہ خصوصیات رکھتی ہیں اور یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ (اشیا) کس طرح اس کے لئے مفید ہو سکتی ہیں۔

محنت کے مزید نشو و نما اور بہتری کے ساتھ انسانی شعور کی پیش قدمی جاری رہی۔ انسان اپنی بقا کے لئے وسائل کے حصول کے عمل میں جیسے جیسے متعدد اشیا سے دوچار ہوتا گیا، ویسے ویسے وہ اُن کے خواص کو جانتا گیا، اُن کا مقابلہ کرتا گیا اور یہ سمجھنے لگا کہ ان میں کون سی خصوصیت مشترک ہے۔

محنت کے آلات کا بنایا جانا اور اُن کا بہتر کیا جانا شعور کے فروغ کے لئے خاص طور پر اہم تھا۔ آلات جو ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتے رہے، تجربے اور علم کی تجسیم تھے۔ آنے والی نسلیں جو اپنے آبا و اجداد کے اوزاروں کو بنانے اور استعمال کرنے کے طریقوں سے واقف ہوتی تھیں، ان اوزاروں کو بہتر بناتے رہنے اور انھیں ترقی دیتے رہنے کی اہل تھیں۔

قدیم انسان کا شعور اُس کی محنت سے نمایاں طور پر وابستہ تھا۔ گویا یہ اس کی محنت کی سرگرمی کے ساتھ جسپیدہ تھا۔ اور یہ بات قابل فہم بھی ہے، کیونکہ انسان نے سب سے پہلے وہ چیز سیکھی جو اس کی محنت سے اسکی احتیاجات کی تسکین سے براہِ راست تعلق رکھتی تھی۔ یہ محض اتفاق نہیں ہے کہ قدیم فن میں انسان کی محنت کی تصویر اتنی زیادہ نظر آتی ہے۔

چنانچہ، محنت اور خیال کے اتحاد میں، اور محنت کی بنیاد پر، انسان کے شعور نے نشوونما اور بہتری پائی۔

زبان اور خیال: زبان یعنی مربوط گویائی انسانی شعور کو فروغ دینے میں زبردست اہمیت کی حامل تھی۔ زبان نے، جو شعور کے ساتھ، محنت کی بنیاد پر اُبھری، انسان کو حیوانی دنیا سے بلند ہونے، اپنی سوچ کو ترقی دینے اور مادی پیداوار کی تنظیم کرنے کا اہل بنانے میں انتہائی عظیم کردار انجام دیا۔ محنت ہمیشہ سماجی رہی ہے۔ اپنے وجود کے اولین دنوں سے ہی انسانوں کے لئے ضروری تھا کہ وہ قدرت کی زبردست قوتوں کے خلاف لڑنے کے لئے، قدرت سے اپنی روزی حاصل کرنے کے لئے متحد ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ محنت کے سلسلۂ عمل کے دوران لوگوں کے درمیان کچھ کہنے سننے کی، ایک دوسرے کو کچھ بتانے کی ضرورت پیدا ہوئی۔ اِس شدید ضرورت کے ذریعہ بندر کا کم ترقی یافتہ حنجرہ ایک ایسے عضو میں تبدیل ہو گیا جو گویائی کی مربوط آوازیں نکال سکتا تھا۔

مارکس نے زبان کو "خیال کی براہِ راست صداقت" کا نام دیا۔ اور انھوں نے ایسا اِس لئے کیا کیونکہ خیال صرف لفظ کے مادی پیکر میں ہی وجود رکھ سکتا ہے۔ خواہ کوئی انسان خود سوچے، یا اپنے خیالات کا باآوازِ بلند اظہار کرے، یا انھیں تحریر میں لائے، خیال ہمیشہ الفاظ کے پیکر میں ہی ہوتا ہے۔ زبان کے نتیجے میں خیالات نہ صرف تشکیل پاتے ہیں، بلکہ اُن کی ترسیل بھی ہوتی ہے اور اور لگ بھی۔ الفاظ میں اور الفاظ کے مجموعوں میں انسان اپنے شعور میں معروضی دنیا کے انعکاس کے نتائج کا تقرر کرتا ہے جس سے نہ صرف لوگوں کے لئے تبادلۂ خیالات ممکن ہوتا ہے بلکہ خیالات کو ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کرنا بھی ممکن ہوتا ہے۔ گویائی اور تحریری زبان کے بغیر نسل کا نسل کا بیش قیمت تجربہ رائیگاں چلا جاتا اور ہر نئی نسل مجبور ہوتی کہ دنیا کے مطالعے کے مشکل سلسلۂ عمل کو پھر سے شروع کرے۔

زبان صداقت کے ساتھ براہِ راست مربوط نہیں ہے، بلکہ خیال کے ذریعے ہے۔ چنانچہ بعض اوقات کسی خاص لفظ کے کسی خاص مادی شے کے ساتھ براہِ راست ربط کو متعین کرنا آسان نہیں ہوتا۔ مختلف

زبانوں میں اور حتیٰ کہ ایک زبان میں بھی اکثر ایک ہی لفظ متعدد اشیا کے لئے استعمال ہوتا ہے، یا متعدد الفاظ ایک ہی شے کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ یہ ساری چیزیں اس خیال کو جنم دیتی ہیں کہ زبان صداقت سے آزاد ہے۔
اس غلط خیال کے داعی علمیاتی عینیت پسند ہیں جو عصر حاضر کے بورژوا فلسفے کے اس رجحان کے نمائندے ہیں۔ وہ زبان کو خیال سے اور خیال کو صداقت سے الگ کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ الفاظ کو انسان من مانے طریقے سے ڈھالتا ہے اور یہ کسی حقیقی شے کو متعین نہیں کرتے، الفاظ محض آوازوں کے مجموعے ہیں۔ چنانچہ اس مقدمے کی بنا پر بعض لوگ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ عصر حاضر کی سرمایہ داری، استحصال، جارحیت وغیرہ محض خالی خولی الفاظ یا آوازیں ہیں۔ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سماجی تصادم کے سارے منبعوں کو ختم کرنے کے لئے، موجودہ دور کی سرمایہ داری کے تمام تر نقائص کو غائب کر دینے کے لئے محض یہ کافی ہوگا کہ لوگ ان الفاظ کو دوسرے الفاظ سے بدل دیں۔

لیکن الفاظ من مانے طریقے پر لوگوں کے ڈھالے ہوئے نہیں ہوتے بلکہ وہ خاص اشیا اور مظاہر سے وابستہ ہوتے ہیں جیسا کہ انہیں عملی سرگرمی کے دوران سمجھا جاتا ہے۔ الفاظ کی تبدیلی سے معروضی سلسلۂ عمل نہ تو تبدیل ہو جاتے ہیں اور نہ ختم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً سرمایہ داری کے معذرت خواہوں نے موجودہ سرمایہ دارانہ سماج کو بیان کرنے کے لئے درجنوں خوبصورت الفاظ ڈھالے ہیں: "عوامی سرمایہ داری"، "خوشحال معاشرہ"، "معاشی انسان دوستی" وغیرہ۔ لیکن ان الفاظ نے سرمایہ داری کو اس کے استحصال، بے روزگاری اور طبقاتی مخاصمت کے ساتھ ختم نہیں کر دیا ہے۔ سرمایہ داری صرف بورژوازی کے خلاف پرولتاریہ کی جدوجہد کے نتیجے میں ہی، سوشلسٹ انقلاب کے نتیجے میں ہی ختم ہوگی۔

چنانچہ شعور مادے کے طویل ارتقا کی پیداوار ہے۔ لیکن یہ مادے کی بنیاد پر صورت پذیر ہو کر مادے کے نشوونما پر سرگرمی کے ساتھ اثر انداز ہوتا ہے۔

مادیت کو بے اعتبار ثابت کرنے کی کوشش میں عینیت پسند یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ چونکہ مادیت پسند مادے کو ہر موجود چیز کی بنیاد قرار دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اشیا معروضی طور پر شعور سے آزاد وجود رکھتی ہیں، اس لئے وہ (مادیت پسند) شعور کے رول کی اہمیت کو گھٹاتے ہیں اور اسے وجود کا محض ایک انفعالی انعکاس سمجھتے ہیں۔
لیکن جدلیاتی مادیت مادے کے، وجود کے نشوونما میں شعور کے رول کی اہمیت کو ہرگز نہیں گھٹاتی۔

شعور مادے کی پیداوار کی حیثیت سے اور اُس کے عکس کی حیثیت سے انفعالی نہیں رہتا بلکہ دنیا پر سرگرمی کے ساتھ اثر ڈالتا ہے۔ اِسی مفہوم میں لینن نے یہ لکھا ہے: "انسان کا شعور معروضی دنیا کا محض انعکاس نہیں کرتا، بلکہ اس کی تخلیق بھی کرتا ہے۔"

بے شک، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شعور وجود پر براہِ راست اثر ڈالتا ہے، یا یہ کہ دنیا کی تخلیق کرتا ہے۔ خیال خود بخود تو گھاس کے ایک حقیر سے پتے کو بھی نہیں ہلا سکتا۔ اصل مطلب یہ ہے کہ شعور، اگر یہ دنیا کا صحیح طور پر انعکاس کرتا ہو، دنیا کو تبدیل کرنے میں انسان کے تخلیقی کام کی رہنمائی کے فرائض سر انجام دے سکتا ہے۔

شعور کے فعال رول کا، خاص طور پر سماج کی زندگی میں اُس کے فعال رول کا آئندہ ابواب میں زیادہ تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا جائے گا۔

چھٹا باب

جدلیاتی مادیت نشو و نما اور آفاقی رابطے کے نظریے کی حیثیت سے

جدلیاتی مادیت، یعنی مارکسی فلسفے میں مادیت اور جدلیات ناقابلِ شکست طور پر ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ گزشتہ ابواب میں ہم نے مارکسی فلسفے کی مادیت کا جائزہ لیا ہے۔ اب ہم مارکسی مادی جدلیات اور اس کی عملی اہمیت کا تفصیلی تجزیہ کرینگے۔

۱۔ جدلیات ۔ نشو و نما کا نظریہ

جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں، مارکسی جدلیات دُنیا کا مستقل حرکت، تبدیلی اور نشو و نما کی حالت میں جائزہ لیتی ہے۔ ہمارا روز مرہ کا تجربہ اور سائنس اور تاریخ کا فروغ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ دنیا میں کوئی بھی اشیا یا مظاہر غیر تغیر پذیر نہیں ہیں۔

دنیا میں ہر شے نشو و نما پاتی ہے۔ کائنات کے ان گنت اجسام، نظامِ شمسی، کرۂ ارض اور اس پر موجود ہر شے مادے کے طویل ارتقا کی پیداوار ہیں۔ خود انسان بھی جو قدرت کی کامل ترین پیداوار ہے، مادی دنیا کے ارتقا کے سلسلۂ عمل کے دوران صورت پذیر ہوا۔

جیسا کہ خاص طور پر موجودہ صدی سے ثبوت ملتا ہے جو زبردست تاریخی ترقی اور فقیدالمثال سماجی تبدیلی کی صدی ہے، انسانی سماج بھی نشو و نما پا رہا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام ٹوٹ پھوٹ رہا ہے اور ایک نیا، کمیونسٹ سماج اس کی جگہ لینے آ رہا ہے۔ دُنیا کے خاصے بڑے حصے میں سوشلسٹ نظام کی جڑیں مضبوط ہو چکی ہیں۔ سامراج کا نوآبادیاتی نظام پارہ پارہ ہو گیا ہے اور نوآبادیاتی نظام کے خلاف شدید جد و جہد میں ایک کے بعد دوسری قوم آزادی حاصل کرتی چلی جا رہی ہے۔

ہم سائنس اور ٹکنولوجی میں بھی ایک زبردست انقلاب دیکھ رہے ہیں۔ انسان ایٹم کی گہرائیوں میں

اُتر گیا ہے اور اس نے اس کی عظیم قوتوں کو مسخر کر لیا ہے۔ لامحدود انسانی عقل کے آگے بیرونی خلا کی حدیں سُکڑ رہی ہیں۔ عوام کا شعور، خیالات، نظریات اور نقطہ ہائے نظر بھی جو مادی دنیا کا انعکاس کرتے ہیں، بدلتے جاتے ہیں۔

چنانچہ مسلسل نشو و نما، اشیا اور مظاہر کا ایک حالت سے گزر کر دوسری حالت اختیار کر لینا، ایک چیز کا دوسری چیز کی جگہ لے لینا مادی دنیا کی ایک اہم امتیازی خصوصیت ہے۔ اشیا اور مظاہر کا علم حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلے تو یہ ضروری ہے کہ ان کی مسلسل تبدیلی اور نشو و نما کا مطالعہ کیا جائے۔ ایک شے سے صحیح معنوں میں واقف ہونے کیلئے ضروری ہے کہ ہم اُس کا اسکے نشو و نما میں "خود حرکتی" میں، حالتِ تبدیلی میں جائزہ لیں۔

دنیا کے نشو و نما کی عمومی تصویر کا مطالعہ مادی جدلیات کا ایک اہم پہلو ہے۔ اینگلز نے لکھا کہ جدلیات "قدرت، انسانی سماج اور خیال کی حرکت اور نشو و نما کے عمومی قوانین کی سائنس" ہے۔

مارکسی جدلیات نشو و نما کو ادنیٰ سے اعلیٰ کی جانب، سادہ سے پیچیدہ کی جانب حرکت سمجھتی ہے۔ اسے ایک انقلابی سلسلۂ عمل سمجھتی ہے جو چھلانگوں کے ذریعے ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے کی طرف بڑھتا ہے۔ مزید برآں یہ کہ یہ حرکت ایک بند سرکٹ میں نہیں ہوتی بلکہ مرغولوں (اوپر اُٹھتے ہوئے چکروں) میں ہوتی ہے اور ہر چکر پچھلے چکر کے مقابلے میں زیادہ گہرا، زیادہ متمول اور زیادہ متنوع ہوتا ہے۔ جدلیات اشیا اور مظاہر میں خلقی طور پر موجود تضادات کو نشو و نما کا منبع قرار دیتی ہے۔ صرف مارکسی جدلیات ہی نشو و نما کے سلسلۂ عمل کی صحیح، حقیقی سائنسی تفہیم فراہم کرتی ہے۔

مادی جدلیات کے بنیادی قوانین دنیا کے نشو و نما، اس سے آگاہی اور اسکی تبدیلی کی ایک عمومی تصویر پیش کرتے ہیں۔ اضداد کی وحدت اور جدوجہد کا قانون نشو و نما کے منابع کا، اسکی محرکہ قوتوں کا انکشاف کرتا ہے۔ کمیتی تبدیلیوں کے کیفیتی تبدیلیوں کی شکل اختیار کر لینے کا قانون چھلانگوں کے ذریعہ دنیا کی انقلابی تبدیلی کا اور اشیا کی ذاتی کمیتی تبدیلیوں کے بنیادی، کیفیتی تبدیلیوں میں مسلسل بدلتے جانے کا اظہار کرتا ہے۔ نفی کی نفی کا قانون نشو و نما کے ترقی پسندانہ مرغولہ نما کردار کو ظاہر کرتا ہے۔ ان تمام قوانین کا اگلے باب میں جائزہ لیا جائیگا۔

جوہر کا ناقابلِ تسخیر ہونا: مادی دنیا کا نشو و نما قدیم (پرانے) کے مرنے اور جدید (نئے) کے عالمِ وجود میں آنے کا ایک کبھی نہ ختم ہونیوالا سلسلۂ عمل ہے۔ مثلاً قشرِ ارض کی تاریخ ہمیشہ نئے ارضیاتی ڈھانچوں

کی تشکیل کی تاریخ ہے۔ نباتات اور حیوانات کی دُنیا میں قدیم نامیاتی اشکال کی جگہ جدید اور بہتر اشکال وجود میں آتی ہیں۔ زندہ عضویوں میں خلیوں کی مسلسل باز پیدائش ہوتی رہتی ہے، پُرانے خلئے مرتے رہتے ہیں اور نئے خلئے بنتے رہتے ہیں۔ اور سماج میں بھی سماجی ڈھانچے کی فرسودہ شکلیں مرجاتی ہیں اور نئی، ترقی پسند شکلوں کا ظہور ہوتا ہے۔

چنانچہ ترقی یافتہ 'جدید' قدیم کی جگہ لینے کے لئے مسلسل نمودار ہوتا رہتا ہے۔ کوئی بھی چیز اس سلسلۂ عمل کو نہیں روک سکتی۔ جدید کا ناقابلِ تسخیر ہونا قدرت، سماج اور خیال کے نشوونما کی بنیادی خصوصیت ہے۔

تاہم، مارکسی جدلیات ہر جدید مظہر گویا ہر اس چیز کو جو جدید ہونے کا دعویٰ کرتی ہے، حقیقی معنوں میں جدید نہیں سمجھتی۔ مثلاً جرمن فاشسٹوں نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ دوسری عالمی جنگ کے دوران یورپ میں اُنکی قائم کردہ بہیمانہ حکومت ایک نیا نظام "تھی اور انہوں نے اپنے جرائم کو "قومی سوشلزم" کے جھوٹے پرچم کے پیچھے چھپانے کی کوشش کی لیکن یہ "جدید" رجعت پرستانہ تھا، زندہ رہنے کی قوت سے محروم تھا اور یہ وقت کی آزمائش پر پورا نہیں اترا اور آزادی پسند قوموں کی سخت ضربات کے تحت ریزہ ریزہ ہوگیا۔

جدید وہ ہے جو ترقی پسند ہے، بہتر ہے اور جس میں قوتِ حیات ہے، جو مسلسل بڑھتا اور نشوونما پاتا ہے۔ ابتدا میں تو جدید عموماً بالکل کمزور ہوتا ہے اور بعض اوقات تو یہ نظر ہی شکل سے ہی آتا ہے، جبکہ قدیم حاوی رہتا ہے اور ناقابلِ تسخیر معلوم ہوتا ہے لیکن بالآخر قدیم ابتر ہونے لگتا ہے، یہ فرسودہ ہوجاتا ہے، جبکہ جدید بڑھتا ہے، مسلسل نشوونما پاتا ہے اور قدیم کے ساتھ سخت جدوجہد میں فتحیاب ہوتا ہے۔

روس میں مزدور تحریک کی اولین کونپلیں انیسویں صدی کے آخر میں پھوٹیں۔ اسکی قوتیں شخصی حکومت اور بورژوازی کی قوتوں کے مقابلے میں کمزور معلوم ہوتی تھیں۔ لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، ویسے ویسے روسی پرولتاریہ، جو سماج کا ترقی پسند طبقہ تھا، بڑھا اور اس نے ترقی پائی، یہ طبقاتی معرکوں میں پختہ ہوا اور بالآخر اُس نے زارشاہی اور بورژوازی کو شکست دے دی۔

جدید ناقابلِ تسخیر کیوں ہے؟ اسکی سب سے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یہ صداقت کے نشوونما سے ہی پیدا ہوتا ہے اور معروضی حالات سے بہترین مطابقت رکھتا ہے۔ مثلاً بہت عرصہ پہلے ایسے پھول والے پودے جن پر حفاظتی خول نہیں ہوتا تھا، دُنیا میں پھیلے ہوئے تھے۔ پھر نئے پودے نمودار ہوئے جو ماحول کے مطابق زیادہ ڈھلے ہوئے تھے۔ اُن کے بیج موسم کے تلوّن سے باعتماد طور پر محفوظ تھے اور اس چیز نے ان پودوں کو دیگر انواع کے

پودوں پر بہت زیادہ فوقیت عطا کردی۔ نتیجتہً، نئے پودوں نے پرانی انواع کو ختم کردیا، یہ تیزی کے ساتھ زمین پر پھیل گئے اور انھوں نے آبکے سبزے کی تمام تر ہیئت بدل ڈالی۔

جدید کا ناقابلِ تسخیر ہونا سماجی نشوونما میں خاص طور پر زیادہ بدیہی ہے۔ سماج میں جدید کو فتح حاصل ہوتی ہے، کیونکہ یہ معاشی زندگی کے تقاضوں سے، مادی پیداوار کے تقاضوں سے، مطابقت رکھتا ہے۔ سوشلسٹ نظام کو سرمایہ داری پر بالادستی اس لئے حاصل ہورہی ہے کیونکہ یہ (سوشلسٹ نظام) پیداواری قوتوں کے فروغ کا امکان فراہم کرتا ہے اور سرمایہ دارانہ ذاتی ملکیت کو، جو پیداواری قوتوں کے فروغ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے، ختم کرتا ہے۔

جدید، سماج کے ترقی یافتہ اور ترقی پسند طبقات کے مفادات کے مطابق ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ طبقات اس کی کامرانی کے لئے جوش و خروش سے جدوجہد کرتے ہیں۔ نئے سماجی نظام کی جدوجہد میں عوام کی سرگرم شرکت نے سوویت یونین میں سوشلزم کی فتح کو یقینی بنایا۔ کمیونزم کی تعمیر میں سوویت عوام کی کامیابی کے لئے سوشلزم بنیادی شرط ہے۔

سماجی نشوونما میں جدید اس لئے بھی ناقابلِ تسخیر ہے کیونکہ اس کی سماجی بنیاد مسلسل بڑھتی اور وسیع ہوتی رہتی ہے۔ جدید، اپنے ظہور کے ساتھ سماج کی سب سے زیادہ ترقی پسند قوتوں کو اپنے گرد مجتمع کرلیتا ہے۔ سوویت یونین وہ مرکز ہے جو ہمارے عہد کی ترقی پسند قوتوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اسے ساری دنیا کے ترقی پسند لوگوں کی حمایت و احترام حاصل ہے۔

جدید کے ناقابلِ تسخیر ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کامیابی خود بخود، بغیر کوشش کے حاصل ہوجاتی ہے۔ ضروری ہے کہ کامیابی حاصل کرنے کی تیاری کی جائے، اسکے لئے جدوجہد کی جائے۔ عوام کی شعوری سرگرمی، ترقی یافتہ طبقات اور ترقی پسند پارٹیاں سماجی زندگی میں قدیم پر جدید کی فتح میں فیصلہ کن رول ادا کرتی ہیں۔

۲۔ جدلیات۔ آفاقی رابطے کا نظریہ

مادی دنیا محض نشوونما کی حالت میں ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک مربوط، سالم کل بھی ہے۔ اس کی اشیأ اور مظاہر خود بخود علاحدگی کی حالت میں نشوونما نہیں پاتے، بلکہ دیگر اشیا اور مظاہر کے ساتھ

ناقابلِ شکست ربط یا اتحاد کی حالت میں نشوونما پاتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک دوسری اشیا اور مظاہر پہ عمل کرتا ہے اور خود اس پر بھی عمل کیا جاتا ہے۔ سائنس، مظاہر اور اشیا کے ربطِ باہمی اور مشروطیتِ باہمی کے ثبوت میں بہت سا مواد پیش کرتی ہے۔ مثلاً بعض ابتدائی ذرات ایک دوسرے کے ساتھ تفاعل کرتے ہیں اور ایٹموں کی تشکیل کرتے ہیں۔ لیکن ایٹم بھی حالتِ علاحدگی میں نہیں رہتے۔ وہ روابط قائم کرتے ہیں اور سالموں کی تشکیل کرتے ہیں اور سالمے اجسامِ مرئی کی تشکیل کرتے ہیں۔ اجسامِ مرئی کے اس تفاعل کا مظاہرہ قانونِ تجاذب میں ہوتا ہے۔ اس قانون کے مطابق زمین سورج اور نظامِ شمسی کے دیگر سیاروں سے مربوط ہے اور خود نظامِ شمسی اور بھی بڑی بڑی کائناتی تشکیلات سے مربوط ہے۔

زندہ عضویے تفاعل کی ایک پیچیدہ زنجیر سے بندھے ہوئے ہیں۔ الگ الگ پودے، اور حیوان بھی انواع کی تشکیل کرتے ہیں اور انواع طبقات وغیرہ کی۔ عضویے صرف آپس میں ہی مربوط نہیں ہوتے، بلکہ اس ماحول سے بھی مربوط ہوتے ہیں جس سے وہ اپنی ضروری غذا اور توانائی حاصل کرتے ہیں۔

روسی سائنسداں کلیمنت تمریازیف (۱۹۲۰-۱۸۴۳ء) نے سورج کی حیات بخش توانائی کے ساتھ پودوں کے ربط کو دریافت کیا۔ اس نے ثابت کیا کہ شمسی توانائی کے زیرِ اثر کاربن ڈائی آکسائڈ پودوں کے ہرے پتوں کے کلوروفل میں تحلیل ہو جاتی ہے۔ پودے کاربن کو جذب کر لیتے ہیں اور آکسیجن کو، جس کے بغیر انسان سانس نہیں لے سکتا، ہوا میں خارج کر دیتے ہیں۔ اسکے نتیجے میں ابھرنے والے نامیاتی جوہر شمسی توانائی کو کیمیاوی توانائی کی شکل میں مجتمع کر لیتے ہیں جسے انسان اس وقت بروئے کار لاتا ہے جب وہ پودوں کو یا غذا کے طور پر یا ایندھن کے طور پر استعمال کرتا ہے۔

انسان قدرت کے ساتھ مادی پیداوار کے ذریعے ربط رکھتا ہے۔ یہ رابطہ محنت کے ذریعے، جو انسان کے وجود کی لازمی شرط ہے، عمل میں آتا ہے۔ محنت کے نتیجے میں انسان قدرت سے اپنی بقا کے وسائل حاصل کرتا ہے محنت کے سلسلۂ عمل کے دوران انسانوں کے معاشی، پیداواری تعلقات تشکیل پذیر ہوتے ہیں اور یہ دیگر روابط یعنی سیاسی، قانونی اور اخلاقی روابط کو جنم دیتے ہیں۔

اشیا اور مظاہر کا آفاقی ربط اور مشروطیتِ باہمی مادی دنیا کی ایک اہم خصوصیت ہیں اور ایک شے کا حقیقی علم حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس شے کے تمام پہلوؤں اور روابط کا مطالعہ کیا جائے۔ مادی جدلیات کے اہم ترین مقاصد میں سے ایک مقصد یہ ہے کہ ایک سالم مربوط کل کی حیثیت سے دنیا

کامطالعہ کیا جائے، اشیا کے آفاقی روابط کا جائزہ لیا جائے۔

چونکہ مادی دنیا کی اشیا اور مظاہر متنوع ہوتے ہیں، اس لئے اُنکے روابط باہمی اور تفاعل بھی متنوع ہوتے ہیں۔ مارکسی جدلیات سارے روابط کا نہیں بلکہ عمومی ترین روابط کا، یعنی ان روابط کا مطالعہ کرتی ہے جو مادی اور روحانی دنیا کے تمام دائروں میں وجود رکھتے ہیں۔

مادی جدلیات کے قوانین اور مقولے انسان کے شعور میں ان روابط کا ایک انعکاس ہیں۔

روابط کا علم زبردست اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ ان روابط کا انکشاف کر کے انسان معروضی دنیا کے قوانین کو منکشف کرتے ہیں۔ ان قوانین کا علم انسانوں کی عملی سرگرمی کیلئے ایک لازمی بنیادی شرط ہے۔ سائنس کا یہ فریضہ ہے کہ وہ ان قوانین کو بے نقاب کرے اور انسان کو ان کے علم سے مسلح کردے۔

قانون کا تصور: معروضی دنیا میں معروف عمل بہت سے قوانین غیر نامیاتی قدرت کے، نامیاتی دنیا کے، سماج اور خیال کے قوانین ہیں۔ لیکن صداقت کے تمام دائروں کے قوانین بعض مشترک خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں جن کا، قانون کا فلسفیانہ تصور، احاطہ کرتا ہے۔ یہ خصوصیات کیا ہیں؟

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ قانون اشیا کے درمیان یا ان اشیا کے پہلوؤں کے درمیان ایک تعلق یا ایک ربط ہوتا ہے۔ تاہم ہر رابطہ قانون نہیں ہوتا، بلکہ صرف ایک مستحکم، بار بار وقوع پذیر ہونیوالا رابطہ ہی جو خلقی طور پر صرف ایک شے یا اشیا کے ایک چھوٹے سے گروپ میں ہی موجود نہ ہو، بلکہ اشیاء اور مظاہر کے ایک وسیع ذخیرے میں پایا جاتا ہو، قانون ہوتا ہے۔ مثلاً کمیت اور توانائی کے ربط باہمی کا قانون جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، بے شمار اجسام طبعی کی کمیت اور توانائی کے انحصار باہمی کو ظاہر کرتا ہے۔ دمتری مینڈیلیف (۱۹۰۷-۱۸۳۴ء) کا دریافت کردہ میعادی قانون مرکزے کے مثبت چارج کے اشراق (مقدار) پر تمام کیمیاوی عناصر کے خواص کے انحصار کو ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ قانون، مظاہر کے درمیان ایک واحد نہیں، بلکہ ایک عام رابطہ ہوتا ہے۔ اینگلز نے لکھا ہے کہ قانون، "قدرت میں آفاقیت کی ایک شکل ہے"

قانون کی ایک اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ بار بار وقوع پذیر ہونے والے تمام روابط کی نمائندگی نہیں کرتا، بلکہ صرف ان روابط کی نمائندگی کرتا ہے جو ایک ضروری اور بنیادی کردار کے حامل ہوتے ہیں۔ کمیت اور توانائی کے ربط باہمی کا یہی قانون اجسام طبعی کے کمیت اور توانائی جیسے بنیادی اور غیر منفک خواص کے تعلق کا اظہار کرتا ہے۔

ایک زندہ عضویئے اور ماحول کے رابطے کا حیاتیاتی قانون، زندہ عضویئے اور اسکے وجود کے حالات کے درمیان ضروری اور اہم رابطے کا اظہار کرتا ہے۔

ایک ایسا قانون جو مظاہر میں لازماً موجود ہو، صرف اسی وقت عمل کرتا ہے جب وہ مناسب حالات موجود ہوں جو واقعات کے ہر ایک سلسلے کو نہیں بلکہ واقعات کے ایک قطعی خاص، بنیادی سلسلے کو وجود میں لاتے ہوں۔ قوانین کے عمل میں سخت قطعیت زبردست عملی اہمیت کی حامل ہے۔ نشوونما کے قوانین اور اسکے رجحانات کو سمجھ کر انسان مستقبل کی پیش بینی کر سکتا ہے۔ مثلاً سماجی نشوونما کے قوانین کو اور ان حالات کو سمجھ کر جن میں وہ عمل کرتے ہیں۔ لوگ تاریخی واقعات کے سلسلے کی پیش بینی کے اہل ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ قانون، مادی دنیا کے مظاہر کے درمیان ایک بنیادی اور ضروری، عمومی اور بار بار وقوع پذیر ہونے والا ربط ہے جو واقعات کے ایک خاص سلسلے کو جنم دیتا ہے۔

مادیت پسندوں اور عینیت پسندوں کے درمیان، قوانین کے کردار کے سوال پر طویل عرصے سے اختلافی جدوجہد چلی آرہی ہے۔ عینیت پسند یہ کہتے ہیں کہ یا تو انسان یا پھر ایک اساطیری "خیال مطلق"، "ایک روح آفاقی" قوانین کی خالق ہے۔ یہ نقطۂ نظر اس امر کو تسلیم کر لینے کی جانب لے جاتا ہے کہ قوانین آسمانی تخلیق ہیں۔

عینیت کے برخلاف جدلیاتی مادیت قوانین کے معروضی کردار کو تسلیم کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی مرضی سے نہ تو قوانین بنا سکتا ہے اور نہ انھیں تبدیل کر سکتا ہے، وہ صرف ان سے آگاہی حاصل کر سکتا ہے۔ ان کا ادراک کر سکتا ہے۔ لینن نے لکھا کہ دنیا قانون کے ساتھ مطابقت میں حرکت کرتا ہوا مادہ ہے اور ہمارا شعور جو قدرت کی اعلیٰ ترین پیداوار ہے، قانون کے ساتھ اس مطابقت کا محض انعکاس کر سکتا ہے۔

قوانین کی معروضیت کا یہ بھی مطلب ہے کہ وہ انسان کے ارادوں اور خواہشات سے آزاد اپنا عمل کرتے ہیں۔ قوانین کے خلاف عمل کرنے کی کوئی بھی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ مثال کے طور پر یہ بات ناممکن ہے کہ کشش کے قانون کو نظر انداز کر دیا جائے اور زمین کی کشش پر غالب آئے بغیر بیرونی خلا میں پہنچنے کی کوشش کی جائے۔ سماجی نشوونما کے قوانین کو بھی نظر انداز کرنا ممکن نہیں ہے۔ مثلاً اس کی توثیق اس امر سے ہوتی ہے کہ سامراجیوں نے نوآبادیاتی نظام کی شکست و ریخت کو روکنے کے لئے جو بھی کوششیں کیں وہ ناکام ہوئیں۔

جدلیاتی، مادیت قوانین کے عینیت پسندانہ تصور کی مخالفت کرتی ہے اور تقدیریت کو، یعنی قوانین کی

اندھی پرستش کو، انسانی عقل کی قوت پر اور انسان کی اس صلاحیت پر کہ وہ قوانین کو سمجھ سکتا ہے اور انھیں استعمال کر سکتا ہے، عدم اعتماد کو مسترد کرتی ہے۔ انسان قوانین کو نہ تو ختم کر سکتا ہے اور نہ انھیں تخلیق کر سکتا ہے، لیکن وہ انھیں سمجھنے اور اپنی عملی سرگرمی میں انھیں استعمال کرنے کا اہل ہے۔ قدرت کے قوانین کا علم انسان کو پانی، ہوا اور دیگر قدرتی عناصر کے تباہ کن عمل کو نہ صرف کنٹرول کرنے کا بلکہ انھیں اپنی فلاح کے لئے استعمال کرنے کا بھی اہل بناتا ہے۔ سماجی نشوونما کے قوانین پر بھروسہ کر کے عوام سماجی زندگی کو بدل دیتے ہیں۔

قوانین کے علم اور ان کے اطلاق کے لئے سازگار ترین حالات سوشلسٹ نظام میں پائے جاتے ہیں جہاں سماجی نشوونما کے قوانین کا عمل تمام عوام کے مفادات سے ہم آہنگ ہوتا ہے، جہاں سوشلسٹ ملکیت کا غلبہ سماج کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ قدرتی وسائل کو ایک منصوبہ بند انداز میں استعمال کرے اور سماجی تعلقات کو با مقصد طور پہ بہتر بنائے۔

ساتواں باب

مادی جدلیات کے بنیادی قوانین

جیسا کہ ہم جانتے ہیں، مارکسی جدلیات نشوونما اور آفاقی رابطے کا نظریہ ہے۔ نشوونما کی اصل چیز اس کے منبعوں کا، اس کی محرکہ قوتوں کا سوال ہے۔ چونکہ اضداد کے اتحاد اور ان کی جدوجہد کا قانون اس سوال کا جواب مہیا کرتا ہے، اس لئے ہم مادی جدلیات کے بنیادی قوانین کی تشریح کا آغاز اسی قانون سے کریں گے۔

اضداد کے اتحاد اور ان کی جدوجہد کا قانون

لینن نے اضداد کے اتحاد اور ان کی جدوجہد کے قانون کو جدلیات کی ماہیت، اس کی اصل قرار دیا تھا۔ یہ قانون مادی دنیا کی ابدی حرکت اور نشوونما کے منبعوں اور حقیقی اسباب کا انکشاف کرتا ہے۔ اگر ہم قدرت، سماج اور خیال کے نشوونما کی جدلیات کو سمجھنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ ہم اس قانون سے واقف ہوں۔ یہ سائنس کیلئے اور انقلابی سرگرمی کیلئے بھی ضروری ہے۔

معروضی صداقت میں موجود اضداد کا تجزیہ اور ان کی نوعیت کا انکشاف کسی بھی سائنسی مطالعے اور عملی اقدام کے لئے ضروری ہے۔

۱۔ اضداد کا اتحاد اور ان کی جدوجہد

اضداد کے اتحاد اور ان کی جدوجہد کے قانون پر بحث کرنے سے پہلے آیئے ہم دیکھیں کہ مارکسی لیننی جدلیات "اضدادیت" کو، اضداد کے "اتحاد" کو کیا سمجھتی ہے۔

اضداد کا اتحاد : ہم میں سے ہر ایک نے ایک عام مقناطیس کو کبھی نہ کبھی ضرور استعمال کیا ہوگا اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی اصل خصوصیت یہ ہے کہ اس میں شمالی اور جنوبی قطب ہوتے ہیں جو ایک دوسرے سے خارج حالت میں ہوتے ہیں اور ساتھ ہی باہم مربوط بھی ہوتے ہیں۔ ہم ایک مقناطیس کے شمالی قطب کو جنوبی قطب سے الگ کرنے کی خواہ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کریں ہمیں کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ ایک مقناطیس کے دو ٹکڑے کر دیجئے، چار ٹکڑے کر دیجئے، آٹھ یا اس سے زیادہ ٹکڑے کر دیجئے، لیکن پھر بھی اس میں یہ دونوں قطب موجود رہیں گے۔

چنانچہ اضداد کسی شے کے اندرونی پہلو، رجحانات اور قوتیں ہوتے ہیں جو ایک دوسرے سے خارج حالت میں ہوتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ ایک دوسرے کے لئے ضروری بھی ہوتے ہیں۔ اِن پہلوؤں کا یہ ناقابلِ شکست ربط باہمی اضداد کے اتحاد کی تشکیل کرتا ہے۔

تمام اشیا اور مظاہر متضاد پہلوؤں کے حامل ہوتے ہیں جو ایک دوسرے سے نامیاتی طور پر مربوط ہوتے ہیں اور جو اضداد کے ناقابلِ شکست اتحاد کی تشکیل کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ابتدائی ذرات لہر اور جسیمے خواص کا ایک اضدادی اتحاد ہیں۔ نہ صرف ابتدائی ذرات متضاد ہوتے ہیں، بلکہ وہ ایٹم بھی جن کی یہ تشکیل کرتے ہیں، متضاد ہوتے ہیں۔ ایٹم کے وسط میں مثبت طور پر چارج شدہ مرکزہ ہوتا ہے جس کے ارد گرد ایک یا ایک سے زائد منفی طور پر چارج شدہ الیکٹرون ہوتے ہیں۔ ایک کیمیاوی عمل ایٹموں کے تلازم اور افتراق کا ایک متضاد اتحاد ہوتا ہے۔

زندہ عضویوں میں بھی اضداد موجود ہوتے ہیں، جیسے انجذاب اور تفرّق کے متضاد سلسلہ ہائے عمل جو زندہ مادّے میں خلقی طور پر موجود تحوّل کی تشکیل کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں زندہ عضویئے توارث اور مطابقت پذیری جیسے متضاد خواص بھی رکھتے ہیں۔ توارث عضویئے کا یہ رجحان ہے کہ حاصل شدہ خصوصیات کو نسلاً بعد نسلاً محفوظ رکھا جائے، اور دوسری طرف مطابقت پذیری، ایسی نئی خصوصیات کو اختیار کر لینے کی صلاحیت ہے جو تبدیل شدہ حالات کے مطابق ہوں۔

تمام طبقاتی سماج مخالف طبقات کے حامل ہوتے ہیں : غلامی کے سماج میں غلام اور آقا ہوتے ہیں، جاگیرداری میں کمیرے (زرعی غلام) اور جاگیردار ہوتے ہیں اور سرمایہ داری میں پرولتاریہ اور بورژوازی ہوتے ہیں۔

علم کے سلسلۂ عمل کے بھی خلق متضاد پہلو ہوتے ہیں۔ انسان مطالعے کے لئے استقرا، استخراج، تجزیہ اور تصریف جیسے متضاد اور باہم مربوط طریقہ ہائے کار استعمال کرتا ہے۔

چنانچہ اشیا اور مظاہر کی متضادیت عمومی، آفاقی نوعیت کی حامل ہوتی ہے۔ دنیا میں کوئی شے یا مظہر ایسا نہیں ہے جسے اضداد میں تقسیم نہ کیا جاسکے۔

اضداد نہ صرف ایک دوسرے سے خارج حالت میں ہوتے ہیں بلکہ وہ لازمی طور پر ایک دوسرے کے لئے ضروری بھی ہوتے ہیں۔ وہ ایک شے یا مظہر میں ساتھ ساتھ وجود رکھتے ہیں اور اُن میں سے ایک کے بغیر دوسرے کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

ہم مقناطیس کے مخالف قطبوں کے اتحاد کا ذکر کر چکے ہیں۔ اسی طرح زندہ عضویوں میں انجذاب اور تفرق کو، اور علم کے سلسلۂ عمل میں تجزیہ اور تصریف کو ایک دوسرے سے علاحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ سرمایہ دارانہ سماج مخالف طبقوں، پرولتاریہ اور بورژوازی، کے بغیر ممکن نہیں۔ سوشلسٹ انقلاب کے نتیجے میں پرولتاریہ بورژوازی کا ایک طبقے کی حیثیت سے خاتمہ کر دیتا ہے، لیکن تب سرمایہ داری بھی سرمایہ داری نہیں رہتی اور سوشلزم کے لئے راستہ چھوڑ دیتی ہے۔ لیکن جب تک سرمایہ داری باقی رہتی ہے اس وقت تک مزدور اپنا وجود باقی نہیں رکھ سکتا اگر وہ سرمایہ دار کے لئے اُجرت پر کام نہ کرے، اور سرمایہ دار ہمیشہ مزدور کا استحصال کرتا ہے۔

اینگلز نے لکھا ہے: "جس طرح یہ بات ناممکن ہے کہ کسی کے ہاتھ میں پورا سیب باقی رہے جبکہ اس کا آدھا حصہ کھا لیا گیا ہو، اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ کسی تضاد کا ایک پہلو موجود ہو اور دوسرا موجود نہ ہو۔"

اضداد کی جدوجہد نشوونما کا منبع ہے

چنانچہ اشیا اور مظاہر اضداد کا اتحاد ہیں۔ اِس اتحاد کا کردار کیا ہے؟ کیا اضداد اس اتحاد میں پُرامن طور پر ساتھ ساتھ رہتے ہیں یا وہ ایک دوسرے کے ساتھ حالتِ تضاد میں آجاتے ہیں، جدوجہد کرتے ہیں؟

متنوع ترین اشیا اور مظاہر کا نشوونما یہ ظاہر کرتا ہے کہ متضاد پہلو کسی شے میں ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ پُرامن طور پر نہیں رہ سکتے۔ اضداد کا متضاد، ایک دوسرے کے ساتھ خارج حالت میں ہونے کا کردار، اُن کے درمیان لازمی طور پر جدوجہد کا سبب بنتا ہے۔ قدیم اور جدید کا، ظہور پذیر ہونے والے اور متروک ہونے والے کا، ایک دوسرے کے ساتھ حالتِ تضاد میں آنا، ٹکرانا ضروری ہے۔ تضاد: اضداد کی جدوجہد، ہی وہ چیز ہے جو مادے اور شعور کے نشوونما کا اصل منبع ہے۔ لینن نے لکھا کہ

نشو و نما اضداد کی جد و جہد ہوتی ہے۔ انھوں نے زور دیکر کہا کہ یہ جد و جہد مطلق ہے، جس طرح نشو و نما یا حرکت مطلق ہے۔

یہ بات کہنے سے کہ اضداد کی جد و جہد نشو و نما میں فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے، اضداد کے اتحاد کی اہمیت ہرگز کم نہیں ہوتی۔ اضداد کا اتحاد جد و جہد کی ضروری شرط ہے، کیونکہ جد و جہد صرف وہیں ہوتی ہے جہاں کسی شے یا مظہر میں مخالف پہلو موجود ہوں۔

لینن نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ اضداد کے درمیان عارضی تعادل (توازن) کی حالت بھی ہو سکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سلسلۂ عمل کے نشو و نما میں ایک خاص مرحلے پر کسی بھی پہلو کو غلبہ حاصل نہیں ہوتا مثلاً روس میں اکتوبر ۱۹۰۵ء میں یہی معاملہ تھا جبکہ زارشاہی فتحمند ہونے کی اہل نہیں رہی تھی، لیکن انقلاب کو ہنوز فتح کے لئے مناسب قوتیں حاصل نہیں تھیں۔ روس میں فروری اور جون ۱۹۱۷ء کے درمیان بھی بورژوازی اور جاگیرداروں، اور مزدوروں اور کسانوں کے درمیان طاقتوں کا ایک خاص توازن قائم تھا۔ تاہم ان دونوں معاملوں میں مخالف قوتوں کا توازن عارضی تھا۔ ۱۹۰۵ء میں رجعت پرست قوتوں کو کامیابی حاصل ہوئی جبکہ ۱۹۱۷ء میں انقلابی پرولتاریہ اور اس کے اتحادی فتحمند ہوئے۔

کسی بھی سلسلۂ عمل میں اضداد کا تعادل (توازن) اضافی ہوتا ہے، کیونکہ اگر یہ مسلسل اور دائمی بن جائے تو دنیا میں قطعاً کوئی نشو و نما عمل میں نہ آئے۔ جد و جہد نشو و نما کا واحد منبع، اسکی واحد محرکہ قوت ہے۔

بہت سے جدید بورژوا فلسفی اضداد کے تعادل (توازن) کو مطلق قرار دے کر اور اضداد کی جد و جہد سے انکار کر کے مارکسی جدلیات کی اصل کی نوعیت کو مسخ کرتے ہیں۔ انھیں اصل چیز اضداد کی جد و جہد میں نظر نہیں آتی، بلکہ یہ اضداد کی مفاہمت میں، اُن کے تعادل (توازن) میں نظر آتی ہے۔ چنانچہ بورژوا النظریہ ساز سرمایہ داروں اور پرولتاریہ کے مفادات میں مفاہمت پیدا کرنے اور سرمایہ داری کے عمیق ترین تضادات کو انقلاب کے ذریعہ حل کرنے کی جانب سے عوام کا رُخ پھیرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ فی الحقیقت، طبقاتی تضادات میں مفاہمت کرنا ناممکن ہے۔ اس کا قائل کن ثبوت نوعِ انسانی کی ساری تاریخ سے اور مزدور طبقے کی انقلابی جد و جہد سے ملتا ہے۔

سائنس اور سماج کی تاریخ یہ ظاہر کرتی ہے کہ اضداد کی جد و جہد نشو و نما کا منبع ہے۔ اس کے ساتھ ہمیں لازماً یہ ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ یہ جد و جہد مادی دنیا کے مختلف دائروں میں مختلف طریقوں

سے ظاہر ہوتی ہے۔

کشش اور دفع جیسی مخالف قوتوں کی جد وجہد (تفاعل) غیر نامیاتی قدرت میں جاری و ساری ہے۔ کشش اور دفع کی میکانکی، برقی اور دیگر قوتوں کا تفاعل ایٹمی مرکزوں، ایٹموں اور سالموں کی تشکیل اور ان کے مسلسل وجود میں بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ جیسا کہ جدید تکوینیاتی نظریوں سے ظاہر ہوتا ہے، ان قوتوں کی جد وجہد نظامِ شمسی کی تشکیل کا ایک اہم منبع تھا۔

جدید فلکیات نے بھی یہ ثابت کر دیا ہے کہ کشش اور دفع کی قوتوں کا تفاعل بیرونی خلا میں وقوع پذیر ہونے والے متنوع سلسلۂ عمل کے اہم اسباب میں سے ایک ہے۔ کائنات کے مختلف علاقوں میں ان قوتوں کا کوئی مطلق توازن موجود نہیں ہے۔ ایک قوت کو ہمیشہ دوسری قوت پر غلبہ حاصل رہتا ہے۔ جہاں دفع کا غلبہ ہوتا ہے، وہاں مادہ اور توانائی منتشر ہو جاتے ہیں اور ستارے مرنے لگتے ہیں۔ جہاں کشش کا غلبہ ہوتا ہے وہاں مادہ اور توانائی مرتکز ہوتے ہیں اور نتیجتہً نئے ستارے وجود میں آتے ہیں۔ چنانچہ مادہ اور توانائی کائنات میں ان مخالف قوتوں کے درمیان جد وجہد اور ان کے تفاعل کے دوران ہمیشہ حرکت میں رہتے ہیں۔

ہم پہلے یہ کہہ چکے ہیں کہ انجذاب اور تفرق کے مخالف سلسلہ ہائے عمل زندہ عضویوں میں خلقتاً پائے جاتے ہیں۔ یہ ان سلسلہ ہائے عمل کی جد وجہد، ان کا تفاعل ہی ہے جو ہر زندہ چیز کے نشو و نما کا خصوصی منبع ہے۔ یہ مخالف سلسلہ ہائے عمل مطلق تعادل (توازن) کی حالت میں نہیں ہو سکتے۔ ضروری ہے کہ ان میں سے ایک کو غلبہ حاصل ہو۔ ایک نوخیز زندہ عضویئے میں انجذاب کو تفرق پر غلبہ حاصل ہوتا ہے اور یہی اس زندہ عضویئے کے فروغ کا اور اسکے نشو و نما کا تعین کرتا ہے۔ جب تفرق کا غلبہ ہوتا ہے تو زندہ عضویہ بوڑھا اور روبہ زوال ہونے لگتا ہے۔ تمام زندہ عضویوں میں خواہ وہ نوخیز ہوں یا بوڑھے، یہ سلسلہ ہائے عمل تفاعل کرتے ہیں۔ یہ ان سلسلہ ہائے عمل کا تفاعل، ان کا تضاد ہی ہے جو زندگی کی تشکیل کرتا ہے جب یہ تضاد ختم ہو جاتا ہے تو زندگی ختم ہو جاتی ہے۔

سماجی نشو و نما بھی اضداد کے اتحاد اور ان کی جد وجہد کی بنیاد پر عمل میں آتا ہے۔ مادی پیداوار میں تضادات، خاص طور پر پیداواری قوتوں اور پیداواری رشتوں کے درمیان تضادات سماجی نشو و نما کے اہم ترین تضادات میں سے ہیں۔ مخاصمانہ طبقات والے سماجوں میں پیداواری قوتوں اور پیداواری رشتوں

کے درمیان تضادات کا اظہار مخاصمانہ طبقات کی جدوجہد میں ہوتا ہے، جو سماجی انقلاب کی جانب پرانے سماجی نظام کی جگہ نئے سماجی نظام کے لے لینے کی جانب رہنمائی کرتی ہے۔

اور چنانچہ، اشیا اور مظاہر اضدادی پہلوؤں کے حامل ہوتے ہیں۔ وہ اضداد کے اتحاد کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اضداد نہ صرف ساتھ ساتھ وجود رکھتے ہیں بلکہ مسلسل تضاد کی حالت میں رہتے ہیں۔ اُن کے درمیان جدوجہد جاری رہتی ہے۔ اضداد کی جدوجہد صداقت کے نشو و نما کا باطنی ماخذ، اس کا منبع ہے۔ یہ ہے اضداد کے اتحاد اور اُن کی جدوجہد کے جدلیاتی قانون کا نچوڑ۔

۲- تضادات کا تنوع

دنیا میں انتہائی متنوع تضادات موجود ہیں۔ ہم اپنی روزمرہ زندگی میں ہمیشہ اُن سے دوچار رہتے رہتے ہیں۔ مارکسی جدلیات، جو دوسری سائنسوں سے ممتاز ہے، عمومی ترین تضادات کا مطالعہ کرتی ہے۔ ہم اندرونی اور بیرونی، مخاصمانہ اور غیر مخاصمانہ، بنیادی اور غیر بنیادی تضادات کا جائزہ لیجئے جو تضادات کے اہم اور بڑے گروپ ہیں۔

اندرونی اور بیرونی تضادات : مارکسی جدلیات سب سے پہلے تو اندرونی اور بیرونی تضادات میں فرق کرتی ہے۔ کسی شے کے مخالف پہلوؤں کا تفاعل، اُن کی جدوجہد، اس شے کے اندرونی تضادات کی تشکیل کرتی ہے۔ کسی شے کے اپنے ماحول کے ساتھ، اس ماحول کی اشیا کے ساتھ، متضاد تعلقات اُسکے بیرونی تضادات ہیں۔

مارکسی جدلیات کے مخالفین نشو و نما میں تضادات کے مختلف گروپوں کے رول کو مسخ کرتے ہیں۔" اندرونی تضادات کی فیصلہ کُن اہمیت سے انکار کرتے ہیں اور بیرونی تضادات کو ہی نشو و نما کا واحد منبع گردانتے ہیں۔ اُن کے نقطۂ نظر کے مطابق، مثلاً، طبقاتی سماج کے نشو و نما کا منبع مخالف طبقات کی جدوجہد نہیں ہے، بلکہ سماج اور قدرت کے درمیان پایا جانے والا تضاد اس کا منبع ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھنا چاہتے کہ قدرت کے ساتھ انسان کے رشتے کا، اور قدرت پر اُسکے غلبے کی حد کا انحصار سماج کے طبقاتی تعلقات پر، سماجی نظام کے کردار پر ہوتا ہے۔

اندرونی اور بیرونی، دونوں ہی تضادات مادی دنیا کی اشیا اور مظاہر میں خلقاً موجود ہوتے ہیں۔

لیکن اندرونی تضادات، وہ تضادات جو خود شے کے اپنے اندر ہوتے ہیں، اصل تضادات ہیں جو نشوونما میں فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں، کیونکہ وہ نشوونما کا اصل منبع ہوتے ہیں۔ مارکسی جدلیات کے مطابق، حرکت، مادے کی حرکتِ ذات (خود حرکتی) ہے، اندرونی حرکت ہے جس کی محرکہ قوتیں نشوونما پانیوالی اشیا اور مظاہر کے خود اپنے اندر ہوتی ہیں۔

مادے کے ابعاد اور جسیمہ کے خواص کا تفاعل اور اُن کی جدّوجہد، کشش اور دفع کی قوتوں، انجذاب اور تفرّق کی قوتوں اور دیگر اضداد کا تفاعل اور اُن کی جدوجہد جس کا ہم نے پہلے صداقت کے مختلف دائروں میں نشوونما کے منبع کی حیثیت سے ذکر کیا ہے، (یہ تفاعل اور جدوجہد) اشیا اور مظاہر میں باہر سے داخل نہیں ہو گئے، بلکہ اُن میں خلقتاً موجود ہوتے ہیں۔

اندرونی تضادات نشوونما کا منبع ہوتے ہیں کیونکہ وہ خود شے کے پہلو یا کردار کا تعین کرتے ہیں۔ اگر شے کے اندر اندرونی تضادات موجود نہ ہوتے تو شے بھی وہ نہ ہوتی جو کہ وہ ہے۔ مثلاً ایٹم مثبت طور پر چارج شدہ مرکز اور منفی طور پر چارج شدہ الیکٹرونوں کے تفاعل، اُن کی "جدوجہد" کے بغیر وجود نہیں رکھ سکتا تھا۔ ایک زندہ عضویہ انجذاب اور تفرّق کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔

ایک شے پر مترتب ہونے والا تمام تر بیرونی اثر و نفوذ اس کے خلقی تضادات کے ذریعہ منعطف ہوتا ہے جو نشوونما میں ان تضادات کے تعین کن رول کا بھی ایک اظہار ہے۔ بیرونی ماحول کی تبدیلیاں ایک عضویہ کے نشوونما کو محض ایک تحریک دیتی ہیں، لیکن نشوونما کی سمت اور اسکے حتمی مقصد کا انحصار عضویے کے التحول پہ ہوتا ہے، یعنی انجذاب اور تفرّق کے تفاعل پہ ہوتا ہے جو زندہ عضویے کی خصوصیت ہوتا ہے۔

سماجی نشوونما کا منبع بھی خود سماج کے اندر، اُسکے خلقی اندرونی تضادات میں ہوتا ہے۔ لیکن اس سمت کا، جس میں ایک ملک نشوونما پاتا ہے اور اس امر کا کہ اس کا سماجی نظام کیا ہے، انحصار اس بات پہ ہوتا ہے کہ اس کے اندرونی، طبقاتی تضادات کس طرح حل ہوتے ہیں سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کے پروگرام میں کہا گیا ہے، "سوشلسٹ انقلاب آرڈر پہ تیار نہیں ہوتا۔ اُسے باہر سے عوام پہ مسلط نہیں کیا جا سکتا۔ یہ سرمایہ داری کے گہرے اندرونی اور بین الاقوامی تضادات کے نتیجے میں برپا ہوتا ہے۔"
یہ صحیح ہے کہ ایسی مثالیں موجود ہیں جبکہ اندرونی نظام کو بیرونی رجعت پرست قوتوں کی جانب

سے کسی ملک پر مسلط کیا گیا۔ لیکن کسی قوم پر باہر سے مسلط کی جانے والی حکومتیں مستحکم نہیں ہوتیں اور پہلی ہی سنگین آزمائش میں منہدم ہو جاتی ہیں۔

اگرچہ مادی جدلیات اندرونی تضادات کے فیصلہ کن رول پر زور دیتی ہے، تاہم یہ اس امر سے انکار نہیں کرتی کہ بیرونی تضادات نشوونما کے لئے اہم ہوتے ہیں۔ ان کا رول متنوع ہوتا ہے اور وہ اکثر و بیشتر نشوونما کی ضروری شرط ہوتے ہیں مثلاً سماج اور ماحول کے درمیان تضاد جس سے انسان کو اپنی روزی حاصل کرنی ہوتی ہے۔ ایسا بھی بیرونی تضادات نشوونما میں مددگار ہو سکتے ہیں یا اس میں رکاوٹ پیدا کر سکتے ہیں، اسے مختلف رنگ اور شکلیں دے سکتے ہیں، لیکن عام طور پر وہ ایک سلسلۂ عمل کے یا سارے نشوونما کے اصل عمل کو متشکل کرنے کے اہل نہیں ہوتے۔ مثلاً سوویت یونین میں سوشلزم کی فتح کو اندرونی تضادات اور بالخصوص پرولتاریہ اور بورژوا کے درمیان تضادات کو صحیح طور پر حل کر کے یقینی بنایا گیا تھا لیکن سوشلزم کی جانب پیشقدمی سوویت ریاست اور سرمایہ دار ممالک کے درمیان، جنھوں نے روس میں سرمایہ دارانہ نظام کی بحالی کے لئے اپنے مقدور بھر سب کچھ کیا' بیرونی تضادات سے بھی متاثر ہوئی۔ سیاسی بائیکاٹ اور معاشی ناکہ بندی مسلح مداخلت، بار بار کی فوجی اشتعال انگیزیوں اور آخر میں نازیوں کے حملے نے سوویت یونین کے نشوونما میں زبردست رکاوٹ ڈالی، لیکن سامراج کی کوئی بھی ریشہ دوانیاں سوشلزم کی فتحمند پیش قدمی کو روک نہیں سکیں۔

چونکہ اندرونی تضادات تمام اشیا اور مظاہر کے نشوونما کا تعین کرتے ہیں اس لئے عملی سرگرمی میں ان تضادات کو سامنے لانے اور انھیں حل کرنے کا اہل ہونا خاص طور پر ضروری ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی اہم ہے کہ بیرونی تضادات کو بھی نظرانداز نہ کیا جائے، کیونکہ نشوونما میں وہ بھی اہم ہوتے ہیں۔

اندرونی اور بیرونی تضادات کے تفاعل کو پیش نظر رکھے بغیر کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔

مخاصمانہ اور غیر مخاصمانہ تضادات: جب ہم مخاصمانہ اور غیر مخاصمانہ تضادات کا ذکر کرتے ہیں تو ہمارے ذہن میں خاص طور پر سماجی مظاہر کا میدان ہوتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ زندہ عضویے میں بیکٹیریا کی بعض اقسام کے درمیان' شکاری اور غیر شکاری جانوروں کے درمیان' اور بعض پودوں کے درمیان ایک خاص قسم کی مخاصمتیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن انھیں سماجی مخاصمتوں سے ہرگز خلط ملط نہیں کرنا چاہیئے۔

مخاصمانہ تضادات سب سے بڑھ کر تو، ان طبقات کے درمیان، تضادات ہوتے ہیں جن کے مفادات غیر مصالحانہ طور پر مخالفانہ ہوتے ہیں۔ یہ سب سے زیادہ شدید اور بدیہی تضادات ہوتے ہیں جو مختلف

طبقات کے گہرے مخالفانہ حالاتِ زندگی اور اُن کے مختلف اغراض و مقاصد سے پیدا ہوتے ہیں۔ اِن تضادات کی اصل خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ انھیں اِس سماجی نظام کے ڈھانچے کے اندر رہ کر حل نہیں کیا جا سکتا جس میں وہ موجود ہوتے ہیں۔ جیسے جیسے یہ تضادات زیادہ گہرے اور زیادہ شدید ہوتے جاتے ہیں، ویسے ویسے وہ شدید تنازعوں اور تصادموں کا سبب بنتے جاتے ہیں۔ ایک سماجی انقلاب اِن تضادات کو حل کرنے کا واحد وسیلہ ہے۔

بورژوازی اور پرولتاریہ کے درمیان تضاد سرمایہ دارانہ سماج کا سب سے زیادہ شدید اور گہرا تضاد ہے۔ یہ تضاد سماج میں ان طبقات کی معروضی حیثیتوں کا نتیجہ ہے۔ بورژوازی سارے وسائلِ پیداوار کا مالک ہوتا ہے اور اسی بنا پر سماج کی پیدا کردہ مادّی دولت کے بڑے حصّے پر قابض ہوتا ہے۔ یہ سیاسی طور پر غالب ہوتا ہے اور ثقافت کی تمام نعمتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ پرولتاریہ وسائلِ پیداوار کا مالک نہیں ہوتا اور اس لئے مجبور ہوتا ہے کہ بورژوازی کے لئے کام کرے۔ چنانچہ وہ تمام مادی دولت پیدا کرتا ہے لیکن اس میں سے نہایت حقیر سا حصّہ پاتا ہے۔

بورژوازی اور پرولتاریہ کے مفادات ایک دوسرے کے قطعی مخالف ہیں۔ بورژوازی اپنی حکمرانی کو ہمیشہ قائم رکھنے کی کوشش کرتا ہے، جبکہ پرولتاریہ اپنے آپ کو استحصال سے نجات دلانا چاہتا ہے۔ نتیجتہً اُن کے درمیان ایک شدید طبقاتی جدوجہد جاری رہتی ہے جو لازماً ایک سوشلسٹ انقلاب میں اختتام پذیر ہوتی ہے۔ چنانچہ طبقاتی جدوجہد اور سوشلسٹ انقلاب سرمایہ داری کے مخاصمانہ تضادات کو حل کرنے کی ایک خصوصی شکل ہیں۔

بورژوا نظریہ ساز اور مارکسزم کے ترمیم پسند عصرِ حاضر کے سرمایہ دارانہ سماج میں طبقاتی مخاصمتوں کے وجود سے انکار کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت سرمایہ داری کے یہ مخاصمانہ تضادات ختم ہونے کے بجائے مسلسل زیادہ شدید ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ تضادات اس وقت تک باقی رہیں گے جب تک کہ سرمایہ داری کا وجود باقی ہے اور صرف سوشلزم کی فتح کے ساتھ ہی غائب ہوں گے۔

غیر مخاصمانہ تضادات ایسے طبقات کے درمیان اور ایسے سماجی گروہوں کے درمیان تضادات ہیں جن کے بنیادی مفادات ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ یہ تضادات بتدریج ختم ہو جاتے ہیں اور ایک سوشلسٹ انقلاب کے ذریعے حل نہیں ہوتے۔ مثلاً یہ تضادات مزدور طبقے اور کسانوں کے درمیان تضادات ہیں۔ سرمایہ داری کے

تحت شہر گاؤں کا استحصال کرتا ہے اور کسان شہر سے اپنی دشمنی کے دائرے کو کسی حد تک مزدور تک وسیع کردیتا ہے۔ کسان ملکیت (زمین، مویشی، آلاتِ کشاورزی) رکھتا ہے اور اُسے قائم رکھنا چاہتا ہے۔ دوسری طرف مزدور کوئی ملکیت نہیں رکھتا۔ مزدوروں اور کسانوں کے مفادات کا ٹکراؤ منڈی میں بھی ہوتا ہے جہاں کسان اپنی محنت کی پیداوار کو ممکنہ ترین زیادہ قیمت پر بیچنا چاہتا ہے۔ یہ تمام چیزیں ملکر سرمایہ داری کے تحت مزدور طبقے اور کسانوں کے درمیان بعض تضادات کا باعث ہوتی ہیں۔

مزدوروں اور کسانوں کے مفادات بعض خاص چیزوں میں متضاد ہوتے ہیں، لیکن بنیادی چیز میں وہ مکمل طور پر ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ چونکہ مزدور اور کسان دونوں ہی استحصال کا شکار ہوتے ہیں، اِس لئے وہ استحصال کا خاتمہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بنیادی مفادات کا یہ اشتراک سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف جدوجہد میں مزدور طبقے اور کسانوں کے اتحاد کی ایک معروضی بنیاد کی تخلیق کرتا ہے۔

سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی نے مزدوروں اور کسانوں کے اہم مفادات کے اشتراک کو پیش نظر رکھا اور انہیں ایک زبردست سماجی قوت میں متحد کردیا جس نے سرمایہ داری کو شکست دے دی۔ سوشلزم کے فروغ کے ساتھ مزدور طبقے اور کسانوں کے درمیان تضادات، جو سرمایہ داری سے ورثے میں ملے تھے، ختم ہوگئے ہیں اور سوشلزم اور کمیونزم کی تعمیر کی مشترکہ کوشش میں مزدوروں اور کسانوں کا اتحاد زیادہ سے زیادہ مضبوط اور زیادہ سے زیادہ ناقابلِ تسخیر ہوتا جارہا ہے۔

ایک سوشلسٹ سماج کے تضادات بھی غیرمخاصمانہ نوعیت کے ہوتے ہیں۔ اِس موضوع پر آئندہ تفصیلی روشنی ڈالی جائے گی۔

بُنیادی اور غیر بُنیادی تضادات ۔ اشیا اور مظاہر، سادہ ترین سے لیکر پیچیدہ ترین تک، بہت سے ہم وقت تضادات کے حامل ہوتے ہیں۔ تضادات کے اس ہجوم میں سے اپنا راستہ تلاش کرنے کے لئے ضروری ہوگا کہ ہم ان میں سے بنیادی تضادات کا انتخاب کریں۔ بنیادی تضاد وہ ہوتا ہے جو نشوونما میں فیصلہ کُن، نمایاں کردار ادا کرتا ہے اور دیگر تمام تضادات پر اثر انداز ہوتا ہے۔

مثلاً کیمیاوی سلسلۂ عمل کا بنیادی، فیصلہ کُن تضاد ایٹموں کے تلازم اور افتراق کے درمیان تضاد ہے۔ حیاتیاتی سلسلۂ عمل کا بنیادی تضاد، تحوّل کی متضاد نوعیت ہے، وغیرہ۔

سماجی زندگی میں جو غیر معمولی طور پر پیچیدہ اور کثیر الطرفہ ہوتی ہے، بنیادی تضاد کو تلاش کرنا

خاص طور پر اہم ہے۔ اِس بنیادی تضاد کی دریافت صحیح لائحۂ عمل تیار کرنے اور عملی کام کی اچھی طرح تنظیم کرنے میں سماج کے ترقی یافتہ طبقات اور مارکسی پارٹیوں کی مدد کرتی ہے۔

عصرِ حاضر کے سماج میں تضادات کا ایک ہجوم موجود ہے۔ ہر سرمایہ دار ملک میں پیداواری سلسلۂ عمل کے سماجی کردار اور پیداوار کی ملکیت کی نجی شکل کے درمیان، محنت اور سرمایہ کے درمیان وغیرہ مخاصمت موجود ہے۔ سرمایہ دار ممالک کے درمیان، اُن کے گروپوں اور بلاکوں کے درمیان تضادات موجود ہیں۔

تضادات کے اس ہجوم میں بنیادی، فیصلہ کن تضاد وہ ہے جو سوشلزم کی قوتوں جن کی نمائندگی عالمی سوشلسٹ نظام کرتا ہے اور سامراج کی رجعت پرست قوتوں کے درمیان موجود ہے۔ یہ تضاد اس وقت نوعِ انسانی کے نشو و نما کی محرکہ قوت بن گیا ہے۔ یہ دو خطوط، دو تاریخی رجحانات پر مشتمل ہے، ایک رجحان جس کی نمائندگی عالمی سوشلسٹ نظام کرتا ہے، ترقی، امن اور تعمیری سماجی کا رجحان ہے۔ دوسرا رجحان جس کی نمائندگی سامراج کرتا ہے، رجعت پرستی، استبداد اور جنگوں کا رجحان ہے۔

سوشلزم اور سامراج کے درمیان تضاد عالمی تاریخ کے سارے عمل پر زبردست اثر ڈال رہا ہے۔ یہ سرمایہ دار ممالک میں طبقات کی جد و جہد پر اور نوآبادیوں اور محکوم ممالک میں ظالموں کے خلاف عوام کی جد و جہد پر اثر ڈالتا ہے اور یہ خود سامراجی ممالک کے درمیان تضادات پر بھی اثر ڈالتا ہے۔ عالمی سوشلسٹ نظام کا وجود سامراجیوں کی راہ میں ایک زبردست رکاوٹ ہے، اور یہ انھیں ایک اور عالمی جنگ چھیڑنے اور دوسری قوموں کے خود مختارانہ حقوق کو بے خوفی سے کچلنے سے باز رکھتا ہے۔ یہ سرمایہ دار ممالک کے محنت کش عوام کے دلوں کو اُن کے کاز کے جائز ہونے کے ایقان سے منور کرتا ہے اور انھیں استحصال کرنیوالوں کے خلاف جد و جہد میں طاقت عطا کرتا ہے۔ جیسے جیسے سوشلسٹ نظام معاشی، سیاسی اور ثقافتی اعتبار سے فروغ پاتا جاتا ہے، ویسے ویسے دنیا میں اس کا اثر و نفوذ بڑھتا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مارکسی پارٹیاں اپنے عملی کام کی تنظیم میں ہمارے عہد کی اس زبردست خصوصیت، یعنی سوشلزم کی قوتوں کے استحکام میں مسلسل اضافے اور سامراجیوں کی قوتوں کے کمزور ہوتے جانے کی خصوصیت کے عمل کو پیشِ نظر رکھتی ہیں۔

عہدِ حاضر کا بنیادی تضاد، یعنی سوشلزم اور سامراج کے درمیان تضاد خود سرمایہ دار دنیا کے اندر کے گہرے تضادات کو ختم نہیں کر دیتا۔ سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کے پروگرام میں کہا گیا ہے: "گہری

جڑیں رکھنے والے اور شدید تضادات عالمی سامراجی نظام کو توڑ رہے ہیں۔ محنت اور سرمایہ کی مخاصمت، عوام اور اجارہ داریوں کے درمیان تضادات، بڑھتی ہوئی نوج گردی، نوآبادیاتی نظام کی شکست و ریخت، سامراجی ممالک کے درمیان تضادات، نوآزاد قومی ممالک اور پرانی نوآبادیاتی طاقتوں کے درمیان تضادات اور سب سے بڑھ کر، عالمی سوشلسٹ نظام کی تیز رفتار ترقی ۔ یہ ساری چیزیں سامراج کو کمزور اور تباہ کر رہی ہیں۔

اندرونی اور بیرونی، مخاصمانہ اور غیر مخاصمانہ، بنیادی اور غیر بنیادی تضادات کے درمیان کوئی سخت حدود قائم نہیں ہیں۔ درحقیقت وہ باہم پیچیدہ ہیں، وہ ایک سے دوسرے میں بدل جاتے ہیں اور نشوونما میں متعدد رول ادا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر تضاد کو الگ الگ دیکھنا چاہیے، ان حالات کو پیش نظر رکھنا چاہیے جن میں یہ اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے اور اس رول کو پیش نظر رکھنا چاہیے جو یہ ادا کرتا ہے۔

سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی سماجی نشوونما کے تضادات کو ٹھوس انداز میں دیکھتی ہے، تاریخی حالات کو پیش نظر رکھتی ہے، خاص تضادات کو الگ کرتی ہے اور انھیں حل کرنے کے لئے اصل قوتوں اور وسائل کو بروئے کار لاتی ہے۔ سوویت اقتدار کے اولین برسوں کے دوران ملک میں قائم ہونے والے ترقی یافتہ سیاسی نظام اور زارشاہی روس سے ورثے میں ملی ہوئی پسماندہ معیشت کے درمیان تضاد کو بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا گیا۔ اس تضاد کو صنعت کاری کے سلسلۂ عمل میں حل کیا گیا۔ لیکن جیسے جیسے صنعت ترقی کرتی گئی ویسے ویسے سوشلسٹ صنعت اور چھوٹے پیمانے کی کسان زراعت کے درمیان تضاد زیادہ سے زیادہ شدید ہوتا گیا۔ اس تضاد کو بھی کسانوں کو اجتماعی فارموں میں منظم کرنے کے ذریعہ عوام اور پارٹی کی کوششوں سے حل کر لیا گیا۔ ان تضادات کا خاتمہ سوویت یونین میں سوشلزم کی تعمیر میں فیصلہ کن اہمیت کا حامل تھا۔

۳۔ سوشلسٹ سماج کے تضادات اور انھیں ختم کرنے کے طریقے

سوویت یونین میں سوشلزم کی فتح کا نتیجہ یہ نکلا کہ استحصالی طبقات کا، اُن اسباب کا جو انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال کو جنم دیتے ہیں، نیز شہر اور گاؤں کے درمیان اور دماغی محنت اور جسمانی محنت کے درمیان مخاصمت کا خاتمہ ہو گیا۔ مزدوروں، کسانوں اور دانشوروں کے بنیادی مفادات کے اشتراک نے سوویت عوام کے سماجی، سیاسی اور نظریاتی اتحاد کے لئے بنیاد قائم کی۔ سوویت قوموں اور قومیتوں کے درمیان ایک مستحکم

دوستی پروان چڑھی۔ جیسے جیسے سوویت یونین کمیونزم کی طرف بڑھتا جاتا ہے، یہ اتحاد مزید مضبوط ہوتا جاتا ہے، قومیں اور سماجی گروہ ایک دوسرے کے قریب تر آرہے ہیں، وہ ایک دوسرے کے تمول میں اضافہ کرتے ہیں اور اُن کے درمیان امتیازات بتدریج ختم ہوتے جاتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سوشلزم کے تحت کوئی تضادات موجود نہیں ہیں۔ سوشلسٹ سماج مسلسل نشوونما پاتا ہے اور جہاں نشوونما ہوتا ہے وہاں قدیم اور جدید ہمیشہ موجود ہوتے ہیں اور نتیجتہً اُن کے درمیان جدوجہد موجود ہوتی ہے۔ لینن نے لکھا کہ "مخاصمت اور تضاد ایک ہی چیز نہیں ہیں۔ سوشلزم کے تحت مخاصمت ختم ہوجائیگی اور تضاد باقی رہے گا۔"

لینن نے سوشلزم کے تحت تضادات کی نہ صرف موجودگی کی جانب اشارہ کیا بلکہ اُنکی اہم ترین صفت کا، اُن کے غیر خاصمانہ کردار کا بھی انکشاف کیا۔ ایسا اس وجہ سے ہے کیونکہ سوشلسٹ سماج میں خاصمانہ طبقات یا استحصال کا وجود نہیں ہے، سماجی ملکیت کا وجود عوام کو متحد کرتا ہے۔ سوشلسٹ سماج کے تضادات ترقی کے تضادات اور مشکلات ہیں جن کا تعلق سوشلسٹ معیشت کی تیزرفتار پیش قدمی اور عوام کی مادی اور ثقافتی ضروریات میں مسلسل اضافے سے ہے۔ یہ جدید اور قدیم کے درمیان، ترقی پسند اور پسماندہ کے درمیان تضادات ہیں۔

سوشلسٹ سماج کے تضادات کمیونسٹ پارٹی اور سوویت حکومت کی رہنمائی میں تمام محنت کش عوام کی مشترکہ مساعی سے ختم ہوتے ہیں۔ پارٹی کی صحیح اور سائنسی بنیادوں پر استوار پالیسی، پارٹی اور عوام کا اتحاد، اور پارٹی اور حکومت کے اقدامات کی عوام کی جانب سے مکمل حمایت تمام تضادات کے بروقت انکشاف اور اُن کے خاتمے کو یقینی بناتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سوشلزم کے تضادات، تصادمات میں نہیں بدلتے اور سماجی شورشوں کا کردار نہیں اختیار کرتے۔

سرمایہ داری اپنے تضادات کے حل سے ختم ہوجاتی ہے، لیکن سوشلزم کے تضادات کا خاتمہ فی الحقیقت سوشلسٹ نظام کو مضبوط کرتا اور کمیونزم کی جانب ملک کی پیش قدمی میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

سماجی پیداوار میں غلطاً موجود بعض تضادات سوشلزم کے تحت باقی رہتے ہیں، خاص طور سے پیداواری قوتوں اور پیداواری رشتوں کے درمیان تضاد۔ اس سوال کا تفصیلی جائزہ بارھویں باب میں لیا جائیگا جس میں سوشلسٹ طرزِ پیداوار سے بحث کی گئی ہے۔

جیسے جیسے سوشلسٹ سماج فروغ پاتا جاتا ہے، ویسے ویسے مسلسل فروغ پذیر قومی معیشت اور معاشی نظم ونسق کی زسودہ شکلوں اور طریقوں کے درمیان تضادات پیدا ہوتے ہیں اور انھیں حل کیا جاتا ہے۔

اِن میں سے بعض شکلیں اور طریقے جنھوں نے اسلا سماج کے نشوونما میں ایک مثبت کردار ادا کیا تھا، نئے حالات کے تقاضوں پر پورے نہیں اُترتے اور وہ ترقی کی راہ میں رُکاوٹ بن سکتے ہیں۔ چنانچہ ضرورت اِس بات کی ہوتی ہے کہ فرسودہ طریقوں کو نئے طریقوں سے زیادہ بہتر اور زیادہ کارگر طریقوں سے بدل دیا جائے۔

سوویت عوام کی بھاری اکثریت کمیونزم کی تعمیر میں سرگرمی کے ساتھ حصّہ لیتی ہے۔ لیکن بعض ایسے افراد موجود ہیں جو اب بھی پیداوار کے قدیم، فرسودہ طریقوں سے، پسماندہ ٹکنولوجی وغیرہ سے چمٹے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کے ذہن سرمایہ داری کے باقیات سے آلودہ ہیں۔ ان افراد کے مفادات اور اقدامات آبادی کی اکثریت کے مفادات کے خلاف ہیں، وہ کمیونزم کی تعمیر کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ اِن میں سے بیشتر افراد کی عوام اور کمیونسٹ پارٹی کی کوششوں کے ذریعہ اصلاح کر لی جاتی ہے، جبکہ زیادہ ناقابلِ اصلاح لوگوں کے خلاف سخت کارروائی کی جاتی ہے۔

اِس بات پر زور دیا جانا چاہیے کہ سوویت عوام اور ان افراد کے درمیان تضادات جو ماضی کے باقیات سے چمٹے ہوئے ہیں سوشلسٹ سماج کی فطرت سے نہیں پیدا ہوتے، بلکہ سامراج کی میراث اور اثر و نفوذ سے، نظریاتی کام اور تعلیم وغیرہ کی خامیوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ تضادات عارضی ہیں اور کمیونزم کی فتح کے ساتھ یہ مکمل طور پر ختم ہو جائیں گے۔

سوشلزم کے تضادات کو کس طرح سامنے لایا جاتا اور انھیں حل کیا جاتا ہے؟

سوشلسٹ سماج کے تضادات کا انکشاف کرنے کا طریقہ تنقید اور خود تنقیدی ہے۔ لیکن تضادات کو سامنے لا کر تنقید اور خود تنقیدی کا طریقہ انھیں خود بخود حل کرنے کا اہل نہیں۔ اِن تضادات کو ختم کرنے کیلئے ہر ایک کا کام، پارٹی اور حکومت دونوں کا مناسب نظریاتی اور تعلیمی کام ضروری ہے۔ پیداوار کا مسلسل فروغ اور بہتری، کمیونسٹ تعمیر میں عوام کی سرگرم شرکت، سوویت شہریوں کو تعلیم دینے میں پارٹی کا متنوع اور دقت طلب کام۔۔ یہ ہیں سوشلسٹ سماج کے تضادات کا خاتمہ کرنے کے اہم ذرائع۔

اندرونی تضادات کے علاوہ سوویت یونین اور سارا عالمی سوشلسٹ نظام عالمی سرمایہ دارانہ نظام کے ساتھ مخاصمانہ تضاد کی حالت میں ہے اگرچہ یہ تضاد بیرونی ہے، لیکن یہ سوشلسٹ ممالک کے نشوونما پر کافی اثر ڈالتا ہے اور اس کی اہمیت کو ہرگز کم نہیں سمجھنا چاہیے اور سوشلسٹ ممالک لے پرامن طور پر، پُرامن

بقائے باہمی کی بنیاد پر حل کرنے کے لئے ہر ممکنہ کوشش کر رہے ہیں۔ عالمی ایٹمی جنگ کا نتیجہ انسانی جانوں کے بے پایاں نقصانات اور زبردست تباہی کی صورت میں برآمد ہوگا اور انسان کی ترقی کو زبردست دھچکہ لگے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک نئی عالمی جنگ کو روکنے اور امن قائم رکھنے کی جدوجہد تمام ایماندار لوگوں کا بے حد اہم فرض ہے۔ امن کی جدوجہد سماجی ترقی اور سوشلزم اور کمیونزم کی کامیاب تعمیر کے لئے لازمی ہے۔

کمیتی تبدیلی سے کیفیتی تبدیلی میں بدل جانے کا قانون

یہ قانون یہ بتاتا ہے کہ نشوونما کیسے اور کس طرح آگے بڑھتا ہے اور اس سلسلۂ عمل کی میکانیت کیا ہے۔
اس قانون کو سمجھنے کیلئے سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہوگا کہ کیفیت اور کمیت سے کیا مراد ہے۔

۱۔ کیفیت اور کمیت

ہم لاتعداد متنوع اشیا اور مظاہر میں گھرے ہوئے ہیں اور یہ سب کے سب مسلسل حرکت یا تبدیلی کی حالت میں ہیں۔ ہم ان اشیا کو خلط ملط نہیں کرتے بلکہ ان کے درمیان امتیاز کرتے اور ان کی تعریف کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنے بعض منفرد خواص کی بنا پر دوسروں سے مختلف ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر سونے کو لیجئے۔ اس کا اپنا خصوصی پیلا رنگ ہوتا ہے، اپنی لچک اور اپنا لوچ ہوتا ہے۔ ایک مخصوص کثافت اور حرارت کی ایک خاص صلاحیت ہوتی ہے، اسکے پگھلنے اور گرم ہونے کی خاص منزلیں ہوتی ہیں۔ سونا نہ تو الکلی میں حل ہوتا ہے اور نہ بہت سے تیزابوں میں۔ کیمیاوی لحاظ سے یہ بہت زیادہ فعال نہیں ہوتا اور کھلی ہوا میں تکسید یافتہ نہیں ہوتا۔ یہ ساری چیزیں مل کر سونے کو دیگر دھاتوں سے ممیز کرتی ہیں۔

ہر وہ چیز جو کسی شے کو وہ بناتی ہے جو کہ وہ ہے، جو اُسے دیگر لاتعداد اشیا سے ممیز کرتی ہے، ہماری اصطلاح میں "کیفیت" کہلاتی ہے۔

تمام اشیا اور مظاہر کیفیت کے حامل ہوتے ہیں۔ کیفیت ہی وہ چیز ہے جو ہمیں ان کی تعریف کرنے اور اُن میں امتیاز کرنے کا اہل بناتی ہے۔ مثلاً، وہ کون سی چیز ہے جو جاندار مادے کو بے جان مادے سے جدا کرتی ہے؟ ماحول کے ساتھ تحوّلی تبادلہ یا باہمی قائم کرنے کی صلاحیت، بیرونی اثر و نفوذ پر ایک مقصد کے ساتھ جوابی عمل کرنے کی صلاحیت، نسل بڑھانے کی صلاحیت۔ یہ اور بعض دیگر خواص زندہ مادے

کی کیفیت کی تشکیل کرتے ہیں۔

سماجی مظاہر بھی کیفیتی اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ پیداوارِ جنس کا غلبہ، سرمایہ دارانہ ملکیت اور اُجرتی محنت کا وجود اور دیگر خصوصیات سرمایہ داری کو جاگیرداری سے ممیز کرتی ہیں۔

ایک شے کی کیفیت ان چیزوں کے ذریعہ ظاہر ہوتی ہے جو اس کے خواص کی حیثیت سے جانی جاتی ہیں۔ ایک خاصہ کسی چیز کو صرف ایک پہلو سے بیان کرتا ہے، جبکہ کیفیت کسی شے کا مجموعی طور پر عمومی تصور پیش کرتی ہے۔ پیلا رنگ، لیک، لوچ اور سونے کی دیگر خصوصیات الگ الگ اس کے خواص ہیں، جبکہ یہ سارے خواص مل کر سونے کی کیفیت کی تشکیل کرتے ہیں۔

ایک خاص کیفیت کے علاوہ ہر شے کمیت بھی رکھتی ہے۔ کیفیت سے الگ، کمیت کسی شے کے ذاتی خواص کی شدت یا نشوونما کے درجے کی نیز اس کی جسامت اور حجم وغیرہ کی عکاسی کرتی ہے۔ اشیا کی جسامت، وزن اور حجم کا، اُن کے ذاتی رنگوں نیز اُن سے خارج ہونے والی آوازوں کی شدت کا اظہار عددی صورت میں ہوتا ہے۔

سماجی مظاہر بھی کمیتی خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں۔ ہر سماجی۔ معاشی نظام پیداوار کے نشوونما کی ایک مطابقتی سطح یا درجے کا حامل ہوتا ہے۔ کوئی بھی ملک ایک خاص پیداواری استعداد کا، محنت، خام مال، اور توانائی کے وسائل کا حامل ہوتا ہے۔

کیفیت اور کمیت ایک وحدت ہیں کیونکہ وہ ایک ہی شے کے دو پہلوؤں کی نمائندگی کرتی ہیں لیکن اُن کے درمیان اہم فرق بھی موجود ہیں۔ کیفیت کی تبدیلی شے کی تبدیلی کا، اس کے دوسری شے بن جانے کا باعث ہوتی ہے۔ دوسری طرف کمیتی تبدیلی جو خاص حدود کے اندر ہوئے شے میں کوئی قابلِ ذکر تبدیلی پیدا نہیں کرتی۔ اگر سرمایہ دارانہ ملکیت جو سرمایہ دارانہ نظام کی اہم ترین کیفیتی خصوصیت ہے، ختم کردی جائے اور اس کی جگہ سوشلسٹ ملکیت قائم کردی جائے تو ایک نیا، کیفیتی لحاظ سے مختلف نظام، سوشلزم، سرمایہ دارانہ نظام کی جگہ لے لیگا۔ لیکن اگر سرمایہ دارانہ ملکیت کو وسیع کر دیا جائے، اُسے مرکزیت دے دی جائے اُسے اجارہ داریوں کے ایک چھوٹے سے گروہ کے ہاتھوں میں یا بورژوا ریاست کے ہاتھوں میں مرتکز کردیا جائے جیسا کہ آج سرمایہ دار دنیا میں ہو رہا ہے، تو بھی سرمایہ داری سرمایہ داری ہی رہے گی۔

کمیت اور کیفیت کے اتحاد کو "پیمانہ" کہتے ہیں۔ پیمانہ ایک قسم کی حد بندی ہے، ایک قسم کا ڈھانچہ ہے جس کے اندر شے وہی رہتی ہے جو کہ وہ ہے۔ اس پیمانے میں یعنی کمیتی اور کیفیتی پہلوؤں کے اس خاص امتزاج

میں واقع ہونے والا "خلل" شے میں تبدیلی کا، ایک دوسری شے کی شکل اختیار کر لینے کا باعث ہوتا ہے۔ مثلاً مائع حالت میں پارے کا پیمانہ منفی ۳۹ درجہ سنٹی گریڈ سے لے کر ۳۰۰ سینٹی گریڈ تک ہے۔ منفی ۳۹ درجہ سنٹی گریڈ پر، یہ ٹھوس شکل اختیار کر لیتا ہے جبکہ ۳۰۰ سینٹی گریڈ پر یہ ابلنے لگتا ہے اور بخارات بن جاتا ہے۔

کمیتی اور کیفیتی تعیت سماجی مظاہر میں بھی موجود ہوتی ہے۔ مثلاً کمیونزم کی مادی اور فنی بنیاد کے لئے نہ صرف کمیتی لحاظ سے پیداوار کی انتہائی زبردست ترقی ضروری ہے، بلکہ کیفیتی خصوصیات بھی ضروری ہیں یعنی پیداوار کی ہمہ گیر اور مکمل برق کاری، پیداواری سلسلہ ہائے عمل کی مکمل مشین کاری اور خود کاری، توانائی، خام مال اور دیگر مال کے نئے وسائل کا استعمال، سائنس اور پیداوار کا نامیاتی اتحاد، وغیرہ

۲۔ کمیتی تبدیلی سے کیفیتی تبدیلی میں بدل جانا

نشو و نما کا ایک قانون

ہم نے پہلے یہ کہا ہے کہ ایک کمیتی تبدیلی جو خاص حدود کے اندر ہو، کسی شے کی کیفیتی حالت کی تبدیلی کا باعث نہیں ہوتی۔ لیکن جیسے ہی یہ حدود پار کر لی جاتی ہیں اور "پیمانے" میں خلل واقع ہو جاتا ہے، ویسے ہی بظاہر غیر بنیادی کمیتی تبدیلیاں لازمی طور پر ایک بنیادی، کیفیتی تبدیلی کو وجود میں لاتی ہیں۔ کمیت، کیفیت میں منتقل ہو جاتی ہے۔ مارکس نے لکھا ہے کہ نشو و نما کے سلسلۂ عمل کے دوران محض وہ کمیتی فرق جو ایک خاص نکتے سے آگے چلے جاتے ہیں، کیفیتی تبدیلی میں منتقل ہوتے ہیں۔"

کمیتی تبدیلیوں کا کیفیتی تبدیلیوں میں منتقل ہو جانا مادی دنیا کے نشو و نما کا ایک آفاقی قانون ہے۔

اس قانون کے آفاقی کردار کو ظاہر کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ صداقت کے مختلف دائروں میں اس کے عمل کا جائزہ لیا جائے۔

جدید طبیعات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ بعض ابتدائی ذرات، دیگر، کیفیتی لحاظ سے مختلف، ذرات میں بدل سکتے ہیں۔ اُن کی تبدیلی کا یہ سلسلۂ عمل ہمیشہ ایک خاص کمیتی اجتماع سے مربوط ہوتا ہے۔ یہ اسی وقت وقوع پذیر ہوتا ہے جب ذرات توانائی کی ایک خاص، کافی اونچی سطح کے حامل ہوں۔

جوہروں (مادے) کی ایک حالت سے دوسری حالت میں بہت سادہ تبدیلیاں (ٹھوس سے مائع، مائع سے گیس وغیرہ کی حالت میں تبدیلیاں) بھی کمیتی تبدیلیوں کے کیفیتی تبدیلیوں میں بدل جانے کے قانون کی مظہر ہیں۔ مثلاً اگر پانی کو ۱۰۰ سنٹی گریڈ سے زیادہ پر گرم کیا جائے تو یہ ایک مختلف کیفیت میں بدل جاتا ہے۔ یہ بھاپ بن جاتا ہے۔ بھاپ کے خواص پانی کے خواص سے الگ ہوتے ہیں مثلاً نمک اور شکر بھاپ میں حل نہیں ہوتے جبکہ وہ پانی میں حل ہو جاتے ہیں۔

کمیت سے کیفیت میں بدل جانے کا قانون کیمیاوی سلسلہ ہائے عمل میں نہایت نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ مینڈے لی ئیف کا معیادی قانون یہ ظاہر کرتا ہے کہ کیمیاوی عناصر کی کیفیت کا انحصار ایٹمی مرکزے کے مثبت چارج کی کمیت پر ہوتا ہے۔ خاص حدود کے اندر رہ کر چارج کی ایک کمیتی تبدیلی کیمیاوی عنصر میں کوئی کیفیتی تبدیلی پیدا نہیں کرتی، لیکن ایک قطعی خاص مرحلے پر پہنچ کر یہ کمیتی تبدیلیاں ایک نئے عنصر کی تشکیل کا باعث ہو جاتی ہیں مثلاً یورینیم کا مرکزہ تابکار انتشار کے دوران ایٹمی وزن اور چارج سے محروم ہو جاتا ہے اور یہ بالآخر کیفیتی لحاظ سے ایک نیا عنصر، سیسہ بن جاتا ہے۔ عمومی طور پر کیمیا وہ علم ہے جو ان کیفیتی تبدیلیوں کا مطالعہ کرتا ہے جو جوہروں (مادے) میں کمیتی تبدیلیوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً، آکسیجن کا ایک سالمہ دو ایٹموں پر مشتمل ہوتا ہے لیکن جیسے ہی آکسیجن کا ایک اور ایٹم شامل کر دیا جائے تو یہ اوزون بن جاتا ہے، جو کیفیتی لحاظ سے ایک نیا کیمیاوی جوہر ہے۔

نامیاتی دنیا میں بھی، کمیتی تبدیلیاں کیفیتی تبدیلیوں میں بدل جاتی ہیں اگرچہ یہاں کیفیت کی تبدیلیوں کے کمیتی اجتماعات پر انحصار کا پتہ چلانا زیادہ مشکل ہوتا ہے۔

کمیت سے کیفیت میں بدل جانے کا عمل سماجی نشوونما میں بھی وقوع پذیر ہوتا ہے۔ سوشلسٹ انقلاب کے ذریعہ سرمایہ داری سے سوشلزم میں منتقلی کے لئے قطعی خاص کمیتی لازمی شرائط درکار ہوتی ہیں، یعنی سرمایہ داری کے تحت پیداواری قوتوں کا فروغ، پیداوار کے سماجی کردار کی توسیع اور انقلابی مزدوروں کی تعداد میں اضافہ وغیرہ۔

کمیتی تبدیلیاں نہ صرف یہ کہ کیفیتی تبدیلیوں میں بدل جاتی ہیں بلکہ کیفیتی تبدیلیاں بعد میں کمیت میں اضافے کا بھی باعث ہوتی ہیں۔ سماجی نظام کی بنیادی، کیفیتی تبدیلی، یعنی سرمایہ داری کی جگہ سوشلزم کی آمد، متعدد کمیتوں میں کافی تبدیلیاں لاتی ہے، یعنی صنعتی و زرعی پیداوار کی مقدار میں اضافہ، معاشی اور ثقافتی ترقی کی زیادہ تیز رفتار شرح، قومی آمدنی اور اُجرتوں میں اضافہ وغیرہ۔

چنانچہ کمیتی اور کیفیتی تبدیلیاں باہم مربوط ہوتی ہیں اور ایک دوسرے پر اثر ڈالتی ہیں۔

تسلسل اور عدم تسلسل (چھلانگ) اور نشوونما میں اُن کا اتحاد

کمیتی تبدیلیاں ایک نسبتہً سست، مسلسل نوعیت کی ہوتی ہیں جبکہ کیفیتی تبدیلیاں غیر مسلسل، ایک چھلانگ کی صورت میں ہوتی ہیں۔ چنانچہ نشوونما، مراحل کی دو مختلف لیکن باہم مربوط شکلوں، یعنی تسلسل اور عدم تسلسل (چھلانگ) کے اتحاد کے طور پر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ تسلسل اور عدم تسلسل مادے کے نہ صرف نشوونما میں، بلکہ اس کی حالت میں بھی خلقاً موجود ہوتے ہیں۔ مادے میں لہر (مسلسل) اور جسیمہ (غیر مسلسل) کے خواص موجود ہوتے ہیں۔

نشوونما میں "تسلسل" سست، غیر محسوس کمیتی اجتماع کا مرحلہ ہے۔ یہ ایک شے کی کیفیت پر اثر انداز نہیں ہوتا، بلکہ اس (شے) میں غیر اہم تبدیلیاں نافذ کردیتا ہے۔ یہ، اس کو جو کہ موجود ہے، بڑھانے یا گھٹانے کا، سلسلۂ عمل ہے۔

عدم تسلسل یا چھلانگ ایک شے میں بنیادی، کیفیتی تبدیلی کا مرحلہ ہے، یہ وہ لمحہ یا عرصہ ہے جبکہ قدیم کیفیت ایک جدید کیفیت میں بدل جاتی ہے۔ پوشیدہ، سست کمیتی تبدیلیوں کے برعکس، ایک چھلانگ کسی شے کی کیفیت میں کم و بیش کھلی اور نسبتہً تیز تبدیلی ہے۔ یہ تبدیلی نسبتہً تیز انداز میں واقع ہوتی ہے، اس وقت بھی جبکہ کیفیتی تبدیلیاں ایک تدریجی منتقلی کی شکل اختیار کرتی ہیں۔

بعض ابتدائی ذرات کا دوسرے ذرات سے تشکیل پانا، کسی جوہر (مادے) کی حالت میں تبدیلی، ایک نئے کیمیاوی عنصر کی پیدائش، پودے یا حیوان کی کسی نوع کا ظہور جو پہلے موجود نہیں تھی، یا ایک نئے سماجی نظام کا ظہور، مادی دنیا کے نشوونما میں چھلانگ کی بعض مثالیں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک قطعی خاص کمیتی اجتماع کا نتیجہ ہوتی ہے۔

چونکہ چھلانگ کا نتیجہ قدیم کی بربادی اور جدید اور ترقی پسند کے فروغ کی صورت میں برآمد ہوتا ہے، اس لئے چھلانگیں نشوونما میں زبردست اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔

چھلانگیں سماج کے نشوونما میں خاص طور پر اہم ہوتی ہیں جہاں وہ اکثر اوقات ایسے سماجی انقلابات کی نوعیت اختیار کرلیتی ہیں جو پرانے سماجی نظام کو ختم کرکے نیا سماجی نظام قائم کرتے ہیں اور اس طرح سماجی ترقی کی رکاوٹیں دور کرتے ہیں۔

چونکہ نشوونما ہمیشہ کمیتی (مسلسل) اور کیفیتی (چھلانگ جیسی) تبدیلیوں کے اتحاد کے طور پر ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ عمل اور نظریئے میں نشوونما کے ان دونوں مراحل کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز کرنے کا مطلب ہے نشوونما کے سلسلۂ عمل کو مسخ کرنا، مابعد الطبیعیات میں جا گرنا۔

مابعد الطبیعیات کے حامی اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ کیفیتی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوتی ہیں اور وہ نشوونما کو غیر محسوس کمیتی اجتماع تک محدود کرتے ہیں۔ چنانچہ "نظریۂ قبل تشکیل" حیاتیات کے میدان میں نشوونما کو اس غلط انداز میں سمجھنے کی ایک مثال ہے۔ اس نظریئے کے علمبردار مثلاً رو بیئنے یہ کہتے ہیں کہ جنین، خردبینی جسامت کا ایک مکمل طور پر فروغ یافتہ، پختہ زندہ جسم ہے۔ اُنکے نقطۂ نظر کے مطابق عضویئے کا نشوونما محض سادہ ترقی، جنین کی جسامت میں اضافہ ہے۔ لیکن درحقیقت جنین اپنے نشوونما کے عمل کے دوران گہری کیفیتی تبدیلیوں سے گزرتا ہے۔

بورژوا نظریہ ساز اور مارکسزم کے ترمیم پسند سماجی نشوونما کی تشریح کرنے کی کوشش میں اسی مابعد الطبیعیاتی طرز فکر کو اپناتے ہیں۔ وہ سماجی نشوونما کو چھلانگوں یا انقلابوں کے بغیر محض خالص تسلسل سمجھتے ہیں اور ایسا کرتے ہوئے وہ ایک سوشلسٹ انقلاب کی ضرورت سے انکار کرتے ہیں۔

کمیتی تبدیلیوں کو نظر انداز کر دینا، نشوونما کو محض چھلانگوں تک، تسلسل میں ایک وقفے تک، محدود کر دینا بھی اسی طرح غلط ہوگا، جیسا کہ مثال کے طور پر انیسویں صدی کے فرانسیسی سائنسداں جارج کیوویر نے کیا۔ اس نے یہ دعویٰ کیا کہ کرۂ ارض پر یکے بعد دیگرے کئی قسم کی آفتیں نازل ہوتی رہیں، جن کے نتیجے میں پودوں اور حیوانوں کی پرانی انواع کی جگہ نئی انواع نے مکمل طور پر لے لی۔ مزید برآں، کیوویر نے نئی انواع اور معدوم انواع کے درمیان کسی بھی قسم کے رابطے کو تسلیم کرنے سے انکار کیا۔

کمیتی تبدیلیوں سے انکار نراجیت کے لئے نظریاتی بنیاد کا کام کرتا ہے۔ یہ ایک پیٹی بورژوا رجحان ہے جو مارکسزم کا مخالف ہے۔ نراجیت پسند (انارکسٹ) ایک مارکسی پارٹی کے اس طویل اور دقت طلب کام کا جو وہ اپنی قوتوں کو مجتمع کرنے کے لئے، لوگوں کو منظم کرنے اور انہیں انقلابی عمل کے لئے بتدریج تیار کرنے کے لئے کرتی ہے، مذاق اُڑاتے ہیں۔ ناعاقبت اندیشی اور سازشی سرگرمیاں نراجی طریقۂ کار کی خصوصیت ہیں جنہوں نے مزدور تحریک کو سنگین نقصانات پہنچائے ہیں۔

مارکسی جدلیات اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ نشوونما کی مسلسل اور چھلانگ جیسی شکلوں کو، خاص طور پر

سماجی نشو ونما میں اُن کے اتحاد کو پیشِ نظر رکھا جائے۔ چونکہ ایک چھلانگ یا انقلاب سماج کے نشو ونما میں فیصلہ کُن ہوتا ہے، اِس لئے سرمایہ داری سے سوشلزم میں منتقلی نہ تو ست، کمیتی تبدیلیوں کے ذریعے اور نہ اصلاحات کے ذریعے نافذ العمل ہوسکتی ہے، بلکہ صرف سرمایہ دارانہ نظام کے ایک کیفیتی تغیر کے ذریعے، یعنی ایک سوشلسٹ انقلاب کے ذریعے ہی نافذ العمل ہوسکتی ہے۔

چنانچہ کمیت اور کیفیت وہ قطعی خصوصیات ہیں جو تمام اشیا اور مظاہر میں خلقتاً موجود ہوتی ہیں۔ کمیت اور کیفیت باہم مربوط ہوتی ہیں۔ نشو ونما کے سلسلۂ عمل کے دوران غیر محسوس، تدریجی کمیتی تبدیلیاں بنیادی، کیفیتی تبدیلیوں میں بدل جاتی ہیں۔ بدلنے کا یہ عمل ایک چھلانگ کی شکل اختیار کرتا ہے۔ یہ ہے کمیتی تبدیلیوں کے کیفیتی تبدیلیوں میں بدل جانے کے جدلیاتی قانون کا نچوڑ۔

۳۔ پُرانی کیفیت کے نئی کیفیت میں بدل جانے کے طریقوں کا تنوع

ایک نئی کیفیت کے ظہور یا اُسکی تشکیل میں ایک بنیادی موڑ کسی بھی چھلانگ کی بنیادی خصوصیت ہے۔ لیکن مختلف اشیا میں یہ موڑ، یعنی پُرانی کیفیت سے نئی کیفیت میں تبدیلی، مختلف طریقوں سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔ چھلانگ کی شکل یہ بتاتی ہے کہ پُرانے سے نئے میں منتقلی کیسے اور کس طریقے سے واقع ہوتی ہے ــ تیزی سے، مکمل طور پر، فوراً یا بتدریج اور جزوی۔ بعض چھلانگیں اچانک اور تیز ہوتی ہیں اور پُرانی کیفیت مکمل طور اور فوراً نئی کیفیت میں بدل جاتی ہے۔

دیگر چھلانگیں کم تیز ہوتی ہیں اور اتنی اچانک نہیں ہوتیں۔ اِس صورت میں پرانی کیفیت نئی کیفیت میں فوراً ہی اور مکمل طور پر نہیں بدل جاتی، بلکہ حصوں میں بدلتی ہے۔ پُرانی کیفیت کے عناصر تدریجاً مرتے جاتے ہیں اور نئی کیفیت کے عناصر بھی اسی طرح بتدریج اُن کی جگہ لیتے جاتے ہیں۔ اس قسم کی چھلانگ کو تدریجی کیفیتی تبدیلی کی حیثیت سے، تدریجی کمیتی اجتماع کے ساتھ ہرگز خلط ملط نہیں کرنا چاہئے۔ اپنی تمام تر تدریجیت کے باوجود یہ چھلانگ بھی کمیت کی شدید ترین تبدیلی کے مقابلے میں کہیں زیادہ تیز تر اور نمایاں ہوتی ہے۔ مزید برآں، تدریجی کمیتی تبدیلیاں کسی شے کی فطرت پر اثر انداز نہیں ہوتیں جبکہ ہر چھلانگ، تدریجی چھلانگ بھی، نشو ونما میں ہمیشہ ایک فیصلہ کُن موڑ ہوتی ہے۔ یہ شے کو تبدیل کرتی ہے اور اُسے کیفیتی لحاظ سے ایک نئی شے میں بدل ڈالتی ہے۔

چھلانگ کی شکل کا انحصار سب سے پہلے تو، نشوونما پانے والے مظہر کے کردار پر ہوتا ہے۔ ہر مظہر اپنے مخصوص طریقے سے ایک دوسرے نئے مظہر میں بدلتا ہے۔ مثلاً بعض ابتدائی ذرات کی دوسرے ذرات میں تبدیلی دھماکے کے ذریعہ عمل میں آتی ہے۔ جب ایک الیکٹرون اور پوزٹرون مناسب توانائیوں کے ساتھ ٹکراتے ہیں تو ایک لپک (دھماکہ) فوراً ہی ظہور پذیر ہوتی ہے جو اصل ذرات کے دوسرے ذرات (فوٹون) میں بدل جانے کی تصدیق کرتی ہے۔ ایٹمی مرکزوں کے چارج میں کمی یا بیشی کے دوران بعض کیمیاوی عناصر کا دوسرے عناصر میں تبدیل ہو جانا بھی اسی طرح لمحاتی ہوتا ہے۔

نامیاتی قدرت میں چھلانگیں عام طور پر تدریجی کردار کی حامل ہوتی ہیں۔ نئی انواع کا ظہور بیرونی ماحول پر انحصار میں ہوتا ہے اور ماحول سست روی کے ساتھ بتدریج بدلتا ہے۔ اس سے بڑی حد تک اس امر کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ پودوں اور حیوانوں کی نئی انواع فوراً ہی کیوں نہیں ظہور پذیر ہو جاتیں، بلکہ ایک طویل نشوونما کے سلسلۂ عمل میں ظہور پذیر ہوتی ہیں جس کے دوران زندہ عضویئے ایسی نئی خصوصیات کو حاصل کرتے اور توارث کے ذریعہ منتقل کرتے رہتے ہیں جو بدلتے ہوئے ماحول کے مطابق ہوتی ہیں اور پرانی خصوصیات کو چھوڑتے جاتے ہیں جو نئے حالات سے مطابقت نہیں رکھتیں۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں، انسان بھی طویل ارتقا کے عمل کے دوران ظہور پذیر ہوا۔ انسان نما بندر کی انسان میں تبدیلی کے تدریجی کردار کے باوجود یہ حیوانی دنیا کے نشوونما میں عظیم ترین چھلانگ یا موڑ تھا۔ اس نے انسانی سماج کے آغاز کی نشان دہی کی۔

چھلانگ کی شکل کا انحصار ان حالات پر بھی ہوتا ہے جن میں مظہر نشوونما پاتا ہے۔ مثلاً تابکار انتشار کے دوران بعض کیمیاوی عناصر کے مرکزے، دوسرے زیادہ ہلکے عناصر کے مرکزوں میں بدل جاتے ہیں اور اس سلسلۂ عمل کے ساتھ ہی ایٹمی توانائی حرارتی توانائی میں بدل جاتی ہے۔ یہ تبدیلی، حالات کے انحصار کے مطابق، دھماکے کی شکل اختیار کر سکتی ہے (ایک ایٹم بم میں) یا ایٹمی توانائی کے بتدریج حرارت میں بدل جانے کی شکل اختیار کر سکتی ہے (ایٹمی بجلی گھروں کے ری ایکٹروں میں)۔

سماجی نشوونما میں پرانی کیفیت سے نئی کیفیت میں منتقلی یا تو تیز اور متشدد تبدیلیوں کی یا تدریجی تبدیلیوں کی شکل اختیار کر سکتی ہے۔

انقلابِ اکتوبر، تاریخ کا عظیم کیفیتی موڑ جس نے نوعِ انسانی کے نشوونما میں ایک نئے عہد کا

سوشلزم اور کمیونزم کے عہد کا آغاز کیا، ایک تیز اور متشدد چھلانگ تھا۔ اس انقلاب کے نتیجے میں روسی مزدوروں نے مسلح بغاوت کے ذریعہ ایک ہی ضرب سے بورژوازی کی حکمرانی کا خاتمہ کردیا اور اقتدار حاصل کرلیا۔

سوویت یونین میں ثقافتی انقلاب بھی ایک چھلانگ تھا، ایک نئی، سوشلسٹ ثقافت میں انقلابی منتقلی تھا لیکن یہ فوراً ہی نافذ نہیں ہوگیا، بلکہ بتدریج، سوشلسٹ تعمیر کی کامیابیوں کے قدم بہ قدم نافذ ہوا۔ اس ثقافتی انقلاب کا بلند ترین آخری مرحلہ کمیونسٹ سماج کی مکمل تعمیر کے زمانے میں آئیگا۔

عملی سرگرمی کے لئے چھلانگوں کی امتیازی خصوصیات کو پیش نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔ جبتک ان امتیازی خصوصیات سے واقفیت نہ ہو، اس وقت تک قدیم سے جدید میں منتقلی کے لئے صحیح راستوں کو تلاش کرنا ناممکن ہے۔

مختلف ممالک میں سرمایہ داری سے سوشلزم میں منتقلی کی شکلوں کا سوال اس وقت خاص طور پر اہم ہے کسی بھی ملک میں سوشلزم میں منتقلی صرف ایک سوشلسٹ انقلاب کے ذریعے ہی نافذ ہوسکتی ہے۔ ایک کیفیتی چھلانگ کے بغیر، ایک انقلاب کے بغیر، سوشلزم میں منتقلی ناممکن ہے۔ لیکن ہر الگ الگ ملک میں انقلاب جن ٹھوس طریقوں سے آگے بڑھے گا، ان کا انحصار ملک کی ترقی کی سطح، مزدور طبقہ اور اس کے اتحادیوں کی قوت اور ان کی تنظیم، عوام کی روایات اور رسم و رواج، بورژوازی کی قوت، اس کی مزاحمت کے درجے اور بہت سے دیگر اندرونی اور بیرونی عوامل پر ہوتا ہے۔

سوویت یونین اور دیگر سوشلسٹ ممالک میں سوشلزم کی تعمیر کا تجربہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ مختلف ممالک میں سوشلسٹ انقلاب کا نشوونما ایک جیسا نہیں ہوسکتا اور یہ کہ مستقبل میں نشوونما کی شکلیں اور بھی زیادہ متنوع ہونگی۔

۴۔ سوشلزم سے کمیونزم میں منتقلی کے دوران کیفیتی تبدیلیوں کی نوعیت

کمیونسٹ سماج اپنے نشوونما میں دو مراحل سے گزرتا ہے: سوشلزم اور کمیونزم کے مراحل۔ سوشلزم اور کمیونزم ایک ہی سماجی۔ معاشی تشکیل کے دو مراحل ہیں، ایسے مراحل جو معاشی ترقی کے درجے اور سماجی تعلقات کی پختگی کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ یہ دونوں مراحل وسائل پیداوار کی سماجی ملکیت، عوام کے درمیان تعاون اور باہمی اعانت کے تعلقات اور ایک واحد کمیونسٹ آئیڈیالوجی کی شکل میں ایک

مشترکہ معاشی بنیاد کے حامل ہوتے ہیں۔ قومی معیشت کی منصوبہ بند متناسب ترقی کا قانون سوشلزم اور کمیونزم دونوں کے تحت کام کرتا ہے۔ سماجی پیداوار کا مقصد (محنت کش عوام کی مادی اور ثقافتی ضروریات کو مکمل طور سے پورا کرنا) اور اس مقصد کے حصول کے طریقے (ترقی یافتہ ٹیکنولوجی کی بنیاد پر پیداوار کی مسلسل ترقی اور بہتری) بھی سوشلزم اور کمیونزم کے تحت ایک جیسے ہوتے ہیں۔

اسی کے ساتھ سوشلزم اور کمیونزم میں کیفیتی فرق بھی موجود ہے۔ کمیونزم، کمیونسٹ سماجی۔معاشی نظام کی اعلیٰ تر شکل ہے۔ کمیونزم کے تحت مشین کاری اور خودکاری انتہائی بلند سطح پر پہنچ جائے گی۔ پیداوار کی سطح اتنی زیادہ بلند ہوگی کہ سماج اس قابل ہو سکے گا کہ تقسیم دولت کے سوشلسٹ اصول "ہر شخص سے اسکی صلاحیت کے مطابق کام لیا جائے اور ہر شخص کو اُسکے کام کے مطابق معاوضہ دیا جائے" کے بجائے کیفیتی لحاظ سے نیا، کمیونسٹ اصول "ہر شخص سے اُس کی صلاحیت کے مطابق کام لیا جائے اور ہر شخص کو اس کی ضروریات کے مطابق معاوضہ دیا جائے" اختیار کر سکے۔ محنت کی نوعیت بھی بہت بدل جائے گی۔ سماج کے سارے اراکین میں مشترکہ بھلائی کے لئے رضاکارانہ طور پر اپنی صلاحیتوں کے مطابق کام کرنے کی اندرونی لگن پیدا ہو جائے گی۔

کمیونزم کی فتح کے ساتھ نہ صرف معیشت میں، بلکہ سماجی تعلقات میں، عوام کے طرز زندگی اور اُن کے شعور میں اہم کیفیتی تبدیلیاں پیدا ہونگی۔ شہر اور گاؤں کے درمیان بنیادی امتیازات ختم ہو جائیں گے اور پھر جسمانی اور دماغی محنت کے امتیازات بھی مٹ جائینگے۔ ملک کے تمام شہری کمیونسٹ سماج میں کارکن بن جائینگے۔ کمیونزم کے تحت ریاست ختم ہو جائے گی اور سوشلسٹ ریاست کمیونسٹ عوامی حکومت خود اختیاری کی شکل اختیار کر لے گی، عوام کے ذہنوں سے سرمایہ داری کے باقیات کا مکمل طور پر خاتمہ ہو جائے گا اور اُن کا طرز زندگی اور عادات بدل جائینگی۔

ایسی گہری کیفیتی تبدیلیاں لانے کے لئے وقت کی ضرورت ہے اور، جو چیز زیادہ اہم ہے وہ یہ کہ مطابقتی مادی، سیاسی اور روحانی ضروری حالات کی ضرورت ہے، یعنی ایک انتہائی ترقی یافتہ مادی بنیاد، استحصال سے آزاد عوام کے بہتر شدہ سماجی تعلقات، ایک متمول روحانی ثقافت اور سماجی شعور کی اعلیٰ سطح۔ یہ سارے ضروری حالات چونکہ صرف سوشلزم کے تحت تخلیق پاتے ہیں، اس لئے نشوونما کے سوشلسٹ مرحلے کو نظرانداز کرنا، سرمایہ داری سے براہ راست کمیونزم میں چھلانگ لگا دینا ناممکن ہے۔ لینن نے

کہاکہ "سرمایہ داری سے نوعِ انسانی براہِ راست صرف سوشلزم میں داخل ہو سکتی ہے یعنی وسائلِ پیداوار کی سماجی ملکیت' اور ہر فرد کے انجام دیئے ہوئے کام کے مطابق پیداوار کی تقسیم (کے نظام میں)"۔ کمیونزم سوشلزم سے مختلف ہے۔ یہ فطرتاً اور لازماً سوشلزم سے اس وقت ابھرتا ہے جبکہ سوشلزم ایک مستحکم بنیاد پر استوار ہو چکا ہو۔ کمیونزم، معیشت اور ثقافت کے میدان میں سوشلزم کی عظیم کامیابیوں کی بنیاد پر فروغ پاتا ہے۔ سوویت سماج میں اب بہت ہی واضح اور نظر آنے والی کمیونسٹ خصوصیات موجود ہیں۔ محنت اور پیداوار کی تنظیم کی کمیونسٹ شکلیں تیزی کے ساتھ فروغ پا رہی ہیں: فنی ترقی کے لئے عوامی تحریک، پیداوار کی مشین کاری اور خود کاری، مزدوروں کو ایک دوسرے کی جگہ لے لینے اور ایک دوسرے کی موثر طور پر مدد کرنے کا اہل بنانے کے مقصد کی خاطر ہم رشتہ پیشوں کی مہارت، پیچھے رہ جانے والے شعبوں اور فیکٹریوں کو معیار پر لانے کے لئے اجتماعی، کمیونسٹ محنت کی تحریک۔ عوام کی مادی اور روحانی ضروریات کو پورا کرنے کی سماجی شکلیں، یعنی ضیافتِ عامہ (ہوٹلوں کا نظام)، بورڈنگ اسکول، کنڈر گارٹن اور نرسریاں وغیرہ زیادہ سے زیادہ وسیع پیمانے پر پھیلتی جا رہی ہیں۔ یہ کمیونسٹ خصوصیات ترقی پاتی رہینگی اور بہتر ہوتی رہینگی۔

سوشلزم سے کمیونزم میں منتقلی سوشلزم کی معاشی اور ثقافتی کامیابیوں کو محفوظ رکھنے اور انہیں بہتر بنانے کو پہلے ہی ضروری قرار دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ منتقلی ایک سماجی انقلاب کے ذریعہ نہیں، ایک اچانک چھلانگ کے ذریعہ نہیں بلکہ بتدریج، مسلسل نافذ العمل ہوتی ہے۔

مثلاً، تقسیم دولت کے کمیونسٹ اصولوں کی جانب منتقلی فوراً ہی نہیں، بلکہ بتدریج یکے بعد دیگرے مراحل میں' نافذ العمل ہوگی۔ جیسا کہ سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کے پروگرام میں کہا گیا ہے' پہلے مرحلے (۱۹۷۰-۱۹۸۰) کے دوران کمیونزم کی مادی اور فنی بنیاد کی تعمیر تمام آبادی کو ضروریات اور آسائشات زندگی فراوانی کے ساتھ فراہم کرے گی۔ چنانچہ سماج اس اصول کا اطلاق کرنے کے قریب پہنچ جائے گا کہ تقسیم دولت ضروریات کے مطابق کی جائے۔

مذکورہ پروگرام میں تقسیم دولت کے سوشلسٹ اصول کے بتدریج کمیونسٹ اصول کی شکل اختیار کر لینے کے طریقے کی جانب بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے لئے اس عوامی فنڈ میں بتدریج اضافے کی ضرورت ہے جسے سماج کے اراکین کے درمیان، ان کی اجرتوں کے علاوہ' مفت تقسیم کیا جاتا ہے۔ مادی اور ثقافتی فوائد کا ایک کافی بڑا حصہ اب بھی عوامی فنڈ کے ذریعہ تقسیم ہوتا ہے' جس میں تعلیم' صحت عامہ، ثقافت اور کھیلوں وغیرہ

پر ہونے والے ریاستی اخراجات شامل ہیں۔ مستقبل میں جب کمیونزم کی مادی اور فنی بنیاد کی تعمیر ہو جائیگی تو تقسیم کی یہ شکل مسلسل فروغ پائے گی اور بتدریج کام کے مطابق تقسیم دولت کے سوشلسٹ اصول کی جگہ لے لیگی۔ اخلاقی محرکات، جو اب بھی ایک سوویت شہری کی محنت کا لازمی حصہ ہیں، اسی طرح بتدریج غالب حیثیت اختیار کر جائینگے۔ ریاستی انتظامیہ کے کاموں کا عوامی تنظیموں کے ہاتھوں میں چلا جانا اور کمیونزم کے معاروں کے شعور اور طرزِ زندگی کا نئے انداز میں ڈھل جانا بھی فوراً ہی وقوع پذیر نہیں ہوگا۔

چنانچہ سوشلزم سے کمیونزم میں منتقلی سوشلسٹ تعلقات کی بہتری اور فروغ کا، زندگی کی پرانی شکلوں کے بتدریج ختم ہو جانے اور نئی شکلوں کے پیدا ہونے کا، اُن کی پیچیدگی اور انحصارِ باہمی کا ایک مسلسل سلسلۂ عمل ہے۔ اس تدریجی منتقلی کی رفتار کو کمیونزم کے اصولوں کے قبل از وقت اطلاق کے ذریعہ تیز نہیں کیا جا سکتا۔ معاشی ترقی، سماجی تنظیم اور طرزِ زندگی کی نئی شکلیں یکے بعد دیگرے، قدم بقدم، مادی اور روحانی ضروری حالات کے پختہ ہوتے جانے کے ساتھ ساتھ اُبھریں گی۔

کمیونزم میں منتقلی کا مسلسل کردار قوانین کا تابع ہوتا ہے اور سوشلسٹ نظام کی فطرت سے متعین ہوتا ہے۔ سوشلزم کے تحت ایسی کوئی سماجی قوتیں موجود نہیں ہوتیں جو کمیونزم کی جانب سماج کی پیش قدمی کی مخالف ہوں۔ پارٹی اور سوویت حکومت کی شعوری، منصوبہ بند سرگرمی اس پیشقدمی کے دوران اُبھرنے والے تضادات کے بر وقت انکشاف اور ان کے خاتمے کو یقینی بناتی ہے۔ یہ چیز سماجی شورشوں اور سماج کی زندگی میں اچانک تبدیلیوں کو ناممکن بناتی ہے اور نشو و نما تدریجی و مسلسل ہو جاتا ہے۔

تدریجیت نشو و نما کی سست رفتاری کی علامت ہرگز نہیں ہے۔ اس کے برعکس، کمیونزم میں منتقلی انتہائی تیز رفتار معاشی اور ثقافتی ترقی کا سلسلۂ عمل ہے۔ جیسا کہ سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کے پروگرام میں کہا گیا ہے، مستقبل میں اس سلسلۂ عمل کو پیداواری قوتوں کی ترقی کی اعلیٰ سطح کی بنیاد پر اور کمیونزم کی تعمیر میں کروڑوں عوام کی روز افزوں سرگرم شرکت کے ذریعہ اور تیز کیا جائیگا۔

نفی کی نفی کا قانون

نفی کی نفی کا قانون مادی دنیا کے نشو و نما کی عمومی سمت یا رجحان کا انکشاف کرتا ہے۔

اس قانون کی ماہیت اور اس کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم سب سے پہلے یہ طے کریں کہ جدلیاتی نفی کیا ہے اور نشو و نما میں اُسے کیا مقام حاصل ہے۔

۱۔ جدلیاتی نفی اور نشو و نما میں اس کا رول

قدیم کا، جو اپنی عمر پوری کر چکا ہو مرجانا اور جدید اور ترقی یافتہ کا وجود میں آنا صداقت کے ہر دائرے میں مسلسل جاری ہے۔ جدید کا قدیم کی، اُبھرتے ہوئے کا مرتے ہوئے کی جگہ لے لینا ہی وہ چیز ہے جو نشو و نما کی تشکیل کرتی ہے، جبکہ قدیم پر اس جدید کے غلبے کو جو قدیم سے جنم لیتا ہے "نفی" کہا جاتا ہے۔

"نفی" کی اصطلاح کو فلسفے میں ہیگل نے رائج کیا تھا، لیکن اس نے اس میں عینیت پسندانہ معنی رکھے تھے۔ اس کے نقطۂ نظر کے مطابق نظریہ اور خیال کا نشو و نما ہی وہ چیز ہے جو نفی کی بنیاد ہے۔

مارکس اور اینگلز نے "نفی" کی اصطلاح کو برقرار رکھتے ہوئے اسکی مادی انداز میں تفسیر کی۔ انھوں نے یہ ثابت کیا کہ نفی خود صداقت کے نشو و نما کا جزوِ لازم ہے۔ مارکس نے لکھا، "کسی بھی دائرے میں کوئی نشو و نما اس وقت تک وقوع پذیر نہیں ہو سکتا جب تک کہ یہ اپنے وجود کی پرانی شکلوں کی نفی نہ کرے۔"

مثال کے طور پر زمین کے قشر کا نشو و نما بہت سے ارضیاتی ادوار سے گزرا ہے۔ ہر نیا دور، پرانے دور کی بنیاد پر وجود میں آتے ہوئے، پرانے کی ایک قسم کی نفی کی نمائندگی کرتا ہے۔ نامیاتی دنیا میں بھی پودوں یا حیوانوں کی ہر نئی نوع، پرانی نوع کی بنیاد پر ظہور میں آتی ہے اور اسی کے ساتھ اس کی نفی بھی کرتی ہے۔ سماج کی تاریخ بھی پرانے سماجی نظاموں کی نئے سماجی نظاموں کے ذریعہ نفی کے ایک سلسلے پر مشتمل ہوتی ہے۔ قدیم کمیونسٹ نظام کی نفی غلامی کے سماج نے کی، غلامی کے سماج کی نفی جاگیرداری نے کی، جاگیرداری کی نفی سرمایہ داری نے کی اور سرمایہ داری کی نفی سوشلزم نے کی۔ نفی علم کے نشو و نما میں بھی خلقتاً موجود ہے۔ ہر نیا، بہتر سائنسی نظریہ پرانے کم ترقی یافتہ نظریئے کی نفی کرتا ہے۔

نفی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے کسی شے یا مظہر میں باہر سے داخل کر دیا جائے، بلکہ یہ شے یا مظہر کے اپنے، اندرونی نشو و نما کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اشیا اور مظاہر متضاد ہوتے ہیں اور اپنے اندرونی اضداد کی بنیاد پر نشو و نما پاتے ہیں۔ وہ خود اپنی بربادی کے، ایک نئی، اعلیٰ کیفیت میں منتقل ہو جانے کے حالات پیدا کرتے ہیں۔ نفی اندرونی تضادات کے ذریعہ قدیم پر غالب آجاتا ہے، یہ اشیا اور مظاہر کے نشو و نمائے ذات کا، حرکتِ ذات (خود حرکتی) کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ سوشلزم سرمایہ داری کے اندرونی

ذاتی تضادات کے حل کے نتیجے میں اسکی جگہ لیتا ہے۔

نفی کی جدلیاتی اور نفی کو سمجھنے میں جدلیات اور مابعد الطبعیات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مابعد الطبعیاتی تفہیم، مابعد الطبعیات نفی کو قدیم کا ترک کر دیا جانا، اسکی مکمل بربادی قرار دیتی ہے اور اس طرح صداقت کی غلط تفسیر کرتی ہے۔ لینن نے نفی کو اس انداز میں سمجھنے کو "خالی" اور "بے مقصد" قرار دیا کیونکہ اس سے مزید نشوونما کا ہر امکان ختم ہو جاتا ہے۔

پیٹی بورژوا "پرولیت کلت" رجحان کے حامیوں نے نفی کو اسی طرح سمجھا تھا۔ یہ رجحان اوائلین سوویت برسوں کے دوران موجود تھا (پرولیت کلت "پرولے تارسکایا کلتورا" نامی ایک ثقافتی اور تعلیمی تنظیم کا مخفف ہے، جو سوویت یونین میں ۱۹۱۷ء سے لیکر ۱۹۳۲ء تک کام کرتی رہی)۔ اُن لوگوں کا کہنا تھا کہ اس ثقافت کو جو کہ بورژوا نظام کے تحت پیدا ہوئی تھی، ترک کر دینا چاہیئے اور ایک نئی پرولتاری ثقافت کی بالکل ابتدا سے تعمیر کی جانی چاہیئے۔ نفی کے اس قسم کے تصور نے ترقی میں مدد دینے کی بجائے اُسے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔ یہی وجہ ہے کہ پرولت کلت کے حامیوں پر تنقید کرتے ہوئے لینن نے کہا کہ ماضی کے ثقافتی ورثے کا استعمال کرنا ضروری ہے۔ لینن یہ سمجھتے تھے کہ اس ورثہ کو تنقیدی انداز میں جذب کر کے ہی ایک حقیقی پرولتاری، سوشلسٹ ثقافت کی تخلیق کرنا ممکن ہے۔

مارکسی جدلیات جدلیاتی نفی کی حقیقی نوعیت کا انکشاف کرتی ہے۔ لینن نے کہا کہ "جو چیز مارکسی جدلیات کی خصوصیت ہے وہ "خالی"، "بے مقصد" نفی نہیں ہے بلکہ نفی "ایک ربط کے لمحے" کی حیثیت سے "نشوونما کے ایک لمحے کی حیثیت سے جو مثبت کو برقرار رکھتا ہے"، ہے۔ نفی کی اس تفسیر میں مارکسی جدلیات اِس مقدمے کو بنیاد بناتی ہے کہ جدید قدیم کو مکمل طور پر مٹا نہیں دیتا ہے، بلکہ اس میں جو کچھ بہترین ہے اُسے برقرار رکھتا ہے، فی الحقیقت یہ بہترین کو صرف برقرار نہیں رکھتا، بلکہ اُسے جذب کر لیتا ہے اور اُسے ایک نئی، اعلیٰ سطح تک لے جاتا ہے۔ چنانچہ جب اعلیٰ تر عضویئے اُن ادنیٰ تر عضویوں کی نفی کرتے ہیں جن کی بنیاد پر وہ ظہور میں آتے ہیں، تو وہ ادنیٰ تر زندہ عضویوں کے ذاتی خلیاتی ڈھانچے کو، اُن کی انعکاس کی انتخابی فطرت کو اور دیگر خصوصیات کو برقرار رکھتے ہیں۔ قدیم کی نفی کرنے والا ایک نیا سماجی نظام اس کی پیداواری قوتوں کو اور سائنس، ٹیکنولوجی اور ثقافت کی کامیابیوں کو برقرار رکھتا ہے۔ اسی طرح علم اور سائنس میں بھی جدید اور قدیم کے درمیان ربط موجود رہتا ہے۔

چنانچہ نشوونما میں جدید اور قدیم کے تواتر کو ان کے درمیان ربط کو تسلیم کرنا نفی کی مارکسی تفہیم کی ایک خصوصیت ہے۔ لیکن ہمیں اس بات کو لازماً ذہن میں رکھنا چاہئیے کہ جدید قدیم کو مکمل طور پر، بالکل اس حالت میں جیساکہ وہ ہے، نہیں لے لیتا۔ یہ قدیم سے محض بعض عناصر یا پہلوؤں کو لیتا ہے۔ مزید براں، یہ انھیں میکانکی انداز میں اپنے اندر داخل نہیں کرلیتا، بلکہ انھیں جذب کرتا ہے، انھیں خود اپنی فطرت کے مطابق بنانے کے لئے بدلتا ہے۔ مارکسی جدلیات نوعِ انسانی کے ماضی کے تجربے کی جانب تنقیدی رویّہ کا تقاضا کرتی ہے، اس تجربے کے تخلیقی اطلاق کی ضرورت کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ انقلابی عمل کے بدلے ہوئے حالات اور نئے فریضوں کو لازماً سختی کے ساتھ پیشِ نظر رکھنا چاہئیے۔ مثلاً مارکسی فلسفے نے پرانے فلسفوں کے ترقی پسندانہ خیالات کو محض تسلیم نہیں کرلیا بلکہ انھیں تنقیدی انداز میں دوبارہ تشکیل دیا اور سائنس اور عمل کی نئی کامیابیوں سے مالا مال کیا اور فلسفے کو ایک سائنس کی حیثیت سے کیفیتی لحاظ سے ایک نئی اعلیٰ تر سطح پر پہنچا دیا۔

۲۔ نشوونما کی ترقی پسند نوعیت

نشوونما، ترقی کی حیثیت سے

چنانچہ ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ نفی کے نتیجے میں ایک یا دوسرا تضاد حل ہوتا ہے، قدیم برباد ہوتا ہے اور جدید ظہور میں آتا ہے۔ لیکن کیا اس سے نشوونما ختم ہوجاتا ہے؟ نہیں، جدید کا ظہور نشوونما کو روک نہیں دیتا۔ ہر نئی چیز ہمیشہ نئی نہیں رہتی۔ اپنے نشوونما کے دوران یہ کسی اور زیادہ نئی، اور زیادہ ترقی پسند چیز کے ظہور کے لئے ضروری حالات کی تیاری کرتی ہے اور جس لمحہ یہ ضروری حالات و شرائط تیار ہوکر پختہ ہوجاتے ہیں اسی لمحہ نفی دوبارہ وقوع پذیر ہوتی ہے۔ یہ "نفی کی نفی" ہوتی ہے، یعنی اس کی نفی جس نے پہلے خود قدیم کو مغلوب کیا۔ یہ جدید کا اور بھی زیادہ جدید سے بدل جانا ہے۔ اس دوسری نفی کے نتیجے کی بھی پھر نفی ہوتی ہے، یہ مغلوب ہوتا ہے، اور یہ لامتناہی سلسلہ اسی طرح جاری رہتا ہے۔ چنانچہ نشوونما ایک کے بعد دوسری ہونے والی (متواتر) نفی کی ان گنت تعدادوں کی حیثیت سے، جدید کے قدیم کی جگہ لینے یا اس پر غالب آجانے کے لامتناہی عمل کی حیثیت سے ظاہر ہوتا ہے۔

نشوونما مجموعی طور پر ایک ترقی پسندانہ کردار، پیشقدمی کا کردار حاصل کرتا ہے کیونکہ نشوونما

کا اعلیٰ تر مرحلہ صرف اس چیز کی نفی کرتا ہے جو ادنیٰ مرحلے میں فرسودہ ہو چکی ہے، جبکہ وہ سابقہ مراحل کی کامیابیوں کو قبول کرتا اور ان میں اضافہ کرتا ہے۔ ترقی، جدلیاتی نشوونما کی عمومی سمت ہے۔

ترقی صداقت کے تمام دائروں میں وقوع پذیر ہوتی ہے۔ مثلاً ہمارے کرۂ ارض کے ترقی پسندانہ نشوونما کو لیجئے۔

ہم یہ کہہ چکے ہیں کہ وہ گیس۔غبار مادہ جو سادہ ترین کیمیاوی جوہروں پر مشتمل تھا، وہ بنیادی مادہ تھا جس سے زمین سمیت ہمارے نظامِ شمسی کے سیاروں نے تشکیل پائی۔ قدرت کے نشوونما کے عمل کے دوران یہ جوہر زیادہ سے زیادہ پیچیدہ ہوتے گئے۔ نتیجتہً زندہ نامیاتی قدرت وجود میں آئی۔ زندہ عضویئے بھی سادہ سے پیچیدہ ہوتے گئے، وہ ماقبل خلیاتی شکلوں سے خلیہ میں، ایک خلیاتی سے کثیرالخلیاتی میں اور بعد میں زیادہ پیچیدہ حیوانوں میں فروغ پاتے گئے اور ان حیوانوں کا ارتقا انسان نما مخلوق کے ظہور اور بعد میں انسان کے ظہور کا باعث بنا۔ انسان کے ظہور کے ساتھ سماجی نشوونما کا سلسلۂ عمل شروع ہوا۔ سماج کے ترقی پسندانہ نشوونما میں یکے دیگرے مراحل یہ تھے: قدیم کمیونسٹ نظام، غلامی کا نظام، جاگیردارانہ نظام، سرمایہ دارانہ نظام، اور سوشلزم۔

نشوونما کی شرح میں مسلسل اضافہ سماج کی ترقی کی اہم خصوصیت ہے۔ انسان کے نشوونما کا سلسلۂ عمل تقریباً دس لاکھ سال پہلے شروع ہوا تھا، چونکہ جدید انسان کی تاریخ دس بیس ہزار سال تک محدود ہے، اس لئے ہم یہ تصور کر سکتے ہیں کہ انسان کے ظہور کا سلسلۂ عمل کس قدر سست تھا۔ غلامی اور جاگیرداری کے سماجوں میں ترقی کی رفتار زیادہ تھی، اگرچہ یہ بھی ہزاروں سال تک جاری رہی۔ سرمایہ داری نے جاگیرداری کے مقابلے میں کہیں زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ ترقی پائی۔ سوشلزم میں منتقلی کے ساتھ معاشی اور ثقافتی ترقی کی سطح میں بہت ہی زیادہ اضافہ ہو گیا ہے۔ مستقبل میں، جب نوعِ انسانی اُن سرمایہ دارانہ رشتوں سے نجات حاصل کر لے گی جو ترقی کی رفتار کو روکتے ہیں، اور قدرت کی قوتوں کی تسخیر پر مکمل توجہ دینے کے لائق ہو جائے گی تو پھر ترقی ایک فقیدالمثال رفتار کے ساتھ ہو گی۔

نشوونما کا چکّر دار کردار: نشوونما کا ترقی پسندانہ کردار نفی کی نفی کے قانون کی اصل خصوصیت ہے، لیکن واحد خصوصیت نہیں۔ یہ قانون بتاتا ہے کہ نشوونما ایک خطِ مستقیم پر حرکت کی شکل میں نہیں ہوتا، بلکہ یہ ایک انتہائی پیچ در پیچ چکّردار اور غولہ نما سلسلۂ عمل ہوتا ہے، جس میں ان مرحلوں کی ایک خاص

تکرار بھی ہوتی ہے جو گزر چکے ہیں، ماضی کی جانب ایک قسم کی واپسی بھی ہوتی ہے۔ لینن نے جدلیات کی اس اہم خصوصیت کے سلسلہ میں لکھا ہے: "ایک نشوونما جو گویا اِن مراحل کو دہراتا ہے جو گزر چکے ہیں لیکن انہیں ایک مختلف انداز میں، ایک اعلیٰ تر بنیاد پہ (نفی کی نفی) دہراتا ہے، ایک نشوونما جو، گویا، چکردں میں آگے بڑھتا ہے، نہ کہ ایک خطِ مستقیم میں۔

نشوونما کے چکردار کردار کو صداقت کے متعدد دائروں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

مین دے لی ئیف کا میعادی گوشوارہ شاید بے جان قدرت میں اس (کردار) کے نمایاں ترین مظاہروں میں سے ایک ہے۔

مین دے لی ئیت کے میعادی نظام میں کیمیادی عناصر اپنے ایٹمی مرکزوں کے مثبت چارج کے اضافہ (مقدار) کے مطابق ترتیب پاتے ہیں۔ وہ میعادوں اور سلسلوں کی تشکیل کرتے ہیں جن میں ہم خواص کی ایک خاص تکرار کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ مثلاً آیئے ہم دوسری میعاد کو لیں جو لیتھیم سے شروع ہوتی ہے لیتھیم ایک ایسا عنصر ہے جو بعض نمایاں دھاتی خواص کا حامل ہوتا ہے۔ یہ ایک الکلی دھات ہے۔ جیسے جیسے لیتھیم کے بعد کے عناصر میں مرکزے پہ چارج بڑھتا جاتا ہے، ویسے ویسے دھاتوں سے متعلقہ خواص گھٹتے جاتے ہیں اور غیر دھاتی خواص بتدریج بڑھنے لگتے ہیں۔ میعاد کے اختتام پر ہمیں ایک خاص قسم کی دھات نما (غیر دھاتی) فلورین اور جامد گیس نیون ملتے ہیں۔ اگلی تیسری میعاد بھی پھر الکلی دھات (سوڈیم) سے شروع ہوتی ہے اور غیر دھاتی کلورین اور جامد گیس ارگون پر ختم ہوتی ہے۔ اس چیز کی تکرار بعد کی میعادوں میں بھی ہوتی ہے جہاں غیر دھاتی خواص دھاتی خواص کی نفی کرتے ہیں اور پھر اگلی میعاد میں دھاتی خواص غیر دھاتی خواص کی پھر نفی کرتے ہیں۔ ماضی کی طرف ایک بظاہر واپسی، نفی کی نفی، وقوع پذیر ہوتی ہے۔

عناصر کے اس نظام کو ایک عام انداز میں ایک اوپر چڑھتا ہوا، کھلتا ہوا چکر سمجھا جا سکتا ہے۔ بڑھتے ہوئے دقفوں (پہلی میعاد میں دو عناصر، دوسری میعاد میں آٹھ عناصر، وغیرہ) کے ساتھ خواص کی تکرار وقوع پذیر ہوتی ہے، اور یہ ہر مرحلے پر کیفیتی لحاظ سے مختلف بنیاد پہ آگے بڑھتی ہے۔ ہر نئی میعاد کے عناصر زیادہ بڑے نکلیر چارج، زیادہ پیچیدہ ڈھانچے وغیرہ کے حامل ہوتے ہیں۔

چکر کے ساتھ نشوونما نامیاتی دنیا میں بھی وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اینگلز نے اس قانون کے

مثال کے طور پر، آیئے ہم سماجی پیداوار کی ترقی کی چھان بین کریں۔ سماجی پیداوار ہمیشہ مافیہ کے ساتھ یعنی پیداواری قوتوں کے ساتھ شروع ہوتی ہے۔ ممکنہ حد تک زیادہ مادی دولت پیدا کرنے کی کوشش میں انسان ہمیشہ آلاتِ پیداوار کو بہتر بناتے ہیں اور خود اپنی مہارت میں بھی اضافہ کرتے ہیں۔ یہ چیز لازماً سماجی پیداوار کی شکل میں، پیداواری تعلقات میں، تبدیلی کا باعث ہوتی ہے۔

قدرت میں بھی مافیہ شکل کا تعین کرتا ہے۔ حیاتیات ہمیں بتاتی ہے کہ ایک زندہ عضویئے کے نموجے حالات میں تبدیلی کے بعد سب سے پہلے تو اُسکے وظائف (ذاتی رقم کا تحوّل اور دیگر سلسلہ ہائے عمل جو زندگی کے مافیہ کی تشکیل کرتے ہیں) میں تبدیلی ہوتی ہے، اس میں نئے پروٹینی اجزا ظاہر ہوتے ہیں۔ صرف تب ہی مافیہ میں تبدیلی کی بنیاد پر، شکل میں، یعنی عضویئے کی تنظیم یا ڈھانچے میں، بھی تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً ایک پودے کو مرطوب آب وہوا سے گرم آب وہوا میں منتقل کردیا جائے تو اس کا تحوّل بدل جاتا ہے۔ یہ تبدیلی اس طرح عمل میں آئے گی کہ نئے حالات میں پودے کو زیادہ رطوبت حاصل کرنے اور کم رطوبت ضائع کرنے کا اہل بنادے۔ عضویئے کا ڈھانچہ بھی بدل جائے گا، اسی طرح جڑیں زمین میں زیادہ گہری میں جائینگی اور زیادہ رطوبت کھینچیں گی، پتے پتلے ہوجائینگے تاکہ کم رطوبت خارج ہو۔

اگرچہ شکل مافیہ سے پیدا ہوتی ہے، لیکن یہ اُسکے ساتھ تعلق میں مجہول نہیں رہتی۔ یہ مافیہ پر فعالیت کے ساتھ اثر انداز ہوتی ہے، اس کے نشوونما میں مدد دیتی یا اُسے روکتی ہے۔ ایک نئی شکل جو مافیہ سے مطابقت رکھتی ہو، مافیہ کے نشوونما کو اس کی پیش قدمی کو بڑھاوا دیتی ہے۔ ایک پرانی شکل، جو مافیہ سے مطابقت نہ رکھتی ہو، اس کی ترقی کو روکتی ہے۔ اگر ہم سماجی پیداوار کو ایک بار پھر مثال کے طور پر لیں تو ہم یہ دیکھیں گے کہ اس کی شکل کا، پیداواری تعلقات کا، مافیہ پر نہ صرف انحصار ہوتا ہے بلکہ یہ (شکل) سماجی پیداوار کے نشوونما میں خود بھی فعال حصہ لیتی ہے۔ مثال کے طور پر ترقی پسندانہ، سوشلسٹ پیداواری تعلقات صنعتی اور زرعی پیداوار میں ترقی کی بہت بلند شرحوں کو، ساری سوشلسٹ معیشت کی پیش قدمی کو یقینی بناتے ہیں جبکہ عصر حاضر کی سرمایہ داری کے پیداواری تعلقات پیداواری قوتوں کی ترقی کو روکتے ہیں اور بعض اوقات اُن کی براہ راست بربادی کا باعث ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نشوونما میں شکل کے رول اور اس کی اہمیت کو ہرگز کم نہیں سمجھنا چاہیئے۔

شکل اور مافیہ کے تفاعل کا تجزیہ کرتے ہوئے ہمیں یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ، حالات

اور چنانچہ، نشوونما جدید کے ہاتھوں قدیم کی، اعلیٰ تر کے ہاتھوں ادنیٰ تر کی نفی کے ذریعے وقوع پذیر ہوتا ہے۔ چونکہ جدید، قدیم کی نفی کرتے ہوئے، قدیم کی مثبت خصوصیات کو برقرار رکھتا اور انھیں فروغ دیتا ہے، اِس لئے نشوونما ترقی پسندانہ نوعیت اختیار کرلیتا ہے۔ اسی کے ساتھ نشوونما چکروں کے ساتھ آگے بڑھتا ہے، جن میں ادنیٰ مراحل کے بعض پہلوؤں اور خصوصیتوں کی اعلیٰ تر مراحل پر تکرار ہوتی ہے۔

یہ ہے نفی کی نفی کے جدلیاتی قانون کی ماہیت۔

اِس باب میں ہم نے مادّی جدلیات کے بنیادی قوانین پر بحث کی ہے۔ یہ قوانین مادّی دنیا میں آفاقی حرکت اور نشوونما کو سمجھنے کی کنجی فراہم کرتے ہیں اور اُن کے منبعوں، محرک قوتوں کا انکشاف کرتے ہیں جو اندرونی تضادات میں موجود ہوتی ہیں۔ یہ قوانین نشوونما کے چکردار کردار کا اس کے مائل بہ پیش قدمی، ترقی پسندانہ رجحان کا انکشاف کرتے ہیں، وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ صداقت مسلسل تبدیلی کے ذریعے، جدید کے ہاتھوں قدیم کی نفی کے ذریعہ ترقی کرتی ہے۔

نشوونما کو اور زیادہ بہتر طور پر سمجھنے کیلئے ہمیں اب مادّی جدلیات کے خاص مقولوں کی جانب رجوع کرنا چاہیئے۔

آٹھواں باب

مادی جدلیات کے مقولے

کوئی بھی سائنس خواہ اس کا اطلاق مادی صداقت کے کسی بھی دائرے پر ہوتا ہو نہ صرف قوانین کے ایک نظام کی حامل ہوتی ہے، بلکہ قطعی خاص مقولے بھی رکھتی ہے، یعنی وہ عمومی ترین تصورات جو ہر سائنس کے فروغ کے سلسلۂ عمل کے دوران مراحلت پاتے ہیں اور اس کی بنیادی تشکیل کرتے ہیں۔ مثلاً میکانیات میں اس قسم کے تصورات کمیت، توانائی، قوت وغیرہ اور سیاسی معیشت میں جنس، قدر، زر وغیرہ ہیں۔

جیسے جیسے فلسفہ سائنس اور عوام کی عملی سرگرمی کو سمیٹتا گیا، یہ مقولوں کے خود اپنے نظام کو فروغ دیتا گیا۔ فلسفیانہ مقولے وہ تصورات ہیں جو صداقت کی عمومی خصوصیات اور روابط کی، پہلوؤں اور خواص کی عکاسی کرتے ہیں۔ ہم نے فلسفیانہ مادیت کے اپنے مطالعے میں بعض اہم مقولوں کا تجزیہ کر لیا ہے۔ یہ سب سے پہلے تو مادے اور شعور کے مقولے اور پھر حرکت، مکان و زماں کے مقولے ہیں۔ مارکسی جدلیات کے بنیادی قوانین کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم نے تضاد، کمیت، کیفیت، چھلانگ، نفی جیسے مقولوں کا بھی جائزہ لیا ہے۔ اس باب میں ہم مقولوں کے ایک گروپ کا مطالعہ کریں گے، منفرد اور آفاقی، مافیہ (مواد) اور شکل، ماہیت اور مظہر، علت اور معلول، وجوب (ضرورت) اور اتفاق، امکان اور صداقت۔

ان مقولوں کا مطالعہ مادی دنیا کے آفاقی نشوونما اور اس کے روابط کے بارے میں، مارکسی جدلیات کے بنیادی قوانین کے بارے میں، ہمارے علم میں کافی اضافہ کرے گا۔

جدلیات کے قوانین اور مقولے باہم مربوط ہیں۔ جب ہم نے مارکسی جدلیات کے بنیادی قوانین کا مطالعہ کیا تو ہمیں معلوم ہوا کہ یہ قوانین عملاً مقولوں کے تعلق یا رابطے کا اظہار کرتے ہیں۔ مثلاً کمیتی سے کیفیتی تبدیلیوں میں منتقلی کا قانون کمیت اور کیفیت کے مقولوں کے ایک خاص ربط کو ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ مقولوں کے علم کے بغیر قوانین کو سمجھنا ناممکن ہے۔ دوسری طرف قوانین کا علم ہمیں جدلیات کے مقولوں کی فطرت کو سمجھنے کا اہل بناتا ہے۔ اضداد کے اتحاد اور جدوجہد کا قانون مافیہ اور شکل، وجوب اور اتفاق، امکان اور صداقت وغیرہ جیسے متناقض مقولوں کے معنوں کے انکشاف کو ممکن بناتا ہے۔

مخصوص مقولوں پر بحث شروع کرنے سے پہلے آیئے ہم اُن کے آغاز کا تعین کریں اور اُن کی بعض مشترکہ خصوصیات پر بھی غور کریں۔

۱۔ جدلیات کے مقولوں کا آغاز اور اُن کی مشترکہ خصوصیات

مارکسی جدلیات کے مقولے صدیوں کے تجربے، محنت اور علم کا نتیجہ، نچوڑ ہیں۔ اپنی عملی سرگرمی کے دوران دنیا کے ساتھ ربط قائم کرتے ہوئے اور دُنیا کی اشیا اور مظاہر سے آگاہی حاصل کرتے ہوئے انسان نے ان اشیا اور مظاہر کی بنیادی، عمومی خصوصیات کو الگ کیا ہے اور نتائج کو مقولوں تصورات میں قائم کر دیا ہے۔ علت اور معلول، مافیہ اور شکل کے مقولے اور دیگر مقولے انسانی ذہن میں اس وقت صورت پذیر ہوئے جب معروضی طور پر موجود علتوں اور معلولوں، مخصوص مادی اجسام کے مافیہ اور شکل سے اور صداقت کے دیگر اہم دائروں سے لاکھوں مرتبہ اس کا سابقہ پڑا۔ چنانچہ مقولے انسان کی عملی اور آگاہی کی سرگرمی کا نتیجہ ہیں، انسان کے اپنے گرد و پیش کی دُنیا سے آگاہی حاصل کرنے کے مرحلے ہیں۔ لینن نے لکھا، "انسان کو قدرتی مظاہر کے ایک جالے کا سامنا ہے۔ جبلی انسان، وحشی، خود کو قدرت سے ممیز نہیں کرتا، باشعور انسان کرتا ہے اور مقولے امتیاز کرنے کے یعنی دنیا سے آگاہی حاصل کرنے کے مراحل ہیں"

مادی جدلیات کے مقولے جو عمل اور آگاہی کا نتیجہ ہیں، انسان کی عملی اور آگاہی کی سرگرمیوں کے لئے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ وہ آگاہی کے مراحل ہیں جو قدرت اور سماج میں مظاہر کے پیچیدہ جالے میں اپنا راستہ تلاش کرنے میں، چیزوں کے ربط باہمی اور انحصار باہمی کو دریافت کرنے میں، اُن کے نشوونما کے متعین نظام اور تابع قانون کردار کا پتہ لگانے میں اور اس طرح عملی سرگرمی کا صحیح راستہ منتخب کرنے میں انسان کی مدد کرتے ہیں۔

مارکسی جدلیات مقولوں کی نوعیت کا، اُن کے آغاز کے منبعوں کا پتہ لگاتی ہے اور سب سے بڑھ کر اُن کے معروضی کردار پر زور دیتی ہے۔ مقولوں کا منبع اشیا اور مظاہر میں ہے جو انسان کے باہر وجود رکھتے ہیں اور وہ عمومی ترین بنیادی خصوصیات کی عکاسی کرتے ہیں۔ چنانچہ علت اور معلول کے مقولے اشیا اور سلسلہ ہائے عمل کے درمیان معروضی طور پر موجود اس تعلق کی عکاسی کرتے ہیں جسکے ذریعہ

بعض اشیا اور سلسلہ ہائے عمل دیگر اشیا اور سلسلہ ہائے عمل کے وجود میں آنے کا سبب بنتی ہیں۔ موخر الذکر اُن کا معلول ہوتے ہیں۔

مادیت کے برخلاف عینیت مقولوں کے معروضی کردار سے انکار کرتی ہے۔ مثلاً موضوعی عینیت پسندوں کے نقطۂ نظر کے مطابق مقولے صرف انسان کے شعور میں وجود رکھتے ہیں اور اُن کا صداقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ کانٹ کا کہنا تھا کہ جب انسان دنیا کو جاننا شروع کرتا ہے تو اس سے پہلے اُسکے ذہن میں علیت، وجوب (ضرورت) اتفاق وغیرہ کے مقولے موجود ہوتے ہیں جن کی مدد سے وہ قدرتی مظاہر کی گڈمڈ دنیا میں نظم قائم کرتا ہے۔ آج کے موضوعی عینیت پسند، خاص طور سے نوایجابیت پسند، یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مقولے ایسے عمومی تصورات ہیں جو محض موضوع کے براہ راست حسی جذبات سے وابستہ ہوتے ہیں اور ان کا انسان سے باہر موجود معروضی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ معروضی عینیت پسند ہیگل نے جو اگرچہ مقولوں کے معروضی کردار سے زبانی ہمدردی رکھتا تھا، فی الحقیقت انہیں خیالِ مطلق کے روحِ آفاقی کے نشوونما کے مراحل، لمحات سمجھتا تھا۔

مقولوں کے بارے میں عینیت پسندانہ نظریات بالکل بے بنیاد ہیں۔ علمی سرگرمی اور سائنس اور انسان کے ذاتی تجربے کا فروغ یہ بتاتا ہے کہ مقولوں کو انسان نے ایجاد نہیں کیا، بلکہ اس نے انہیں معروضی صداقت میں دریافت کیا ہے۔

مقولے باہم مربوط، قابلِ تبدیلی اور حرکت پذیر ہوتے ہیں، وہ مادی دنیا کی وحدت کا، اس کی اشیا اور مظاہر کے آفاقی رابطے اور اُن کے تفاعل کا انعکاس ہوتے ہیں۔ مقولوں کا رابطہ اتنا قریبی ہوتا ہے کہ بعض حالات میں وہ ایک دوسرے میں بدل جاتے ہیں۔ چنانچہ علت معلول بن جاتی ہے اور معلول علت، وجوب اتفاق بن جاتا ہے اور اتفاق وجوب کی صورت اختیار کرلیتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ مقولے چونکہ مسلسل نشوونما پاتی ہوئی مادی دنیا کی عکاسی کرتے ہیں، اس لئے وہ خود بھی بدل جاتے ہیں۔

مادی دنیا کا مطالعہ کرتے ہوئے انسان سب سے پہلے تو مخصوص، منفرد اشیا اور مظاہر کے ایک لامحدود اژدہام کو دیکھتا ہے، پھر اُن کا ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے ہوئے وہ ان خصوصیات اور روابط کو الگ کرتا ہے جو ان میں مشترکہ طور پر موجود ہیں۔ چنانچہ ہم بھی اسی طرح عمل کریں گے۔ ہم مقولوں کے جائزے کا آغاز منفرد اور آفاقی سے کریں گے۔

۲۔ منفرد اور آفاقی

ہر شے میں بہت سی ایسی منفرد خصوصیات ہوتی ہیں جن کا تعلق صرف اسی سے ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر پوپلر کے درخت کو لیجئے! اس کی ایک جسامت ہوتی ہے، شاخوں کی ایک تعداد ہوتی ہے جو ایک خاص انداز میں ترتیب پائی ہوئی ہوتی ہیں۔ اسکی جڑوں کی ایک خاص ترکیب اجزا ہوتی ہے اور بعض دیگر خصوصیات ہوتی ہیں۔

ہر انسان خود اپنی مزاجی کیفیات، صلاحیتوں اور عادتوں، دلچسپیوں اور میلانات، چلنے اور بولنے کے طریقوں کا حامل ہوتا ہے اور یہ وہ چیز ہے جو اُسے کرۂ ارض پر آباد دیگر اربوں انسانوں سے الگ کرتی ہے۔

پوپلر کا درخت، انسان، مادی دنیا کی انفرادی شے یا مظہر "منفرد" یا "مخصوص" ہیں۔

لیکن کوئی بھی مخصوص یا منفرد شے محض خود اپنے طور پر وجود نہیں رکھتی۔ یہ دوسری اشیا اور مظاہر سے ربط رکھتی ہے۔ ایک انسان کرۂ ارض پر رہتا ہے جہاں اور بھی بہت سے لوگ اُسکے اردگرد رہتے ہیں۔ وہ اُن کے ساتھ بہت سی مشترکہ چیزوں کا حامل ہوتا ہے اور ہزارہا متنوع ترین رشتوں کے ذریعہ اُن کے ساتھ مربوط ہوتا ہے۔ وہ کسی خاص رجحانِ طبع کا حامل ہوتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بعض ایسی خصوصیات رکھتا ہے جو اس رجحانِ طبع کے حامل تمام لوگوں میں موجود ہیں۔ انسان ایک خاص طبقے سے اور ایک خاص قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ اِس لئے وہ خاص قومی اور طبقاتی خصوصیات رکھتا ہے۔ جسمانی وعضویاتی ساخت، محسوس کرنے اور سوچنے کی صلاحیت، کام کرنے اور بولنے کی صلاحیت وغیرہ ایسی خصوصیات ہیں جو سارے انسانوں کے اندر ہوتی ہیں۔ اسی طرح ہر شے، خود اپنی مخصوص، منفرد خصوصیات کے علاوہ ایسی خصوصیات بھی رکھتی ہے جو دیگر اشیا میں بھی پائی جاتی ہیں۔

آفاقی وہ ہے جو بہت سی منفرد، مخصوص اشیا میں موجود ہوتا ہے۔ منفرد خصوصیات اگر کسی شے کو دوسری اشیا سے الگ کرتی ہیں تو آفاقی اُسے ان دیگر اشیا کے قریب لاتا ہے، اُسے ان سے مربوط کرتا ہے اور اُسے ایک جیسی اشیا کی ایک خاص نوع یا طبقے میں رکھتا ہے۔

منفرد اور آفاقی کی جدلیات: منفرد اور آفاقی کسی بھی شے میں جدلیاتی وحدت میں پائے جاتے ہیں۔ ایک طرف تو منفرد آفاقی کو اپنے اندر شامل رکھتا ہے، اور جیسا کہ لینن نے کہا، "صرف اس

ربط میں وجود رکھتا ہے جو آفاقی کی طرف لے جاتا ہے"۔ چنانچہ ہر منفرد عضویہ آفاقی سے، اس نوع سے جس سے اس کا تعلق ہے اور جس کے ساتھ یہ مشترکہ خصوصیات کا حامل ہے، مربوط ہوتا ہے اور اس نوع کے ذریعے وہ اور بھی زیادہ آفاقی سے، یعنی جنس سے مربوط ہوتا ہے۔ آفاقی کے ساتھ منفرد کے ربط کو، منفرد کے اندر آفاقی کے وجود کو، سامنے رکھتے ہوئے جدلیاتی مادیت یہ سمجھتی ہے کہ ہر منفرد کسی نہ کسی صورت میں آفاقی ہوتا ہے۔

دوسری طرف آفاقی صرف منفرد میں یا منفرد کے ذریعے وجود رکھتا ہے۔ پودوں یا حیوانوں کی کوئی نوع ایسی نہیں ہے جو منفرد پودوں اور حیوانوں کے باہر اپنا وجود رکھتی ہو۔ منفرد کے تعلق سے آفاقی ہونے میں نوع ان منفرد عضویوں کی جو اس میں شامل ہوتے ہیں، تمام خصوصیات کا احاطہ نہیں کرتی، بلکہ صرف بنیادی، مرکز الوقوع خصوصیات کا احاطہ کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لینن نے آفاقی کو منفرد کا ایک پہلو یا ماہیت قرار دیا۔

منفرد اور آفاقی نہ صرف یہ کہ باہم مربوط ہوتے ہیں بلکہ وہ مسلسل بدلتے رہتے ہیں۔ اُن کے درمیان حد طے شدہ نہیں ہے۔ بعض حالات کے تحت، نشوونما کے دوران منفرد آفاقی بن جاتا ہے اور آفاقی منفرد۔ عضویوں کے نشوونما میں ایسی مثالیں موجود ہیں جبکہ ایک منفرد عضویے کی حاصل کی ہوئی "نئی" مفید خصوصیت توارث کے ذریعہ منتقل ہو جاتی ہے اور ایک وقت میں منفرد عضویوں کی وسیع تعداد کی مشترکہ خصوصیت بن جاتی ہے، یعنی یہ آفاقی خصوصیت کی حامل ہو جاتی ہے، نوع کی خصوصیت بن جاتی ہے لیکن اگر ایک آفاقی خصوصیت نوع کی حیاتیاتی سرگرمی کے لئے اپنی اہمیت کھو دے تو یہ آہستہ آہستہ ختم ہونے لگتی ہے، یہ کمزور ہو جاتی ہے اور بعد میں آنے والی نسلوں میں شاذ و نادر ہی ظہور پذیر ہوتی ہے۔ یہ منفرد عضویوں میں قدیم آباؤاجداد کے نظم کی جانب مراجعت کی حیثیت سے اُبھر سکتی ہے۔

منفرد اور آفاق کے مقولوں کی اہمیت

سائنسی اور عملی سرگرمیوں میں منفرد اور آفاقی کی جدلیات کو پیشِ نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔ صرف منفرد اور آفاقی کے ربط باہمی کا، اُنکی جدلیات کا علم ہی ہمیں معروضی صداقت کے متنوع سلسلہ ہائے عمل کی بھول بھلیوں میں اپنا راستہ تلاش کرنے، نشوونما کے قوانین کا انکشاف کرنے اور اُن کا عمل میں مناسب طور پر اطلاق کرنے کا اہل بناتا ہے۔ مزید برآں آفاقی کا اور منفرد کے ساتھ اُسکے ربط کا علم سائنسی پیشینگوئیوں کی بنیاد کی تشکیل کرتا ہے، اس امر کو ممکن بناتا

ہے کہ معلوم اشیا اور مظاہر کی نہ صرف اہم خصوصیات کو منکشف کیا جا سکے، نہ صرف اُن کی اصل روش کا، اُن کے نشو و نما کی سمت کا تعین کیا جا سکے بلکہ دیگر منفرد اشیا اور مظاہر کے وجود کا بھی استنباط کیا جا سکے جن سے انسان اب تک ناواقف ہے۔ مثال کے طور پر مین ڈے لی ئیف نے کیمیاوی عناصر کے معیادی قانون کو بنیاد بناتے ہوئے جو ان عناصر کی عمومی ترین خصوصیات کو ظاہر کرتا تھا' چار مزید کیمیاوی عناصر کے وجود کا پتہ لگایا جن سے دنیا اس وقت تک واقف نہ تھی۔ کچھ عرصہ بعد اس نے ان میں سے تین کے خواص کو تفصیلاً بیان کیا اور یہ عناصر (گیلیم، اسکنڈیم اور جرمینیم) جلد ہی دریافت کر لئے گئے۔

منفرد اور آفاقی کے تفاعل کو سختی کے ساتھ پیشِ نظر رکھنا سماجی زندگی میں اور خاص طور پر موجودہ دَور میں بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے جبکہ نوعِ انسانی سرمایہ داری سے کمیونزم میں منتقل ہو رہی ہے۔ اس منتقلی کے عمل کا بڑی حد تک انحصار اس امر پہ ہے کہ سوشلسٹ انقلاب کے عمومی قوانین اور اس کے قومی امتیازات کے باہمی رشتے کے مسئلہ کو کس حد تک صحیح طور پر حل کیا جاتا ہے۔

مارکسزم کے ترمیم پسند ان عمومی قوانین کو نظر انداز کر دیتے ہیں جن کا سوشلسٹ نشو و نما تابع ہوتا ہے۔ وہ مختلف ممالک میں موجود منفرد، ٹھوس قومی حالات کو مطلق بنا دیتے ہیں۔ سائنسی کمیونزم کے نظریئے کے خلاف وہ "قومی کمیونزم" کے غیر سائنسی نظریات پیش کرتے ہیں جو عملاً سوشلسٹ انقلاب کو ترک دینے اور مزدور طبقے کے مفادات سے غداری کرنے کے مترادف ہے۔

دوسری طرف عقیدہ پرست کٹھ انقلاب میں ٹھوس تاریخی حالات کو پیشِ نظر رکھنے کی ضرورت کو نظر انداز کرتے ہیں۔ وہ یہ دعوےٰ کرتے ہیں کہ انقلابات ہر جگہ ایک ہی نمونے کے مطابق بنے ہوئے ہوتے ہیں، ہمیشہ کے لئے ڈھلے ڈھلائے ہوتے ہیں۔ جو چیز اس موقف کو نقصان وہ بناتی ہے وہ یہ کہ یہ عوام کی تخلیقی پہل کاری کو کم کرتا ہے، سوشلزم میں اُن کے یقین کو کمزور کرتا ہے اور اس طرح انقلاب کی راہ میں زبردست رکاوٹیں پیدا کرتا ہے۔

کمیونسٹ پارٹیوں اور مزدور پارٹیوں کے اجلاس منعقدہ ۱۹۶۰ء کے اعلان نامے میں اِس بات پر زور دیا گیا کہ تمام ممالک میں سوشلزم کا سرمایہ داری کی جگہ لے لینا ایک واحد انقلابی سلسلۂ عمل ہے جو عمومی، ذاتی، بنیادی قوانین کا تابع ہے۔ یہ قوانین یہ ہیں:

سوشلسٹ انقلاب کو ایک یا دوسرے طریقے سے روبعمل لانے میں اور پرولتاریہ کی آمریت کو ایک

یا دوسری شکل میں قائم کرنے میں محنت کش عوام کی مزدور طبقے بذریعہ رہنمائی جس کا قلب مارکسی لیننی پارٹی ہے،

مزدور طبقے کا کسانوں کی اکثریت کے ساتھ اور محنت کش عوام کے دیگر طبقوں کے ساتھ اتحاد،

بنیادی وسائل پیداوار کی سرمایہ دارانہ ملکیت کا خاتمہ اور ان کی سماجی ملکیت کا نفاذ،

زراعت کی بتدریج سوشلسٹ تبدیلی،

سوشلزم اور کمیونزم کی تعمیر اور محنت کش عوام کے معیار زندگی میں اضافے کے مقصد پر مبنی قومی معیشت کی منصوبہ بند ترقی،

آئیڈیالوجی اور ثقافت کے میدان میں سوشلسٹ انقلاب برپا کرنا اور بڑی تعداد میں ایسے دانش وروں کا فروغ جو مزدور طبقے، تمام محنت کش عوام اور سوشلزم کے کاز کے لئے خود کو وقف کر دیں،

قومی استبداد کا خاتمہ اور قوموں کے درمیان مساوات اور برادرانہ دوستی کا قیام،

بیرونی اور اندرونی دشمنوں کی دست اندازیوں سے سوشلسٹ کامیابیوں کا دفاع،

ایک ملک کے مزدور طبقے کی دوسرے ممالک کے مزدور طبقے کے ساتھ یکجہتی ــــ پرولتاری بین الاقوامیت پسندی۔

مارکسزم ـ لینن ازم، اس امر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہ یہ اصل قوانین سوشلزم میں منتقلی کے لئے ناگزیر ہیں، ہر ملک کی قومی خصوصیات کو ہرگز نظر انداز نہیں کرتا۔ اس کے برعکس، یہ ٹھوس تاریخی حالات پر ان قوانین کے تخلیقی اطلاق کی دعوت دیتا ہے۔ کوئی بھی دو ممالک ایسے نہیں ہوتے جن میں معاشی ترقی کی سطح ایک ہو، یا طبقاتی قوتوں کا رشتہ یا بھی ایک ہو یا تاریخی اور قومی روایات ایک ہوں۔ یہ تمام چیزیں مل کر مختلف ممالک میں سوشلزم کی تعمیر کی شکلوں اور طریقہائے کار کی منفرد خصوصیات کا اور سوشلسٹ اصلاحات کی رفتار کا تعین کرتی ہیں۔

اب جبکہ ہم منفرد کے بارے میں جانتے ہیں، اور ہم نے یہ دیکھ لیا ہے کہ یہ آفاقی سے وابستہ ہوتا ہے تو اب ہم مزید تفصیل میں جائیں گے اور یہ دیکھیں گے کہ وہ منفرد اشیا، چیزیں اور مظاہر کون سے ہیں جن سے انسان کو مستقل سابقہ پڑتا رہتا ہے۔

۲۔ مافیہ (مواد) اور شکل

"مافیہ" اُن عناصر اور سلسلہ ہائے عمل کا مجموعہ ہے جو کسی شے یا مظہر کی تشکیل کرتے ہیں۔ "شکل" مافیہ کا ڈھانچہ، اس کی تنظیم ہے۔ یہ مافیہ کے تعلق سے کوئی بیرونی چیز نہیں ہے، بلکہ اس میں خلقتاً موجود ہوتی ہے

ابتدائی ذرات اور اُن کی حرکت سے وابستہ سلسلہ ہائے عمل ایک کیمیاوی عنصر کے ایٹم کے مافیہ کی تشکیل کرتے ہیں۔ اُن کی ترتیب اُن کی شکل کی تشکیل کرتی ہے۔ تحوّل، زود حسی، انقباض پذیری اور دیگر سلسلہ ہائے عمل نیز وہ اعضا، بافتیں اور خلیے جن میں یہ سلسلہ ہائے عمل وقوع پذیر ہوتے ہیں، عضویئے کے مافیہ کی تشکیل کرتے ہیں۔ عضویئے کی شکل کا اظہار اس طریقے میں ہوتا ہے جس طریقے سے اس میں حیاتی سلسلہ ہائے عمل وقوع پذیر ہوتے ہیں، اور اسکے اعضا اور بافتوں کے ڈھانچے میں ہوتا ہے۔

مافیہ اور شکل تمام سماجی مظاہر میں بھی خلقتاً موجود ہوتے ہیں۔ چنانچہ پیداواری قوتیں (خاص طور پر آلاتِ پیداوار اور انھیں استعمال کرنے والے لوگ) ایک تاریخی طور پر متعین طرزِ پیداوار کے مافیہ کی نمائندگی کرتی ہیں۔ پیداواری تعلقات (پیداوار کے سلسلۂ عمل میں انسانوں کے تعلقات جو ان آلاتِ پیداوار کے ساتھ اُن کے تعلق پر مبنی ہوں) ایک طرزِ پیداوار کی شکل کی تشکیل کرتے ہیں۔

جدلیاتی مادیت مافیہ اور شکل کی وحدت کو، اُن کے ایک دوسرے سے الگ نہ کئے جا سکنے کو، بنیاد بناتی ہے۔ مافیہ اور شکل دونوں کسی شے میں خلقی طور پر موجود ہوتے ہیں اور اس لئے انھیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ عمومی مافیہ کوئی چیز نہیں ہوتا، بلکہ مافیہ صرف شکل یافتہ ہوتا ہے، یعنی وہ مافیہ جو ایک خاص شکل رکھتا ہو۔ اسی طرح مافیہ کے بغیر خالص شکل کوئی وجود نہیں رکھتی۔ شکل ہمیشہ مافیہ رکھتی ہے، یہ ایک خاص مافیہ کو ضروری قرار دیتی ہے جسکے ڈھانچے یا تنظیم کی یہ نمائندگی کرتی ہے۔

مافیہ کی فیصلہ کن اہمیت اور شکل کا فعال رول: یہ جان لینے کے بعد کہ ہر شے مافیہ اور شکل کی وحدت کی نمائندگی کرتی ہے، آیئے اب ہم یہ جائزہ لیں کہ مافیہ اور شکل کس طرح باہم مربوط ہوتے ہیں اور اشیا کے نشوونما کے سلسلۂ عمل کے دوران اُن کا تفاعل کیسا ہوتا ہے۔

مافیہ بہت فعال ہوتا ہے۔ اپنے ذاتی تضادات کی بنا پر یہ مسلسل نشوونما پاتا ہے، حرکت میں رہتا ہے۔ تب مافیہ میں تبدیلی سے شکل میں بھی تبدیلی آجاتی ہے۔ مافیہ شکل کا تعین کرتا ہے۔

مثال کے طور پر، آیئے ہم سماجی پیداوار کی ترقی کی چھان بین کریں۔ سماجی پیداوار ہمیشہ مافیہ کے ساتھ یعنی پیداواری قوتوں کے ساتھ شروع ہوتی ہے۔ ممکنہ حد تک زیادہ مادی دولت پیدا کرنے کی کوشش میں انسان ہمیشہ آلاتِ پیداوار کو بہتر بناتے ہیں اور خود اپنی مہارت میں بھی اضافہ کرتے ہیں۔ یہ چیز لازماً سماجی پیداوار کی شکل میں، پیداواری تعلقات میں، تبدیلی کا باعث ہوتی ہے۔

قدرت میں بھی مافیہ شکل کا تعین کرتا ہے۔ حیاتیات ہمیں بتاتی ہے کہ ایک زندہ عضویئے کے وجود کے حالات میں تبدیلی کے بعد سب سے پہلے تو اُسکے وظائف (ذاتی رستہ کا تحوّل اور دیگر سلسلہ ہائے عمل جو زندگی کے مافیہ کی تشکیل کرتے ہیں) میں تبدیلی ہوتی ہے، اس میں نئے پیدائشی اجزا ظاہر ہوتے ہیں۔ صرف تب ہی مافیہ میں تبدیلی کی بنیاد پر، شکل میں، یعنی عضویئے کی تنظیم یا ڈھانچے میں، بھی تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً ایک پودے کو مرطوب آب وہوا سے گرم آب وہوا میں منتقل کردیا جائے تو اس کا تحوّل بدل جاتا ہے۔ یہ تبدیلی اس طرح عمل میں آئے گی کہ نئے حالات میں پودے کو زیادہ رطوبت حاصل کرنے اور کم رطوبت ضائع کرنے کا اہل بنادے۔ عضویئے کا ڈھانچہ بھی بدل جائے گا۔ اسکی جڑیں زمین میں زیادہ گہری چلی جائینگی اور زیادہ رطوبت کھینچیں گی، پتے چپٹے ہو جائینگے تاکہ کم رطوبت خارج ہو۔

اگرچہ شکل مافیہ سے پیدا ہوتی ہے لیکن یہ اُسکے ساتھ تعلق میں مجہول نہیں رہتی۔ یہ مافیہ پر فعالیت کے ساتھ اثر انداز ہوتی ہے، اس کے نشوونما میں مدد دیتی یا اُسے روکتی ہے۔ ایک نئی شکل جو مافیہ سے مطابقت رکھتی ہو، مافیہ کے نشوونما کو اس کی پیش قدمی کو بڑھاوا دیتی ہے۔ ایک پرانی شکل، جو مافیہ سے مطابقت نہ رکھتی ہو، اس کی ترقی کو روکتی ہے۔ اگر ہم سماجی پیداوار کو ایک بار پھر مثال کے طور پر لیں تو ہم یہ دیکھیں گے کہ اس کی شکل کا، پیداواری تعلقات کا، مافیہ پر نہ صرف انحصار ہوتا ہے بلکہ یہ (شکل) سماجی پیداوار کے نشوونما میں خود بھی فعال حصہ لیتی ہے۔ مثال کے طور پر ترقی پسندانہ سوشلسٹ پیداواری تعلقات صنعتی اور زرعی پیداوار میں ترقی کی بہت بلند شرحوں کو، ساری سوشلسٹ معیشت کی پیش قدمی کو یقینی بناتے ہیں جبکہ عصر حاضر کی سرمایہ داری کے پیداواری تعلقات پیداواری قوتوں کی ترقی کو روکتے ہیں اور بعض اوقات اُن کی براہِ راست بربادی کا باعث ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نشوونما میں شکل کے رول اور اس کی اہمیت کو ہرگز کم نہیں سمجھنا چاہیئے۔

شکل اور مافیہ کے تعامل کا تجزیہ کرتے ہوئے ہمیں یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ، حالات

پر انحصار کے مطابق، ایک ہی مافیہ مختلف شکلوں میں فروغ پاسکتا ہے۔

بین الاقوامی کمیونسٹ تحریک تجربے سے یہ بات جانتی ہے کہ پرولتاریہ کی آمریت، جو سرمایہ داری سے سوشلزم میں منتقلی کے دور کا مافیہ ہوتی ہے، ایک سے زیادہ شکلوں میں ممکن ہے۔ سوویت یونین میں پرولتاریہ کی آمریت نے محنت کش عوام کے نمائندوں کی سوویتوں کی شکل اختیار کی اور دیگر سوشلسٹ ممالک میں اس نے عوامی جمہوریت کی شکل اختیار کی۔ ممکن ہے کہ مستقبل میں پرولتاریہ کی آمریت کی نئی شکلیں پیدا ہوں۔

اشکال کا تنوع مافیہ کی قوت میں اضافہ کرتا ہے، اسے زیادہ مالامال اور مختلف النوع بناتا ہے، اُسے مختلف ترین حالات میں فروغ پانے کا اہل بناتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انقلابی جد و جہد اور کمیونسٹ تعمیر میں یہ بہت ضروری ہے کہ ایسی شکلوں کا انتخاب کیا جائے جو ٹھوس تاریخی حالات سے بہترین مطابقت رکھتی ہوں۔

مافیہ اور شکل کے درمیان تضاد: مافیہ اور شکل کے رشتے کو بہتر طور پر سمجھنے کے لئے اُس کی متضاد نوعیت کی وضاحت کرنا ضروری ہے۔ ہم پہلے یہ کہہ چکے ہیں کہ شکل مافیہ سے زیادہ مستحکم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مافیہ کی ترقی سے پیچھے رہ جاتی ہے، یہ پرانی ہو جاتی ہے اور مافیہ کے ساتھ حالتِ تضاد میں آجاتی ہے۔ پرانی شکل اور نئے مافیہ کے درمیان تضاد عموماً پرانی شکل کے رد اور ایک نئی شکل کے اس کی جگہ لے لینے میں منتج ہوتا ہے، جس کے نتیجے کے طور پر مافیہ مزید ترقی کے امکانات حاصل کر لیتا ہے۔

چنانچہ جب حالات بدلتے ہیں تو ایک عضویہ مجبور ہوتا ہے کہ نئے غذائی اجزا کو جذب کرے۔ اس سلسلہ میں عضویے کا مافیہ، یعنی اس کا خاص قسم کا تحوّل اور اس کا سارا حیاتی فعل، کم و بیش تیزی کے ساتھ بدل جاتا ہے۔ جہاں تک عضویے کی شکل اس کے ڈھانچے کا تعلق ہے تو یہ مافیہ کے نشوونما کے ساتھ ہم قدم نہیں ہوتا اور اس کے ساتھ حالتِ تضاد میں آجاتا ہے۔ یہ تضاد عضویے کے ڈھانچے میں تبدیلی کے ذریعہ حل ہوتا ہے، ایسی تبدیلی جو اسے تبدیل شدہ مافیہ کے مطابق بنا دیتی ہے۔ نتیجۃً موجود اعضا بدل جاتے ہیں یا نئے اعضا پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب وہ عضویے جنہوں نے پانی کے اندر نشوونما پایا تھا، اُس طرزِ زندگی میں بدلتے ہیں جو پانی اور خشکی دونوں کے

لئے موزوں ہے تو اُن میں بتدریج گلپھڑوں کے بجائے پھیپھڑے اور پروں کے بجائے اعضا پیدا ہو جاتے ہیں۔

سماجی زندگی میں بھی مافیہ اور شکل کے درمیان تضاد ہوتا ہے، جیسا کہ سماجی پیداوار کے نشوونما سے متعلق اوپر بیان کی گئی مثال سے ظاہر ہے۔

نشوونما کے عمل کے دوران نیا مافیہ (پیداواری قوتیں) پرانی شکل (پیداواری تعلقات) کے ساتھ حالتِ تضاد میں آجاتا ہے۔ یہ تضاد فرسودہ پیداواری تعلقات کی جگہ ایسے نئے پیداواری تعلقات کے لے لینے کے ذریعہ حل ہوتا ہے جو پیداواری قوتوں کے مزید، بغیر کسی روکاٹ کے، فروغ کی ضمانت دیتے ہیں۔ مثلاً سرمایہ دارانہ سماج کے نشوونما کے عمل کے دوران پیداواری قوتیں جن کی نمائندگی سماجی بڑے پیمانے کی مشینی پیداوار کرتی ہے، پیداواری تعلقات کے ساتھ جو نجی سرمایہ دارانہ ملکیت پر مبنی ہیں، حالتِ تضاد میں آجاتی ہیں۔ روس میں یہ مخاصمانہ تضاد سوشلسٹ انقلاب کے ذریعہ حل ہوا جس نے پیداوار کی قدیم سرمایہ دارانہ شکل کو ایک نئی شکل سے، ایسے پیداواری تعلقات سے بدل دیا جو سماجی، اجتماعی ملکیت پر مبنی تھے۔ سامراجی ممالک میں سماجی پیداوار کے مافیہ اور شکل میں تضاد کو ابھی حل کیا جانا ہے۔

سوشلزم کے تحت بھی سماجی پیداوار کی شکل اور مافیہ کے درمیان ایک تضاد ہوتا ہے۔ لیکن یہ تضاد مخاصمانہ نوعیت کا نہیں ہوتا اور اُسے کامیابی کے ساتھ ختم کر دیا جاتا ہے۔

اِن اور دیگر تضادات و مشکلات پر قابو پاتے ہوئے سوویت عوام نے ان قدیم فرسودہ شکلوں کو ترک کر دیا ہے جو کمیونسٹ تعمیر کی راہ میں رکاوٹ ڈالتی تھیں، لیکن سوشلسٹ سماج کی معاشی، سیاسی اور ثقافتی زندگی کی تمام شکلوں کو بہتر بنانے کا سلسلۂ عمل مسلسل جاری ہے۔

اب جبکہ ہم یہ جائزہ لے چکے ہیں کہ کسی شے کا مافیہ اور شکل کیا چیز ہوتے ہیں، آیئے اب ہم یہ دیکھیں کہ کیا اس کے تمام تر عناصر اور پہلو ایک ہی جیسی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، آیا یہ سب کے سب ایک شے کے وجود اور اس کے نشوونما میں مساوی حصہ لیتے ہیں۔ اس سوال کا جواب دینے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ماہیت اور مظہر کے مقولوں کا جائزہ لیں۔

۴۔ ماہیت اور مظہر

ماہیت کا تصور مافیہ کے تصور سے ملتا جلتا ہے لیکن یہ بالکل اس جیسا نہیں ہے۔ مافیہ کسی شے کی تشکیل کرنے والے تمام عناصر اور سلسلہ ہائے عمل کے مجموعے کی نمائندگی کرتا ہے اور ماہیت کسی شے کا خاص، اندرونی، نسبتہً مستحکم پہلو (یا اس کے پہلوؤں اور تعلقات کا مجموعہ) ہے۔ ماہیت کسی شے کی فطرت کا تعین کرتی ہے، اور اسکے دیگر تمام پہلو اور خصوصیات اسی سے نکلتے ہیں۔

تحوّل ایک عضویئے کی ماہیت ہے۔ یہ تمام حیاتی افعال میں مضمر ہوتا ہے اور تمام عضویوں کی اندرونی فطرت پر مشتمل ہوتا ہے۔ اینگلز نے کہا ہے کہ عضویئے کے تمام دیگر حیاتی افعال، اشتعال پذیری، انقباض پذیری، نمو، اندرونی حرکت، تحوّل سے نکلتے ہیں جو پروٹین کا لازمی وظیفہ ہے۔

سماجی مظاہر میں ماہیت سلسلہ ہائے عمل کے اندرونی خاص پہلو کا بھی اظہار کرتی ہے۔ سامراج کی وضاحت کرتے ہوئے جو سرمایہ داری کی اعلیٰ ترشکل ہے، لینن نے اُسے اجارہ دار سرمایہ داری کہا۔ آزاد مقابلے کی جگہ لینے والی اجارہ داریوں کا غلبہ ہی وہ چیز ہے جو سامراج کی ماہیت ہے۔ اجارہ داریوں کے غلبے سے سامراج کی تمام دیگر خصوصیات نکلتی ہیں، جن میں سب سے اہم اجارہ دارانہ انجمنوں کے رکن سرمایہ داروں کی جانب سے اندھادھند اجارہ دارانہ منافعوں کا حصول ہے۔ اندھادھند منافعوں کی جستجو میں سامراجی بین الاقوامی اجارہ دار یونینوں میں متحد ہو جاتے ہیں اور دنیا کو حلقہ ہائے اثر میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ وہ مالیات پر اجارہ داری قائم کر لیتے ہیں، اشیا کے بجائے سرمایہ برآمد کرتے ہیں اور خود اپنے ملکوں کے محنت کش عوام کے نیز نو آبادیاتی اور محکوم ممالک کی قوموں کے استحصال کو اور زیادہ شدید کر دیتے ہیں۔ یہ ساری چیزیں سرمایہ داری کے خلقی تضادات کے انتہائی شدت اختیار کر جانے کا باعث ہوتی ہیں۔ سامراج سوشلسٹ انقلاب کے قریب الوقوع ہونے کی منزل ہے۔

مظہر ماہیت کا ظاہری، براہ راست اظہار ہے، یہ وہ شکل ہے جس میں ماہیت خود کو ظاہر کرتی ہے۔ تحوّل، ہر زندہ شے کی ماہیت کی حیثیت سے، متنوع ترین مظاہر میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ پودوں کی تقریباً پانچ لاکھ انواع میں اور حیوانوں کی تقریباً پندرہ لاکھ انواع میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ تمام انواع اپنی ظاہری ہیئت کے اعتبار سے اور نشوونما کے درجے کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ وہ

مختلف انداز میں غذا کو جذب کرتی، نمو پاتی، اور اپنی نسل کو بڑھاتی ہیں۔

سوشلزم کی ماہیت کا اظہار روزمرہ کی سوویت زندگی، نئی فیکٹریوں اور طاقتور بجلی گھروں کی تعمیر، معیشت کے متعدد شعبوں میں زبردست فنی ترقی، مکانوں اور ایوان ہائے ثقافت کی تعمیر کی فقید المثال رفتار، اوقات کار میں کمی وغیرہ کے مظاہر میں ہوتا ہے۔

ماہیت اور مظہر کی جدلیات: اس بات پر بحث کر لینے کے بعد کہ ماہیت اور مظہر کا کیا مطلب ہے آئیے ہم دیکھیں کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ کیا رشتہ رکھتے ہیں۔ ماہیت اور مظہر ایک وحدت ہیں۔ وہ باہم مربوط ہیں اور انھیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ لینن نے لکھا کہ ماہیت مظہری انداز میں ظاہر ہوتی ہے، مظہر ماہیتی ہوتا ہے۔ مظہر وہی ماہیت ہے جو صداقت میں ظاہر ہوتی ہے۔ صداقت کا ظاہری سطح کا پہلو، چیزوں کے منفرد خواص، معیارات اثر اور پہلو مظہر کی تشکیل کرتے ہیں۔ ماہیت وہی مظاہر، وہی کثیر النوع معیارات اثر اور پہلو ہوتے ہیں لیکن اپنی مستحکم ترین اور عمومی ترین شکل میں۔ لینن نے ماہیت کو ایک تیزی کے ساتھ بہتے ہوئے دریا کے نسبتہً پرسکون، طاقتور اور گہرے بہاؤ سے تشبیہ دی، جس کی سطح پر لہریں اور جھاگ ہوتے ہیں۔ لیکن جھاگ بھی ماہیت کا ایک اظہار ہے۔

ماہیت لازمی طور پر مظہر میں منکشف ہوتی ہے لیکن مکمل طور پر نہیں، صرف اس کا ایک چھوٹا سا حصہ۔ مظہر پوری ماہیت کا احاطہ نہیں کرتا، بلکہ اسے صرف ایک پہلو سے پیش کرتا ہے۔

خالص ماہیت کوئی چیز نہیں ہوتی، یعنی ایسی ماہیت جو کسی چیز میں اپنے آپ کو ظاہر نہ کرے۔ ہر ماہیت اپنے آپ کو بہت سے مظاہر میں منکشف کرتی ہے۔ سوشلزم کی ماہیت اپنے آپ کو سوشلسٹ سماج کی روزمرہ زندگی کے بہت سے واقعات اور حقائق کے ذریعے ظاہر کرتی ہے۔

ماہیت سطح پر نظر نہیں آتی۔ یہ پوشیدہ ہوتی ہے اور اس کا براہ راست مشاہدہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسے صرف ایک شے کے طویل، جامع مطالعے کے دوران دریافت کیا جا سکتا ہے۔ مارکس نے لکھا ہے کہ اگر اظہار کی شکل اور چیزوں کی ماہیت ایک جیسی ہوتی تو ہر سائنس فضول ہو جاتی۔ یہ سائنس کا کام ہے کہ وہ مظاہر کے اژدہام کے پیچھے جو صداقت کے ظاہری پہلوؤں اور خصوصیتوں سے عبارت ہوتے ہیں، ماہیت کا، اندرونی، گہرے اور تہہ میں کارفرما سلسلہ ہائے عمل کا پتہ لگائے۔

ماہیت اور مظہر کے مقولوں کی اہمیت؛ ماہیت اور مظہر کی جدلیات کا علم زندگی میں، سائنس کے لئے اور علمی سرگرمی کے لئے بہت ضروری ہے۔ مثال کے طور پر یہ علم سائنسدانوں کو یہ یقین فراہم کرتا ہے کہ جن مظاہر کا وہ مطالعہ کر رہے ہیں اُن کو سمجھنے کا سلسلۂ عمل خواہ کتنا ہی پیچیدہ کیوں نہ ہو، ماہیت اُن مظاہر کے پیچھے خواہ کتنی ہی گہرائی میں پوشیدہ کیوں نہ ہو، یہ بالآخر معلوم کر لی جائے گی۔ مثال کے طور پر ماہرینِ فلکیات سالہا سال سے سورج کا گہرا مشاہدہ کرتے چلے آئے ہیں۔ آلات کی مدد سے انھوں نے سورج پر دھبوں اور ابھاروں کا پتہ چلایا اور سورج سے خارج ہونے والے بہت سے ذرات کے نفاذوں کو دریافت کیا لیکن اُن میں سے خود کسی ایک مظہر نے بھی اُن گہرے سلسلہ ہائے عمل کی کوئی نشانی نہیں دی جو سورج میں، جو شمسی توانائی کا منبع ہے، وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اِن مظاہر کے پس پشت سلسلہ ہائے عمل کی ماہیت کو دریافت کرنے میں سائنسدانوں کو ایک طویل عرصہ لگا۔ اب یہ پتہ لگا لیا گیا ہے کہ سورج میں تھرمونیوکلیر تعاملات (ہائیڈروجن سے ہیلیم کی تشکیل) وقوع پذیر ہوتے ہیں اور ان تعاملات کے نتیجے میں خارج ہونے والی زبردست توانائی سورج کے بے انتہا بلند درجۂ حرارت کو قائم رکھتی ہے۔

ماہیت کا علم خاص طور پر اس لئے بھی ضروری ہے کیونکہ مظاہر اکثر اوقات ایک سلسلۂ عمل کے کردار کا غلط تصور بھی پیش کرنے کا رجحان رکھتے ہیں۔ مثلاً ہمیں محسوس یہ ہوتا ہے کہ سورج زمین کے گرد گھومتا ہے، جبکہ ہم جانتے ہیں کہ فی الحقیقت زمین سورج کے گرد گھومتی ہے۔ بظاہر یہ نظر آسکتا ہے کہ سامراجی ممالک میں جمہوریت موجود ہے کیونکہ عام رائے دہی، تحریر و تقریر کی آزادی، سیاسی پارٹیوں اور گروپوں کے قیام وغیرہ کی آزادی کا رسمی اعلان تو بہرحال کیا ہی جاتا ہے لیکن درحقیقت سامراج کے تحت جمہوریت محض ایک دھوکہ ہے۔ یہ ایک محدود جمہوریت ہے، صرف دولتمندوں کی جمہوریت۔

ایسا علم جو صرف ظاہری ہیئت پر مبنی ہو، ماہیت کے اظہارات پر مبنی ہو، دنیا کی ایک صحیح تصویر نہیں دے سکتا اور رہ نمائے عمل کا کام نہیں دے سکتا۔ مظہر کو ماہیت سے ممیز کرنے کی عدم صلاحیت نظریئے اور عمل میں سنگین غلطیوں کا باعث بنتی ہے۔

مارکسزم۔لینن ازم کے بانیوں نے سماجی مظاہر کی ماہیت کے مثالی تجزیئے کئے۔ انھیں میں مارکس کی دریافت کردہ سرمایہ دارانہ پیداوار کی ماہیت ہے جس نے سماجی نظریات کے نشوونما میں ایک

پورے عہد کی تشکیل کی۔

بورژوا ماہرینِ معاشیات و ماہرینِ عمرانیات نے خود کو مظاہر کے مطالعے تک، صرف اس چیز کے مطالعے تک جو بظاہر سچی معلوم ہوتی ہے، محدود کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے اور وہ اب بھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مزدور کو سرمایہ دار سے وہ سب کچھ حاصل ہو جاتا ہے جو اس کی (مزدور کی) اپنی محنت کا پیدا کردہ ہوتا ہے۔ ان کے نقطۂ نظر کے مطابق سرمایہ دارانہ منافع کا وسیلہ مزدوروں کا استحصال نہیں ہے، بلکہ یہ وسیلہ خود وہ سرمایہ ہے جسے سرمایہ دار پیداوار میں لگاتے ہیں۔

حقیقی صورتِ حال بالکل مختلف ہے۔ مزدور کو خود اپنی اور اپنے خاندان کی بقا کے لئے روزی کے بعض وسائل کی ضرورت ہوتی ہے اور انھیں حاصل کرنے کے لئے وہ مجبور ہوتا ہے کہ سرمایہ دار کے پاس جائے اور اپنی قوتِ محنت کو فروخت کرے۔ بظاہر ایسا معلوم ہو سکتا ہے کہ مزدور اور سرمایہ دار کے درمیان خرید و فروخت کا ایک عام تجارتی معاملہ ہو رہا ہے۔ مزدور اپنی قوتِ محنت فروخت کر رہا ہے اور سرمایہ دار اسے خرید رہا ہے، مزدور کام کرتا ہے اور سرمایہ دار اسے اُجرت دیتا ہے۔

سطحی طور پر تو یہ سرمایہ دار اور مزدور کے درمیان ایک مساوی تجارتی معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ بورژوا نظریہ ساز اپنے آپ کو اسی تک محدود رکھتے ہوئے، اس قطعی غلط نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ سرمایہ داری کے تحت کسی قسم کا استحصال نہیں ہوتا۔ وہ سرمایہ دارانہ پیداوار کی حقیقی ماہیت کو نہیں دیکھنا چاہتے۔

مارکس نے اپنے آپ کو سرمایہ دارانہ سماج کے سطحی مظاہر کے تجزیئے تک محدود نہیں رکھا۔ انھوں نے منظر کے پس پردہ سرمایہ دار اور مزدور کے درمیان مساوی تجارتی معاملے کی مشابہت کے پس پردہ سرمایہ دارانہ پیداوار کی استحصالی فطرت کا پتہ لگایا۔ مارکس نے ثابت کیا کہ قوتِ محنت ایک خاص قسم کی جنس ہے جو مادی اقدار پیدا کرنے کی اہل ہے۔ مزید برآں، یہ قوت جو اقدار پیدا کرتی ہے وہ اُس اُجرت سے کہیں زیادہ قیمتی ہوتی ہیں جو سرمایہ دار ادا کرتا ہے۔ سرمایہ دار مزدور کے پیدا کردہ مال کی قدر کے صرف ایک حصہ کے عوض ادائیگی کرتا ہے اور باقی خود رکھ لیتا ہے۔ مارکس نے قدر کے اس حصے کو بیان کرنے کے لئے جسے سرمایہ دار خود رکھ لیتا ہے، "قدرِ زائد" کی اصطلاح استعمال کی۔ صرف اور صرف یہی قدرِ زائد سرمایہ دارانہ منافع کا ذریعہ ہے۔

مارکس کی سرمایہ دارانہ استحصال کی ہیئت کی دریافت عظیم تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ بورژوازی اور

بدولت ان کے درمیان مخاصمت کی بنیاد کا پتہ لگانے کو اور یہ ظاہر کرنے کو ممکن بناتی ہے کہ ان دونوں کے درمیان جدوجہد ناگزیر کیوں ہے اور یہ جدوجہد بالآخر سوشلسٹ انقلاب اور سرمایہ داری کے زوال کا باعث کیوں ہوتی ہے۔

ہم اب متضاد اور آفاقی کا ما فیہ اور شکل کا، ماہیت اور مظہر کا یعنی ہر اس چیز کا تجزیہ کر چکے ہیں جو ہمیں ایک شے یا مظہر کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ تاہم اشیا اور مظاہر حالت علاحدگی میں نہیں رہتے بلکہ وہ باہم مربوط ہوتے ہیں اور ان میں سے کسی کو بھی اس کے ربط کے بغیر نہیں سمجھا جاسکتا۔ ایک شے کا دوسری اشیا کے ساتھ اس کے ربط میں مطالعہ کرنا سب سے پہلے تو یہ معنی رکھتا ہے کہ اس کے آغاز کی علت (سبب) کا تعین کیا جائے۔ اب ہم علت اور معلول کے مقولوں کا جائزہ لیں گے۔

۵۔ علت اور معلول

معروضی دنیا میں ہم مظاہر کے مسلسل تفاعل کا مشاہدہ کرتے ہیں جس کے نتیجے میں بعض مظاہر کچھ دیگر مظاہر کو ظہور میں لاتے ہیں اور یہ مظاہر بعد میں مزید دیگر مظاہر کو ظہور میں لاتے ہیں اور اس طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مثلاً رگڑ سے گرمی پیدا ہوتی ہے، خشک سالی سے فصلوں کی خرابی پیدا ہوتی ہے، وغیرہ۔ مظاہر کا تفاعل سماجی زندگی میں بھی نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر، قومی آزادی کی تحریک نے سامراج کے نوآبادیاتی نظام کی شکست وریخ کو جنم دیا۔

ایک مظہر یا تفاعلی مظاہر کا ایک مجموعہ جو ایسے ہی ایک دوسرے مظہر یا مجموعہ مظاہر سے پہلے واقع ہو اور اس کو وجود میں لاتا ہو "علت" کہلاتا ہے اور علت کے فعل کے نتیجے میں پیدا ہونے والا مظہر "معلول" کہلاتا ہے۔

علت ہمیشہ معلول سے پہلے ظاہر ہوتی ہے، لیکن وقت کی فوقیت علت کی ایک معقول علامت نہیں ہے۔ مثلاً دن، رات کے بعد نکلتا ہے لیکن رات دن کی علت نہیں ہے۔ رات اور دن کی تبدیلی زمین کی محوری گردش سے پیدا ہوتی ہے۔

دو مظاہر کے درمیان علتی انحصار صرف اس وقت موجود ہوتا ہے جب ان میں سے ایک نہ صرف یہ کہ دوسرے سے پہلے واقع ہو، بلکہ وہ اُسے براہِ راست وجود میں لائے۔

علت کو موقع کے ساتھ خلط ملط نہیں کرنا چاہیئے۔ موقع وہ واقعہ ہوتا ہے جو معلول سے براہِ راست

پہلے ظہور پذیر ہوتا ہے، یہ خود علت نہیں ہوتا، لیکن علت کو حرکت میں لاتا ہے۔ چنانچہ جون ۱۹۱۴ء میں سراجیوو شہر میں آسٹریا کے ولی عہد فرڈینیڈ کا قتل پہلی عالمی جنگ چھڑنے کا موقع تھا۔ لیکن جنگ کا اصل سبب (علت) مخالف سامراجی قوتوں کے درمیان تضاد تھا۔

علت کو ان حالات سے بھی ممیز کرنا چاہیئے جن میں یہ عمل کرتی ہے۔ پیداواری محنت تمام سماجی دولت کی علت ہے۔ لیکن محنت کے ذریعہ دولت پیدا کرنے کی غرض سے محنت کی ایک شے اور اس شے پر کام کرنے کیلئے آلات و اوزار ضروری ہیں۔ نہ تو محنت کی شے اور نہ ہی اوزار خود بخود دولت پیدا کر دیتے ہیں بلکہ وہ انسان کی محنت کے لئے ایک ضروری شرط ہوتے ہیں۔

علیت کے بارے میں مارکس دشمن نقطہ ہائے نظر پر تنقید

مادی دنیا میں علیت ایک عمومی، آفاقی کردار کی حامل ہوتی ہے۔ کوئی بھی مظہر علت کے بغیر نہ تو وجود رکھتا ہے اور نہ وجود رکھ سکتا ہے، کیونکہ ہر چیز کا کوئی نہ کوئی سبب (علت) ہوتا ہے۔

ایک پرانی کہاوت ہے، "آگ کے بغیر دھواں نہیں ہوتا"۔ علیت معروضی ہوتی ہے، اسے انسانی عقل نے یا کسی مافوق الفطرت قوت نے صداقت کے اندر داخل نہیں کیا ہے۔ علیت صداقت میں خلقۃً موجود ہوتی ہے اور انسان آگاہی اور عملی سرگرمی کے سلسلۂ عمل کے دوران اسے دریافت کرتا ہے۔

علیت کی جدلیاتی۔ مادی تفہیم دنیا کی کلیسائی تفسیر کے بالکل برعکس ہے۔ ہر چیز قدرتی اسباب کی بنا پر معروضی قوانین کے مطابق نشوونما پاتی ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ قدرت اپنے سامنے نہ تو کوئی مقاصد متعین کرتی ہے اور نہ کر سکتی ہے۔ سماج میں صورتِ حال مختلف ہوتی ہے، کیونکہ عوام شعوری طور پر عمل کرتے ہیں اور اپنے سامنے خاص مقاصد متعین کرتے ہیں اور ان مقاصد کے حصول کیلئے کام کرتے ہیں۔ یہ مقاصد معروضی اسباب سے، تاریخی نشوونما کے سارے عمل سے متعین ہوتے ہیں۔

اس نظریئے کو کہ اشیا کی قدرتی روش معروضی علیت کے تحت ہوتی ہے، قوانین کے تابع ہوتی ہے "تعینیت" کہتے ہیں۔ تعینیت، لاتعینیت کی ضد ہے۔ لاتعینیت ایک عینیت پسندانہ عقیدہ ہے جو معروضی علیت، وجوب اور قوانین کو تسلیم نہیں کرتا۔ لاتعینیت علیت کی جانب ایک عینیت پسندانہ رویہ ہے۔ یہ مظاہر کے نشوونما کے نظم کو، اس نشوونما کے اسباب کو بیرونی معروضی دنیا میں نہیں، بلکہ شعور میں عقل میں تلاش کرتا ہے۔

جدلیاتی مادیت نہ صرف لاتعینیت کے خلاف ہے بلکہ میکانیاتی تعینیت کے بھی خلاف ہے جو تمام تر متنوع علتوں کو بیرونی، میکانکی اثر و نفوذ تک محدود کر دیتی ہے۔ اس قسم کی تعینیت سترھویں اور اٹھارویں صدی میں قدرتی سائنس میں غالب حیثیت کی حامل تھی جبکہ میکانیات تمام قدرتی سائنسوں میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ تھی۔

میکانیاتی تعینیت کا اطلاق مرئی اجسام کی حرکت کے مطالعے پر اور مشینوں، پُلوں اور دیگر تنصیبات کی فنی تخمینہ کاریوں پر ہوتا ہے، لیکن متعدد حیاتیاتی سلسلہ ہائے عمل، دماغی فعل اور سماجی زندگی کو میکانیاتی تعینیت کے نقطۂ نظر سے بیان کرنے کی کوششیں غلط ہیں۔

میکانیاتی تعینیت کا مقادیری میکانیات پر بھی اطلاق نہیں کیا جا سکا۔ وہ خرد ذرات جن کا مقادیری میکانیات مطالعہ کرتی ہے، ان مرئی اجسام سے کیفیتی لحاظ سے مختلف ہیں جن کا کلاسیکی میکانیات مطالعہ کرتی تھی۔ مرئی اجسام کی رفتار اور ان کے ہم قسموں کا کلاسیکی میکانیات کے ذریعہ قطعی اور ایک ہی وقت میں تعین کیا جا سکتا ہے، لیکن ابتدائی ذرات کے ساتھ ایسا ممکن نہیں۔ خرد دنیا میں جہاں کلاسیکی میکانیات کے قوانین بے اثر ہو جاتے ہیں، مقادیری میکانیات کے قوانین کام کرتے ہیں۔ وہ اس امر کو ممکن بناتے ہیں کہ وقت کے ہر خاص لمحے میں ذرے کے ہم قسم یا اس کی رفتار کا، بالکل قطعیت کے ساتھ نہیں، بلکہ قریب قریب، امکان کے ایک درجے تک، تعین کیا جا سکے۔

جب مادیت کے دشمنوں نے یہ محسوس کیا کہ میکانیاتی تعینیت کا اطلاق خرد دنیا کی اشیا پر نہیں ہوتا تو انھوں نے تعینیت کے "زوال" اور لاتعینیت کی عمومی "فتح" کا اعلان کر دیا۔ انھوں نے کہا کہ خرد سلسلۂ عمل میں علیت مشاہداتی اور پیمائشی افعال کے دوران خود انسان کی پیدا کردہ ہے لیکن درحقیقت جدید طبعیات نے علیت کے جدلیاتی۔ مادی اصول کی ہرگز تردید نہیں کی ہے، بلکہ اس کے برعکس اس اصول کا مزید ثبوت بہم پہنچاتی ہے۔ اسی کے ساتھ طبعیات نے یہ بھی ظاہر کیا کہ تعینیت صداقت کے مختلف دائروں میں اپنے آپ کو مختلف طریقوں سے ظاہر کرتی ہے۔

جدلیاتی مادیت علت اور معلول کی مابعد الطبیعیاتی علاحدگی کے بھی خلاف ہے۔ سائنس اور عمل کی کامیابیوں کو بنیاد بناتے ہوتے جدلیاتی مادیت اس امر کا ادعا کرتی ہے کہ علت اور معلول غیر منفک طور پر مربوط ہوتے ہیں، یہ کہ علت کے بغیر کوئی معلول اور معلول کے بغیر کوئی علت نہیں ہوتی۔ علت اور

معلول کے درمیان ربط اندرونی، تابع قانون نوعیت کا ہوتا ہے۔ یہ اس قسم کا ربط ہوتا ہے جس میں معلول علت سے جنم لیتا ہے، یہ علت کے عمل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ علت سے پیدا ہو کر معلول اپنی علت سے غیر متعلق نہیں رہتا اور اس پر عمل کرتا ہے۔ چنانچہ پیداواری عمل کے دوران انسانوں کے درمیان معاشی تعلقات سیاسی، فلسفیانہ اور دیگر نظریات کی علت ہیں، اُن کا منبع ہیں، لیکن یہ خیالات خود بھی معاشی تعلقات کے نشوونما پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

علت اور معلول کے ربط باہمی کا یہ بھی مطلب ہے کہ ایک ہی مظہر ایک ربط میں علت اور دوسرے ربط میں معلول ہو سکتا ہے۔ بجلی گھروں میں بوائلروں میں کوئلے کا سلگنا پانی کے بھاپ میں بدل جانے کی علت ہے۔ بھاپ جو کوئلے کے سلگنے کی معلول ہے، خود جنریٹر کے روٹر کی حرکت کی علت ہے، روٹر کی حرکت سے بجلی پیدا ہوتی ہے جو متعدد مشینوں اور مشینی نظاموں کی حرکت کا منبع، اُسکی علت ہے۔ یہ مشینیں اور مشینی نظام لوگوں کو گرمی، روشنی وغیرہ بہم پہنچاتے ہیں۔ استدلال کے اس سلسلے کو مزید آگے بڑھایا سکتا ہے۔ جو چیز علیت کی خصوصیت ہے وہ ہے دو طرفہ روابط کی یہ لامتناہی زنجیر، دنیا کی اشیا اور مظاہر کا آفاقی تفاعل جس میں ہر کڑی بیک وقت علت بھی ہوتی ہے اور معلول بھی۔

علیت کی سائنسی اور عملی اہمیت: مظاہر کے علتی انحصار کا علم سائنس اور عمل میں انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔ مفید مظاہر کی علتیں دریافت کر کے انسان اُن کے عمل میں مدد دے سکتا ہے اور اس طرح اُن مفید سلسلہ ہائے عمل اور مظاہر کے نشوونما کی رفتار کو تیز کر سکتا ہے جن کی اُسے ضرورت ہے۔ مثلاً یہ جان کر کہ زمین کی اچھی طرح جتائی، بروقت بوائی اور کٹائی وغیرہ اچھی فصلوں کا سبب (علت) ہوتے ہیں، بہترین فارم اپنے زرعی طریقہائے کار کو مسلسل بہتر بناتے ہیں۔

نقصان دہ مظہر کے اسباب (علتوں) کا علم انسان کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ اُنھیں ختم کر دے یا اُن کے عمل کی مزاحمت کرے اور اس طرح ناپسندیدہ معلولوں کے حملے کو روک دے۔

کسی ایک مظہر کی خاص علتوں کو دریافت کرنے کی صلاحیت عملی سرگرمی کے لئے خاص طور پر اہم ہے۔ خاص علتوں کو دریافت کر کے لوگ ایک مظہر کے آغاز اور اسکی ماہیت کو دیگر مظاہر کے ساتھ تعلق میں اُس کے مقام کو اور اُن قوانین کو سمجھ سکتے ہیں جن کا تابع اُس کا نشوونما ہوتا ہے۔

خاص علت وہ ہوتی ہے جسکے بغیر ایک مظہر وجود میں نہ آسکے۔ یہ علت اس مظہر کی اصل خصوصیت

کا تعین کرتی ہے۔

مثلاً دوسری عالمی جنگ میں نازی حملہ آوروں پر سوویت عوام کی فتح کا خاص سبب (علت) کیا ہے؟ یہ سبب (علت) ہے سوویت یونین کا سماجی اور ریاستی نظام، سوویت مسلح افواج کی قوت، نہ کہ سوویت یونین کا وسیع علاقہ یا شدید روسی سرما یا اسی قسم کی کوئی اور باتیں جن کا دعویٰ بورژوا دانشور پیش کرتے ہیں۔ موخرالذکر عوامل کا اگرچہ فتح میں ایک حصّہ تھا لیکن وہ کسی صورت میں بھی اصل، فیصلہ کن اسباب (علل) نہیں تھے۔

کمیونسٹ پارٹی ہمیشہ خاص، فیصلہ کن علتوں کو تلاش کرتی ہے۔ انھیں دیگر بے شمار علتوں سے علاحدہ کرنے کی صلاحیت اس امر کو ممکن بناتی ہے کہ واقعات کی زنجیر میں اس خاص اہم کڑی کو تلاش کیا جائے جو پارٹی اور عوام کو ہر اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کا اہل بناتی ہے جو انھیں کسی بھی وقت درپیش ہو۔ لینن کا کہنا تھا کہ سماجی مظاہر کی زنجیر میں اس خاص کڑی کو تلاش کرنا اُسے مضبوطی سے پکڑ لینا اور اس طرح مکمل کامیابی کو یقینی بنانا ہی سیاست کا فن ہے۔

علیت عمومی ترین، آفاقی ربط ہے۔ لیکن یہ صداقت کے تمام تر بہت سے روابط کا احاطہ نہیں کرتی اور یہ عالمی روابط کا محض ایک چھوٹا سا حصّہ ہے۔ وجوبی (ضروری) اور اتفاقی رابطے بھی دُنیا کے علتی روابط کے پیچیدہ جالے میں بہت اہم ہیں۔ اب ہم اُن کا جائزہ لیں گے۔

۲۔ وجوب (ضرورت) اور اتفاق

وجوب (ضرورت) اور اتفاق کو سمجھنے کے لئے آیئے ہم سب سے پہلے مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیں۔ کیا بعض مقررہ حالات میں تمام واقعات ضروری ہوتے ہیں؟ کیا ضروری ہے کہ یہ تمام واقعات ایک ہی طریقے سے آگے بڑھیں اور کسی دوسرے طریقے سے نہیں؟

ہم سب جانتے ہیں کہ اگر ایک بیج کو بو دیا جائے تو یہ، حرارت اور نمی پاکر، پھوٹ نکلے گا لیکن ننھا پودا ژالہ باری کے نتیجے میں ضائع ہو سکتا ہے۔ کیا یہ دونوں واقعات (یعنی بیج کا پھوٹ نکلنا اور پودے کا ضائع ہو جانا) ضروری ہیں؟

نہیں دونوں ضروری نہیں ہیں۔ ہمارا روزمرّہ کا تجربہ ہمیں بتاتا ہے کہ خاص حالات میں، یعنی مطلوبہ حرارت اور نمی کی موجودگی میں بیج کا پھوٹ نکلنا ضروری ہے۔ یہ خود پودے کی فطرت ہے۔ لیکن ژالہ باری

ایک ایسی چیز ہے جو ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی، یہ پودے کو مکمل تباہ بھی کر سکتی ہے یا اُسے محض نقصان پہنچا سکتی ہے۔ ژالہ باری پودے کی فطرت سے ہرگز نہیں پیدا ہوتی اور یہ ان حالات میں ضروری بھی نہیں ہے۔

ایک ایسے مظہر یا واقعے کو جسے خاص حالات میں لازماً وقوع پذیر ہونا چاہیئے وجوب (ضرورت) کہتے ہیں (مذکورہ بالا مثال میں بیج کا پھوٹ نکلنا وجوب ہے)۔ رات کے بعد دن ضرور آتا ہے، ایک موسم کے بعد دوسرا موسم ضرور آتا ہے۔ سرمایہ داری کے تحت کمیونسٹ تحریک کا جنم لینا اور نمو پانا وجوب (ضرورت) ہے۔ یہ تحریک مزدوروں کے حالاتِ زندگی سے، سماج میں اُن کی حیثیت سے اور اُن کے سامنے متعینہ فریضوں سے جنم لیتی ہے۔

وجوب (ضرورت) نشوونما پاتے ہوئے مظہر کی ماہیت سے، اسکی اندرونی فطرت سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ اِس مظہر کے لئے مستقل اور مستحکم ہوتا ہے۔

وجوب (ضرورت) کے برخلاف، اتفاق (مذکورہ بالا مثال میں ژالہ باری کے ذریعہ پودے کی تباہی ایک اتفاق ہے) کا وقوع پذیر ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ مقررہ حالات میں ژالہ باری ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی ہو سکتی ہے، یہ کوئی ایک طریقہ اختیار کر سکتی ہے یا کوئی دوسرا طریقہ۔ اتفاق مقررہ شے کی فطرت سے نہیں پیدا ہوتا، یہ غیر مستحکم اور عارضی ہوتا ہے۔ لیکن اتفاق علت کے بغیر نہیں ہوتا۔ اس کی علت خود شے میں موجود نہیں ہوتی بلکہ اُس کے باہر، خارجی حالات میں ہوتی ہے۔

وجوب (ضرورت) اور اتفاق کی جدلیات: وجوب (ضرورت) اور اتفاق جدلیاتی طور پر باہم مربوط ہوتے ہیں۔ ایک ہی واقعہ وجوبی (ضروری) بھی ہوتا ہے اور اتفاقی بھی ــــ وجوبی (ضروری) ایک لحاظ سے اور اتفاقی دوسرے لحاظ سے۔ وہی ژالہ باری جو پودے کی تباہی کے تعلق سے اتفاقی ہے، اُس علاقے کے موسمیاتی حالات کا ضروری معلول (نتیجہ) ہے جہاں یہ ہوتی ہے۔

جدلیات کے حامیوں کے برعکس مابعد الطبیعیات کے حامی وجوب (ضرورت) اور اتفاق کے ربط سے انکار کرتے ہیں۔ اِن میں سے بعض صرف وجوب (ضرورت) کو تسلیم کرتے ہیں اور نشوونما میں اتفاقی عوامل کے امکان سے انکار کرتے ہیں۔ اُنکے نقطۂ نظر کے مطابق ہر چیز ناگزیر اور ضروری ہے اور اس لئے انسان اِس سلسلہ میں کچھ کرنے سے معذور ہے، وہ محض مجہول انداز میں واقعات کے ناگزیر اور بے رحم

سلسلے کا انتظار ہی کر سکتا ہے۔ بعض دوسرے فلسفی صرف اتفاق کو تسلیم کرتے ہیں، جس کا عملاً مطلب ہے سائنس کو ترک کر دینا، واقعات کے سلسلے کی پیش بینی کرنے اور اُن کی رہنمائی کرنے کی انسانی صلاحیت کو تسلیم کرنے سے انکار۔

وجوب (ضرورت) اور اتفاق ایک دوسرے سے بدل سکتے ہیں۔ جو چیز بعض حالات میں اتفاق ہوتی ہے وہ دوسرے، مختلف حالات میں وجوب (ضرورت) بن جاتی ہے اور اسی طرح وجوب (ضرورت) اتفاق بن جاتا ہے۔ مثلاً قدیم سماج میں اجناس (اشیا) کا تبادلہ ایک اتفاقی کردار کا حامل تھا۔ عام طور پہ ایک کمیون کی پیدا کردہ ہر چیز اسی کمیون کے استعمال میں آتی تھی۔ ذاتی ملکیت کے وجود میں آنے اور ترقی پانے کے ساتھ ساتھ اشیا کے تبادلے میں توسیع ہوگئی اور سرمایہ داری کے تحت یہ تبادلہ معروضی ضرورت بن گیا۔

وجوب (ضرورت) اور اتفاق ایک دوسرے کے ساتھ حالتِ علاحدگی میں وجود نہیں رکھتے۔ ایک سلسلۂ عمل میں وجوب (ضرورت) نشوونما کی اصل سمت کے طور پر، اسکے رجحان کے طور پہ نمودار ہوتا ہے، لیکن یہ رجحان بہت سے اتفاقی مظاہر میں سے اپنا رستہ بناتا ہے۔ اتفاق وجوب (ضرورت) کا تتمہ ہے، یہ اُس کے اظہار کی ایک شکل ہے۔ اتفاقی مظاہر کے پیچھے ہمیشہ معروضی وجوب (ضرورت) یا قانون موجود ہوتا ہے۔ مثلاً کسی برتن کو لیجئے جس میں گیس بھری ہوئی ہے۔ اس گیس کے سالمے مسلسل بے ترتیب حرکت میں ہوتے ہیں۔ اتفاقاً ایک دوسرے سے بھی ٹکراتے ہیں اور برتن کے اطراف سے بھی۔ اسکے باوجود برتن کے اطراف پر گیس کا دباؤ یکساں ہوتا ہے، یہ لازماً طبعیات کے قوانین سے متعین ہوتا ہے۔ سالموں کی اتفاقی حرکت وجوب (ضرورت) کیلئے راہ ہموار کرتی ہے جو گیس کے نہ صرف دباؤ کا، بلکہ اُس کے درجۂ حرارت، کثافت اور دیگر خواص کا بھی تعین کرتا ہے۔ اتفاق سماجی نشوونما میں بھی وجوب (ضرورت) کے اظہار کے لئے شکل کا کام دیتا ہے۔ سرمایہ داری کے تحت قدر کے قانون کا اظہار منڈی میں قیمتوں کے اتفاقی اُتار چڑھاؤ میں ہوتا ہے اور یہ اُتار چڑھاؤ طلب اور رسد سے تشکیل پاتا ہے۔

وجوب (ضرورت) اور اتفاق کے مقولوں کی اہمیت : سائنس اور عمل میں وجوب (ضرورت) اور اتفاق کی معروضی جدلیات کو پیش نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔ سائنس کا فریضہ یہ ہے کہ وہ ظاہری ہیئتوں، متعدد اتفاقی واقعات اور روابط کے پیچھے اندرونی وجوبی

(ضروری) روابط کو دریافت کرے معروضی وجوب (ضرورت) کے قوانین کا علم انسان کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ قدرت اور سماجی زندگی کے بہت سے مظاہر کو اپنی ضروریات کا تابع بنالے۔ ہر سائنس کا بنیادی مقصد لازماً یہ ہونا چاہیئے کہ وہ وجوب (ضرورت) سے آگاہی حاصل کرے، اس مفہوم میں سائنس اتفاق کی دشمن ہے۔ چنانچہ سماجی سائنس (علم) کا فریضہ سماجی نشوونما کے معروضی وجوب (ضرورت) کا انکشاف کرنا اور اس وجوب (ضرورت) کی بنیاد پر سماجی نظام کو مزدوروں کے مفادات کے مطابق بدلنا ہے۔

لیکن سائنس کو اتفاق کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیئے چونکہ اتفاقات واقع ہوتے ہیں اور زندگی پر کسی نہ کسی قسم کا اثر ڈالتے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ سائنس نشوونما میں ان اتفاقات کے رول کو پیش رکھے اور انسان کو اس سے بچائے۔ مثلاً زرعی سائنس کے لئے ضروری ہے کہ وہ زمین کی جتائی اور فصلوں کی بوائی اور کٹائی کے طریقہائے کار کی صراحت کرے جن سے انسان انتہائی غیرمتوقع اور خراب موسمیاتی حالات میں بھی اچھی فصلیں حاصل کر سکے۔

وجوب (ضرورت) اور اتفاق کا ربط باہمی مختلف تاریخی حالات میں مختلف ہوتا ہے۔ سرمایہ دارانہ ملکیت کا غیر سرمایہ دارانہ حالات میں وجوب (ضرورت) کے خودرو عمل کا تعین کرتا ہے۔ قدر کا قانون اور نرخ اور منافع کا قانون بہت سے اتفاقی واقعات سے اپنا راستہ بناتے ہیں۔ چنانچہ سرمایہ داری کے تحت عوام سماج کی زندگی کی منصوبہ بندی کرنے کے موقع سے محروم ہوتے ہیں۔ وہ ان خودرو قوتوں کا محض کھلونا ہوتے ہیں۔ منافع سرمایہ دارانہ پیداوار کو منضبط کرنے والی چیز ہے۔ لیکن یہ (منافع) منڈی کی قیمتوں کے متعدد اتفاقی اتار چڑھاؤ کے ذریعہ عمل کرتا ہے اور یہ اتار چڑھاؤ طلب اور رسد کی اسی طرح کی اتفاقی تبدیلیوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ سرمایہ داری کے تحت مزدوروں کی تقسیم بھی اتفاقی ہوتی ہے۔ یہ ساری چیزیں مزدور کے لئے عدم تحفظ کو جنم دیتی ہیں ___ وہ کسی لمحہ بھی بیروزگار ہو سکتا ہے اور اپنے ذریعۂ معاش سے محروم ہو سکتا ہے۔ سرمایہ داری کے تحت تاجر کو بھی، خاص طور پر چھوٹے یا درمیانہ درجے کے تاجر کو بھی جو کسی بھی لمحے برباد ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ زیادہ طاقتور حریفوں کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتا، دماغی سکون حاصل نہیں ہوتا۔

سوشلزم کے تحت، اس کے خلقی قوانین کے عمل کے سبب عوام تاریخ کی روش کی پیشین گوئی کرنے اور اس کے مطابق زندگی کے تمام شعبوں میں اپنی سرگرمیوں کی منصوبہ بندی کرنے کے اہل ہوتے ہیں۔

سماجی وجوب (ضرورت) عوام کی شعوری، بامقصد سرگرمی میں ظاہر ہوتا ہے۔ سوشلسٹ ممالک کے قومی معاشی منصوبے سماجی نشوونما کے معروضی وجوب (ضرورت) کے بامہارت استعمال کا ثبوت ہیں۔

سوشلسٹ سماج میں اتفاق کے اثر کو کمیونسٹ پارٹی کے زیرِ قیادت عوام کی شعوری منصوبہ بند مساعی کے ذریعہ بہت کم کردیا جاتا ہے۔ تاہم، اتفاقات سوشلزم کے تحت بھی وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ بعض اوقات بعض حالات کی بنا پر صنعت یا زراعت کی بعض شاخیں پیچھے رہ جاتی ہیں، بعض فیکٹریاں اپنے منصوبوں کو پورا نہیں کرپاتیں وغیرہ۔ یہ چیز معیشت کے نشوونما میں بعض قسم کے عدم تناسب اور بے ربطی کا باعث ہوتی ہے۔ مختلف اوقات میں اتفاقات موسمی حالات کے سبب، خشک سالی، سیلابوں اور برفباری کے سبب وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

کمیونسٹ پارٹی اور حکومت اِس امر کی کوشش کرتے ہیں کہ سوشلسٹ سماج میں اتفاق کے خراب اثر کو گھٹا کر کم سے کم کردیں۔ اِن مقاصد کیلئے پیداوار کی منصوبہ بندی اور تنظیم کو مسلسل بہتر بنایا جارہا ہے اور جدید ترین سائنسی کامیابیوں سے استفادہ کیا جارہا ہے۔ ناگہانی صورتوں سے نمٹنے کے لئے ریاستی محفوظات کا ایک شاخ در شاخ نظام قائم کردیا گیا ہے۔ چونکہ ترقی کی مجوزہ راہ سے اتفاقی انحرافات کی ایک خاصی بڑی تعداد اکثر اوقات بعض معاشی افسروں کے کمزور نظم ونسق کا نتیجہ ہوتی ہے، اِس لئے کمیونسٹ پارٹی معیشت کی متعدد شاخوں کی قیادت کو بہتر اور مضبوط بنانے پر خصوصی توجہ دیتی ہے اور عملے کے رہنما افراد میں احساس ذمہ داری پیدا کرتی ہے۔

وجوب (ضرورت) ہمیشہ خاص معروضی حالات میں نمودار ہوتا ہے۔ لیکن یہ حالات خود بھی بدل جاتے ہیں اور اس لئے وجوب (ضرورت) بھی بدل جاتا ہے اور نشوونما پاتا ہے۔ لیکن ہر نیا وجوب ایک تیار مکمل شکل میں وجود میں نہیں آجاتا، بلکہ ابتدا میں صرف ایک امکان کے طور پر وجود رکھتا ہے اور صرف مقررہ سازگار حالات میں ہی صداقت کی شکل اختیار کرتا ہے۔

آیئے ہم امکان اور صداقت کے مقولوں کا جائزہ لیں۔

۷۔ اِمکان اور صداقت

جدید یعنی وہ جو فروغ پذیر ہے، وجوبی (ضروری) ہوتا ہے، لیکن یہ فوراً نمودار نہیں ہوجاتا۔ سب سے

پہلے تو صرف وہ قطعی ضروری حالات، وہ عوامل تخلیق پاتے ہیں جو اسکے وجود کا باعث ہوتے ہیں۔ تب یہ عوامل پختہ ہوتے جاتے ہیں، فروغ پاتے جاتے ہیں اور معروضی قوانین کے عمل کے سبب نئی شے یا مظہر عالم وجود میں آتا ہے۔ جدید کی پیدائش کیلئے ان ضروری حالات کو، جو کہ اس میں پائے جاتے ہیں جو کہ ابھی موجود ہے "امکانات" کہتے ہیں۔ چنانچہ ہر جرثومہ فروغ پانے کے امکان کا، ایک بالغ عضویئے میں تبدیل ہو جانے کے امکان کا حامل ہوتا ہے۔ وہ بالغ عضویہ جو اس جرثومے سے فروغ پا کر بنتا ہے، "صداقت" کہلاتا ہے۔ صداقت، حاصل شدہ، عملی شکل یافتہ امکان کا نام ہے۔

امکانات معروضی قوانین سے جنم لیتے ہیں۔ مثلاً عضویئے اور ماحول کی وحدت کا قانون عضویوں پر بامقصد طور پر عمل کرنے اور پودوں اور حیوانات کی نئی انواع تخلیق کرنے کا، بیرونی حالات کی تبدیلی کے ذریعۂ امکان پیدا کرتا ہے۔ سوشلزم کے تحت معیشت کی منصوبہ بند، متناسب ترقی کا قانون منصوبہ بندی کا امکان پیدا کرتا ہے، وغیرہ۔

چونکہ دنیا کی اشیاء و مظاہر متضاد ہوتے ہیں، اس لئے امکانات بھی متضاد ہوتے ہیں۔ ہمیں ترقی پسندانہ (مثبت) اور رجعت پرستانہ (منفی) امکانات کے درمیان فرق کرنا چاہیئے۔ مثلاً ہر سماجی انقلاب میں ترقی پسند قوتوں کی فتح کا مثبت امکان اور رجعت پرست قوتوں کی فتح کا منفی امکان، دونوں ہی موجود ہوتے ہیں۔ لیکن تاریخ کے معروضی قوانین کے عمل کی بنا پر ترقی پسندانہ امکانات کو بالآخر فتح حاصل ہوتی ہے، جب کہ رجعت پرستانہ امکانات کی فتح جو بعض صورتوں میں وقوع پذیر ہو جاتی ہے، محض عارضی، عبوری ہوتی ہے مثلاً ۱۹۰۵-۱۹۰۷ء کے روسی انقلاب میں رجعت پرستوں کی فتح عارضی تھی۔ چند سال بعد، ۱۹۱۷ء میں مزدور طبقے نے کسانوں کے ساتھ اتحاد قائم کر کے، پہلے زار پر اور پھر بورژوازی پر فیصلہ کن فتح حاصل کرلی۔

دنیا کی ہر چیز کی طرح امکانات بھی نشوونما پاتے ہیں۔ ان میں سے بعض بڑھ جاتے ہیں اور بعض گھٹ جاتے ہیں۔ روس کی قوم وہ پہلی قوم تھی جس نے سامراج کی زنجیر توڑ دی اور روس کئی برسوں تک سامراجی ممالک کے نرغے میں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ انقلاب اکتوبر کی فتح کے فوراً بعد، سوشلزم کی فتح کے امکان کے ساتھ ساتھ سرمایہ داری کی بحالی کا بھی کسی قدر امکان موجود تھا۔ جیسے جیسے سوویت یونین کی طاقت میں اضافہ ہوتا گیا ویسے ویسے سوشلزم کی فتح کا امکان بتدریج بڑھتا گیا اور یہ ایک صداقت بن گیا۔ سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کے پروگرام میں کہا گیا ہے: "سوشلزم جسکی مارکس اور اینگلز نے پیشین گوئی کرتے ہوئے اسے ناگزیر قرار

دیا تھا اور جس کی تعمیر کا منصوبہ لینن نے تیار کیا تھا، سوویت یونین میں ایک صداقت بن چکا ہے"۔ دوسری طرف، جیسے جیسے سوشلزم پیش قدمی کرتا گیا، ویسے ویسے سرمایہ داری کی بحالی کے امکانات بتدریج کم ہوتے گئے اور اب عملاً ان امکانات کا کوئی وجود نہیں ہے کیونکہ دنیا میں کوئی ایسی قوتیں موجود نہیں ہیں جو سوویت یونین میں سرمایہ داری کو بحال کر سکیں، جو طاقتور سوشلسٹ برادری کو کچل سکیں۔ سوویت یونین میں سوشلزم کی فتح مکمل اور حتمی ہے۔

مجرد امکان وہ ہوتا ہے جو موجودہ تاریخی حالات میں عملی صورت نہ پا سکے۔ مثلاً نظام شمسی کے سیاروں اور دیگر بڑے بڑے اجسام فلکی کے درمیان تصادم کا امکان مجرد ہے۔ اسکے وقوع کا موقع انتہائی خفیف ہے۔ مجرد امکان کو "ناممکن" کے ساتھ ہرگز غلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔ ناممکن کو کبھی عملی صورت نہیں دی جا سکتی کیونکہ یہ معروضی قوانین کے خلاف کے ہوتا ہے۔ مثلاً، بورژوازی اور پرولتاریہ کے مفادات میں مفاہمت پیدا کرنا ناممکن ہے۔ لیکن مجرد امکان معروضی قوانین کے خلاف نہیں ہوتا اور اصولاً یہ صداقت بن سکتا ہے، لیکن صرف اسی وقت جب مناسب حالات پختہ ہو جائیں۔

امکان صادقہ وہ ہوتا ہے جسے خاص مقررہ تاریخی حالات میں عملی صورت دی جا سکے۔ مثلاً تمام نوآبادیوں اور محکوم ممالک کی نوآبادیاتی نظام کے استبداد سے آزادی کا امکان، امکان صادقہ ہے۔ یہ سلسلۂ عمل فی الحقیقت اس وقت جاری و ساری ہے۔

مجرد امکان اور امکان صادقہ کے درمیان امتیازات اضافی ہوتے ہیں۔ نشو و نما کے سلسلۂ عمل کے دوران ایک مجرد امکان، امکان صادقہ بن سکتا ہے۔ محض کچھ عرصہ پہلے دوسرے سیاروں کی جانب انسان کی پرواز کا امکان مجرد تھا کیونکہ وہ فنی سہولتیں موجود نہیں تھیں۔ اب یہ امکان امکان صادقہ بن چکا ہے۔ وہ وقت دور نہیں ہے جب انسان نظام شمسی کے دیگر سیاروں پر قدم رکھے گا۔ انیسویں صدی کے اوائل میں سوشلزم میں منتقلی کے امکان کے بارے میں یوٹوپیائی (خیالی) سوشلسٹوں کا خواب مجرد تھا۔ اس وقت تک وہ قوتیں پختہ نہیں ہوئی تھیں جو سوشلزم کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ اس وقت تک کافی منظم انقلابی پرولتاریہ موجود نہیں تھا لیکن موجودہ دور میں یہ امکان صادق بن چکا ہے اور دنیا کے ایک بڑے حصہ میں یہ صداقت کی شکل اختیار کر چکا ہے۔

سوشلسٹ حالات میں امکان کی صداقت میں تبدیلی : قدرت میں امکان از خود:

غیر شعوری طور پر صداقت میں بدل جاتا ہے۔ دوسری طرف سماج میں عوام کا بامقصد شعوری عمل امکانات کو عملی صورت دینے میں فیصلہ کن اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ انسان کی مداخلت کے بغیر، جو سمجھے ہوئے قوانین کی بنیاد پر عمل کر رہا ہو، امکان صداقت کی شکل اختیار نہیں کرتا۔ قیامِ امن کا امکان جو اس وقت موجود ہے، نوعِ انسانی کی تمام امن پسند قوتوں کی شدید جد وجہد کے نتیجے کے طور پر صداقت بنتا جا رہا ہے۔

اُن عملی سرگرمیوں کے دوران جو دنیا کو بدلتی ہیں، انسان دروُنی امکانات کا پتہ لگاتے ہیں اور انھیں صداقت میں بدلنے کے لئے کام کرتے ہیں۔ سوشلسٹ حالات میں صادق امکانات کو پیشِ نظر رکھنا اور انھیں عملی صورت دینے کے لئے کام کرنا خاص طور پر اہم ہے۔

سوویت سوشلسٹ نظام معاشی، سیاسی اور ثقافتی ترقی کے بے پایاں امکانات کا حامل ہے۔ سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی جو جدید، ترقی پسند کونپلوں کو احتیاط کے ساتھ مدد دیتی اور ان کی پرورش کرتی ہے، ان امکانات کو مناسب طور پر پیشِ نظر رکھتی ہے اور انھیں بروقت عملی صورت دیتی ہے۔ ہر شخص ترقی پسندانہ امکانات کو عملی صورت دینے میں دلچسپی لیتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ سوشلسٹ سماج میں امکانات تیزی کے ساتھ صداقتوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

سوشلزم کی تعمیر کے امکان کو جو اکتوبر کے سوشلسٹ انقلاب کے نتیجے میں پیدا ہوا تھا، سوویت عوام نے ایک بہت ہی مختصر سی مدت میں عملی صورت دے دی۔ سوشلزم کی تعمیر نے ایک اور امکان پیدا کیا، کمیونزم کی تعمیر کا صادق امکان۔

سوویت یونین میں اب کمیونزم کی تعمیر کے تمام تر امکانات موجود ہیں۔ سوویت یونین زبردست تخلیقی قوت رکھنے والے ایک سماجی نظام کا، اعلیٰ ترین مشینوں سے لیس ایک طاقتور صنعت کا، بڑے پیمانے کی مشینی کار زراعت کا اور دنیا میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ سائنس کا حامل ہے۔ ملک کی قدرتی دولت بے پایاں ہے اور یہ لامحدود معاشی ترقی کے لئے ایک ضروری شرط ہے۔ سوویت یونین کے باجہارت کارکن کمیونسٹ تعمیر کے پیچیدہ ترین فریضوں کی تکمیل کے اہل ہیں۔

مارکسی جدلیات کے قوانین اور مقولوں کا جائزہ لیکر ہم مادی دنیا کے آفاقی نشوونما اور اُس کے روابط کے بارے میں جان گئے ہیں۔ اب ہمارا فریضہ یہ ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ انسان اِس مادی دنیا سے آگاہی کس طرح حاصل کرتا ہے۔ اس کیلئے ہمیں جدلیاتی مادیت کے نظریۂ علم کا مطالعہ کرنا ہوگا

نواں باب

جدلیاتی مادیت کا نظریۂ علم

جدلیاتی مادیت نوعِ انسانی کے مجتمع کردہ تجربے کی دولت کو اور سائنس اور انقلابی عمل کی عظیم ترین کامیابیوں کو پیشِ نظر رکھتی ہے اور اس بنیاد پر یہ نتیجہ نکالتی ہے کہ دنیا کو مکمل طور پر جانا جا سکتا ہے اور یہ کہ انسان کی عقل صداقت کا صحیح مفہوم سمجھنے کی اہل ہے۔

آیئے اب ہم دنیا سے آگاہی حاصل کرنے کے سلسلۂ عمل کا تفصیلی جائزہ لیں۔

۱۔ علم کیا ہے؟

علم معروضی دنیا اور اُس کے قوانین کا انسان کے دماغ میں فعال اور بامقصد انعکاس ہے۔ علم کا منبع انسان کے گردوپیش کی بیرونی دنیا ہے۔ یہ دنیا انسان پر عمل کرتی ہے اور اس میں متعلقہ حسّی خیالات اور تصورات کو اُبھارتی ہے۔ انسان جنگلوں، کھیتوں اور پہاڑوں کو دیکھتا ہے، سورج کی گرمی اور روشنی کا ادراک کرتا ہے، چڑیوں کے نغمے سنتا ہے، پھولوں کی خوشبو سونگھتا ہے۔ اگر یہ تمام اشیا جو انسان کے شعور کے باہر اپنا وجود رکھتی ہیں اس پر عمل نہ کرتی ہوتیں تو انسان اُن کے بارے میں قطعی کچھ بھی نہ جان سکتا۔ اہم بات یہ ہے کہ انسان دنیا کی اشیا و مظاہر کا محض ادراک ہی نہیں کرتا ہے بلکہ وہ اُن پر فعالیت کے ساتھ عملاً اثر انداز بھی ہوتا ہے۔ اس سوال پر ہم بعد میں تفصیلاً بحث کریں گے۔

علم کا مارکسی نظریہ معروضی دنیا اور اسکی اشیا و مظاہر کو انسانی علم کا کامل منبع سمجھنے پر مبنی ہے۔

عینیت پسند معروضی صداقت کو ہمارے علم کا منبع نہیں سمجھتے۔ عینیت پسندانہ فلسفے میں علم کا معروض یا تو شعور ہے یا ایک ذہن (موضوع) کی حسیں ہیں یا ایک قسم کا متصوفانہ (پُراسرار) شعور ہے جسے انسان کے باہر سمجھا جاتا ہے ("خیالِ مطلق"، "روحِ آفاقی" وغیرہ)۔ کلیسائیت بھی اس سوال پر یہی رویّہ رکھتی ہے: انسان قدرت اور سماجی زندگی کے مظاہر کی ماہیت سے آگاہ ہونے کا اہل نہیں ہے۔ وہ صرف آسمانی تخلیقات کے نتائج کو بیان کر سکتا ہے اور اُن کے درجے متعین کر سکتا ہے۔

عینیت اور کلیسائیت پر ایک کاری ضرب مارکس سے پہلے کے اُن مادیت پسندوں نے لگائی تھی جو علم کو انسان کے دماغ میں بیرونی اشیا کا انعکاس سمجھتے تھے۔ لیکن علم کے سلسلۂ عمل کے بارے میں اُن کے نظریات بھی محدود تھے چونکہ وہ مابعدالطبیعات کے حامی تھے، اِس لئے وہ جدلیات کا علم کے سلسلۂ عمل پر اطلاق کرنے کے اہل نہیں تھے۔ وہ انعکاس کو انسان کے دماغ پر ایک چیز کا مجہول نقش گردانتے تھے۔ اٹھارویں صدی کے فرانسیسی مادیت پسند ڈنیس ڈیڈیرو نے دماغ کو موم سے تشبیہ دی جس پر چیزیں اپنا نقش چھوڑ دیتی ہیں۔ مارکس سے پہلے کے مادیت پسندوں نے آگاہی میں مصروف انسان کی فعالیت پر اس کی زندگی پر کوئی توجہ نہ دی۔ مزید برآں، ان کی اصل مجبوری اس امر میں مضمر تھی کہ وہ علم میں عمل کے کردار کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر رہے۔

مارکس اور اینگلز نے اُن حدود کو پار کر کے جو ان سے پہلے کے فلسفیوں نے آگاہی کے سلسلۂ عمل کو سمجھنے میں قائم کر دی تھیں، علم کا کیفیتی لحاظ سے ایک نیا جدلیاتی مادی نظریہ تخلیق کیا۔

مارکسی نظریۂ علم کا بنیادی فرق یہ ہے کہ یہ آگاہی کے سلسلۂ عمل کو عمل پر، عوام کی مادی، پیداواری سرگرمی پر مبنی قرار دیتا ہے۔ اسی سرگرمی کے عمل کے دوران انسان اشیا و مظاہر سے واقف ہوتا ہے۔ مارکسی فلسفے میں عمل علم کے سلسلۂ عمل کا نقطۂ آغاز، اس کی بنیاد بھی ہے اور سچائی کا معیار بھی۔ لینن نے لکھا، "زندگی کے، عمل کے نقطۂ نظر کو علم کے نظریئے میں اولین اور بنیادی حیثیت کا حامل ہونا چاہئے اور یہ چیز لازماً مادیت کی طرف لیجاتی۔"[4]

عوام کی عملی سرگرمی میں اور مادی پیداوار میں ہی انسانی علم کی فعال فطرت اور مقصدیت کا اظہار ہوتا ہے۔ انسان ایک فرد کی حیثیت سے دنیا پر فعال اثر نہیں ڈالتا، بلکہ دوسرے انسانوں کے ساتھ تعاون میں مجموعی طور پر سماج کے ساتھ مل کر فعال اثر ڈالتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر مادی دنیا علم کا معروض، اس کا منبع ہے، تو انسانی سماج علم کا موضوع اور اس کا "بردار" (کیریر) ہے۔ علم کی سماجی نوعیت کو تسلیم کرنا مارکسی نظریۂ علم کی ایک بنیادی خصوصیت ہے۔

جدلیاتی مادیت کے نقطۂ نظر کے مطابق علم خیال کو سمجھی ہوئی شے کے قریب تر لانے کا، جہل سے علم کی طرف، نامکمل اور کم صحیح علم کی طرف سے زیادہ مکمل اور زیادہ صحیح علم کی طرف حرکت کا، ایک لامتناہی سلسلۂ عمل ہے۔ فرسودہ نظریوں کو نئے نظریوں سے بدلتے ہوئے، پرانے نظریات کو زیادہ صحیح حالت میں لاتے ہوئے، علم آگے کی طرف بڑھتا رہتا ہے اور ہمیشہ صداقت کے نئے پہلوؤں کا انکشاف کرتا رہتا ہے۔

چونکہ عمل علم کی بنیاد کا کام دیتا ہے، اِس لئے آیئے ہم اس کا جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ عمل آگاہی کے سلسلۂ عمل میں کیا رول ادا کرتا ہے۔

۲۔ عمل ۔ علم کے سلسلۂ عمل کا نقطۂ آغاز اور اسکی بنیاد

عمل، قدرت اور سماج کو بدلنے میں انسانوں کے فعّال کام کا نام ہے۔ عمل کی بنیاد محنت، مادّی پیداوار ہے۔ عمل میں زندگی کا سیاسی پہلو، طبقاتی جدوجہد، قومی تحریک آزادی اور سائنسی تجربہ و تجربات بھی شامل ہوتے ہیں۔ عمل اپنے کردار کے لحاظ سے سماجی ہوتا ہے۔ یہ محض الگ تھلگ افراد کی سرگرمی نہیں ہوتا، بلکہ تمام محنت کش عوام کی، مادّی دولت کے پیدا کرنے والوں کی سرگرمی ہوتا ہے۔

عمل کے دوران انسان قدرت میں موجود اشیا کو نہ صرف تبدیل کرتا ہے بلکہ ایسی اشیا تخلیق بھی کرتا ہے جو قدرت میں بنی بنائی تیار نہیں ملتیں۔ انسان ایسی بہت سی مصنوعی مادّی اشیا بناتا ہے جو اپنی پائیداری، حُسن اور افادیت کے اعتبار سے قدرت کی ہر چیز سے افضل ہوتی ہیں۔

عمل، علم کا نقطۂ آغاز اور اس کی بنیاد ہے۔

سب سے پہلے تو علم خود عمل پر مبنی ہوتا ہے، کیونکہ اس کا آغاز بشتر مادّی پیداوار میں ہی ہوتا ہے۔ اپنے وجود کے اوّلین قدم اُٹھانے کے ساتھ ہی انسان کو اپنی روزی کے حصول کے لئے کام کرنا پڑا۔ کام کے سلسلۂ عمل کے دوران اس کا مقابلہ قدرت کی قوتوں سے ہوا اور وہ آہستہ آہستہ انھیں سمجھنے لگا۔ پیداوار کی مزید ترقی نئے علم کی متقاضی تھی۔ ابتدائی ترین ادوار میں بھی انسان زمین کے خطوں کو "ناپنے" اوزاروں کی تعداد کا شمار کرنے اور اپنی مصنوعات کو گننے کی ضرورت سے دوچار تھا۔ اسکے نتیجے میں ریاضی کے اوّلین مبادیات نے جنم لیا۔ انسان نے مکانات بنائے، پُل، سڑکیں، آبپاشی کے نظام اور دیگر عمارتیں بنائیں جو میکانیات کے علم کی متقاضی تھیں۔ اِس طرح، عملی ضروریات کے زیرِ اثر انسان کی آگاہی کی صلاحیتیں بتدریج فروغ پاتی گئیں اور انھوں نے سائنس کو جنم دیا۔ سماجی سائنسوں (علوم) کی پیدائش کے پیچھے بھی عمل کارفرما تھا۔ جیساکہ ہم جانتے ہیں، خود مارکسزم کی بنیاد بھی پرولتاریہ کی انقلابی جدوجہد میں تھی۔

عمل علم کو خاص فریضے سونپتا ہے اور اُنکی تکمیل میں سہولت بہم پہنچاتا ہے اور اس طرح علم کو آگے بڑھاتا ہے۔ مثلاً سوویت یونین میں اجتماعی اور ریاستی فارموں کی عملی سرگرمیوں نے علمِ حیاتیات کیلئے ایک اہم فریضہ متعین کیا:

پودوں کی نئی زیادہ فصل دینے والی اقسام اور مویشیوں کی اچھی نسلوں کو وجود میں لانے کے طریقوں اور سلسلوں کی دریافت کا ذریعہ۔ سوویت ماہرینِ حیاتیات اس ذریعے سے کامیابی کے ساتھ محنت رہے ہیں اور انھوں نے پودوں اور جانوروں کی بیش قیمت نسلیں پیدا کی ہیں انھیں اجتماعی اور ریاستی فارموں میں بڑے پیمانے پر استعمال کیا جا رہا ہے۔

اور آخری بات یہ کہ عمل، سائنسی آگاہی کے لئے آلات و اوزار مہیا کرتا ہے اور اس طرح علم کی ترقی میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ انتہائی طاقتور ایکسیلیریٹروں اور دیگر جدید پیچیدہ سائنسی آلات اور تنصیبات کے بغیر جو صنعت کے پیدا کردہ ہیں سائنسداں ہیئی مرکزے کے اسرار کا انکشاف نہیں کر سکتے تھے۔ آج ہم الیکٹرونک خوردبین، خلائی راکٹوں اور علم کے دیگر بہت سے سادہ اور پیچیدہ آلات کے بغیر سائنس کا تصور نہیں کر سکتے۔ یہ تمام آلات و اوزار فی الحقیقت، انسانوں کی مادی، عملی سرگرمیوں کی پیداوار ہیں۔

عمل صرف علم کی بنیاد ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ علم کا مقصد بھی ہے۔ انسان اپنے گردوپیش کی دنیا کا مطالعہ کرتا ہے اور اسکے نشو ونما کے قوانین سے واقف ہوتا ہے تو اس لئے کہ علم کے نتائج سے اپنی عملی سرگرمیوں میں استفادہ کرے۔ یہ سچ ہے کہ ان نتائج کا اطلاق ہمیشہ فوری طور پر نہیں ہو جاتا۔ مثلاً ایٹم کے انتشار کی دریافت پچاس سال سے زیادہ عرصہ پہلے عمل میں آئی تھی۔ لیکن انسان ابھی حال ہی میں یہ جان سکا ہے کہ ہیئی توانائی کو عملی مقاصد کے لئے کس طرح استعمال کیا جائے۔ اور اگرچہ بسا اوقات بعض سائنسی دریافتوں کو کافی برسوں کے بعد استعمال میں لایا جاتا ہے، لیکن زندگی کے تقاضے ہی ان دریافتوں کو وجود میں لاتے ہیں۔

نظریئے اور عمل کی وحدت: آگاہی انسانی سرگرمیوں کی شکلوں میں سے ایک شکل ہے۔ ذہنی سرگرمی ہے لیکن نظریہ بذاتِ خود صداقت کو تبدیل نہیں کر سکتا اور یہی چیز اسے عمل سے الگ کرتی ہے۔ نظریہ حقیقی دنیا کی عکاسی کرتا ہے، نوعِ انسانی کی عملی سرگرمی کو سمیٹتا ہے۔ لیکن عمل کو سمیٹتے ہوئے نظریہ اس پر اپنی طرف سے بھی اثر ڈالتا ہے۔ اسکے فروغ میں حصہ لیتا ہے۔ عمل کے بغیر نظریہ بے معنی اور نظریئے کے بغیر عمل اندھا ہوتا ہے۔ نظریہ راستہ دکھاتا ہے عملی مقاصد کے حصول کے لئے کارگر ترین وسائل کی تلاش میں مدد دیتا ہے۔

مثال کے طور پر قدرتی سائنس کو لیجئے۔ اس نے عمل کی بنیاد پر، پیداوار میں انسانوں کے تجربے کو سمیٹنے کے نتیجے کے طور پر فروغ پایا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ پیداوار میں بیش قیمت مدد بھی بہم پہنچاتی ہے۔ یہ پیداوار کے نئے طریقہ ہائے کار کی دریافت میں، اعلیٰ کارگر مشینوں و آلات و اوزار کی تخلیق میں مصنوعی مال اور دیگر قسم

کے مال کی تیاری وغیرہ میں مدد دیتی ہے۔

مارکسی۔لینینی نظریہ سماج کی ترقی کے لئے بےحد اہم ہے۔ یہ نظریہ جو صداقت کا صحیح اور گہرا انعکاس اور پرولتاریہ کی انقلابی جدوجہد کی تعمیم ہے، سوشلزم اور کمیونزم کے لئے پرولتاریہ کی جدوجہد میں رہنما کا کام دیتا ہے۔ جو چیز مارکسزم۔لینن ازم کو مضبوط بناتی ہے وہ یہ ہے کہ سچا علم (جو) ہے اور نشوونما کے قوانین کا انکشاف کرکے یہ ہمیں اس قابل بناتا ہے کہ ہم نہ صرف آج صحیح عمل کرسکیں، بلکہ مستقبل کی پیشینگوئی کرسکیں اور کئی سال پہلے سے عملی سرگرمیوں کی سائنسی انداز میں منصوبہ بندی کرسکیں۔

نظریئے اور عمل کی وحدت مارکسزم۔لینن ازم کا سب سے بڑا اصول ہے۔ اس اصول نے اس وقت خاص طور پر زیادہ اہمیت اختیار کرلی ہے جبکہ مارکسی۔لینینی نظریہ کمیونسٹ تعمیر کے عمل کے ساتھ ضم ہوگیا ہے، جبکہ کمیونسٹ تعمیر کے عملی فریضوں کی تکمیل بیک وقت عظیم نظری مسائل کے حل کی بھی نمائندگی کرتی ہے۔

نظریئے اور عمل کی وحدت کا اصول سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کی سرگرمیوں میں مکمل ترین طور پر تجسیم پاتا ہے۔ پارٹی اپنے تمام کاموں میں مارکسی۔لینینی نظریئے سے رہنمائی حاصل کرتی ہے اسکے ساتھ ہی ساتھ پارٹی عمل کے نئے تقاضوں کی بنیاد پر اس نظریئے کو مسلسل فروغ دے رہی ہے۔

سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کا پروگرام نظریئے اور عمل کی نامیاتی وحدت کا ایک نمونہ ہے۔ اس پروگرام میں پیش کئے جانیوالے بنیادی نظریاتی نقطے سوشلسٹ اور کمیونسٹ تعمیر کے عملی تجربے کی تعمیم کا نتیجہ ہیں جبکہ عملی اقدامات مارکسزم۔لینن ازم کے نظریئے کو تخلیقی طور پر فروغ دیتے ہیں۔ سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کا پروگرام یہ ثابت کرتا ہے کہ سوشلزم اور کمیونزم کی تعمیر کا سلسلۂ عمل ایک ہی وقت میں عوام کے عملی تجربے کی بنیاد پر مارکسی۔لینینی نظریئے کو متمول بنانے کا سلسلۂ عمل بھی ہے۔

۲۔ ادراکِ صحیحہ سے مجرد خیال تک

علم ساکت و جامد نہیں ہوتا، بلکہ یہ مسلسل حرکت کرتا اور فروغ پاتا رہتا ہے۔ علم کے اس فروغ کا اظہار براہ راست ادراک صحیحہ سے مجرد خیال کی جانب اسکی حرکت میں ہوتا ہے۔ لینن نے لکھا: "ادراک صحیحہ سے مجرد خیال کی جانب اور یہاں سے عمل کی جانب، یہ ہے سچائی سے آگاہی کا جدلیاتی راستہ۔"

حسی علم: علم ہمیشہ ہمارے اعضائے حسی کی مدد سے بیرونی دنیا کی اشیا کے مطالعے سے شروع ہوتا ہے۔

یہ بات ہم اپنے روزمرہ کے تجربات سے جانتے ہیں۔ اگر ہم کسی نامانوس شے کا مطالعہ کرنا چاہیں تو ہم سب سے پہلے اس کا بغور جائزہ لیتے ہیں، اور اگر ضرورت ہو تو اسے اپنی انگلیوں سے چھوتے ہیں، اسے چکھتے ہیں وغیرہ۔ چیزوں کا براہ راست ادراک علم کی راہ پر ابتدائی مرحلہ، پہلا قدم ہوتا ہے۔ انسان اپنی عملی سرگرمی کے دوران قدرتی اشیا اور مظاہر سے دوچار ہو کر اپنے اعضائے حسی کے ذریعہ اُن کے بارے میں اوّلین تاثرات قائم کرتا ہے۔ اعضائے حسی ایک قسم کا دروازہ ہیں جن کے ذریعہ بیرونی دنیا انسان کے دماغ میں "داخل" ہوتی ہے۔

حس، حسی علم کی خاص شکل ہے۔ حس ایک شے کے منفرد خواص، خصوصیات یا پہلوؤں کا انعکاس ہے۔ اشیا گرم بھی ہو سکتی ہیں اور سرد بھی، وہ گہری بھی ہو سکتی ہیں اور ہلکی بھی، چکنی بھی ہو سکتی اور کھردری بھی — یہ تمام خواص اور دیگر بہت سے خواص ہمارے اعضائے حسی پر عمل کرتے ہوئے بعض حسوں کو اُبھارتے ہیں۔

انسان کا جسم حسوں کی تشکیل کے لئے ضروری عضویاتی نظام کا حامل ہوتا ہے۔ اس نظام میں سب سے پہلے تو اعضائے حسی شامل ہوتے ہیں۔ دوسرے اس میں وہ اعصابی ریشے شامل ہوتے ہیں جن سے گزر کر برانگیختگی دماغ کے متعلقہ حصوں میں اس طرح پہنچتی ہے جس طرح تاروں میں سے بجلی گزرتی ہے، اور تیسرے اس میں دماغ کے وہ حصے شامل ہوتے ہیں جہاں برانگیختگی متعلقہ حس میں بدل جاتی ہے۔ انسان کے کان میں کسی آواز سے پیدا ہونے والی برانگیختگی آواز کی حس میں بدل جاتی ہے جبکہ آنکھ پر روشنی کا عمل روشنی کی حس میں بدل جاتا ہے، وغیرہ۔

آگاہی کے سلسلۂ عمل میں جو چیز حسوں کو بہت ہی زیادہ اہم بناتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ مواد فراہم کر کے ہمیں کسی شے کو جانچنے کا اہل بناتی ہیں۔ اس کے بعد کا علم کا سارا سلسلۂ عمل اشیا کے بارے میں انھیں معلومات پر مبنی ہوتا ہے جو حسیں ہمیں ہم پہنچاتی ہیں۔

لینن نے حس کو معروضی دنیا کی موضوعی شبیہ قرار دیا۔

معروضی طور پر موجود اشیا کا انعکاس ہونے کے باوجود حس انسانی دماغ میں اُن کا میکانکی نقش نہیں ہوتی بلکہ ایک مثالی (عینی) شبیہ ہوتی ہے۔ یہ شبیہ موضوعی ہوتی ہے کیونکہ اس کا تعلق بیرونی دنیا سے نہیں بلکہ انسان (موضوع) سے اور نوع انسانی سے ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حسوں کی فطرت انسانی نفسیات کے خصوصی قوانین سے، فرد کی ذاتی خصوصیات سے، اور سب سے بڑھ کر ان سماجی حالات [illegible] جی ماحول سے جن سے اس فرد کا تعلق ہے لازماً متاثر ہوتی ہے۔

حسوں کی موضوعی فطرت کا ایک اظہار یہ حقیقت ہے کہ مختلف لوگ ایک ہی بیرونی اثر کا مختلف انداز میں ادراک کرتے ہیں۔ ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں: تقریباً ایک ہی جیسی ذہنی سطح رکھنے والے دو دوست ایک سمفونی سنتے ہیں۔ ان میں سے ایک کا ذوقِ موسیقی زیادہ ترقی یافتہ ہے اور اس لئے آرکسٹرا کے لئے آوازوں کا ایک ایسا حسین امتزاج ہے جو اسکے دماغ میں متنوع شبیہیں پیدا کرتا ہے، اس میں بہت سے جذبات ابھارتا ہے۔ دوسرے دوست کا ذوقِ موسیقی اتنا زیادہ بلند نہیں اور آوازیں اُسے بطورِ خاص متاثر نہیں کرتیں اس میں ان جذبات کے ایک چھوٹے سے حصے کو بھی نہیں اُبھارتیں جن کا تجربہ اسکے دوست کو ہوا تھا۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ دو نارمل انسان ایک ہی جیسے بیرونی اثرات کا مختلف انداز میں ادراک کرتے ہیں۔

کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اعضائے حسی ہمیں دنیا کی صحیح تصویر نہیں عطا کرتے؟ اِس قسم کا نقطۂ نظر عینیت پسندانہ فلسفے میں موجود ہے۔ اس بات کو جان کر کہ مختلف انسان ایک ہی صداقت کا مختلف انداز میں ادراک کرتے ہیں، عینیت پسند لاادری یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ دنیا موضوع کی حسوں کے بعض امتزاجات پر مبنی ہے، یہ کہ جتنے انسان ہیں اتنی ہی دُنیائیں ہیں۔ یہ غلط ہے۔ فی الاصل ہمارے اعضائے حسی ہمیں دھوکہ نہیں دیتے۔ اگر ایک عضوِ حسی کے اشارے شک و شبہ پیدا کرتے ہیں تو ہم دوسرے اعضائے حسی سے رجوع کرتے ہیں۔ اگر ایک شخص کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا تو وہ اپنی انگلیوں کے استعمال کا سہارا لیتا ہے اور اگر بالآخر یہ بھی کافی نہ ہو تو انسان آلات و اوزار کا، عملی تجربوں کا سہارا لیتا ہے۔ چنانچہ اعضائے حسی ایک دوسرے کے ذریعے جانچے جانے کے بعد دوسرے لوگوں کی حسوں کے ذریعے جانچے جانے کے بعد، تجربے اور عمل کے ذریعے جانچے جانے کے بعد ہمیں ان چیزوں کی بحیثیتِ مجموعی ایک بالکل صحیح تصویر عطا کرتے ہیں جو ہماری دسترس میں ہیں۔

حسی علم حسوں کے علاوہ ادراکات اور خیالات پر بھی مشتمل ہوتا ہے۔ ادراک حسی علم کی ایک اعلیٰ تر شکل ہے جو ایک شے کا اسکی حسی، براہ راست کلیت میں انعکاس کرتا ہے، اسکے بیرونی پہلوؤں اور امتیازی خصوصیات کے مجموعے کا انعکاس کرتا ہے۔ خیال انسان کے دماغ میں پچھلے ادراکات کی تولید (ری پروڈکشن) ہے مثلاً ہم اپنے ذہن میں یہ تولید قائم کر سکتے ہیں، یہ سوچ سکتے ہیں کہ ہمارا ایک پرانا اسکول کا ساتھی کیسا لگتا ہے، باوجودیکہ ہم نے اُسے برسوں سے نہ دیکھا ہو۔

منطقی علم: ہمارے اعضائے حسی کی پیش کردہ تصویر غیر معمولی طور پر متنوع اور رنگارنگ ہوتی ہے تاہم یہ محدود ہوتی ہے اور سطحی بھی۔ حسی علم ہمیں اشیا کے بیرونی پہلوؤں کی ایک تصویر عطا کرتا ہے۔ مثلاً اعضائے حسی

کی مدد سے بجلی کے ایک بلب کا ادراک کرنا ممکن ہے، لیکن یہ سمجھنا ممکن نہیں کہ بجلی الیکٹرونوں کا ایک دھارا ہے جو ایک خاص رفتار سے حرکت کر رہے ہیں، اور نہ ہی اعضائے حسی کی مدد سے روشنی کی زبردست رفتار کا، ہم میں بند ذرات کی حرکت کا اور قدرت اور سماجی زندگی کے بہت سے پیچیدہ مظاہر کا ادراک کرنا ممکن ہے۔

مختصر یہ کہ حسی علم چیزوں کی اندرونی فطرت کا، اُن کی ماہیت کا اور انکے نشوونما کے قوانین کا انکشاف نہیں کرسکتا جبکہ علم کا مقصد یہی ہے۔ صرف قوانین کا علم، چیزوں کی ماہیت کا علم ہی انسان کی عملی سرگرمیوں میں اسکی رہنمائی کرسکتا ہے اور یہی وہ جگہ ہے جہاں تجریدی خیال یا جسے منطقی خیال بھی کہتے ہیں۔ انسان کی مدد کو آتا ہے منطقی آگاہی علم کے فروغ کا کیفیتی لحاظ سے ایک نیا اور اعلیٰ تر مرحلہ ہوتا ہے۔ اس کا رول یہ ہوتا ہے کہ ایک شے کے اصل خواص اور خصوصیات کا انکشاف کرے۔ منطقی خیال کے مرحلے پر ہی انسان صداقت کے نشوونما کے قوانین کا علم حاصل کرتا ہے۔ جو اسکی عملی سرگرمی کے لئے بیحد ضروری ہے۔

تصور منطقی خیال کی اصل شکل ہے۔ تصور اشیا کے تمام پہلوؤں کا انعکاس نہیں کرتا، بلکہ صرف اس چیز کا انعکاس کرتا ہے جو بنیادی اور عمومی ہے۔ یہ ثانوی خصوصیات کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ مثلاً "انسان" کے تصور کو لیجئے۔ اس تصور میں انسان کی تمام خصوصیات کا انعکاس نہیں ہوتا۔ اس میں انسان کی قومیت کے بارے میں، اس کی عمر، اس کی جائے رہائش اور اسکے زندہ رہنے کے زمانے کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ہے۔ اس تصور میں محض وہ چیز مقرر ہے جو عمومی اور بنیادی ہے، جو ہر انسان میں خلقتاً پائی جاتی ہے۔ یعنی کام کرنے اور مادی دولت پیدا کرنے اور سوچنے کی صلاحیت۔ اسی طرح "درخت"، "جانور"، "طبقہ" اور "پیداوار" وغیرہ جیسے تصورات محض ان چیزوں کا احاطہ کرتے ہیں جو عمومی اور بنیادی ہیں۔

عملی سرگرمی تصورات کے آغاز کی بنیاد ہے۔ مثلث، مربع، دائرہ، جیومیٹری کی دیگر اشکال کے تصورات قائم کرنے سے پہلے انسان کا اپنی عملی سرگرمیوں کے دوران معروضی طور پر موجود بے شمار مثلث نما، مربع نما اور دیگر اشیا سے دوچار ہونا ضروری تھا۔

حسی علم کی معلومات کو سمیٹنے اور ان کی چھان بین کرنے والی دماغی سرگرمی کی بنیاد عملی سرگرمی پر ہوتی ہے۔ جب انسان مادی دنیا کی اشیا پر عمل کرتا ہے تو وہ ان کا آپس میں مقابلہ کرتا ہے۔ ہر اس چیز کو پس پشت ڈالتے ہوئے جو اتفاقی اور ثانوی ہے، وہ اس چیز کو الگ کرتا ہے جو بنیادی اور سب میں مشترک ہے۔ مادی پیداوار کے سلسلۂ عمل کے لئے اسکی معروضی اہمیت کا اور انسان کی زندگی اور اسکے کام میں اس کے

مقام کا پتہ چلاتا ہے۔ مسلسل تعمیری مساعی کے سلسلۂ عمل کے دوران اور قدرت سے اپنے مقاصد کے لئے کام لینے کی کوششوں کے نتیجے میں ہی "برقی قوت"، "ایٹمی توانائی"، "خودکاری" جیسے تصورات اور دیگر بہت سے سائنسی تصورات نے جنم لیا جن سے آج کا انسان واقف ہے۔

تصورات کی تشکیل میں تجزیہ اور تصریف جیسے منطقی طریقہائے کار بہت اہم ہیں۔ تجزیہ کسی شے یا مظہر کی اسکے ترکیبی عناصر یا پہلوؤں میں اس غرض سے ذہنی تقسیم ہے تاکہ مظہر میں اُن کی اہمیت کو سمجھا جاسکے اور ان عناصر یا پہلوؤں کا انتخاب کیا جاسکے جو بنیادی ہیں۔ تصریف کسی مظہر کے اجزا یا پہلوؤں کو ملا دینے کا نام ہے۔ اس سے مظہر کو اس کی کلیت میں، اس کی تمام خصوصیات اور خواص کی وحدت میں سمجھنا ممکن ہو جاتا ہے۔

تجزیہ اور تصریف کو علم میں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ کارل مارکس نے اپنی کتاب "سرمایہ" میں سرمایہ دارانہ طرزِ پیداوار کی تحقیق کرتے ہوئے پہلے اُسے ذہنی طور پر مختلف حصوں (پیداوار، تقسیم وغیرہ) میں تقسیم کیا اور ہر حصے کا الگ الگ مطالعہ کیا۔ اسکے بعد مطالعہ شدہ حصوں کو ملاتے ہوئے انہوں نے مجموعی طور پر سرمایہ داری کا علم حاصل کیا۔

پہلی نظر میں یہ محسوس ہو سکتا ہے کہ تصورات یا مجردات براہِ راست ادراکاتِ حسی سے کمتر ہوتے ہیں۔ لیکن سادہ ترین تصور بھی قدرت کا زیادہ گہرائی کے ساتھ، زیادہ مکمل طور پر اور زیادہ سچائی کے ساتھ انعکاس کرتا ہے کیونکہ یہ صداقت کے ان اندرونی پہلوؤں کا انعکاس کرتا ہے جو براہِ راست حسی آگاہی کی دسترس میں نہیں ہیں۔ تصور قدرت کا زیادہ مکمل طور پر انعکاس کرتا ہے کیونکہ یہ صرف ایک شے یا اشیا کے ایک چھوٹے سے مجموعے پر محیط نہیں ہوتا بلکہ اُن کی لامحدود وسعت کا احاطہ کرتا ہے۔

حسی سے مجرد میں منتقلی علم کے سلسلۂ عمل میں، ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف علم کی حرکت میں، ایک جدلیاتی چھلانگ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ ایک چھلانگ ہے، کیونکہ انسان کی عقل مظاہر کے ادراک سے جو ظاہری اور سطحی ہوتے ہیں، اُن کی ماہیت، ان کی اندرونی فطرت کے انکشاف کی جانب منتقل ہوتی ہے۔ یہ چھلانگ عمل کے ذریعہ لگائی جاتی ہے۔ صرف انسانوں کی عملی سرگرمی ہی جس کا مقصد دنیا کی اشیا اور مظاہر کو بدلنا ہو، ان اشیا اور مظاہر کی ماہیت کا پتہ لگانے کو، اہم اور ثانوی کے درمیان، اندرونی اور بیرونی کے درمیان فرق کرنے کو ممکن بناتی ہے۔ عملی سرگرمی کے فروغ کا درجہ جتنا زیادہ بلند ہوگا، اسکی تبدیل کن قوت جتنی زیادہ مضبوط ہوگی، اتنا ہی انسان کا علم زیادہ گہرا اور زیادہ متنوع ہوگا۔

تصورات چونکہ بدلتی ہوئی دنیا کا، مسلسل فروغ پاتے ہوئے عمل کا انعکاس کرتے ہیں، چنانچہ اُن کا خود کا بھی لچک دار اور حرکت پذیر ہونا ضروری ہے۔ تصورات کی لچک اور حرکت پذیری کا اظہار موجود تصورات کے مزید وسیع اور گہرا ہو جانے میں نیز ایسے نئے تصورات کی تشکیل میں ہوتا ہے جو تبدیل شدہ معروضی حالات کے تبدیل شدہ عمل کے مطابق ہوں۔ خیال کی دوسری شکلیں، حکم اور نتیجہ، تصورات کی بنیاد پر تشکیل پاتی ہیں۔

"حکم" خیال کی وہ شکل ہے جس میں کسی امر کا ادعا کیا جاتا ہے (مثلاً "سوشلزم کا مطلب ہے امن") یا کسی امر سے انکار کیا جاتا ہے (مثلاً "مارکسزم ایک عقیدہ نہیں ہے")۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں، حکم قطعی تصورات پر مشتمل ہوتا ہے۔ اوپر دیئے گئے احکام میں یہ تصورات "سوشلزم"، "امن"، "مارکسزم" اور "عقیدہ" ہیں۔ اسی کے ساتھ ان تصورات کو دوسرے احکام مثلاً "سوشلزم عوامی ملکیت پر مبنی ایک سماجی نظام ہے" وغیرہ کے بغیر سمجھنا ناممکن ہے۔ چنانچہ تصورات و احکام باہم مربوط ہوتے ہیں۔ احکام بھی باہم مربوط ہوتے ہیں۔ اُن کا ربط منطقی خیال کی ایک خصوصی شکل کی تشکیل کرتا ہے جسے "نتیجہ" کہتے ہیں۔ نتیجہ ایک نیا حکم ہوتا ہے جو بچھے احکام کی بنیاد پر حاصل ہوتا ہے۔ موجود علم سے حاصل شدہ نتائج کی بنیاد پر ہم نیا علم حاصل کر سکتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ آگاہی کے عمل میں نتائج کی اتنی زیادہ اہمیت ہے۔

فرضیہ اور نظریہ جیسی علم کی اعلیٰ شکلیں تصورات، احکام اور نتائج کے ایک پیچیدہ امتزاج کی نمائندگی کرتی ہیں۔ فرضیہ مظاہر، واقعات اور قوانین کے بارے میں ایک مفروضہ کو کہتے ہیں۔ زمین پر زندگی کے آغاز یا نظام شمسی کے آغاز سے متعلق مفروضات فرضیوں کی مثالیں ہیں۔ سائنسی نظریات بعض خاص سلسلہ ہائے علم یا سرگرمیوں کے دائروں کے گہرے، ہمہ گیر علم کی تجسیم ہوتے ہیں۔ اس قسم کا علم تجربے اور عمل کی آزمائش سے گزرا ہوا ہوتا ہے۔ ایٹمی مرکزے کا جدید نظریہ اور طبعیات میں نظریۂ اضافیت سائنسی نظریات ہیں۔ تاریخی مادیت سماج کے نشوونما کا سائنسی نظریہ ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ علم اپنے جدلیاتی نشوونما میں سادہ ترین حسوں سے لیکر پیچیدہ سائنسی نظریات تک، ایک طویل راستہ طے کرتا ہے۔

علم میں حسی اور منطقی کی وحدت: حسی علم اور مجرد خیال ایک وحدت کی نمائندگی کرتے ہیں۔ وہ ایک ہی مادی دنیا کا انعکاس کرتے ہیں اور اُن کی ایک مشترکہ بنیاد ہوتی ہے، یعنی انسان کی عملی سرگرمی۔ علم عضویات کی رُو سے وہ انسان کے اعصابی نظام سے مربوط ہوتے ہیں۔

مجرد خیال حسی علم کے بغیر ناممکن ہے کیونکہ اعضائے حسی کی فراہم کردہ معلومات ہی وہ کُل مواد ہوتی ہیں جن سے تصورات تشکیل پاتے ہیں۔ خیال میں کوئی چیز ایسی نہیں ہو سکتی جو انسان کو اپنے اعضائے حسی کے ذریعے ذہنی ہو لیکن حسوں کی بنیاد پر وجود پا کر مجرد خیال حسی علم سے زیادہ گہرا ہو جاتا ہے، وہ حسی علم میں اضافہ کرتا ہے اور اس کی حدود میں توسیع کرتا ہے۔ حسی تاثرات عقل کی روشنی سے منور ہو کر ایک نیا مافیہ حاصل کر لیتے ہیں۔ مثلاً ایک جدید بجلی گھر کے کنٹرول پینل کو لیجیے۔ ایک انجینئر اس کا ادراک کرتا ہے اور اسی کنٹرول پینل کا ادراک ایک ایسا شخص بھی کرتا ہے جس نے پہلی بار اسے دیکھا ہے۔ نئے آدمی کے لیے یہ آلات کوئی معنی نہیں رکھتے لیکن ایک ماہر انجینئر انہیں آلات کو دیکھ کر یہ بات پوری طرح سمجھ لیتا ہے کہ پلانٹ کی مشینری میں کیا ہو رہا ہے۔

چونکہ حسی اور منطقی صورتیں عمل کرتی ہیں۔ ایک دوسرے کا تتمہ ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کو زرخیز بناتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ آگاہی کے سلسلۂ عمل کے دوران نہ تو حسوں کے شاندار رول کو نظر انداز کیا جائے اور نہ ہی عقل کے نتائج کو۔ تاہم فلسفے کی تاریخ میں ایسے رجحانات موجود رہے ہیں جنہوں نے علم کے سلسلۂ عمل کو یک طرفہ انداز میں سمجھا ہے۔

تجربیت کے حامی مجرد خیال کے رول کو گھٹاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ صرف حسی تاثرات ہی انسان کو دنیا کی صحیح تصویر دیتے ہیں۔ چونکہ تصورات کا ادراک حواس کے ذریعہ نہیں ہو سکتا، اس لیے تجربیت پسند یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ فی الحقیقت کوئی چیز تصورات کے مطابق نہیں ہوتی، تصورات انسان کے تخیل کی پیداوار ہوتے ہیں۔

اس کے برخلاف عقلیت کے حامی اعضائے حسی پر یقین نہیں رکھتے اور عقل یا مجرد خیال کو ہی سچے علم کا واحد منبع گردانتے ہیں۔ عقلیت پسند حسی علم کے رول کو گھٹاتے ہیں اور یہ فرض کرتے ہیں کہ انسان دنیا سے وجدانی طور پر کسی تجربے کے بغیر آگاہ ہونے کا اہل ہے۔ خیال کی متعدد شکلوں کو حسوں اور ادراکات سے الگ کرتے ہوئے عقلیت پسند بالآخر عینیت میں جا پہنچتے ہیں۔

چنانچہ منطقی علم کو حسی علم سے ہرگز الگ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس کا لازمی نتیجہ آگاہی کے سلسلۂ عمل کے مسخ ہو جانے اور خیال کے صداقت سے الگ ہو جانے کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ عینیت کے تمام رجحانات کی یہی خصوصیت ہے۔ یک طرفہ مبالغہ اور علم کا صرف ایک پہلو جو علم کو مطلق قرار دیتا اور صداقت سے الگ کرتا ہے، وہ چیز ہے جو عینیت کی علمیاتی جڑوں کی تشکیل کرتی ہے اور اس کی

صراحت کی تشریح کرتا ہے۔ عینیت کی علمیاتی جڑیں خود علم کے سلسلۂ عمل کے اندر موجود ہوتی ہیں اور جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، یہ سلسلۂ عمل غیر معمولی طور پر پیچیدہ اور متضاد ہوتا ہے۔

عمومیت اس امر کا امکان ہوتا ہے کہ خیال اس شے سے جس سے آگاہی حاصل کی جا چکی ہے، صداقت سے منحرف کر کے یا علاحدہ ہو جائے۔ اس انحراف کو ان سادہ ترین تصورات میں دیکھا جا سکتا ہے جنھیں انسان مسلسل استعمال کرتا ہے۔ مثلاً "ایک مکان بہ حیثیت عمومی"، "ایک میز بحیثیت عمومی"۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو کوئی مکان عمومی ہوتا ہے اور نہ کوئی میز عمومی ہوتی ہے، بلکہ صرف معینہ میزیں اور معینہ مکانات ہی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں، "مکان" اور "میز" کے تصورات صرف ان عمومی بنیادی خصوصیات کو الگ کر کے پیش کرتے ہیں جو تمام مکانوں، تمام میزوں میں پائی جاتی ہیں۔ جس لمحے ہم اس بات کو فراموش کر دیں کہ تصورات کا منبع حقیقی اشیا میں ہوتا ہے اور تصورات کو صداقت سے الگ کر دیں، اسی لمحے ہم یہ تصور کر سکتے ہیں کہ یہ تصورات، خود بخود، کسی شے کے بغیر، پیدا ہو گئے ہیں اور وجود رکھتے ہیں۔ یہ عینیت ہے۔

چنانچہ اس طرح معروضی عینیت وجود میں آئی۔ اس کے حامیوں کا کہنا ہے کہ تصور شے کے بغیر وجود رکھتا ہے، نہ صرف وجود رکھتا ہے بلکہ یہ اس شے کی "تخلیق بھی کرتا ہے"۔ دوسری طرف موضوعی عینیت پسند حسوں کو ہمارے علم کا براہ راست منبع قرار دیتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ جو چیز موجود ہے وہ محض یہ حسیں ہی ہیں، اور وہ اشیا اور مظاہر کو حسوں کا مجموعہ گردانتے ہیں۔

چنانچہ مستقیم شکلی اور یک طرفگی، موضوعیت اور موضوعی اندھاپن عینیت کی علمیاتی جڑیں ہیں۔

تاہم اس امر کو ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ علمیاتی جڑیں عینیت کے وجود کے لیے صرف ضروری حالات کی، امکان کی تخلیق کرتی ہیں اور یہ کہ خاص سماجی قوتیں اس امکان کو صداقت میں بدل دیتی ہیں۔ یہ قوتیں رجعت پرست جماعتیں ہیں، جن کے طبقاتی مفادات علم کی جانب موضوعی، یک طرفہ رویے کو، خیال کی صداقت سے علاحدگی کے رویے کو مستقل بنانے کا سبب بنتے ہیں۔

عینیت کے پہلوؤں میں دماغی اور جسمانی محنت کے درمیان تضاد کا بھی، جو ایک مخاصمانہ طبقاتی سماج میں موجود ہوتا ہے، کافی حصہ ہے اور یہ تضاد انسانوں کے شعور کو ان کی مادی، پیداواری سرگرمی سے ظاہراً آزاد دکھاتا ہے۔ دماغی محنت پر استحصالی طبقات کی اجارہ داری ان طبقات کو ہر ممکنہ طریقے سے عینیت کی تشہیر و حمایت کرنے والی اپنی حکمرانی کو جائز ثابت کرنے اور اسے برقرار رکھنے کی غرض سے عینیت کو مستحکم کرنے کا

موقع فراہم کرتی ہے۔

عینیت نہ صرف علمیاتی جڑوں کی حامل ہوتی ہے، بلکہ یہ طبقاتی جڑوں کی بھی حامل ہوتی ہے جو رجعت پرست طبقات کے معینہ مفادات پر مبنی رہتی ہیں۔

چنانچہ علم حسی سے منطقی صورت عمل کے ذریعے اختیار کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ علم کے نتائج کی توثیق کرنی پڑتی ہے۔ یہ لازمی ضروری ہوتا ہے کہ آیا یہ نتائج سچے ہیں۔ اسکے علاوہ کوئی دوسری صورت نہیں ہوسکتی کیونکہ صرف سچا علم ہی انسانوں کے عملی تقاضوں کو پورا کر سکتا ہے۔

یہ بیان کرنے سے پہلے کہ علم کے نتائج کی آزمائش کس طرح کی جاتی ہے، سچائی تک کس طرح پہنچا جاتا ہے، آئیے ہم یہ دیکھیں کہ سچائی سے مراد کیا ہے۔

۴۔ سچائی کی مارکسی تفہیم

سچائی کی معروضیت: جدلیاتی مادیت سچائی کو کسی شے کا وہ علم سمجھتی ہے جو اس شے کا بالکل صحیح انعکاس کرتا ہے۔ مثلاً یہ سائنسی قضیئے کہ "اجسام ایٹموں پر مشتمل ہوتے ہیں"، "زمین انسان سے پہلے موجود تھی"، "عوام تاریخ کے خالق ہوتے ہیں" وغیرہ سچے ہیں۔

سچائی کا انحصار کس پر ہوتا ہے؟ کیا اس کا انحصار انسان پر ہوتا ہے جسکے دماغ میں یہ سچائی ابھرتی ہے یا اس شے پر ہوتا ہے جس کا یہ انعکاس کرتی ہے؟

عینیت پسند یہ کہتے ہیں کہ سچائی موضوعی ہوتی ہے، یعنی کہ اس کا انحصار انسان پر ہوتا ہے جو حقیقی مو تحال کا لحاظ کئے بغیر اپنے علم کی سچائی کا خود تعین کرتا ہے۔ "انسان تمام چیزوں کا پیمانہ ہے"۔ قدیم زمانے میں یونانی فلسفی پروٹاگورس نے سچائی کی عینیت پسندانہ تعبیر ان الفاظ میں بیان کی تھی۔

عینیت کے برخلاف جدلیاتی مادیت کا یہ کہنا ہے کہ سچائی معروضی ہوتی ہے۔ چونکہ سچائی معروضی طور پر موجود دنیا کا انعکاس کرتی ہے، اس لئے اس کے مافیہ کا انحصار انسانی شعور پر نہیں ہوتا۔ لینن نے لکھا ہے کہ معروضی سچائی ہمارے علم کا مافیہ ہے جس کا انحصار نہ تو انسان پر ہوتا ہے اور نہ نوع انسانی پر۔ سچائی کے مافیہ کا تعین مکمل طور پر ان معروضی سلسلہ ہائے عمل سے ہوتا ہے جن کا یہ انعکاس کرتی ہے۔

مثلاً اس بیان کو لیجئے: "زمین کی شکل ایک دائرہ کی سی ہے"۔ یہ دعوی اس لحاظ سے صحیح ہے کیونکہ

یہ صداقت سے مطابقت رکھتا ہے لیکن کیا زمین کی شکل کا انحصار انسان کے شعور پر ہے؟ ہرگز نہیں۔ زمین انسان سے بہت عرصہ پہلے سے موجود تھی اور اس کی مدور شکل قدرتی قوتوں کی بنائی ہوئی ہے۔ کسی بھی دوسری سچائی کا جائزہ لیتے ہوئے ہم اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں۔

اضافی سے مطلق سچائی تک: سچائی کی معروضیت کو تسلیم کرتے ہوئے جدلیاتی مادیت آگاہی کے ایک اور اہم مسئلہ کو حل کرتی ہے اور وہ یہ کہ انسان معروضی سچائی سے کس طرح آگاہ ہوتا ہے، فوراً، مکمل طور پر، غیر مشروط طور پر، مطلق طور پر یا صرف تقریباً یعنی اضافی طور پر؟ یہ سوال مطلق سچائی کے ساتھ اضافی سچائی کے رشتے سے متعلق ہے۔

مطلق سچائی اور اضافی سچائی کے درمیان فرق کا تعین صداقت کے ساتھ انسانی علم کی مطابقت کے بدلتے ہوئے درجے سے ہوتا ہے۔ کوئی علم تو صداقت سے مکمل مطابقت رکھتا ہے جبکہ کوئی دوسرا علم محض جزوی مطابقت رکھتا ہے۔ مطلق سچائی اپنی کلیت میں معروضی سچائی ہوتی ہے، صداقت کا قطعاً صحیح انعکاس ہوتی ہے۔

کیا مطلق سچائی سے اس کی کلیت میں آگاہی حاصل کی جا سکتی ہے؟ اصولی طور پر ایسا ہو سکتا ہے کیونکہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جسے جانا نہ جا سکے اور انسانی دماغ کی آگاہی کی صلاحیتوں کی کوئی مقررہ حد نہیں ہے۔ لیکن کوئی فرد، یا انسانوں کی کوئی ایک نسل متعلقہ تاریخی حالات اور پیداوار، سائنس اور تجرباتی تکنیکل کی ترقی کی سطح کی مطابقت سے اپنے علم میں محدود ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ کے ہر مرحلے پر انسان کا علم اضافی ہوتا ہے، یہ لازماً اضافی سچائی کا کردار اختیار کرتا ہے۔ اضافی سچائی صداقت کے ساتھ علم کی نامکمل مطابقت ہے۔ لینن نے اس سچائی کو ایک ایسی شے کا جو انسان سے آزاد وجود رکھتی ہے اضافی طور پر سچا انعکاس قرار دیا۔ اس علم کی جو ماہیت میں صداقت سے مطابقت رکھتا ہے، مزید صراحت کرنے، اسے مزید گہرا کرنے اور عمل میں اسکی آزمائش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اگر یہ صورت حال ہے تو پھر شاید مطلق سچائی عمومی طور پر ناقابل حصول ہے؟ مطلق سچائی کو فوراً، اسکی کلیت میں حاصل کر لینا ناممکن ہے۔ اس تک علم کے لامتناہی سلسلۂ عمل میں ہی پہنچا جا سکتا ہے سائنس کی ہر نئی کامیابی کے ساتھ انسان مطلق سچائی سے آگاہ ہونے اور اسکے نئے عناصر، روابط، و پہلوؤں کو جاننے کے قریب تر ہو جاتا ہے۔ علم ترقی کرتا ہے، کیونکہ انسان اضافی سچائی سے آگاہی حاصل کر کے مطلق سچائی سے بھی آگاہ ہوتا ہے:

آیئے ہم ایٹم کے جدید نظریئے کی مثال لیں۔ بہت بڑی حد تک تو یہ نظریہ صداقت سے مطابقت رکھتا ہے لیکن مجموعی طور پر یہ اس کے باوجود بھی اضافی سچائی ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ انسان ایٹم کے بارے میں مکمل طور پر سب کچھ جانتا ہے۔ ایٹم میں اب بھی اتنے بہت سے اسرار پوشیدہ ہیں کہ اُن کا انکشاف کرنے کے لئے سائنسدانوں کی ایک سے زیادہ نسلوں کی مساعی کی ضرورت ہوگی۔ سائنس کو ابھی ایٹم کی تشکیل کرنے والے ابتدائی ذرات کے اندرونی ڈھانچے کے انتہائی پیچیدہ مسئلے کو، اُن کے تغیر اور باہمی تبدیلی کے اسباب کے مسئلہ کو اور دیگر بہت سے مسائل کو حل کرنا ہے۔ اسی کے ساتھ ایٹمی نظریئے میں مطلق سچائی کے مکمل، قطعی طور پر صحیح علم کے شائبے موجود ہیں۔ سائنس نے ایٹم کے وجود کے بارے میں، اسکے مرکزے کے بارے میں جو توانائی کے زبردست محفوظ ذخائر کا حامل ہے اور بہت سے حرکت پذیر اور متغیر ذرات وغیرہ کے بارے میں جو کچھ سیکھا ہے وہ مطلق، غیر عبوری علم ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اضافی سچائی میں بھی مطلق سچائی کے شائبے ہونے ضروری ہیں۔ انسان کا علم مطلق بھی ہوتا ہے اور اضافی بھی، اضافی اس وجہ سے کیونکہ یہ جامع نہیں ہوتا اور اسے لامتناہی طور پر فروغ دیا اور گہرا کیا جا سکتا ہے، صداقت کے نئے سے نئے پہلو دریافت کئے جا سکتے ہیں اور مطلق اس وجہ سے کیونکہ اس میں دائمی، مطلق صحیح علم کے عناصر شامل ہوتے ہیں۔

انسان نے صداقت کے انفرادی پہلوؤں کے بارے میں بہت سی ایسی باتیں معلوم کر لی ہیں جو غیر عبوری، مطلق کردار کی حامل ہیں۔ مثلاً مارکسی فلسفے کے یہ قضیئے کہ "مادہ کو اوّلیت حاصل ہے اور شعور ثانوی ہے"، "شعور دماغ کا ایک خاصہ ہے" اور قدرتی اور سماجی سائنسوں کے دیگر قوانین اور نتائج مطلق کردار کے حامل ہیں۔ مارکسی لیننی نظریئے کے بنیادی دعوے جن کی صحت کی تصدیق عمل نے کر دی ہے، مطلق سچائی ہیں۔ اگرچہ مارکسی لیننی نظریہ مسلسل فروغ پا رہا ہے، لیکن اسکے بنیادی اصولوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

لینن نے لکھا: "انسانی فکر اپنی فطرت کے اعتبار سے مطلق سچائی دینے کی اہل ہوتی ہے اور دیتی ہے جو اضافی سچائیوں کے ایک مجموعے سے مرکب ہوتی ہے۔ سائنس کی ترقی میں ہر قدم مطلق سچائی کے مجموعے میں نئے شائبوں کا اضافہ کرتا ہے، لیکن ہر سائنسی قضیئے کی سچائی کی حدود اضافی ہوتی ہیں اور وہ علم کے فروغ کے ساتھ ساتھ گھٹتی بڑھتی رہتی ہیں۔"

انسان ایٹم کی انتہائی اندرونی گہرائیوں میں داخل ہو چکا ہے اور اس نے ایٹم کی زبردست اور صحیح

معنوں میں کبھی نہ ختم ہونے والی قوتوں کو اپنی خدمت پر مامور کر لیا ہے۔ مسخر شدہ ایٹم بجلی پیدا کرتا ہے، ایٹمی بحری جہازوں کے شافٹ چلاتا ہے، بیماریوں کے علاج میں مدد دیتا ہے اور دیگر بہت سی مفید خدمات انجام دیتا ہے۔

انسان کائنات کی لامحدود پہنائیوں پر اپنی قوت کے دائرہ کو بتدریج پھیلاتا چلا جا رہا ہے۔ اپنی عقل کے ذریعے وہ مادے میں گہرائی اور وسعت کے ساتھ داخل ہو رہا ہے اور بیرونی خلا کے نئے اسرار کا انکشاف کر رہا ہے۔ محض کچھ عرصہ پیشتر ہی یہ سمجھا جاتا تھا کہ بیرونی خلا ایک خالی چیز ہے جسے محض دور دراز ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی نے منور کر رکھا ہے اور اس میں کبھی کبھی شہاب ثاقب داخل ہو جاتے ہیں۔ اب خلائی تحقیق کے نتیجے میں ہم جانتے ہیں کہ زمین چارج شدہ ذرات کی پیٹیوں سے گھری ہوئی ہے۔ فضا کی بالائی تہوں کے بارے میں، اُن کی ترکیب اور کثافت کے بارے میں کائناتی شعاعوں اور خرد شہاب ہائے ثاقب کے بارے میں معلومات حاصل ہو چکی ہیں۔

انسان کا یہ صدیوں پرانا خواب کہ وہ کائنات کی چھان بین کرے، اب حقیقت کی شکل اختیار کر رہا ہے۔ وہ وقت اب دور نہیں ہے جبکہ انسان چاند اور دیگر سیاروں پر قدم رکھے گا (نوٹ: جس وقت افاناسی ییف نے یہ کتاب لکھی تھی اُس وقت تک انسان چاند پر نہیں پہنچا تھا۔ مترجم) اور مطلق سچائی کے لامحدود مجموعے میں علم کے نئے، بیش قیمت ثانیوں کا اضافہ ہو گا۔

سچائی کا ٹھوس ہونا ۔ جدلیاتی مادیت کے مطابق علم کے سلسلۂ عمل کے دوران حاصل ہونے والی سچائی ہمیشہ صداقت کے ایک معینہ ٹھوس دائرے سے تعلق رکھتی ہے جو خود بھی اسی طرح معینہ حالات میں نشو ونما پاتا ہے۔ مجرد سچائی کوئی چیز نہیں ہوتی سچائی ہمیشہ ٹھوس ہوتی ہے۔

مثلاً کلاسیکی میکانیات سچی ہے، لیکن صداقت کے صرف معینہ، ٹھوس دائروں میں، سارے دائروں میں نہیں۔ یہ مرئی اجسام کی حرکت کا صحیح انعکاس کرتی ہے لیکن خرد دنیا میں یہ اپنا حقیقی کردار کھو بیٹھتی ہے اور یہاں نئی مقادیری میکانیات سچی ثابت ہوتی ہے۔ اور یہی معاملہ ہر سچائی کے ساتھ ہوتا ہے جو بعض ٹھوس مظاہر کا تو صحیح انعکاس کرتی ہے، لیکن بعض دوسرے مظاہر کا صحیح انعکاس نہیں کر پاتی۔

تاہم، ایک ہی سلسلۂ عمل کیلئے بھی سچائی دائمی یا ہمیشہ کے لئے مقررہ نہیں ہو سکتی۔ سلسلۂ عمل خود بھی نشو ونما پاتا ہے، وہ حالات جن میں یہ وقوع پذیر ہوتا ہے، بدل جاتے ہیں اور یقیناً اُس کا انعکاس کرنے

والی سچائی بھی تبدیل ہوجاتی ہے۔ جو چیز بعض خاص حالات میں سچی تھی وہی چیز دوسرے، تبدیل شدہ حالات میں سچی نہیں رہتی۔

یہ اصول کہ سچائی ٹھوس ہوتی ہے، آج کی صورتِ حال میں قوموں کی امن، جمہوریت اور سوشلزم کی کامیاب جدوجہد کے لئے خاص طور پر اہم ہے۔ اس اصول کا سب سے بڑا تقاضا تو یہ ہے کہ دورِ حاضر کو صحیح طور پر سمجھا جائے۔ ہمارے عہد کا خاص مافیہ سرمایہ داری سے سوشلزم میں منتقلی ہے، جبکہ عالمی سوشلسٹ نظام نوعِ انسانی کے نشوونما میں ایک فیصلہ کن عامل بنتا جارہا ہے۔ ہمارے عہد کی اس بنیادی خصوصیت کے ذریعہ مارکسی پارٹیاں ہمارے عہد کے خاص مسائل کا، جنگ اور امن، مختلف سماجی نظام کے حامل ممالک کی پُرامن بقائے باہمی اور سوشلزم کی جدوجہد کے امکانات کے مسائل کا حل ڈھونڈتی ہیں۔

آیئے ہم اپنے عہد کے ایک بنیادی مسئلہ کو لیں: جنگ اور امن کا مسئلہ۔

سامراج کی رجعت پرستانہ ماہیت کے تجزیئے نے لینن کو اس نتیجہ پر پہنچایا کہ سامراج کے تحت جنگیں ناگزیر ہیں۔ انھوں نے اس وقت موجود صورتِ حال کو اپنے نتیجے کی بنیاد بنایا تھا۔ اس وقت سامراجی دنیا پر حکومت کر رہے تھے، انھوں نے دنیا کو اپنے درمیان تقسیم کر رکھا تھا اور اس کی نئے سرے سے تقسیم کے لئے سخت لڑائی میں مصروف تھے۔ لینن کی زندگی میں عالمی سوشلسٹ نظام موجود نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود انھوں نے یہ پیشین گوئی کردی تھی کہ نوعِ انسانی کو اس تاریخی فریضے کا لازماً سامنا کرنا پڑے گا کہ پرولتاریہ کی آمریت کو ایک ایسے قومی مظہر کے بجائے جو ایک ملک میں وجود رکھتا ہو، ایک بین الاقوامی مظہر میں بدلا جائے، یعنی پرولتاریہ کی ایسی آمریت میں بدلا جائے جو کم از کم چند ممالک میں موجود ہو اور سارے عالمی نشوونما پر اثر ڈالنے کی اہل ہو۔

لینن نے جنگوں کے مسئلے کی جانب جدلیاتی رویہ اختیار کرنے پر زور دیا۔ انھوں نے کہا کہ ٹھوس تاریخی صورتِ حال کو اور دنیا میں قوتوں کے توازن میں تبدیلی کو سختی سے پیشِ نظر رکھا جائے۔ قوتوں کا یہ توازن اب امن اور سوشلزم کے حق میں بنیادی طور پر بدل چکا ہے۔ ایک عالمی سوشلسٹ نظام وجود میں آچکا ہے اور بڑی تیزی کے ساتھ ترقی کر رہا ہے، جارحانہ جنگوں کے شدید ترین دشمن یعنی مزدور طبقے کی قیادت میں امن کے لئے عوام کی تحریک وسیع ہو رہی ہے اور امن پسند غیر سوشلسٹ ممالک کی تعداد

میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اِن تمام چیزوں نے سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کو اور دیگر مارکسی پارٹیوں کو یہ نتیجہ اخذ کرنے کی بنیاد فراہم کی ہے کہ موجودہ حالات میں جنگ ناگزیر نہیں ہے اور یہ کہ جنگ کو روکنے کے حالات موجود ہیں۔

عقیدہ پرست (کٹر) اور انتہا پسند جنگ اور امن کے مسئلہ کی جانب اس تخلیقی اور حقیقی مارکسی رویئے کو ہدف تنقید بنا رہے ہیں۔ وہ نئے حالات کو نظر انداز کرتے ہیں اور فرسودہ نتائج اور تفصیلوں سے چمٹے ہوئے ہیں۔ انھوں نے ٹھوس صداقت کو چھوڑ دیا ہے اور وہ دنیا میں قوتوں کے نئے رشتۂ باہمی کو دیکھنے سے انکار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جنگیں آج بھی ناگزیر ہیں۔ عقیدہ پرست، ایک اور عالمی جنگ کو روکنے کے امکان سے انکار کرتے ہوئے محنت کش عوام پر حوصلہ شکن اثرات ڈالتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا آج ایک نئی زندگی کی تعمیر سے کوئی فائدہ بھی ہے جبکہ کل یہ زندگی ایک ایٹمی جنگ کے شعلوں میں جھلس جائے گی؟

مارکسی۔ لینینی پارٹیاں عقیدہ پرستی اور انتہا پسندی کی مذمت کرتی ہیں، اور اپنی تمام سرگرمیوں میں وہ صداقت کی جانب ایک ٹھوس، تاریخی رویہ اختیار کرنے کے اصول کا ثابت قدمی کے ساتھ اطلاق کرتی ہیں۔

۵۔ عمل۔ سچائی کا معیار

سچائی کا معیار تلاش کرنے کا مطلب ہے اُس معروضی بنیاد کو تلاش کرنا جو انسان پر انحصار نہیں رکھتی اور سچائی کو، سچے علم کو، مغالطے سے ممیز کرنے کو ممکن بناتی ہے۔

عمل سچائی کا کامل معیار ہے۔ ہم کسی خیال یا سائنسی نظریئے کے حقیقی کردار کے بارے میں جتنی بھی چاہیں، بحث کر سکتے ہیں، لیکن یہ تنازعہ صرف عمل کے ذریعہ ہی طے ہو سکتا ہے، یعنی معاشی پیداوار، سیاسی زندگی یا سائنسی تجربے کے ذریعے۔ مارکس نے لکھا: "یہ سوال کہ آیا معروضی سچائی کو انسانی سوچ کی صفت قرار دیا جا سکتا ہے، نظریئے کا سوال نہیں ہے، بلکہ یہ ایک

علمی سوال ہے۔ ضروری ہے کہ انسان عمل میں سچائی کو ثابت کرے۔"

متنوع ترین رجحانات کے حامل عینیت پسند جدلیاتی مادیت کے اس اہم قضیے سے اتفاق نہیں کرتے۔ وہ علم میں عمل کی اہمیت سے انکار کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ خود انسان اور اس کا خیال سچائی کا عیار ہے۔ مثلاً عینیت پسند فلسفے کے ایک رجحان کے نمائندے جو "تاجیت پسند" کہلاتے ہیں (یہ رجحان امریکہ میں خاص طور پر زیادہ موجود ہے) یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ مفید ہے، جو کچھ منفعت بخش ہے، وہ سچا ہے۔ سچائی کی اس قسم کی تفہیم کی بنا پر تاجیت پسند عصر حاضر کی سرمایہ داری کے رجعت پرستانہ اقدامات کو جائز ثابت کرتے ہیں۔ چونکہ مزدوروں کا استحصال، سامراجی جنگیں اور کم ترقی یافتہ ملکوں کی لوٹ کھسوٹ سرمایہ داروں کے لئے منفعت بخش ہیں، انھیں ان سے منافع حاصل ہوتا ہے، اس لئے تاجیت پسندانہ نقطۂ نظر سے یہ چیزیں سچی اور فطری ہیں۔

تاہم افادیت سچائی کے عیار کا کام نہیں دے سکتی۔ اس کے برعکس صرف سچا علم ہی نوعِ انسانی کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

انسان اپنے عملی کام میں صرف سچے علم پر بھروسہ کر سکتا ہے۔ صرف سچائی ہی اسے متوقع نتائج دے سکتی ہے۔ اس لئے اگر انسان اپنے حاصل شدہ علم کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی عملی سرگرمی کے دوران اس مقصد تک پہنچ جاتا ہے جو اس نے اپنے سامنے رکھا ہے، متنوع نتائج حاصل کر لیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کا علم صداقت سے مطابقت رکھتا ہے، یہ سچا علم ہے۔

یہاں ایک مثال پیش خدمت ہے۔ نصف صدی سے زیادہ پہلے روسی سائنسداں کونستن تسیولکوفسکی نے راکٹ سازی کا نظریہ پیش کیا۔ اس نے اس زمانے میں یہ غیر معمولی جرأت مندانہ خیال، صحیح معنوں میں ایک حیران کن خیال پیش کیا کہ راکٹوں کو دیگر اجسام سماوی کی جانب پرواز کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

تسیولکوفسکی کے خیالات کو صداقت میں بدلنے کے لئے زبردست مساعی اور وسائل کی ضرورت تھی، تاہم ۱۴ ستمبر ۱۹۵۹ء کو دوسرا سوویت خلائی راکٹ چاند پر پہنچ گیا۔ چنانچہ زمین سے ایک دوسرے سیارے کی جانب پرواز پہلی مرتبہ عمل میں آئی اور اس طرح تسیولکوفسکی کے خیال کی تصدیق ہوگئی۔ تسیولکوفسکی نے نصف صدی پہلے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ انسان چاند پر سے ایک پتھر لے کر

آسئے گا۔ اب جبکہ بیرونی خلا کی جانب پروازیں شروع ہو چکی ہیں تو اس عظیم سائنسداں کا یہ جرات مندانہ خواب جلد ہی پورا ہو جائے گا (پورا ہو چکا ہے۔ مترجم)

سماجی نظریات اور خیالات کی بھی عمل میں طبقات کی انقلابی جد و جہد میں، ممالک کی اور متعدد پارٹیوں کی سرگرمیوں میں اور امن و ترقی کے لئے عوام کی جد و جہد میں، آزمائش ہوتی ہے۔ مارکسی۔ لیننی نظریئے کی سچائی کی توثیق خود زندگی کر رہی ہے، بین الاقوامی کمیونسٹ تحریک کی سرگرمیاں اس کی توثیق کر رہی ہیں۔ سرمایہ داری سے کمیونزم کی جانب نوع انسانی کی نہ روکی جاسکنے والی حرکت، مارکسزم۔ لینن ازم کی تعلیمات کی زبردست قوت حیات کا، ان کی عظیم سچائی کا غیر متنازعہ فیہ ثبوت پیش کرتی ہے۔

حصۂ دوم

تاریخی مادیت

دسویں سے انیسویں باب تک

تاریخی مادیت : یہ کس چیز کا مطالعہ کرتی ہے

طرزِ پیداوار ۔ سماج کی مادی بنیاد

سوشلسٹ طرزِ پیداوار

سوشلزم کا کمیونزم میں فروغ

بُنیاد اور بالائی ڈھانچہ

عوام ۔ سماجی نشوونما کی فیصلہ کُن قوت

تاریخ میں فرد کا رول

طبقات اور طبقاتی جدّوجہد

قومیں اور قومی تحریکِ آزادی

ریاست

سماجی انقلاب

سماجی شعور اور سماج کے نشوونما
میں اُس کا رول

دسواں باب

تاریخی مادّیت

یہ کِس چیز کا مطالعہ کرتی ہے

مارکس اور اینگلز نے یہ ثابت کیا کہ سماج کے نشو و نما کا کردار بھی جدلیاتی۔ مادّی ہوتا ہے۔ انہوں نے سماجی نشو و نما کا سائنسی نظریہ پیش کیا، یعنی تاریخی مادّیت کا نظریہ۔ تاریخی مادّیت کا جائزہ لینے سے پہلے آیئے ہم سماج کے بارے میں نظریات میں مارکسی انقلاب کی فطرت کا تعین کریں۔

۱۔ تاریخی مادّیت کا فروغ

سماج کے بارے میں نظریات میں انقلاب

عظیم مفکّرین ہمیشہ سے انسانی سماج کے آغاز، اس کے نشو و نما کو تابع کرنے والے قوانین اور اُن قوانین کی فطرت میں گہری دلچسپی کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ یہ قوانین اتفاقی ہیں یا ضروری، معروضی؟ اِن سوالات کا پیدا ہونا ایک فطری امر تھا کیونکہ انسان ایک ایسے سماج میں رہتا ہے جس سے وہ بے شمار رشتوں کے ذریعے بندھا ہوا ہے اور سماج کی تاریخ میں اور سماج کے نشو و نما کے طریقوں میں اس کا دلچسپی لینا ضروری ہے۔

سماجی نشو و نما کے بارے میں بہت سے صحیح خیالات کا اظہار مارکس سے پہلے کے مفکّرین نے کیا تھا۔ مثلاً فرانس کے اٹھارویں صدی کے مادّیت پسند یہ کہتے تھے کہ انسان کے نظریات اور اس کا طرزِ عمل سماجی ماحول کے اثر کا نتیجہ ہیں۔ فرانسیسی بورژوا تاریخ دانوں (گوئزو، تھیری، مگنے)

نے سماج میں مخالف طبقات اور طبقاتی جد وجہد کے وجود کی جانب اشارہ کیا۔ انگریز ماہرین معاشیات (آدم اسمتھ، ڈیوڈ ریکارڈو) نے معاشی زندگی میں طبقات کے وجود کی بنیاد تلاش کرنے کی کوشش کی۔ یوٹوپیائی (خیالی) سوشلسٹ (سینٹ سائمن، فوریہ، اووین) نے مستقبل کے کمیونسٹ سماج کی انفرادی خصوصیات کی پیش گوئی کی۔

سماجی نشوونما کے نظریئے میں بلینسکی، ہرزن، چیرنی شیف سکی اور انیسویں صدی کے دیگر روسی انقلابی جمہوریت پسندوں نے بہت بڑا اضافہ کیا۔ سماجی نشوونما میں معاشی زندگی کے رول کے بارے میں، اس بارے میں کہ عوام تاریخ کے خالق ہوتے ہیں، استحصال کرنے والوں اور استحصال کا شکار ہونے والوں کے طبقاتی مفادات کی عدم مفاہمت کے بارے میں اور فلسفے، ادب اور فن وغیرہ کے طبقاتی کرداروں کے بارے میں اُن کے خیالات اُن کے عہد کے لئے بڑے گہرے تھے۔

تاہم، مارکس سے پہلے کی سماجیات (عمرانیات) سائنسی نہیں تھی۔ مارکس سے پہلے عینیت کو سماجیات میں زبردست غلبہ حاصل تھا۔ فرانسیسی مادیت پسندوں نے انسان پر سماجی ماحول کے اثر کی جانب اشارہ کیا، لیکن انھوں نے غلط طور پر اس ماحول کو انسانی عقل کی پیداوار سمجھا۔ سماج کے بارے میں اُن کے نظریات کا لب لباب یہ تھا، "خیالات دنیا پر حکمرانی کرتے ہیں"۔

مارکس سے پہلے کے دیگر مادیت پسند بھی اسی طرح سماج کے بارے میں عینیت پسندانہ نقطہ نظر کے حامل تھے۔ سماجی نشوونما کے بارے میں اس قسم کے نظریات کی غیر سائنسی نوعیت بدیہی ہے ہیگل جس نے اگرچہ تاریخی وجوب (ضرورت) کے بارے میں اپنے نظریات کے ذریعے فلسفے کی قابل قدر خدمات انجام دی تھیں اور جس نے اگرچہ نوع انسانی کی تاریخ کو جدلیاتی طور پر دیکھنے کی کوشش کی تھی، بالآخر اس نتیجہ پر پہنچا کہ سماج پر آسمانی منشا کی حکمرانی ہے۔

مارکس سے پہلے کی سماجیات کی ایک اور خامی بھی سماج کی جانب عینیت پسندانہ رویّہ کی پیدا کردہ تھی۔ مارکس سے پہلے کے ماہرین سماجیات اس مقدمے کے مطابق عمل کرتے ہوئے کہ خیالات دنیا پر حکمرانی کرتے ہیں اور یہ کہ ان خیالات کے بانی مبانی ممتاز افراد، بادشاہ، فوجی رہنما، مفکرین وغیرہ ہوتے ہیں، اس نتیجے پر پہنچے کہ صرف یہی بڑے لوگ تاریخ کے خالق ہوتے ہیں۔ انھوں نے تاریخی نشوونما میں عوام کے فیصلہ کن کردار کو نہیں دیکھا۔

مارکس سے پہلے کی سماجیات تاریخی سلسلۂ عمل کی جدلیات کا انکشاف کرنے کی بھی اہل ثابت نہیں ہوئی۔ ماہرین سماجیات تاریخ کو غیر مربوط حقائق کا ایک مجموعہ بنا کر پیش کرتے تھے۔ عینیت پسند ہونے کی بنا پر وہ سماجی زندگی کی وحدت اور اسکے ربط باہمی کو اور تاریخی واقعات کے پیچھے کار فرما حقیقی محرکہ قوتوں اور مادی منبعوں کو سمجھنے سے قاصر تھے۔

مارکس اور اینگلز وہ پہلے افراد تھے جنھوں نے سماج کی فطرت کو کھنگالا اور اسکے پیچیدہ اور متضاد نشوونما کا انکشاف کیا انھوں نے سماجی نشوونما کا ایک نیا کیفیتی نظریہ پیش کیا، یعنی تاریخی مادیت — اس نظریئے نے سماج کے بارے میں نظریات میں انقلاب برپا کر دیا۔

مارکس اور اینگلز نے سماجی سائنس میں عینیت کو مسترد کر دیا۔ انھوں نے فلسفے کے بنیادی سوال کو سماج پر اس کے اطلاق میں حل کر دیا۔ اور اس چیز کو تاریخی مادیت کا اصل مسئلہ قرار دیا کہ "سماجی وجود سماجی شعور کا تعین کرتا ہے"۔

سماجی وجود کا دائرہ سماج کی مادی زندگی کا، اور بالخصوص مادی پیداوار کے میدان میں انسان کی سرگرمی کا نیز پیداواری سلسلۂ عمل میں انسانوں کے درمیان معاشی تعلقات کا احاطہ کرتا ہے۔ سماجی شعور انسانوں کی روحانی زندگی ہے یعنی خیالات، نظریات اور نقطہ ہائے نظر جو انسانوں کی اُن کے عمل میں رہنمائی کرتے ہیں۔

اس امر کا ادعا کرتے ہوئے کہ سماجی وجود کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور سماجی شعور کو ثانوی مارکس اور اینگلز نے اس مقدمے پر عمل کیا کہ انسانوں کے سائنس، فن، فلسفے وغیرہ میں مصروف کار ہونے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ انھیں غذا، لباس اور سر چھپانے کی جگہ میسر ہو، جسکے لئے لازمی ہے کہ وہ کام کریں اور مادی اقدار پیدا کریں۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ "فوری مادی وسائل معاش کی پیداوار اور نتیجتہً کسی ایک قوم کا حاصل کردہ یا کسی ایک عہد کا حاصل کردہ معاشی ترقی کا درجہ اس بنیاد کی تشکیل کرتا ہے جس پر ریاست کے ادارے، قانونی تصورات، فن اور حتیٰ کہ متعلقہ قوم کے مذہبی نظریات بھی استوار ہوتے ہیں اور اسی بنیاد کی روشنی میں ان کی وضاحت کی جانی چاہیئے نہ کہ اس کے برخلاف، جیسا کہ اب تک ہوتا رہا ہے"۔

بہت سے سماجی تعلقات میں سے مارکس اور اینگلز نے معاشی، پیداواری تعلقات کو الگ کر کے انھیں اصل اور فیصلہ کن تعلقات قرار دیا اور اس طرح وہ "سماجی۔ معاشی تشکیل" کے تصور تک پہنچے، جو

تاریخی مادیت کا ایک بنیادی تصور ہے۔

سماجی۔ معاشی تشکیل سماجی مظاہر اور سلسلۂ ہائے عمل (معیشت، آئیڈیالوجی، خاندان، طرزِ زندگی وغیرہ سے متعلق) کا مجموعہ ہے جسکی بنیاد ایک خاص طرزِ پیداوار پر یا انسانوں کے درمیان معاشی تعلقات پر ہوتی ہے۔ سماج ایک سماجی معاشی تشکیل کی جگہ قدرتی طور پر دوسری زیادہ بہتر تشکیل کے لے لینے کے ذریعے نشوونما پاتا ہے۔ تاریخ نے قدیم کمیونسٹ تشکیل سے غلامانہ تشکیل تک غلامانہ تشکیل سے جاگیردارانہ، پھر سرمایہ دارانہ اور بالآخر کمیونسٹ تشکیل تک ترقی کی ہے۔

مارکس اور اینگلز نے یہ ثابت کیا کہ عوام، محنت کش عوام، تاریخ کے حقیقی خالق ہوتے ہیں۔ عوام اپنی محنت کے ذریعے ساری مادی دولت پیدا کرتے ہیں۔ کروڑوں عام مردوں اور عورتوں کی محنت نوعِ انسانی کی زندگی اور ترقی کی ناگزیر بنیادی تشکیل کرتی ہے۔

مارکس اور اینگلز نے سماجی نشوونما کی معروضی جدلیات کا انکشاف کیا اور اس طرح تاریخ غیر مربوط حقائق کا ایک بے ترتیب مجموعہ نہیں رہی بلکہ ایک ایسے سالم اور ہم آہنگ سلسلۂ عمل کی حیثیت سے ابھری جو جدلیاتی قوانین کا تابع ہوتا ہے۔

۲۔ تاریخی مادیت کا نفسِ مضمون

تاریخی مادیت کا نفسِ مضمون سماج کا اور اُسکے نشوونما کے قوانین کا مطالعہ ہے۔

یہ قوانین بھی اسی طرح معروضی، یعنی انسانی شعور سے آزاد، ہیں جس طرح قدرت کے قوانین قدرت کے قوانین کی طرح انھیں بھی جانا جاسکتا ہے اور انسان اپنی عملی سرگرمی پر اُن کا اطلاق کرتا ہے۔ تاہم سماجی زندگی کے قوانین اور قدرت کے قوانین میں بنیادی فرق موجود ہیں۔ قدرت کے قوانین اندھی، خود رو قوتوں کے عمل کی عکاسی کرتے ہیں، جبکہ سماجی نشوونما کے قوانین ہمیشہ انسانوں کے ذریعے، جو ذہین مخلوق کی طرح عمل کرتے ہیں اور اپنے سامنے خاص مقاصد رکھتے اور اُن کے حصول کے لئے کام کرتے ہیں، ظاہر ہوتے ہیں۔

سماجی زندگی کے قوانین کا صرف تاریخی مادیت ہی مطالعہ نہیں کرتی، بلکہ دیگر سماجی سائنسیں۔ سیاسی معیشت، تاریخ، جمالیات وغیرہ بھی اُن کا مطالعہ کرتی ہیں۔ لیکن یہ سائنسیں سماجی مظاہر کے کسی

ایک خاص گروپ کا مطالعہ کرتی ہیں، سماج کا کسی ایک زاویئے سے جائزہ لیتی ہیں اور عمومی سماجی نشوونما کے سلسلۂ عمل کا کوئی تصور پیش نہیں کرتیں۔ مثلاً سیاسی معیشت انسانوں کے درمیان معاشی پیداواری تعلقات کا مطالعہ کرتی ہے۔ تاریخ کا تعلق، مختلف ادوار میں اور مختلف ملکوں میں سماج کے نشوونما سے ہے، جمالیات فن کے دائرہ تک محدود ہے، وغیرہ۔

سماجی سائنسوں کے برخلاف تاریخی مادیت سماجی نشوونما کے عمومی ترین قوانین کا مطالعہ کرتی ہے مارکسی۔ لینن عالمی نقطۂ نظر کے ایک جزو لازم کی حیثیت سے تاریخی مادیت، سماجی زندگی کے مظاہر کی سائنسی جدلیاتی۔ ۔ دی تفسیر پیش کرتی ہے۔ یہ تاریخی نشوونما کے ایسے اہم عمومی مسائل سے بحث کرتی ہے جیسے سماجی وجود اور سماجی شعور کے درمیان ربط، انسانوں کی زندگی میں مادی پیداوار کی اہمیت، سماجی نظریات کا اور اُن سے متعلقہ اداروں کا آغاز اور ان کا رول۔ تاریخی مادیت ہمیں یہ سمجھنے کا اہل بناتی ہے کہ تاریخ میں عوام اور افراد کیا رول ادا کرتے ہیں، طبقے اور طبقاتی جدوجہد کس طرح وجود میں آئے، ریاست کس طرح منصۂ شہود پر آئی، سماجی انقلابات کیوں برپا ہوتے ہیں اور تاریخی سلسلۂ عمل میں اُن کی اہمیت کیا ہوتی ہے، نیز سماجی نشوونما کے دیگر بہت سے عمومی مسائل۔

تاریخی مادیت جن قوانین کا مطالعہ کرتی ہے اُن سب کا دائرۂ عمل ایک ہی نہیں ہوتا۔ ان میں سے بعض قوانین سماج کے نشوونما کے تمام مرحلوں میں اور بعض صرف خصوصی مرحلوں میں کام کرتے ہیں۔ اول الذکر قوانین میں سماجی شعور کے سلسلے میں سماجی وجود کے تعین کن رول کا قانون اور سماج کے نشوونما میں طرزِ پیداوار کے تعین کن رول کا قانون شامل ہے، جبکہ موخر الذکر قوانین میں طبقاتی جدوجہد کا قانون شامل ہے جو صرف ان سماجوں میں کام کرتا ہے جو مخاصمانہ طبقات میں بٹے ہوئے ہیں۔

تاریخی مادیت ان مقولات یا تصورات کی بھی وضاحت کرتی ہے جو سماجی نشوونما کے عمومی ترین اور بنیادی ترین پہلوؤں کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان میں یہ مقولات یا تصورات شامل ہیں: "سماجی وجود" "سماجی شعور"، "طرزِ پیداوار"، "بنیاد" اور "بالائی ڈھانچہ"۔ تاریخی مادیت کے قوانین اور مقولات کی صرف ایک مجموعیت ہی سماجی نشوونما کی ایک واحد اور ہم آہنگ تصویر پیش کرتی ہے۔

تاریخی مادیت ساری تاریخ کے دوران انسانوں کے علمی تجربے اور سماجی سائنسوں کی کامیابیوں کا حصل ہے، جن کے بغیر اس کا قطعاً کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری طرف تاریخی مادیت کے

بغیر، سماجی نشوونما کے عمومی قوانین کے علم کے بغیر، کوئی بھی سماجی سائنس کامیابی کے ساتھ ترقی نہیں کر سکتی۔ تاریخی مادیت دیگر تمام سماجی سائنسوں کی طریقیاتی بنیاد ہے۔ یہ تاریخ دانوں، ماہرین معاشیات اور دیگر مفکرین کو یہ موقع فراہم کرتی ہے کہ وہ سماجی مظاہر کی پیچیدہ بھول بھلیوں میں اپنا راستہ ڈھونڈھ نکالیں اور سماجی زندگی میں ہر مظہر کے مقام اور اس کی اہمیت کا تعین کریں۔ مثلاً سماجی نشوونما میں عوام کے فیصلہ کن رول سے واقف ہوتے ہوئے ایک تاریخ داں کسی خاص تاریخی واقعہ کے حقیقی کردار کا تعین کر سکتا ہے۔ اس بات سے واقف ہوتے ہوئے کہ سماج کی روحانی زندگی انسانوں کے درمیان معاشی مادی تعلقات پر منحصر ہوتی ہے، ایک تاریخ داں متعدد نظریوں اور خیالات کے منبعوں کا پتہ چلا سکتا ہے اور تاریخ میں اُن کے رول کا صحیح اندازہ لگا سکتا ہے۔

اسی طرح تاریخی مادیت دیگر سماجی سائنسوں کے لئے بے حد اہم ہے۔

تاریخی مادیت کے قوانین کا علم ہمیں اس قابل بناتا ہے کہ ہم پیچیدہ سماجی مظاہر کو نہ صرف سمجھ سکیں، بلکہ سماجی زندگی پر اثر بھی ڈال سکیں، اُسے محنت کش عوام کے مفاد میں بدل بھی سکیں۔ سماجی نشوونما کے قوانین کی بنیاد پر صداقت کو تبدیل کرنے کا مطلب ہے نوعِ انسانی کے ترقی پسندانہ نشوونما کی تاریخی ضرورت کو پورا کرنا۔ اس نشوونما کے سلسلۂ عمل کے دوران نوعِ انسانی حقیقی اختیار حاصل کرتی ہے۔ آیئے ہم دیکھیں کہ تاریخی مادیت میں "ضرورت" اور "اختیار" سے کیا مراد ہے۔

۲۔ تاریخی ضرورت اور انسانی اختیار

تاریخی ضرورت وہ ہوتی ہے جو سماجی مظاہر کے اندرونی ربط سے فطرتاً اُبھرتی ہے اور اسی لئے اس کا نمودار ہونا ضروری ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، مادی پیداوار سماجی زندگی کے تمام پہلوؤں کا لازماً تعین کرتی ہے۔ سماجی انقلابات یا ایک سماجی نظام کی جگہ دوسرے سماجی نظام کا آجانا بھی ضرورت کے تحت ہوتا ہے۔

کلیسائیت تاریخی ضرورت کو تسلیم نہیں کرتی۔ وہ یہ کہتی ہے کہ سارا تاریخی عمل منشائے آسمانی کے مطابق پہلے ہی سے طے شدہ ہے اور یہ کہ انسان قضا و قدر کے ہاتھوں میں محض کھلونے ہیں۔

سماجی نشوونما کی ماہیت کو مسخ کرتے ہوئے اور تاریخی ضرورت کو مسترد کرتے ہوئے، رجعت پرست بورژوا ماہرین سماجیت دوسری انتہا پر پہنچ جاتے ہیں اور موضوعیت کی وکالت کرتے ہیں۔ سماجی زندگی

میں قوانین کے عمل سے انکار کرتے ہیں۔ اُن کی رائے میں انسانوں کے طرزِ عمل یا اُن کے افعال کا نہ تو کوئی چیز تعین کرتی ہے اور نہ وہ کسی چیز پر منحصر ہوتے ہیں۔ اسی کے ساتھ بورژوا ماہرینِ سماجیات مارکسسٹوں پر "مقدریت" کا حامی ہونے، تاریخی ضرورت کی پوجا کرنے اور یہ دعویٰ کرنے کا الزام لگاتے ہیں کہ انسان سماجی قوانین کے آگے بے بس ہے۔

اپنی طبقاتی مجبوریوں کے سبب بورژوا نظریہ ساز اس بات کو سمجھنے سے سختی کے ساتھ انکار کرتے ہیں کہ تاریخی ضرورت، انسانوں کی شعوری سرگرمی کو خارج قرار دینے کے بجائے اُسے ضروری قرار دیتی ہے۔ انسان سماجی نشوونما کے قوانین کا خاتمہ کر دینے یا نئے قوانین پیدا کر دینے کے اہل نہیں ہوتے، لیکن وہ ان قوانین کو، اس تاریخی ضرورت کو سمجھنے کے اہل ہوتے ہیں اور اُن سے واقف ہو کر تاریخی سلسلۂ عمل میں فعالیت کے ساتھ مداخلت کرنے کے اہل ہوتے ہیں۔ عملی تجربے نے قطعیت کے ساتھ یہ ثابت کر دیا ہے کہ معروضی ضرورت کو سمجھ کر انسان نہ صرف قوانینِ فطرت کو اپنی مرضی کا تابع بنا لیتے ہیں جیسا کہ جدید سائنس اور ٹیکنولوجی کی کامیابیوں سے ظاہر ہے، بلکہ سماجی واقعات کے سلسلے کو بھی اپنا تابع بنا لیتے ہیں۔ معروضی ضرورت کا علم اور انسان کے مفاد میں اس کا استعمال ہی وہ چیز ہے جو انسانی اختیار کی تشکیل کرتی ہے۔

اختیار معروضی ضرورت کا خاتمہ نہیں کر دیتا، یہ اس امر کی دلالت کرتا ہے کہ انسان ضرورت کو سمجھتا ہے اور خود اپنے مقاصد کے لئے ضرورت کو استعمال کرتا ہے۔ انسان کی سرگرمی بااختیار اسی وقت ہوتی ہے جب یہ معروضی ضرورت سے مطابقت رکھتی ہو اور انسان کا اختیار قدرت اور سماج کے قوانین سے خیالی آزادی میں نہیں پایا جاتا بلکہ ان قوانین کے علم اور انھیں ضروریات کے لئے استعمال کرنے کی صلاحیت میں پایا جاتا ہے۔

اختیار طویل تاریخی نشوونما کا نتیجہ ہے۔ جب سائنس اور پیداوار نے ترقی کی تو انسان قدرت کو اپنے قابو میں کرنے لگا۔ اس نے اس کے معروضی قوانین سیکھے اور اس طرح قدرت میں کام کرنے والی ضرورت کو بتدریج اپنی مرضی کا تابع بنا لیا اور اس طرح وہ قدرت کے سلسلے میں بااختیار ہو گیا لیکن قدرت پر انسان کا غلبہ اسے سماجی سلسلہ ہائے عمل پر کنٹرول عطا نہیں کرتا۔ تاریخی ضرورت نے، سوشلزم سے پہلے کے سماجوں کے تاریخی قانونِ نشوونما نے، ایک خودرو قوت کی طرح عمل کیا جس پر انسان قابو پانے کے اہل نہیں تھے۔ مثال کے طور پر سرمایہ داری کے تحت پیداوار کی نراجیت اور مقابلے کا قانون انسان کو اتفاق کے ہاتھوں کا کھلونا بنا دیتا ہے اور اسے یہ موقع نہیں دیتا کہ وہ اپنے عمل کی پہلے سے منصوبہ بندی کرے۔

سوشلزم ہی سب سے پہلے تاریخی ضرورت کو پورے طور پر سمجھنے اور حقیقی اختیار حاصل کرنے کو ممکن بناتا ہے۔ سوشلسٹ انقلاب عوامی ملکیت کا غلبہ قائم کرتا ہے اور طبقاتی مخاصمتوں کو دور کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام سماجی زندگی کی شعوری رہنمائی کرنے کے اہل ہو جاتے ہیں۔ سوشلزم کی فتح کے ساتھ سماج ضرورت کی دنیا سے اختیار کی دنیا میں ایک زبردست چھلانگ لگاتا ہے۔ مزید برآں جیسے جیسے سماج کمیونزم کی طرف پیش قدمی کرتا جاتا ہے، ویسے ویسے انسان کا اختیار وسیع تر اور متنوع تر ہوتا جاتا ہے، قدرت پر اور سماجی سلسلہ ہائے عمل پر اس کا غلبہ بڑھتا جاتا ہے اور وہ اپنے ذاتی مفادات اور امنگوں کو سماج کے عظیم آدرشوں کے ساتھ ہم آہنگ کرنا سیکھتا ہے۔

سماج میں حقیقی اختیار کے فروغ کی ایک ناگزیر شرط پیداوار اور سیاست کے دائروں میں عوام کی شعوری سرگرمی ہے، ایسی سرگرمی جو مارکسی۔لیننی نظریے کے علم اور اس کے مناسب اطلاق پر مبنی ہو۔

ضرورت اور اختیار کے مارکسی لیننی نظریے کا سوویت یونین اور دیگر سوشلسٹ ممالک میں اطلاق کیا گیا ہے۔ ان ممالک میں حقیقی اختیار حتمی اور ناقابل تنسیخ طور پر قائم ہو گیا ہے، اور یہ اختیار فتح مند سوشلسٹ انقلاب اور عوام کی بہادرانہ محنت اور بے لوث مساعی کے نتیجے میں حاصل ہوا ہے۔

تاہم، سوشلزم کے تحت اختیار کا حصول تاریخی ضرورت کے، معروضی قوانین کے عمل کا خاتمہ نہیں کر دیتا۔ سوشلزم کے تحت بھی ضرورت انسان کی بااختیار سرگرمی کی معروضی بنیاد کی تشکیل کرتی ہے اور معروضی قوانین عمل کرتے ہیں، لیکن انہیں عوام شعوری طور پر استعمال کرتے ہیں۔

۴۔ عصرِ حاضر کی بورژوا سماجیات کی غیر سائنسی فطرت

تاریخی مادیت یعنی سماجی نشوونما کا وہ سائنسی نظریہ جو بہتر مستقبل کی جانب انسان کی حقیقی راہ کی نشاندہی کرتا ہے، رجعت پرست بورژوازی اور اس کے نظریہ سازوں کے قہر و غضب کو ابھارتا ہے۔ بورژوازی جو کمیونزم کی جانب نوعِ انسانی کی پیش قدمی کو روکنے سے قاصر ہے، تاریخی ترقی میں رکاوٹ ڈالنے اور سرمایہ دارانہ نظام کے وجود کو طویل بنانے کے راستے تلاش کر رہا ہے۔ اس مقصد کے لئے بورژوازی تمام ممکنہ وسائل کا۔ معاشی، سیاسی اور نظریاتی وسائل کا سہارا لیتا ہے۔ ان میں عہدِ حاضر کی بورژوا سماجیات کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

اِس سماجیات کے بے شمار رجحانات و مکاتیب ہیں، لیکن وہ سب کے سب ایک ہی عینیت پسندانہ اور مابعد الطبیعیاتی سرچشمے سے نکلتے ہیں۔

سماجی نشوونما کے معروضی قوانین کا انکار: عصرِ حاضر کی بورژوا سماجیات کی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ سماجی نشوونما کے معروضی قوانین کو مسترد کرتی ہے۔ یہ استرداد مختلف سماجیاتی رجحانات میں انتہائی متنوع شکلیں اختیار کرتا ہے۔

کھلے ہوئے عینیت پسند صاف کہتے ہیں کہ کوئی تاریخی قوانین وجود نہیں رکھتے، یہ کہ تاریخ اڑانوں اور اتفاق کی ایک ایسی دنیا ہے جسے جانا نہیں جا سکتا۔

سماجیات کا نفسیاتی مکتب سماجی نشوونما کی بنیاد نفسیاتی عوامل کو، انسان کی خواہشات، عزائم اور جبلتوں کو قرار دیتا ہے۔ اِس مکتبِ فکر کے حامی یہ کہتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ سماج میں سماجی بدنظمی اور محنت کش عوام کے مصائب کا سبب سرمایہ داری کے معروضی قوانین میں، نجی سرمایہ دارانہ ملکیت میں پیوست نہیں ہے، بلکہ مزدور کی ذہنیت کے نامکمل ہونے میں پیوست ہے، اور اہم سماجی برائیوں کو مزدور کی ذہنیت کو مکمل کر کے دور کیا جا سکتا ہے، نہ کہ سرمایہ داری کے خاتمے کے ذریعے۔

سماجیات کا حیاتیاتی مکتبِ فکر سائنسی سماجیات کی محض زبانی حمایت کرتا ہے، لیکن فی الحقیقت وہ حیاتیاتی قوانین کو سماجی نشوونما کے حقیقی قوانین کے نعم البدل کے طور پر پیش کرتا ہے اور انسان کو اپنی بقا کے لئے اندھوں کی طرح لڑنے والے حیوانوں کی سطح پر لے آتا ہے۔ اس امر کی کوشش کی جاتی ہے کہ استحصال، غارتگرانہ جنگوں، نوآبادیاتی نظام، نسل پرستی اور سرمایہ داری کی دیگر گندی خصوصیات کو جائز ثابت کرنے کیلئے "قدرتی" قوانین کو استعمال کیا جائے۔

حیاتی سماجیات کے ماہرین اس امر کو سمجھنے سے انکار کرتے ہیں کہ سماجی نشوونما کے قوانین کو گھٹا کر حیاتیاتی قوانین کی سطح پر نہیں لایا جا سکتا، کیونکہ سماج خود اپنے خصوصی قوانین کے مطابق نشوونما پاتا ہے جو حیوانوں اور پودوں کے نشوونما کے قوانین سے کیفیتی طور پر مختلف ہوتے ہیں۔ لینن نے سماجی نشوونما کے قوانین اور قدرت کے قوانین کو ایک ہی سمجھنے کی کوششوں کی سختی کے ساتھ مخالفت کی۔

خرد سماجیات بھی، یا جسے تجربی سماجیات بھی کہا جاتا ہے، سماجی نشوونما کے اہم قوانین کو مسترد کرتی ہے۔ خرد سماجیات کے حامی سماجی زندگی کے علم کو کھلم کھلا مسترد نہیں کرتے، بلکہ سماجی مظاہر کی پیچیدہ زنجیر میں

وہ سرمایہ دارانہ صداقت کے محض معمولی حقائق کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان کی پُشت پر سماج کے نشو و نما کے اندرونی قوانین کو نہیں دیکھنا چاہتے۔ یہ چیز عملاً، سائنس کو چھوڑ دینے اور ہمارے عہد کے بنیادی سماجی مسائل کے حل کو چھوڑ دینے کی علامت ہے۔

سماجی نشو و نما کے قوانین کو تسلیم کرنے سے انکار کا مطلب اسکے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ سماجی زندگی میں کلیسائی عقیدے کے لئے راہ ہموار کرنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ یہ امر محض اتفاقی نہیں ہے کہ بہت سے بورژوا ماہرینِ سماجیات اِس خیال کے حامی ہیں کہ تاریخی سلسلۂ عمل تضاد و قدرکی قوتوں کے ہاتھوں پہلے سے طے شدہ ہوتا ہے۔ برطانوی تاریخ داں آرنلڈ ٹوائن بی اِسی نظریہ کا حامی ہے۔

سماجی نشو و نما کے تابع قانون کردار کو مسترد کرتے ہوئے بہت سے بورژوا نظریہ ساز تاریخ کے حقیقی عمل کو مسخ کرتے ہیں، سرمایہ داری کو سجا بنا کر پیش کرتے ہیں اور اس کی رجعت پرستانہ اندرونی اور خارجہ پالیسیوں کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سماجی ترقی سے انکار: عہدِ حاضر کی بورژوا سماجیات کی غیر سائنسی فطرت کا اظہار اس امر میں بھی ہوتا ہے کہ یہ تاریخی ترقی اور سماج کی پیش قدمی سے انکار کرتی ہے۔

اِس سلسلہ میں اِس بات کو ذہن میں رکھنا چاہئیے کہ تاریخی سلسلۂ عمل کے کردار کے بارے میں ماہرینِ سماجیات کے خیالات میں اہم تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ جب اُبھرتا ہوا سرمایہ دار طبقہ اقتدار کے لئے لڑ رہا تھا تو اس وقت بورژوا ترقی پسند سماجی ترقی کے بارے میں بہت کچھ کہتے تھے۔ ترقی کے خیال نے پرانے جاگیرداری نظام کو توڑنے اور اسکے مقابلے میں ترقی پسند سرمایہ دارانہ سماج قائم کرنے میں بورژوازی کے لئے ایک ہتھیار کا کام دیا۔ لیکن جب سرمایہ دار طبقہ اقتدار میں آگیا تو سماجی ترقی کے بارے میں اسکی رائے حیرت انگیز طور پر یکسر بدل گئی۔ بورژوازی کے نظریہ ساز سرمایہ دارانہ نظام کی تعریف کرنے لگے اور اس نظام کو آزادی اور انصاف کی دائمی دنیا اور ترقی کے آدرشوں کی تجسیم قرار دینے لگے۔ بورژوا ماہرینِ سماجیات یہ کہتے ہیں کہ اب آگے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ اِس مستقبل کا خوف جس میں سرمایہ داری کے لئے تباہی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، اور نئی کمیونسٹ دنیا کا خوف ان ماہرینِ سماجیات کو ترقی سے انکار کی طرف لیجاتا ہے۔

عہدِ حاضر کے بورژوا ماہرینِ سماجیات "ترقی" اور "نشو و نما" کے تصورات کی مخالفت کرتے ہوئے "سماجی تبدیلی" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں اور اس کا ان بہت سے ثانوی سلسلہ ہائے عمل پر اطلاق کرتے

ہیں جو سماج میں وقوع پذیر ہوتے ہیں اور تاریخ کے عمل پر کوئی قابلِ ذکر اثر مترتب نہیں کرتے۔ چنانچہ وہ ان بنیادی، انقلابی تبدیلیوں کی جانب سے توجہ ہٹانا چاہتے ہیں جو اس وقت سماج میں رونما ہو رہی ہیں، اُن کی اہمیت کو گھٹانا چاہتے ہیں، نیز ہمارے عہد کے اہم سماجی مسائل کو حل کرنے سے گریز کرنا چاہتے ہیں۔

بورژوا ماہرینِ سماجیات کی جانب سے سماجی ترقی کے نظریہ کے انکار کا اظہار سماج کے بارے میں اُن کے ان متعدد نظریات میں بھی ہوتا ہے جنھیں وہ زور شور سے پھیلا رہے ہیں۔ اُن میں سماج کے "دور" (سائیکل)، "جمود" اور "مراجعت" کے نظریئے شامل ہیں۔

موجودہ صدی کی تیسری دہائی میں جرمن سامراج کے نظریہ ساز اسوالڈ اسپنیگلر نے "دور" کا نظریہ پیش کیا تھا۔ اپنی کتاب "مغرب کا زوال" میں اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ سماج اس "دور فاسد" سے نہیں بچ سکتا جس میں انھیں تین مرحلوں کی لازماً تکرار ہوتی ہے: آغاز، عروج و زوال۔ اسپنگلر کی رائے میں سرمایہ داری تہذیب اور ثقافت کی معراج ہے۔ سرمایہ داری کے زوال سے نوعِ انسانی لازماً بربریت کی طرف لوٹ جائے گی۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سرمایہ داری کے خلاف جد وجہد کرنا لاحاصل ہے (بہترین چیز کو بدترین چیز سے کیوں بدلا جائے؟) اور پرولتاری انقلاب اور سوشلزم کی کوئی ضرورت نہیں اور یہ کہ سوشلزم ناممکن ہے کیونکہ سماج کسی نئی منزل پر نہیں پہنچ سکتا۔

"تاریخی دور" کے رجعت پرستانہ نظریئے کی آرنلڈ ٹوائن بی نے تجدید کی ہے جو سماج کے آفاقی ترقی پسندانہ نشوونما سے انکار کرتا ہے اور اسے حقارت آمیز انداز میں "ترقی کا فریب" قرار دیتا ہے۔

کیا کوئی ایسا حیلہ باقی بچا ہے جسے بورژوازی کے عالم خادموں نے سرمایہ دارانہ نظام کو جائز ثابت کرنے کے لئے استعمال کیا ہو؟ ان کا اسلحہ خانہ سوشلزم اور مارکسزم۔ لینن ازم کے خلاف افتراپردازیوں سے، سرمایہ داری کی بے پناہ تعریفوں سے اور "عوامی سرمایہ داری"، "فلاحی ریاست" وغیرہ جیسے غلط بیانات سے بھرا ہوا ہے۔ لیکن سامراج کے معذرت خواہ کتنے ہی پینترے کیوں نہ بدلیں، تاریخ مارکسزم۔ لینن ازم کی عظیم سچائی کو قطعیت کے ساتھ ثابت کرتی ہے۔

سائنس اور ساری تاریخ کے دوران سماج کا تجربہ بورژوا نظریہ سازوں کے خیالات کی تردید کرتا ہے اور یہ ثابت کرتا ہے کہ سماج کا نشوونما ایک آگے کی جانب قدرتی تاریخی سلسلۂ عمل ہے جو معروضی قوانین کا پابند ہوتا ہے جو انسان سے آزاد ہوتے ہیں۔ سماج کی تاریخ سادہ تر اور کمتر تشکیلات سے زیادہ پیچیدہ اور بلند تر

تشکیلات میں فروغ کا اُن کی انقلابی منتقلی کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ سماجی ترقی کا انحصار مادی پیداوار کے فروغ اور اسکی بہتری پہ ہوتا ہے۔ پیداوار اب سادہ ترین آلات، لکڑیوں اور پتھروں، سے جنہیں انسان زندگی کی جدوجہد میں استعمال کرتا تھا، ترقی پاکر جدید ترین خودکار مشینوں اور آلات و اوزار میں بدل گئی ہے جنہیں برقی قوت اور ایٹمی توانائی کے ذریعے چلایا جاتا ہے۔ پیداوار کی پیشقدمی کے ساتھ ساتھ سماجی زندگی کے دیگر دائرے بھی ترقی پاتے ہیں۔

گیارھواں باب

طرزِ پیداوار ۔ سماج کی مادی اساس

تاریخی مادیت کی اصل خصوصیت یہ قضیہ ہے کہ طرزِ پیداوار سماج کے نشو و نما میں فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے۔

انسان غذا، لباس، مکان اور دیگر ضروریاتِ زندگی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ لیکن قدرت یہ ساری چیزیں بنی بنائی تیار شدہ حالت میں فراہم نہیں کردیتی۔ انھیں پیدا کرنے کے لئے انسانوں کا کام کرنا ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ محنت سماجی زندگی کی بنیاد اور انسان کی ایک قدرتی ضرورت ہے۔ محنت کے بغیر، پیداواری سرگرمی کے بغیر خود انسانی زندگی بھی ممکن نہیں تھی۔ نتیجتہً مادی دولت کی پیداوار سماجی نشو و نما میں خاص تعین کُن عامل ہے۔

طرزِ پیداوار، پیداوار کے دو پہلوؤں، یعنی پیداواری قوتوں اور پیداواری تعلقات کا کُل مجموعہ ہوتا ہے۔

۱۔ طرزِ پیداوار۔ پیداواری قوتیں اور پیداواری تعلقات

پیداواری قوتیں: محنت کے سلسلۂ عمل میں انسان اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے قدرتی اشیا کی شکل بدل دیتے ہیں۔ مثلاً ایک مشین بنانے کے لئے خام لوہا کان سے باہر نکالا جاتا ہے، اُسے پگھلایا جاتا ہے، اسے فولاد میں تبدیل کیا جاتا ہے اور پھر اُسے مطلوبہ مشین کی شکل دی جاتی ہے۔

مادی پیداوار اشیائے محنت اور وسائلِ محنت کے بغیر ناممکن ہوتی ہے۔

اشیائے محنت وہ چیزیں ہوتی ہیں جن پر انسانی محنت کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ وسائلِ محنت مشینیں، آلات، اوزار، پیداواری عمارتیں، ٹرانسپورٹ وغیرہ ہوتے ہیں۔ اشیائے محنت اور وسائلِ محنت مل کر وسائلِ پیداوار بنتے ہیں۔

آلاتِ پیداوار، جن سے عوام اشیائے محنت پر عمل کرتے اور انھیں تبدیل کرتے ہیں، محنت کے اہم ترین وسائل ہوتے ہیں۔ آلاتِ محنت کے بغیر پیداوار ناقابلِ تصور ہے کیونکہ قدرت اپنے ذخیروں

سے انسانی سے دست بردار نہیں ہو جاتی اور انھیں محض خالی ہاتھوں حاصل نہیں کیا سکتا۔ انسان اپنی معاش ان آلات کی مدد سے ہی حاصل کر سکتا ہے اور یہ آلات جتنے بہتر ہونگے اتنی ہی زیادہ معاش اسے حاصل ہو گی۔

لیکن آلاتِ محنت از خود مادی دولت پیدا نہیں کرتے۔ ضروری ہے کہ انھیں صرف بنایا ہی نہ جائے، بلکہ انھیں استعمال بھی کیا جائے۔ کامل ترین مشین بھی بالآخر دھات کا ایک بے مقصد ڈھیر بن جائے گی اگر اسے انسانی ہاتھ نہیں چھوتے۔ صرف انسان ہی ایک آلے کو حرکت میں لانے اور مادی پیداوار منظم کرنے کا اہل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "پیداوار کا ایک بنیادی عنصر ہے۔

پیداواری قوتیں وسائلِ پیداوار اور بالخصوص آلاتِ محنت پر جو سماج کے تخلیق کردہ ہوتے ہیں اور عوام پر جو مادی دولت پیدا کرتے ہیں، مشتمل ہوتی ہیں۔ پیداواری قوتیں قدرت کے ساتھ انسان کے تعلقات کا اور قدرت پر انسان کے اختیار کا تعین کرتی ہیں۔ محنت کش عوام پیداواری قوتوں کا اصل عنصر ہوتے ہیں۔ عوام کی تعمیری محنت ان کے بنائے ہوئے آلات کو حرکت میں لاتی ہے اور اسی محنت کے ذریعہ عوام نوعِ انسانی کو بے پایاں مقدار میں ضروریاتِ زندگی فراہم کرتے ہیں۔

پیداواری تعلقات: پیداواری قوتیں مادی پیداوار میں واحد عامل نہیں ہیں۔ انسان ایک سماج میں منظم ہو کر صرف مشترکہ طور پر ہی پیداوار کر سکتے ہیں کیونکہ انسان کا کردار سماجی ہے اور ہمیشہ رہا ہے۔ مارکس نے لکھا ہے، انسان "پیداوار کی غرض سے ایک دوسرے کے ساتھ معینہ روابط و تعلقات قائم کرتے ہیں اور انھیں سماجی روابط اور تعلقات کے اندر قدرت پر اُن کا عمل وقوع پذیر ہوتا ہے پیداوار وقوع پذیر ہوتی ہے۔"

پیداواری سلسلۂ عمل میں انسانوں کے تعلقات پیداواری تعلقات کی تشکیل کرتے ہیں اور پیداواری تعلقات مادی پیداوار کا ایک جزوِ لازم ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک خاص تاریخی طرزِ پیداوار، پیداواری قوتوں اور ان سے مطابقت رکھنے والے پیداواری تعلقات کے درمیان ناقابلِ شکست اتحاد کی حیثیت سے نمودار ہوتا ہے۔

انسان قدیم سماج کی ابتدا میں محنت کے ذریعہ ایک دوسرے سے وابستہ تھے۔ مثلاً خانہ بدوش شکاری قبیلوں میں یہ تعلق ساتھی شکاریوں کا تعلق تھا۔ جب پیداواری قوتوں میں اضافہ ہوا اور تقسیمِ محنت

بڑھی تو انسانوں کے درمیان تعلقات زیادہ سے زیادہ متنوع ہوتے گئے۔ فصل اُگانے والوں اور گلے بانوں، کسانوں اور دستکاروں، دستکاروں اور سوداگروں وغیرہ کے درمیان تعلقات قائم ہوئے۔ مشینی صنعت کے فروغ کے ساتھ پیداکنندوں کے درمیان تعلقات خاص طور پر متنوع اور کثیر الطرفہ ہو گئے۔

پیداواری تعلقات ملکیت کی شکل پر، یعنی وسائل پیداوار (زمین، اس کے معدنی وسائل، جنگلات، پانی، خام مال، فیکٹریوں کی عمارتیں، آلاتِ محنت وغیرہ) کے ساتھ انسانوں کے تعلق پر مبنی ہوتے ہیں۔ ملکیت کی شکل پر، پیداوار میں مختلف سماجی گروہوں کی غالب یا مغلوب حیثیت کا، پیداواری سلسلۂ عمل میں ان کے تعلقِ باہمی کا، یا، جیسا کہ مارکس نے کہا ہے، ان کی سرگرمی کے باہمی تبادلے کا انحصار ہوتا ہے۔ اگر ملکیت عوامی ہو (یعنی وسائلِ پیداوار مزدور طبقے کی ملکیت ہوں) تو پیداواری تعلقات استحصال سے آزاد انسانوں کے درمیان تعاون اور باہمی اعانت کی نوعیت اختیار کر لیتے ہیں، جیسا کہ سوشلزم کے تحت ہے۔ اگر ملکیت نجی ہو (یعنی وسائلِ پیداوار استحصالی اقلیت کی ملکیت ہوں) تو پیداواری تعلقات غالب اور مغلوب کے درمیان تعلقات کی خصوصیت رکھتے ہیں، جیسا کہ مثلاً سرمایہ داری کے تحت۔ اس کے علاوہ اور کوئی دوسری صورت نہیں ہو سکتی، کیونکہ ایک مخاصمانہ طبقاتی سماج میں محنت کش عوام وسائلِ پیداوار سے محروم ہوتے ہیں اور مجبور ہوتے ہیں کہ ان استحصال کرنے والوں کے لئے کام کریں جو ان وسائل کے مالک ہوتے ہیں۔

تقسیم کی شکل بھی وسائلِ پیداوار کی ملکیت کی نوعیت پر منحصر ہوتی ہے۔ نجی سرمایہ دارانہ ملکیت سرمایہ داری کے تحت سماج کی مادی دولت کی انتہائی غیر منصفانہ تقسیم متعین کرتی ہے۔ وسائلِ پیداوار کا مالک پیدا شدہ دولت کے بہت بڑے حصے پر قابض ہو جاتا ہے، باوجودیکہ وہ خود پیداوار میں کوئی براہِ راست حصہ نہیں لیتا۔ سوشلسٹ سماج میں عوامی ملکیت کام کے مطابق تقسیمِ دولت کے اصول کو یقینی بناتی ہے جو سارے محنت کش عوام کے مفادات کے مطابق ہوتا ہے۔ سوشلزم کے تحت تمام پیدا شدہ مادی دولت عوام کی ہوتی ہے۔

پیداواری تعلقات کا دائرہ وسائلِ پیداوار کی ملکیت کی شکلوں نیز اس کے نتیجے میں پیداوار میں مختلف سماجی گروہوں کی حیثیت اور مادی دولت کی تقسیم کی شکلوں کا احاطہ کرتا ہے۔

پیداواری تعلقات معروضی طور پر، انسانوں کی منشا اور مرضی سے آزاد، تشکیل پاتے ہیں۔ پیداواری

سلسلۂ عمل میں انسانوں کے مابین معینہ تعلقات صرف اس وقت ظہور پذیر ہوتے ہیں اگر وہ پیداواری قوتیں جن سے یہ تعلقات مطابقت رکھتے ہوں پختہ ہو گئی ہوں۔

طرزِ پیداوار خود اپنے اسباب کی بنا پر، اپنی جدلیات کی بنا پر نشوونما پاتا ہے۔

۲۔ پیداواری قوتوں اور پیداواری تعلقات کی جدلیات

پیداوار جامد و ساکت نہیں رہتی، یہ مسلسل بڑھتی رہتی، ترقی پاتی رہتی اور بہتر ہوتی رہتی ہے۔ اِسکے علاوہ اور کوئی دوسری صورت ہو بھی نہیں سکتی، کیونکہ ضروری ہے کہ انسان اپنے زندہ رہنے کی غرض سے مسلسل مادّی دولت پیدا کریں۔ یہ ضروری اِس لئے ہے کیونکہ ہماری دنیا میں انسانوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور ان کی ضروریات ہمہ وقت بڑھ رہی ہیں۔ قدیم دور کے انسان کی ضروریات بہت مختصر تھیں: معمولی غذا، جانور کی کھال (پہننے کے لئے)، سر پہ ایک چھت اور چولھے میں جلتی ہوئی آگ لیکن آج کے انسان کی مادّی اور ثقافتی ضروریات بہت زیادہ ہیں۔

انسانوں کی مسلسل بڑھتی ہوئی تعداد کی روز افزوں ضروریات کی تکمیل کا واحد راستہ یہ ہے کہ پیداوار کو مسلسل توسیع دی جائے اور اسے بہتر بنایا جائے۔ پیداوار کی ترقی ایک معروضی ضرورت ہے، سماجی زندگی کا ایک قانون ہے۔ سماج کی تاریخ سماجی پیداوار کے تابع قانون نشوونما کا ایک کمتر درجے کے طرزِ پیداوار کے بجائے ایک دوسرے، اعلیٰ تر طرزِ پیداوار کے آجانے کے ضروری سلسلۂ عمل کا نام ہے۔

پیداوار کس طرح ترقی پاتی ہے؟

پیداوار میں تبدیلی کا آغاز پیداواری قوتوں کی تبدیلی سے ہوتا ہے۔ لیکن پیداواری قوتیں، جیسا کہ ہم جان چکے ہیں، آلاتِ پیداوار سے اور اُن آلات کو استعمال کرنے والے انسانوں سے، دونوں سے مل کر بنتی ہیں۔ تو پھر پیداواری قوتوں کے ان دونوں عناصر میں سے کون سا عنصر پہلے ترقی پاتا ہے؟ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ پیداواری قوتوں کے ڈھانچے میں آلاتِ پیداوار پہلے ترقی پاتے ہیں۔ محنت کو ہلکا کرنے کی غرض سے، کم سے کم محنت کے استعمال سے زیادہ سے زیادہ مادی دولت حاصل کرنے کی غرض سے، انسان موجود آلات کو مسلسل بہتر بناتے ہیں اور زیادہ کارگر آلات تیار کرتے ہیں۔

آلاتِ پیداوار کی ترقی اور بہتری، یعنی فنی ترقی، پیداوار میں مصروفِ عمل انسانوں کے کام کا نتیجہ

ہوتی ہے لیکن آلاتِ محنت کی بہتری کے ساتھ ساتھ انسان خود بھی ترقی کرتے جاتے ہیں۔ اُن کے پیداواری علم اور مہارت میں اضافہ ہوتا ہے اور نئے پیشے ظہور میں آتے ہیں۔ ایک طویل عرصے کے دوران جبکہ آلاتِ محنت بہتر ہو جاتے ہیں اور مزدور نمودار ہوتے ہیں تو پیداواری سلسلۂ عمل میں انسانوں کے باہمی تعلقات یعنی پیداواری تعلقات بھی بدل جاتے ہیں۔

پیداواری قوتیں پیداواری تعلقات کو وجود میں لاتی اور اُن کا تعین کرتی ہیں۔ لیکن ایک خاص وقت میں موجود پیداواری قوتیں صرف ایک خاص قسم کے ہی پیداواری تعلقات کو وجود میں لاتی ہیں جو ان قوتوں کی اندرونی فطرت سے مطابقت رکھتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ اشیا سازی نے جو جاگیرداری کے اندر شروع ہوئی تھی، کسی اور قسم کے پیداواری تعلقات کو نہیں، بلکہ صرف سرمایہ دارانہ پیداواری تعلقات کو ہی وجود بخشا۔

پیداواری تعلقات پیداواری قوتوں پر مبنی ہوتے ہیں اور یہ تعلقات خود بھی مجہول نہیں رہتے۔ وہ پیداواری قوتوں پر فعالیت کے ساتھ اثر انداز ہوتے ہیں اور ان کی ترقی کو یا تو تیز کرتے ہیں یا اس میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ ہمیں اس امر کو ذہن میں رکھنا چاہئیے کہ ترقی پسندانہ، نئے پیداواری تعلقات، جو پیداواری قوتوں کی نوعیت سے مطابقت رکھتے ہوں، سماجی پیداوار کی توسیع میں تیز رفتاری پیدا کرتے ہیں اور پیداوار کی قوتوں کی ترقی میں محرکِ اول کا کام دیتے ہیں۔ دوسری طرف، پرانے پیداواری تعلقات جو پیداواری قوتوں کی ترقی کے مقابلے میں پچھڑے ہوئے ہوں، پیداواری قوتوں کی پیش قدمی میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔

پیداوار کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ پیداواری تعلقات پیداواری قوتوں کی نوعیت سے مطابقت رکھتے ہوں۔ تمام سماجی۔ معاشی تشکیلات میں کسی نہ کسی صورت میں معاملہ یہی رہا ہے۔ تاہم سوشلزم سے پہلے کی، نجی ملکیت اور استحصال پر مبنی تشکیلات میں پیداواری تعلقات ترقی کرتی ہوئی پیداواری قوتوں سے ہمیشہ مطابقت نہیں رکھ سکتے۔ کسی طرزِ پیداوار کے صرف ابتدائی مرحلے میں ہی پیداواری تعلقات پیداواری قوتوں کی نوعیت سے مطابقت رکھتے ہیں اور نتیجۃً پیداوار کی ترقی میں محرکِ اول کا کام دیتے ہیں۔ اس کے بعد پیداواری تعلقات بتدریج فرسودہ ہونے لگتے ہیں، وہ پیداواری قوتوں کی ترقی کے مقابلے میں پیچھے رہ جاتے ہیں اور اس کا نتیجہ نئی پیداواری قوتوں اور پرانے پیداواری تعلقات کے درمیان تضاد کی صورت میں اُبھرتا ہے۔ یہ تضاد اتفاقی نہیں ہوتا۔ یہ سماجی پیداوار کے متعدد پہلوؤں کی ذاتی نوعیت سے اُبھرتا ہے: پیداواری قوتیں پیداوار کا سب سے زیادہ حرکت پذیر عنصر ہوتی ہیں۔ وہ مسلسل بدلتی رہتی ہیں اور

ایک ہی طرزِ پیداوار کی حدود کے اندر یہ تبدیلیاں کافی اہم ہو سکتی ہیں۔ پیداواری تعلقات میں اگرچہ بعض تبدیلیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں، لیکن وہ ایک ہی طرزِ پیداوار کے حدود میں بنیادی طور پر غیر تبدیل شدہ رہتے ہیں۔ مثلاً سرمایہ داری کے وجود کے دوران اس کی پیداواری قوتوں میں گہری تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں لیکن پیداواری تعلقات پہلے کی طرح آج بھی، نجی سرمایہ دارانہ ملکیت پر مبنی ہیں۔

کم حرکت پذیر ہونے کی بنا پر پیداواری تعلقات پیداواری قوتوں کی ترقی کا ساتھ نہیں دیتے اور پیچھے رہ کر پیداواری قوتوں کی پیش قدمی میں رکاوٹ ڈالتے ہیں اور اُن کے ساتھ حالتِ تضاد میں آجاتے ہیں۔ جیسے جیسے پیداواری قوتیں مزید ترقی کرتی جاتی ہیں ویسے ویسے پیداواری تعلقات کا رُکاوٹ ڈالنے والا رول زیادہ سے زیادہ محسوس ہوتا جاتا ہے اور اُن دونوں کے درمیان تضادات زیادہ شدید ہوتے جاتے ہیں۔ جو بالآخر ایک تصادم کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ پرانے پیداواری تعلقات کو تباہ کرنے اور نئے پیداواری تعلقات قائم کرنے کے لئے سماجی انقلاب ایک ضرورت بن جاتا ہے۔

یہ ہے ایک مخصوص طبقاتی سماج میں پیداواری قوتوں اور پیداواری تعلقات کی معروضی جدلیات۔ آئیے ہم دیکھیں کہ یہ جدلیات انسانی سماج کے نشوونما میں کس طرح عمل کرتی ہے۔

۳۔ سماج کی تاریخ۔ طرز ہائے پیداوار کے فروغ اور اُن کے تابعِ قانون تواتر کی حیثیت سے

چونکہ طرزِ پیداوار سماجی زندگی کی مادی بنیاد ہے، یہ اس کی دیگر تمام خصوصیات کا تعین کرتا ہے، اس لئے سماج کی تاریخ کو سب سے پہلے طرز ہائے پیداوار کے فروغ اور اُن کے تابعِ قانون تواتر کی تاریخ سمجھنا چاہیئے۔

تاریخ یکے بعد دیگرے آنے والے پانچ طرز ہائے پیداوار سے واقف ہے: قدیم کمیونسٹ طرزِ پیداوار، غلامانہ، جاگیردارانہ، سرمایہ دارانہ اور سوشلسٹ طرز ہائے پیداوار۔ ہم اسی ترتیب سے اُن کا جائزہ لیں گے۔

قدیم سماج: سماج کی تاریخ کا آغاز انسان کے ظہور سے ہوتا ہے۔ انسان کی آلاتِ محنت کو پیدا کرنے اور انہیں استعمال کرنے کی صلاحیت اُسے حیوانوں سے الگ کرتی ہے۔ انسان کے ظہور

اور اس کی ترقی میں محنت کو اہم ترین مقام حاصل ہے۔ محنت کے سلسلۂ عمل میں ہی انسان خود بھی ڈھلا اور اس کی سماجی تنظیم کی شکلیں وجود میں آئیں اور انھوں نے فروغ پایا۔

قدیم کمیونسٹ نظام انسانوں کی تنظیم کی اولین اور ادنیٰ ترین شکل تھا اور یہ ہزار ہا سال تک موجود رہا۔ اس طویل مدت کے دوران انسان نے قدرت کی اشیا یعنی ڈنڈوں اور پتھروں کے استعمال سے ابتدائی آلات بنانے کی جانب پیش قدمی کرنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ ابتدا میں تو یہ پتھر، لکڑی، سینگوں یا ہڈیوں کے بنے ہوئے بھدے سے اوزار ہوتے تھے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، یہ آلات بہتر ہوتے گئے اور انھیں زیادہ احتیاط کے ساتھ بنایا جانے لگا۔ اس کے بعد نئے آلات ظہور میں آئے ـــ تیر کمان، کشتیاں، برف گاڑیاں وغیرہ۔ انسان نے آگ جلانا سیکھا اور یہ چیز نوعِ انسانی کی ترقی کے لئے خاص طور پر بے حد اہم تھی۔

آلات کو زیادہ مکمل بنانے کے ساتھ ساتھ انسانوں نے اپنے کام کو بھی ترقی دی اور اُسے بہتر بنایا۔ جنگلی پھلوں کے کھانے کے مرحلے سے گزر کر انسان پودے اُگانے، زراعت کرنے کی طرف آیا اور جنگلی جانوروں کا شکار کرنے سے انھیں پالنے کی طرف، گلّے بانی کی طرف آیا۔

قدیم کمیونزم کے تحت پیداواری قوتوں کی انتہائی ادنیٰ سطح نے مطابقت رکھنے والے پیداواری تعلقات کا بھی تعین کیا۔ یہ تعلقات وسائلِ پیداوار کی اجتماعی ملکیت پر مبنی تھے اور اس لئے یہ انسانوں کے درمیان تعاون اور باہمی اعانت کے تعلقات تھے۔ یہ تعلقات اس حقیقت سے مشروط تھے کہ انسان اپنے قدیم آلات کے ساتھ قدرت کی عظیم قوتوں کا صرف مل جل کر مشترکہ طور پر ہی مقابلہ کر سکتے تھے۔ قدیم سماج میں انسان گروہوں کی صورت میں، خانوادوں کی صورت میں رہتے تھے جو ہم خاندانی رشتوں پر مبنی ہوتے تھے وہ مشترکہ زمین پر مشترکہ آلات کے ساتھ کام کرتے تھے اور ایک ہی جگہ رہتے تھے جو انھیں نامناسب موسم اور جنگلی درندوں سے محفوظ رکھتی تھی۔ حاصل شدہ پیداوار برابر بانٹ لی جاتی تھی۔

قدیم سماج میں بھی پیداواری قوتیں بتدریج ترقی کرتی رہیں۔ آلاتِ محنت کو بہتر بنایا گیا اور آہستہ آہستہ مہارتیں حاصل کی گئیں۔ پتھروں کے اوزاروں کے بجائے دھات کے اوزاروں کا آغاز پیداوار میں آگے کی جانب ایک زبردست چھلانگ کی حیثیت رکھتا تھا۔ نئے آلات (دھات کے پھل والے لکڑی کے ہل، کانسی یا لوہے کے کلہاڑے وغیرہ) نے محنت کو زیادہ پیداآور بنا دیا۔ وسیع پیمانے پر

فصلیں اُگانا اور جانور پالنا ممکن ہوگیا۔ پہلی بڑی سماجی تقسیم محنت اس وقت عمل میں آئی جب مویشی بانی، فصل اُگانے سے الگ ہوگئی۔ کچھ عرصے بعد دستکاریاں (آلات، ہتھیار، کپڑے اور جوتے وغیرہ بنانا) پیداوار کی ایک آزاد شاخ کی حیثیت سے اُبھریں۔ مصنوعات کا تبادلہ فروغ پانے لگا۔

محنت کی پیداواری صلاحیت میں اضافے کے ساتھ خانوادہ ٹوٹ کر خاندانوں کی شکل اختیار کرنے لگا۔ نجی ملکیت نمودار ہوئی اور خاندان وسائلِ پیداوار کا مالک ہونے لگا۔ تاہم وسائلِ پیداوار زیادہ تر خانوادی اشرافیہ کے خاندانوں کے ہاتھوں میں مرتکز تھے۔ چونکہ پیدا کنندہ خود اپنی ضروریات سے زیادہ چیزیں بنانے لگا اس لئے برادری کے بعض اراکین کے لئے زائد پیداوار کو اپنے ہاتھ میں لے لینا اور نتیجتہً دوسرے کی محنت کے بل بوتے پر مالدار بننا ممکن ہوگیا۔ نجی ملکیت اور تبادلۂ جنس کی توسیع نے خانوادے کے منتشر ہونے کی رفتار کو تیز کر دیا۔ قدیم مساوات کی جگہ سماجی عدم مساوات نے لے لی۔ اوّلین مخاصمانہ طبقات، غلام اور آقا عالمِ وجود میں آئے۔

چنانچہ اس طرح پیداواری قوتوں کی ترقی قدیم سماج کی جگہ غلامی کے سماج کی آمد کا باعث ہوئی۔

غلامی کا سماج : قدیم سماج سے ورثے میں ملنے والی پیداواری قوتوں نے غلامی کے سماج میں مزید ترقی حاصل کی۔ لکڑی اور پتھر کے آلات کی جگہ مکمل طور پر پہلے کانسی کے اور پھر لوہے کے آلات نے لے لی۔ دھات کی پھالی والے لکڑی کے ہل نے اور اس کے بعد لوہے کے ہل نے، لوہے کی درانتی اور دیگر آلات نے زراعت میں محنت کی پیداواری صلاحیت میں اضافہ کیا۔ فصلیں اُگانے کے ساتھ ساتھ پھلوں اور ترکاریوں کی کاشت بھی شروع ہوگئی۔ انسان زمین کو سیراب کرنے کے لئے نہریں، پشتے وغیرہ اور اناج کا دانہ پیسنے کے لئے چکیاں بنانے لگے۔ کان کنی اور دھات کو پگھلانے کے کام نے ترقی پائی۔ اس زمانے کے لوگ کان کنی کے لئے کدالوں اور ہتھوڑوں جیسے اور دھات کو کوٹنے کے لئے کوٹنے والی چکیوں اور ہاونوں جیسے سادہ ترین آلات استعمال کرتے تھے اور دھات کو پگھلانے کیلئے قدیم طرز کی بھٹیاں استعمال کرتے تھے۔

تقسیمِ محنت میں شدت پیدا ہوگئی۔ دستکاری میں بہت سی شاخیں نمودار ہوگئیں: دھات پگھلانا اور گھڑنا، ہتھیار بنانا، کپڑے بنانا، جوتے بنانا، بُنائی، کمائی اور ظروف سازی وغیرہ۔ دستکار زیادہ سے زیادہ خصوصی اوزار استعمال کرنے لگے اور ایک قدیمی خراد اور دھونکنی نمودار ہوئی۔

تعمیرات، جہاز سازی اور ہتھیار سازی کو فروغ حاصل ہوا، شہر نمودار ہوئے اور تجارت پھیلی۔

غلامی کے سماج میں پیداواری قوتوں کی ترقی کو ان قوتوں سے مطابقت رکھنے والے پیداواری تعلقات نے بڑھاوا دیا۔ یہ تعلقات وسائل پیداوار، خود غلام اور اس کی پیدا کردہ ہر چیز کے آقا کی مکمل ملکیت ہونے پر مبنی تھے۔ آقا غلام کو صرف اتنی قدر دیتا تھا جو اُسے فاقہ کشی سے بچانے کے لئے ضروری ہوتا تھا۔

غلامی کے سماج میں تسلط اور محکومی کے، مٹھی بھر آقاؤں کے ہاتھوں ہر قسم کے حقوق سے محروم غلاموں کے بے رحمانہ استحصال کے تعلقات موجود تھے۔ کچھ عرصہ تک ان تعلقات نے پیداواری قوتوں کی ترقی کو بڑھاوا دیا، لیکن پھر ان تعلقات کی تمام تر توانائی ختم ہو گئی اور وہ سماجی پیداوار کی توسیع میں رکاوٹ ڈالنے لگے۔ پیداوار کا تقاضہ یہ تھا کہ آلات میں مسلسل بہتری ہو، محنت کی پیداواری صلاحیت میں اضافہ ہو، لیکن غلاموں کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ کیونکہ اس سے اُن کی حیثیت میں قطعی کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ مزید براں، غلام خود بھی، جو اصل پیداواری قوت تھا، غیر انسانی استحصال کے سبب جسمانی اور دماغی طور پر تنزل کا شکار تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ غلامی کے سماج میں پیداواری قوتوں اور پیداواری تعلقات کے درمیان تضاد انتہائی شدید ہوتا گیا۔ اس تضاد کا اظہار غلاموں کی بغاوتوں میں ہوا۔ بے رحمانہ استحصال کے شکار غلام اپنے آقاؤں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ان بغاوتوں نے نیز پڑوسی قبائل کے حملوں نے غلامی کے سماج کی بنیادوں کو کمزور کر دیا اور اُس کے کھنڈروں پر نیا، جاگیردارانہ سماج وجود میں آیا۔

جاگیردارانہ سماج: پیداواری قوتوں کا ترقی پسندانہ نشوونما جاگیرداری کے تحت بھی جاری رہا۔ اسی مدت کے دوران انسان اپنی جسمانی طاقت کے علاوہ پانی اور ہوا کی قوتوں کو بھی استعمال کرنے لگے، وہ پن چکیاں، ہوائی چکیاں اور بحری جہاز وغیرہ کا استعمال کرنے لگے۔ انسانوں نے لوہے کو فولاد بنانا سیکھا۔ انھوں نے کاغذ، بارود اور کتابوں کی طباعت ایجاد کی اور بہت سی دیگر دریافتیں کیں جنھوں نے نوعِ انسانی کی تاریخ میں ایک اہم کردار ادا کیا۔

دستکاریوں نے مزید ترقی پائی، نئے آلات اور مشینیں ایجاد ہوئیں اور پرانے آلات اور مشینوں کو بہتر بنایا گیا۔ پارچہ بافی میں ترقی خاص طور پر نمایاں تھی جس میں کئی قسم کی مشینیں ایجاد کی گئیں۔ دستکار کی محنت با مہارت ہو گئی اور اس کی پیداواری صلاحیت میں کافی اضافہ ہوا۔ دستکاریوں اور تجارت کے فروغ کے

ساتھ ساتھ شہر بھی بڑھے، اور ان میں سے بعض دستکاری اور تجارت کے اہم عالمی مرکز بن گئے۔

غلّے، پھلوں اور ترکاریوں کی نئی اقسام کی کاشت کے ساتھ ساتھ زراعت نے ترقی کی۔ زمین کی جتائی زیادہ اچھی طرح کی جانے لگی اور کھاد استعمال کی گئی۔ مویشی بانی میں توسیع ہوئی، بار برداری کے جانوروں کا استعمال وسیع تر پیمانے پر ہونے لگا اور جانوروں سے حاصل ہونے والی مصنوعات میں اضافہ ہوا۔

جاگیرداری کے تحت پیداواری قوتوں کی ترقی کو پیداوار کے جاگیردارانہ تعلقات سے مدد ملی۔ یہ تعلقات وسائل پیداوار (خاص طور سے زمین) کے جاگیردار کی ملکیت ہونے اور خود ی طور پر کیوں (زرعی غلاموں) کے بھی جاگیردار کی ملکیت ہونے پر مبنی تھے۔ کمیروں کو جاگیردار کے لئے کام کرنا پڑتا تھا اور اس کے لئے ہر قسم کی محنت کی خدمات سرانجام دینی ہوتی تھیں۔ جاگیردار کمیروں کو خرید اور بیچ سکتا تھا لیکن وہ اُن کی زندگیوں کا مالک نہیں تھا۔

غلامی کے سماج کی طرح جاگیردارانہ سماج میں بھی پیداواری تعلقات تسلط اور محکومی کے، جاگیرداروں کے ہاتھوں کمیروں کے استحصال کے تعلقات تھے۔ لیکن یہ تعلقات غلامی کے سماج کے تعلقات کے مقابلے میں زیادہ ترقی پسندانہ تھے کیونکہ اُن کے تحت پیداکنندہ اپنی محنت میں کسی قدر دلچسپی لیتا تھا۔ کسان اور کاریگر خود اپنی ملکیت کے حامل تھے (کسان ایک قطعۂ زمین، ایک گھوڑے اور دیگر مویشیوں کا نیز آلاتِ کشاورزی کا مالک ہو سکتا تھا، دستکار آلات یا سادہ سی مشینوں کا مالک ہوتا تھا) اور جاگیردارانہ خدمات سرانجام دینے کے بعد وہ خود اپنے لئے کام کرتے تھے۔ انھیں زراعت اور دستکاری کے آلات اور طریقہائے کار کو بہتر بنانے سے دلچسپی تھی۔

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا پیداواری قوتیں ترقی پاتی گئیں۔ اِن قوتوں کی ترقی میں اس وقت خاص طور پر اہم اضافہ ہوا جبکہ سولھویں صدی کے اواخر میں عظیم جغرافیائی دریافتیں عمل میں آئیں (امریکہ کی دریافت، ہندوستان کے راستے کی دریافت وغیرہ)۔ ایک بین الاقوامی منڈی صورت پذیر ہونے لگی اور مختلف اجناس (اشیا) کی طلب میں اضافہ ہوا جسے دستکاری کی پیداوار پورا کرنے سے قاصر تھی۔ چنانچہ دستکاری کی کارگاہوں کی جگہ اشیا سازی لینے شروع کر دی۔

اشیا سازی نے مزدوروں کی ایک بڑی تعداد کو ایک ہی جگہ پر جمع کر دیا، اُن کے درمیان وسیع تقسیم محنت کو رائج کیا اور اس طرح محنت کی پیداواری صلاحیت میں کافی اضافہ کیا۔ اشیا سازی کے ظہور نے جاگیردارانہ سماج کے اندر نئی سرمایہ دارانہ پیداوار اور نئے مخالف طبقات کے بورژوازی اور پرولتاریہ کی پیدائش کی نشان دہی کی جو اس طرزِ پیداوار سے تعلق رکھتے تھے۔

اشیا سازی کے ظہور کے ساتھ پیداواری قوتیں جاگیردارانہ پیداواری تعلقات کے ساتھ مطابقت نہیں

آگئیں۔ اشیا سازی ایک آزاد مزدور کی متقاضی تھی جبکہ جاگیرداری مزارعے کو زمین سے بندھے رکھتی تھی۔ اشیا سازی کو ایک وسیع بین الاقوامی منڈی کی ضرورت تھی جس کے قیام کی راہ میں محدود جاگیردارانہ معیشت، اس کے الگ تھلگ ہونے کی حالت اور قدرتی معیشت رکاوٹ ڈالتی تھیں۔ یہ ضروری ہو گیا کہ پیداوار کے جاگیردارانہ تعلقات کو سرمایہ دارانہ تعلقات سے بدل دیا جائے۔ یہ کام بہت سے بورژوا انقلابات کے ذریعہ پایۂ تکمیل کو پہنچا جن میں لڑنے والی اصل قوت کسان اور شہری آبادی کے نچلے حصوں پر مشتمل تھی اور جن کی قیادت بورژوازی نے کی تھی۔

سرمایہ دارانہ سماج: بڑے پیمانے کی مشینی پیداوار سرمایہ داری کی پیداواری قوتوں کی منفرد خصوصیت ہے۔ بڑی بڑی فیکٹریوں اور کانوں نے دستکاری کی کارگاہوں اور اشیا سازی کو پیچھے چھوڑ دیا۔ مارکس اور اینگلز نے "کمیونسٹ پارٹی کے منشور" میں سرمایہ دارانہ پیداواری قوتوں کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:
"قدرت کی قوتوں پر انسان کا غلبہ، مشینری، صنعت اور زراعت میں کیمیا کا استعمال، دخانی جہازرانی، ریلوے، برقی ٹیلی گراف، کاشتکاری کے لئے پورے کے پورے براعظموں کی صفائی، دریاؤں سے نہروں کی تعمیر، پوری کی پوری آبادی کا گویا زمین سے ابل پڑنا۔ چند صدیوں کے دوران سرمایہ داری نے پیداواری قوتوں کے فروغ میں اس سے کہیں زیادہ کامیابی حاصل کر لی جتنی کہ انسانی سماج کے تمام سابقہ ادوار میں حاصل ہوئی تھی۔

پیداواری قوتوں کی اس زبردست ترقی کو سرمایہ دارانہ پیداواری تعلقات سے مدد ملی جو نجی سرمایہ دارانہ ملکیت پر مبنی تھے جس نے آہستہ آہستہ لیکن سختی کے ساتھ جاگیردارانہ ملکیت کا خاتمہ کر دیا۔

سرمایہ داری کے تحت پیدا کنندہ، یعنی پرولتاریہ قانونی طور پر آزاد ہوتا ہے جو نہ تو زمین سے بندھا ہوا ہوتا ہے اور نہ کسی خاص فیکٹری سے۔ وہ اس مفہوم میں آزاد ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی سرمایہ دار کیلئے کام کر سکتا ہے لیکن وہ مجموعی طور پر بورژوا طبقے سے آزاد نہیں ہوتا۔ چونکہ وہ کسی بھی قسم کے وسائل پیداوار کا مالک نہیں ہوتا، اس لئے وہ اپنی قوت محنت کو بیچنے پر مجبور ہوتا ہے اور اس طرح استحصال کے جوئے کے تحت آجاتا ہے۔

سرمایہ دارانہ پیداواری تعلقات نے سرمایہ دارانہ منافع کو جنم دیا، جو پیداواری ترقی کا ایک بڑا محرک ہے۔ منافع کے لالچ میں ہی سرمایہ دار پیداوار بڑھاتا، جدید صنعت اور زراعت میں مشینری اور پیداواری طریقہائے کار کو بہتر بناتا ہے۔ تاہم یہ تعلقات نہ صرف پیداوار میں ایک فقید المثال اضافے کا تعین کرتے ہیں، بلکہ ایسی پیداواری قوتوں کو بھی وجود میں لاتے ہیں جو مجموعی طور پر سارے سرمایہ دارانہ نظام کو تباہی کے کنار

لے آتی ہیں۔ مارکس اور اینگلز نے سرمایہ کو ایک ایسے جادوگر سے تشبیہ دی جس کے جادو ٹونے ایسی طاقتور قوتوں کو حرکت میں لے آتے ہیں جنھیں قابو کرنا اس کے لئے ممکن نہیں ہوتا۔

پیداواری قوتوں کی عظیم الشان ترقی کے ساتھ ہی سرمایہ دارانہ پیداواری تعلقات کی ان قوتوں کے ساتھ مطابقت ختم ہو جاتی ہے اور یہ تعلقات ان قوتوں کی ترقی میں پاؤں کی زنجیر بن جاتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ طرز پیداوار کا سب سے گہرا تضاد پیداوار کے سماجی کردار اور ملکیت کی نجی سرمایہ دارانہ شکل کے درمیان تضاد ہے۔ سرمایہ دارانہ سماج میں پیداوار انتہائی نمایاں سماجی کردار کی حامل ہوتی ہے۔ لاکھوں مزدور بڑے بڑے پلانٹوں میں جمع ہوتے ہیں اور پیداوار میں حصہ لیتے ہیں جبکہ مزدوروں کی محنت کا پھل وسائل پیداوار کے مالکوں کا ایک چھوٹا سا گروہ کھا جاتا ہے۔ یہ سرمایہ داری کا بنیادی تضاد ہے۔

گزشتہ صدی کے ختم ہونے تک سرمایہ داری سامراج کی شکل اختیار کر چکی تھی، جو اس کی بلند ترین اور آخری منزل ہے۔ سرمایہ داری کا اصل عقدہ اجارہ داریوں کا غلبہ ہے جو آزاد مقابلے کی جگہ لے لیتا ہے۔ اجارہ داریاں سرمایہ داروں کی بڑی بڑی انجمنیں ہیں جو بعض اجناس (اشیا) کی کثیر مقدار کی پیداوار اور خرید و فروخت کو اپنے ہاتھوں میں مرتکز کر لیتی ہیں۔

اجارہ داریوں کا مقصد ممکنہ حد تک زیادہ منافع کا حصول ہے۔ اس مقصد کی غرض سے سامراجی خود اپنے ملک میں اور نوآبادیوں اور محکوم ممالک میں محنت کش عوام کے استحصال کو شدید کر دیتے ہیں۔ دنیا کو آپس میں تقسیم کر کے سامراجی اس کی تقسیم نو کے لئے آپس میں سخت جد و جہد کرتے ہیں۔

سامراج سرمایہ داری کے تمام تر تضادات کو ابتری کی انتہا تک پہنچا دیتا ہے، خاص طور پر پیداوار کے سماجی کردار اور ملکیت کی نجی شکل کے درمیان تضاد کو۔ یہ تضاد بحرانوں اور بے روزگاری کو جنم دیتا ہے، بورژوازی اور پرولتاریہ کے درمیان شدید طبقاتی جنگوں کا سبب بنتا ہے اور سوشلسٹ انقلاب کے لئے سماجی بنیاد کی تشکیل کرتا ہے۔ فتح مند سوشلسٹ انقلاب سرمایہ دارانہ پیداواری تعلقات کا خاتمہ کر دیتا ہے اور سوشلسٹ طرز پیداوار کو رائج کرتا ہے۔

بارھواں باب

سوشلسٹ طرزِ پیداوار
سوشلزم کا کمیونزم میں فروغ

ہم سماجی پیداوار کی ترقی کا جائزہ لے چکے ہیں اور ہم یہ جانتے ہیں کہ ہر نیا طرزِ پیداوار، جس کی بنیاد طبقات کی مخاصمت پر ہوتی ہے، گزشتہ نظام کے اندر ہی سے شروع ہوتا ہے۔ آیئے اب ہم یہ دیکھیں کہ سوشلسٹ طرزِ پیداوار کس طرح عالم وجود میں آتا ہے اور اس کے ظہور اور فروغ کی منفرد خصوصیات کیا ہیں۔

۱۔ سوشلسٹ طرزِ پیداوار کے ظہور کی منفرد خصوصیات

سرمایہ دارانہ طرزِ پیداوار کے برعکس سوشلسٹ طرزِ پیداوار سماجی ملکیت پر مبنی ہوتا ہے اور اس کا استحصال سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سرمایہ دارانہ نظام کے برعکس جس نے جاگیردارانہ سماج کے اندر جنم لیا تھا، سوشلزم سرمایہ دارانہ سماج کے بطن میں پیدا نہیں ہو سکتا۔

لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ سوشلزم آسمان سے ٹپک پڑتا ہے۔ سوشلزم کی ضروری شرائط سرمایہ داری کے تحت، یعنی بڑے پیمانے کی مشینی پیداوار، محنت کے ارتکاز اور اس کی اجتماعیت کی اعلیٰ سطح اور سائنسی و فنی ترقی کے اعلیٰ پیمانے کے تحت صورت پذیر ہوتی ہیں۔ وہ قوت بھی جو سوشلزم کی تعمیر کرنے والی ہوتی ہے یعنی مزدور طبقہ، سرمایہ داری کے تحت ہی صورت پذیر ہوتی ہے۔ مزدور طبقہ بورژوازی کے خلاف جدوجہد کی سخت آزمائشوں سے گزرتا ہے، خود اپنی پارٹی کی تنظیم کرتا ہے اور ایک ترقی پسندانہ، سائنسی آئیڈیالوجی پر عبور حاصل کرتا ہے۔

تاہم، تنہا یہ ضروری شرائط سوشلسٹ طرزِ پیداوار کی تخلیق کرنے سے قطعاً قاصر ہیں، کیونکہ سوشلسٹ پیداواری تعلقات سرمایہ داری کے اندر ظہور پذیر نہیں ہو سکتے۔ سوشلزم نجی ملکیت کا بالکل خاتمہ کر دیتا ہے، استحصال اور تشدد کی تمام دیگر شکلوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیتا ہے۔ لیکن اس کے لئے ایک سوشلسٹ انقلاب کی اور سرمایہ داری سے سوشلزم میں منتقلی کے ایک پورے دور کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس دور میں مزدور طبقہ جو اب اقتدار کا مالک ہوتا ہے، دیگر تمام محنت کش عوام کے ساتھ مل کر شعوری طور پر اور ایک منصوبہ بند طریقے سے نئے

سوشلسٹ طرزِ پیداوار کی تعمیر کرتا ہے۔ سوشلسٹ ریاست اور کمیونسٹ پارٹی اِس سلسلۂ عمل میں ایک انتہائی اہم رول ادا کرتی ہیں۔

روس کے مزدور طبقے نے اکتوبر کے عظیم سوشلسٹ انقلاب کے نتیجے میں سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے بعد ہی سوشلسٹ پیداواری تعلقات کے قیام کے لئے حالات پیدا کرنے شروع کر دیئے۔ سب سے پہلے تو بڑے پیمانے کی سرمایہ دارانہ پیداوار (بڑے پیمانے کی صنعت، بینک، ٹرانسپورٹ اور ذرائع مواصلات) کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا۔ اس کی وجہ سے قومی معیشت کے اہم دائرے، یعنی صنعت میں سوشلسٹ پیداواری تعلقات نافذ ہو گئے۔ اسی کے ساتھ ساتھ جاگیروں کا خاتمہ کر دیا گیا۔ ان اہم اقدامات نے بورژوازی کی معاشی قوت کو کم کر دیا، جاگیرداروں کے رجعت پرست طبقے کا خاتمہ کر دیا اور مزدور طبقے اور عام کسانوں کے درمیان اتحاد کو تقویت بخشی۔

ایک بار جب مزدور طبقے نے معیشت کی کلیدی پوزیشنوں پر قبضہ کر لیا تو پھر یہ طبقہ اِس قابل ہو گیا کہ لینن کے تیار کردہ منصوبے کے مطابق سوشلزم کی تعمیر کا کام شروع کرے۔

۔ اِس منصوبے کے اہم عناصر ملک کی صنعتکاری اور زراعت کی اجتماعیت تھے۔ صنعتکاری کی پالیسی کی فتح نے صنعت میں سوشلزم کی پیداواری قوتوں کی تعمیر کو نیز زراعت کی سوشلسٹ تبدیلی کے لئے زراعت کو جدید مشینری فراہم کرنے کے لئے بنیادی کام کو ممکن بنایا۔ لینن کے اجتماعی (کوآپریٹو) کاشتکاری کے منصوبے پر عمل درآمد نے ایک بڑے پیمانے کی، مشینی، سوشلسٹ زراعت کو جنم دیا۔ یہ اِس بات کی علامت تھی کہ سوشلسٹ پیداواری تعلقات معیشت کی پسماندہ ترین شاخ میں بھی داخل ہو گئے تھے۔

صنعتکاری اور اجتماعیت (کوآپریشن) کے نتیجے میں سوویت یونین میں موجودہ صدی کی چوتھی دہائی کے اواخر تک سوشلسٹ طرزِ پیداوار پورے طور پر قائم ہو گیا۔

بہت سے دیگر ممالک اب سوشلسٹ راہ پر گامزن ہیں۔ اِن ممالک میں سوشلسٹ طرزِ پیداوار کا قیام اُن قوانین کے مطابق عمل میں آیا ہے جو سارے سوشلسٹ نظام میں مشترک ہیں، لیکن سوشلسٹ اصلاحات کی شکلیں اور ان کی رفتار ایک ملک سے دوسرے ملک میں مختلف ہے۔ مثلاً سرمایہ دارانہ صنعت کے سوشلسٹ صنعت میں منتقلی اور صنعت کاری کی رفتار میں فرق ہے۔ اِن ممالک میں جن کی صنعت پسماندہ تھی، ان ممالک کے مقابلے میں جو صنعتی لحاظ سے ترقی یافتہ ہیں، صنعت کاری کی رفتار زیادہ تیز ہے۔ زرعی اجتماعیت کی شکلیں بھی

مختلف ہیں۔

شکلوں کے تمام تر تنوع کے باوجود ان تبدیلیوں کی ماہیت ایک ہے : نجی، سرمایہ دارانہ ملکیت کا خاتمہ کر دیا گیا ہے اور سماجی، سوشلسٹ ملکیت جو سوشلزم کی معاشی بنیاد ہے، نافذ کر دی گئی ہے۔

۲۔ سوشلزم کے تحت پیداواری قوتوں اور پیداواری تعلقات کی جدلیات

سوشلزم کے تحت پیداواری قوتیں اور پیداواری تعلقات : سوشلسٹ سماج کی پیداواری قوتیں یہ ہیں : سوشلسٹ صنعت، زراعت، ٹرانسپورٹ اور ذرائع مواصلات، تعمیراتی صنعت اور معیشت کی ان شاخوں میں مصروف کار عوام۔ سوویت یونین میں دو لاکھ سے زیادہ بڑے بڑے صنعتی ادارے موجود ہیں جن سے بیشتر صنعتی پیداوار حاصل ہوتی ہے، اور ہزارہا کی تعداد میں مقامی صنعتی ادارے ہیں۔ تقریباً آٹھ ہزار ریاستی فارم اور ہزارہا اجتماعی فارم ہیں۔ نیز ریلوں اور سڑکوں، اندرون ملک آبی شاہراہوں اور تجارتی بحریہ کا ایک عظیم جال پھیلا ہوا ہے، ذرائع مواصلات یعنی ٹیلیگراف، ٹیلیفون، ریڈیو اور ٹیلیویژن کو زبردست ترقی حاصل ہے۔ (نوٹ : مذکورہ بالا اعداد و شمار ۱۹۶۵ء تک کے ہیں۔ مترجم)

سوشلسٹ معیشت کی فنیاتی اساس بڑے پیمانے کی، مسلسل فروغ پاتی ہوئی مشینی صنعت پر ہے جو بجلی اور کیمیا کے وسیع استعمال نیز بعض شاخوں میں ایٹمی توانائی کے استعمال پر اور مجموعی مشین کاری اور خودکاری پر مبنی ہے۔

ہماری صنعت سوویت یونین کی ساری معیشت کا سنگ بنیاد ہے، اس کی قوت اور دولت کا سرچشمہ ہے۔

عوام، یعنی مزدور، اجتماعی کسان، فنی ماہرین اور انجینیئر سوشلزم کی پیداواری قوتوں کا اصل عنصر ہیں۔ سوویت عہد میں انھوں نے زبردست پیداواری مہارت حاصل کی ہے اور وہ متنوع ترین اور پیچیدہ ترین مشینوں کو کامیابی کے ساتھ چلا رہے ہیں اور محکم فنی ترقی اور محنت کی پیداواری صلاحیت میں مسلسل اضافے کو یقینی بنا رہے ہیں۔

پیداواری قوتوں کی ترقی، یعنی وسائل پیداوار اور عوام کی مہارت کی مسلسل بہتری، سوشلسٹ معیشت کی ترقی کے لئے لازمی شرط ہے۔

سوشلسٹ پیداواری تعلقات سوشلسٹ پیداواری قوتوں کی بنا پر قائم ہوئے ہیں اور فروغ پا رہے ہیں۔ یہ تعلقات وسائل پیداوار کی سماجی، سوشلسٹ ملکیت کی بنیاد پر استوار ہیں۔ سوشلسٹ ملکیت کی دو شکلیں ہیں :

ریاستی شکل یعنی وہ ملکیت جو سارے عوام کی ہے جن کی نمائندگی سوشلسٹ ریاست کرتی ہے اور دوسری کوآپریٹیو اجتماعی فارموں کی ملکیت یعنی انفرادی اجتماعی فارموں یا کوآپریٹیو انجمنوں کی ملکیت۔ ملکیت کی یہ دونوں شکلیں اپنے کردار کے اعتبار سے سوشلسٹ ہیں اور کمیونسٹ تعمیر کے فریضوں کی تکمیل کی ضمانت فراہم کرتی ہیں۔ سوشلسٹ سماج میں ریاستی ملکیت کو غالب شکل کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

سوشلسٹ ملکیت کی وجہ سے پیداواری تعلقات مزدوروں کے درمیان برادرانہ تعاون اور باہمی امداد کے تعلقات ہوتے ہیں۔ سوشلسٹ پیداواری تعلقات کا سب سے بڑا فائدہ اور مخاصمانہ طبقاتی سماجوں کے پیداواری تعلقات سے ان کا بنیادی امتیاز یہ ہے کہ ان میں انسان کے ہاتھوں انسان کے کسی بھی قسم کے استحصال کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

سوشلسٹ تقسیم دولت کے اس اصول کا، کہ ہر شخص کو اس کے انجام دیئے ہوئے کام کے مطابق معاوضہ دیا جائے، سوشلسٹ ملکیت کی بنیاد پر اطلاق کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سماج کے ہر رکن کا یہ فرض ہے کہ وہ کام کرے اور یہ کہ ہر رکن اپنے انجام دیئے ہوئے کام کی مقدار اور نوعیت کے مطابق سماج سے مادی دولت وصول کرتا ہے۔

سوشلسٹ پیداواری تعلقات پیداواری قوتوں سے مطابقت رکھتے ہیں

سوشلسٹ سماج نے پیداوار کے سماجی کردار اور ملکیت کی نجی شکل کے درمیان مخاصمانہ تضاد کا جو سرمایہ داری میں خلقاً موجود ہوتا ہے، ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا ہے۔ سوشلزم کے تحت پیداوار انتہائی نمایاں سماجی کردار کی حامل ہوتی ہے۔ لکھوکھا مزدور اور اجتماعی کسان صنعت اور زراعت میں مصروف کار ہوتے ہیں۔ لیکن سرمایہ داری کے برعکس جس میں لکھوکھا انسانوں کی محنت کے پھل پر استحصال کرنے والوں کے ایک چھوٹے سے گروہ کا قبضہ ہوتا ہے، سوشلسٹ سماج میں محنت کا پھل خود پیدا کنندوں کو، خود محنت کش عوام کو حاصل رہتا ہے۔ چونکہ سماجی ملکیت غالب حیثیت رکھتی ہے اور سوشلسٹ پیداواری تعلقات کی بنیاد کی تشکیل کرتی ہے، اس لئے یہ تقسیم دولت کی سماجی نوعیت کا تعین کرتی ہے۔

سوشلسٹ سماج میں پیداواری تعلقات پیداواری قوتوں کے کردار سے مطابقت رکھتے ہیں۔ اس بات پر زور دیا جانا چاہیئے کہ یہ مطابقت عارضی، عبوری نوعیت کی نہیں ہوتی اور نہ صرف صنعتی ترقی کے ابتدائی دور میں نظر آتی ہے، جیسا کہ سرمایہ داری کے تحت ہوتا ہے، بلکہ سوشلسٹ طرز پیداوار کے وجود اور اس کی ترقی کے سارے

دور میں نمودار ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سوشلزم کے تحت پیداواری قوتوں کا سماجی کردار وسائل پیداوار کی سماجی ملکیت سے مطابقت رکھتا ہے۔

سوشلسٹ پیداواری تعلقات چونکہ پیداواری قوتوں سے مطابقت رکھتے ہیں، اس لئے وہ ترقی کے غیر معمولی امکانات کے حامل ہوتے ہیں اور پیداوار کی توسیع میں ایک طاقتور عامل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ منافع کی تلاش نہیں بلکہ پیداوار کی ترقی میں محنت کش عوام کی دلچسپی وہ چیز ہوتی ہے جو سوشلسٹ معیشت کے فروغ کے پیچھے محرک قوت کا کام کرتی ہے۔

تعاون اور باہمی امانت کے سوشلسٹ تعلقات سوشلسٹ مسابقت (مقابلہ) میں نمایاں ترین طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اس مطابقت کے ذریعے محنت کش عوام اپنے کام کی خامیوں کو دور کرنے کی، ان لوگوں کی مدد کرنے کی جو پیچھے رہ گئے ہوں، اور انھیں رہنما مزدوروں کی سطح تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

سوشلسٹ پیداواری تعلقات معاشی ترقی کیلئے ایک طاقتور محرک بھی رکھتے ہیں، اور یہ ہے مزدوروں کی اپنی محنت کے نتائج میں مادی دلچسپی۔ کوئی مزدور، اجتماعی کسان یا دانشور جتنی زیادہ عمدگی اور کارکردگی کے ساتھ کام کرتا ہے، اتنا ہی زیادہ اس کا معاوضہ ہوتا ہے۔ اس سے سماج کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ سوشلسٹ سماج میں ذاتی اور سماجی مفادات کا امتزاج معاشی ترقی کا ایک اہم عامل ہے۔

سوشلسٹ پیداواری تعلقات کی بدولت کمیونسٹ پارٹی کی زیر قیادت سوویت عوام نے پسماندہ روس کو ایک طاقتور صنعتی اور زرعی سوشلسٹ ملک میں تبدیل کر دیا ہے۔ ۱۹۶۳ء میں سوویت یونین میں زار شاہی روس کی ۱۹۱۳ء کی پیداوار کے مقابلے میں پگ آئرن کی پیداوار تقریباً چودہ گنی، فولاد کی پیداوار ۱۰،۹ گنی، تیل کی پیداوار بیس گنی اور کوئلے کی پیداوار اٹھارہ گنی سے زیادہ تھی۔

آج (۱۹۶۵ء تک۔ مترجم) سوویت صنعت ایک ہفتے میں اتنا مال پیدا کرتی ہے جتنا زار شاہی روس ایک سال میں پیدا کرتا تھا۔ اس وقت، انجینئرنگ کی صنعت کی روزانہ پیداوار قدیم روس کی سالانہ پیداوار کے مساوی ہے۔ سوشلسٹ زراعت نے نمایاں کامیابیاں حاصل کی ہیں اور اب یہ ملک کی خام مال اور غذا کی بڑھتی ہوئی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے تمام ضروری شرائط کی حامل ہے۔

سوشلسٹ پیداواری تعلقات تمام سوشلسٹ ممالک میں تیز رفتار معاشی ترقی کو یقینی بناتے ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں سوشلسٹ ممالک میں مجموعی صنعتی پیداوار ۱۹۵۰ء کے مقابلے میں ستر فیصدی زیادہ تھی جبکہ سرمایہ دار ممالک

میں یہ اضافہ صرف پچیس فی صدی تھا۔

سوشلسٹ طرزِ پیداوار کے تضادات سوشلزم کے تحت پیداواری قوتوں اور پیداواری تعلقات کی مطابقت کا یہ مطلب نہیں کہ اُن کے درمیان کسی بھی قسم کے تضادات پیدا نہیں ہوتے۔ سوشلسٹ سماج میں بھی پیداواری قوتیں جو سماجی پیداوار کے مافیہ کی نمائندگی کرتی ہیں، اس سماج کا سب سے زیادہ حرکت پذیر اور انقلاب ساز پہلو ہیں۔ شکل (یعنی پیداواری تعلقات) کسی بھی دوسری شکل کی طرح مافیہ کے فروغ سے پیچھے رہ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سوشلزم کے تحت پیداواری قوتوں اور پیداواری تعلقات کے درمیان بعض تضاد پائے جاتے ہیں۔

اِن تضادات کی ماہیت کیا ہے؟

ہم پہلے ہی یہ بیان کر چکے ہیں کہ سوشلزم میں تعاون اور باہمی اعانت کے سوشلسٹ تعلقات عوام کے درمیان وسائل پیداوار کی سماجی ملکیت کی بنیاد پر نمودار ہوتے ہیں۔ یہ تعلقات صنعتی اور زرعی کارکنوں کے درمیان، صنعت اور زراعت، دونوں کی متعدد شاخوں کے درمیان، شہر اور گاؤں کے درمیان اور جسمانی اور دماغی کام وغیرہ کے درمیان تعلقات کی ایک پیچیدہ زنجیر ہیں۔

سوویت عوام کے درمیان تفاعل اور معاشی رشتوں کی یہ زنجیر مجموعی طور پر پیداواری قوتوں کے کردار سے مطابقت رکھتی ہے اور ان کی تیز اور ہمہ گیر ترقی کو یقینی بناتی ہے۔ لیکن یہ زنجیر خواہ کتنی بھی اچھی کیوں نہ ہو، اسکی بعض کڑیوں کا نشوونما پیداواری قوتوں کی زبردست ترقی کا ہمیشہ ساتھ نہیں دیتا۔ نتیجتہً معاشی تعلقات پیداواری قوتوں کے ساتھ حالتِ تضاد میں آجاتے ہیں اور معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ یہ ضروری ہوتا ہے کہ فرسودہ کڑیوں کو نئی کڑیوں سے بدل دیا جائے اور پیداوار کی مزید بے روک ٹوک ترقی کو یقینی بنایا جائے۔ منصوبہ بند سوشلسٹ معیشت، مخاصمانہ طبقات کی عدم موجودگی، پیداوار کی ترقی کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے میں سارے عوام کی دلچسپی، یہ ساری چیزیں کمیونسٹ پارٹی اور سوویت حکومت کو سوشلسٹ پیداواری تعلقات کو بہتر بنانے، ان تعلقات کی فرسودہ کڑیوں کو بروقت نئی کڑیوں سے بدلنے اور اس طرح سوشلسٹ طرزِ پیداوار کے تضادات کو حل کرنے کا اہل بناتی ہیں۔

یہاں بعض مثالیں پیش کی جاتی ہیں: جب سوویت زراعت میں مشین کاری کی سطح بہت زیادہ بلند نہیں تھی تو ایسے اجتماعی فارم قائم کئے گئے جو تھوڑی سی زمین پر مشتمل تھے۔ دریں اثنا زرعی ٹکنیک میں بہت زیادہ

اضافہ ہوا لیکن اجتماعی فارموں کی چھوٹی جسامت مشینری کے کارگر استعمال میں رکاوٹ ڈال رہی تھی، اور اس کا نتیجہ زرعی پیداوار میں بعض تضادات کی صورت میں ظاہر ہوا۔ کمیونسٹ پارٹی اور سوویت حکومت نے اجتماعی کسانوں کی مکمل منظوری اور حمایت سے اجتماعی فارموں کو آپس میں ملا کر اور انھیں بڑا بنا کر اس تضاد کو حل کر دیا اور زرعی پیداوار میں اضافے کی ضمانت فراہم کی۔ بعد میں زراعت میں پیداواری قوتوں کا فروغ اجتماعی فارموں کو مشینوں اور ٹریکٹروں کے اسٹیشنوں کے ذریعے فنی خدمت بہم پہنچانے کی فرسودہ شکلوں کے ساتھ حالتِ تضاد میں آ گیا۔ ان اسٹیشنوں نے اجتماعی فارموں کے نظام کو منظم کرنے میں بہت ہی بڑا کردار انجام دیا تھا۔ لیکن جب اجتماعی فارم مضبوط ہو گئے تو ایک ہی زمین پر دو مالکوں (مشینوں اور ٹریکٹروں کا اسٹیشن اور اجتماعی فارم) کی موجودگی مشینوں اور قوتِ محنت کے کارگر استعمال میں رکاوٹ ڈالنے لگی۔

اس تضاد کو ۱۹۵۸ء میں مشینوں اور ٹریکٹروں کے اسٹیشنوں کی نئے سرے سے تنظیم کر کے اور اجتماعی فارموں کے ہاتھ مشینیں فروخت کر کے حل کر لیا گیا۔ یہ کارروائی سوشلسٹ پیداواری تعلقات کے فروغ میں ایک اہم قدم کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس نے صنعت اور زراعت کے درمیان رشتوں کو مضبوط کیا اور اجتماعی فارموں کے نظام کو تقویت بخشی۔ اجتماعی فارم ریاستی زمین کا واحد مالک بن گیا جو اسے مستقل استعمال کے لئے الاٹ ہوئی تھی اور ساتھ ہی اپنے وسائلِ محنت اور مشینری کا مکمل منتظم بھی بن گیا۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سوشلزم کے تحت پیداواری قوتوں اور پیداواری تعلقات کے درمیان مطابقت کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو غیر لچکدار یا ہمیشہ کے لئے طے شدہ ہو۔ اس مطابقت میں، جو کہ مسلسل فروغ پاتی اور بہتر ہوتی رہتی ہے، بعض تضادات بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ لیکن سرمایہ داری کے برخلاف جہاں پیداواری تعلقات مجموعی طور پر پیداواری قوتوں کے ساتھ مخاصمانہ تضاد کی حالت میں ہوتے ہیں، سوشلسٹ سماج میں ان تعلقات کی بعض انفرادی خصوصیات یا پہلو پیداواری قوتوں کی ترقی سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ پیداوار کے تضادات بالآخر سوشلسٹ انقلاب کا، سرمایہ دارانہ پیداواری تعلقات کی جگہ سوشلسٹ پیداواری تعلقات کے نافذ ہو جانے کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن سوشلسٹ طرزِ پیداوار میں غیر مخاصمانہ تضادات کا حل پیداواری تعلقات کے محض چند، فرسودہ عناصر کو بدل دینے سے ہی حاصل ہو جاتا ہے۔ پیداواری تعلقات بحیثیتِ مجموعی مزید ترقی اور بہتری پاتے ہیں۔

۳۔ کمیونزم کی مادی اور فنی بنیاد کی تعمیر اور سوشلسٹ پیداواری تعلقات کی کمیونسٹ پیداواری تعلقات میں تبدیلی

سماجی زندگی کے تمام دائروں میں کامرانیوں اور سوشلزم کی کامیابیوں نے سوویت یونین کو اس قابل بنادیا ہے کہ وہ اپنی ترقی کے ایک نئے دور میں داخل ہو، یعنی مکمل پیمانے کی کمیونسٹ تعمیر کے دور میں۔ اس دور کا خاص معاشی فریضہ کمیونزم کی مادی اور فنی بنیاد کی تعمیر کرنا ہے۔ آیئے ہم دیکھیں کہ یہ بنیاد کیا ہے، اس کی تعمیر کس طرح ہوتی ہے اور یہ سوشلسٹ پیداواری تعلقات کو کمیونسٹ پیداواری تعلقات سے بدلنے میں کس طرح اساس کا کام دیتی ہے۔

کمیونزم کی مادی اور فنی بنیاد کی تعمیر

سوشلسٹ صنعت کی کامیابیوں کے باوجود سوویت یونین ابھی اس قابل نہیں ہوا ہے کہ اس قدر فراوانی کے ساتھ مادی اور ثقافتی اقدار فراہم کر سکے جو عوام کی تمام تر بڑھتی ہوئی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہیں اور عوام کے ہمہ گیر ہم آہنگ نشوونما کو یقینی بنا سکے جس کے بغیر کمیونزم ناممکن ہے۔ کمیونسٹ سماج کی تعمیر کے لئے سب سے پہلے تو یہ ضروری ہے کہ سماجی پیداوار کی ایک اور، بلکہ عظیم تر پیش قدمی حاصل کی جائے۔ بالفاظِ دیگر، ضروری یہ ہے کہ کمیونزم کی مادی اور فنی بنیاد کی تعمیر کی جائے۔

یہ معاشی، سماجی اور ثقافتی فریضوں کی زنجیر میں فیصلہ کن کڑی ہے اور یہ سوویت یونین کی ترقی کے اندرونی اور بیرونی، دونوں قسم کے حالات کے تحت ہے۔ کمیونزم کی مادی اور فنی بنیاد کی تخلیق سوویت یونین کو اس قابل بنائے گی کہ وہ کمیونسٹ سماج کی تعمیر کے بہت سے اہم فریضوں کو پورا کر سکے۔ یہ فریضے یہ ہیں:

بے پایاں طاقت کی حامل پیداواری قوتوں کی تخلیق کرنا، فی کس پیداوار کے لحاظ سے دنیا میں پہلا مقام حاصل کرنا اور اس طرح سرمایہ داری کے ساتھ معاشی مقابلے میں جیتنا،

مادی دولت کی پیداوار کو اس حد تک وسعت دینا کہ سوویت عوام کی تمام تر ضروریات پوری ہو جائیں، ساری آبادی کیلئے اعلیٰ ترین معیارِ زندگی کو یقینی بنانا اور وہ تمام حالات پیدا کرنا جن کی بنیاد پر بعد میں اس اصول پر عمل کیا جا سکے کہ ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق (معاوضہ) دیا جائے۔

دنیا بھر کے مقابلے میں محنت کی اعلیٰ ترین پیداواری صلاحیت کو یقینی بنانا، جو کہ اپنے آخری تجزیے میں

نئے کمیونسٹ نظام کی فتح کا اہم ترین اور خاص عامل ہے، سوویت عوام کو سب سے زیادہ ترقی یافتہ ٹکنولوجی سے لیس کرنا اور اس طرح محنت کو مسرت، اُمنگ اور تخلیقی مساعی کے سرچشمے میں بدل دینا،

سوشلسٹ پیداواری تعلقات کو بتدریج کمیونسٹ پیداواری تعلقات میں بدلنا، ایک غیر طبقاتی سماج قائم کرنا، شہر اور گاؤں کے درمیان اور اس کے بعد دماغی اور جسمانی محنت کے درمیان بنیادی امتیازات کو ختم کرنا،

ملک کے دفاع کو اس سطح تک مستحکم رکھنا کہ کسی بھی حملہ آور کو جو سوویت یونین یا کسی دوسرے سوشلسٹ ملک پر حملہ کرنے کی جرات کرتا ہے، کچلا جا سکے۔

کمیونزم کی مادی اور فنی بنیاد کی نمایاں خصوصیات کو اور اس کی تعمیر کے لئے درکار طریقوں اور مدتوں کو سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کے پروگرام میں بیان کیا گیا ہے۔

پروگرام میں یہ بات زور دے کر کہی گئی ہے کہ کمیونزم کی مادی اور فنی بنیاد کی تعمیر محض پیداواری صلاحیت میں ایک کمیتی اضافہ نہیں ہے، یہ محض توسیع نہیں ہے۔ سب سے پہلے تو ضروری یہ ہے کہ پیداواری سلسلۂ عمل کی نوعیت میں گہری کیفیتی تبدیلیاں پیدا ہوں۔ کمیونزم کی مادی اور فنی بنیاد کے کیفیتی امتیازات میں یہ چیزیں شامل ہیں، ملک کی مکمل برق کاری اور اس بنیاد پر معیشت کے تمام شعبوں میں مشینری، ٹکنولوجی اور سماجی پیداوار کی تنظیم کی بہتری، پیداواری سلسلہ ہائے عمل کی مجموعی مشین کاری اور خود کاری، معیشت میں کیمیاوی سلسلہ ہائے عمل اور کیمیاوی مصنوعات کا بڑے پیمانے پر استعمال، پیداوار کی نئی اور معاشی لحاظ سے کارگر شاخوں کا اور توانائی (پاور) اور مادے کی نئی قسموں کا مکمل فروغ، قدرتی اور مادی وسائل اور محنت کے وسائل کا ہمہ گیر اور حقیقت پسندانہ استعمال، سائنس کا پیداوار کے ساتھ ادغام اور سائنسی و فنی ترقی کی تیز رفتاری، محنت کش عوام کا ایک اعلیٰ ثقافتی اور فنی سطح حاصل کرنا، سب سے زیادہ ترقی یافتہ سرمایہ دار ممالک پر محنت کی پیداواری صلاحیت کے اعتبار سے نمایاں برتری حاصل کرنا۔

برق کاری کو کمیونسٹ معیشت کے فروغ میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ برق کاری معیشت کی تمام شاخوں کی ترقی میں، تمام شعبوں کی فنی ترقی میں رہنمایانہ کردار انجام دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پارٹی کے پروگرام میں برقی قوت کی صنعت کی توسیع کا معیشت کی دیگر شاخوں کے مقابلے میں زیادہ تیز رفتار سطح پر اہتمام کیا گیا ہے۔ بیس سال مدت کے اختتام (۱۹۸۰ء) تک سوویت یونین میں بجلی کی سالانہ پیداوار تقریباً دس کھرب کلوواٹ گھنٹے تک ہو جائے گی، یعنی اس وقت باقی دنیا کے تمام بجلی گھروں میں پیدا کی جانے والی بجلی کے مقابلے میں تقریباً

پچاس فی صدی زیادہ۔ اتنی بڑی مقدار میں بجلی کی پیداوار لینن کے اس مشہور نعرے کی عملی تعبیر ہو گی: "کمیونزم کا مطلب ہے سوویت اقتدار + (جمع) پورے ملک کی برق کاری"

مکمل برق کاری سائنسی اور فنی ترقی میں، یعنی سائنس اور ٹیکنولوجی کی جدید ترین کامیابیوں کی بنیاد پر مشینری فنیاتی سلسلہ ہائے عمل اور پیداوار کی تنظیم کے مسلسل فروغ اور انھیں مکمل سے مکمل تر بنانے میں زبردست تیز رفتاری پیدا کرے گی اور پیداوار کی مکمل مشین کاری اور وسیع خودکاری کو ممکن بنائے گی۔ اس سے محنت کی پیداواری صلاحیت میں زبردست اضافہ ہوگا اور اس کے ساتھ ہی محنت ہلکی بھی ہو جائے گی۔ خودکار مشینیں اور بجلی انسان کو سخت، نقصان دہ اور بے مہارت محنت سے نجات دلا دیں گی اور اس کے کام کو دلچسپ اور تخلیقی بنا دیں گی اور کام ایک جسمانی بوجھ نہیں رہے گا یہ محنت کو زندگی کی بنیادی ضرورت میں تبدیل کرنے کی ایک لازمی شرط ہے۔

دھات اور ایندھن کی پیداوار میں تیز انجینیرنگ، تعمیرات اور ٹرانسپورٹ اور مواصلات کے تمام وسائل کی ترقی میں مزید تیز رفتار توسیع کمیونزم کی مادی اور فنی بنیاد کی تخلیق میں بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ پارٹی پروگرام کے مطابق ۱۹۸۰ء میں پچیس کروڑ ٹن فولاد اور انہتر کروڑ سے لیکر اکہتر کروڑ ٹن تک تیل پیدا کیا جائے گا۔ بیس سال کی مدت کے دوران انجینیرنگ اور دھات سازی کی صنعت کی پیداوار دس گیارہ گنا اور سیمنٹ کی پیداوار پانچ گنا بڑھ جائے گی۔

کیمیاوی صنعت خصوصی تیز رفتاری کے ساتھ ترقی کرے گی مثلاً مصنوعی گوند اور پلاسٹک کی پیداوار بیس سال کے عرصے میں ساٹھ گنا بڑھ جائے گی۔ اور یہ بات فطری بھی ہے، کیونکہ جدید صنعتی پیداوار کا جو فقید المثال رفتاروں، بھاری دباؤ اور انتہائی بلند حرارتوں کی حامل ہے، ایسے مصنوعی مادوں، ایندھن اور خام اشیا کے بغیر تصور نہیں کیا جا سکتا جو قدرت میں موجود ہر چیز کے مقابلے میں بہت زیادہ خصوصیت کی مالک ہوں۔ مصنوعی مادوں کا وسیع پیمانے پر استعمال سائنس اور ٹکنولوجی کی ترقی کے لئے زبردست امکانات روشن کرتا ہے، قدرت پر انسان کی طاقت میں اضافہ کرتا ہے اور انسانی زندگی کو زیادہ خوشگوار بناتا ہے۔

کیمیاوی صنعت کی تیز رفتار ترقی کے لئے، فنی ترقی میں اضافے کی غرض سے تمام کے وسیع استعمال کے لئے، زرعی پیداوار اور اشیائے صرف کی پیداوار میں اضافے کے لئے ایک وسیع پروگرام تیار کیا گیا ہے۔

پیداواری قوتوں کی معقول تقسیم مکمل ہونے کی کمیونسٹ تعمیر میں ایک اہم فریضہ ہے۔ اس مقصد کے لئے سوویت خصوصاً علاقہ یورال کے مشرق میں، ان علاقوں میں جو قدرتی وسائل، خام مال اور ایندھن سے

مالامال ہیں، نئے بجلی گھر، فیکٹریاں، پلانٹ اور کانیں تعمیر کریں گے۔ باقی تمام دیگر علاقوں میں معیشت بڑے پیمانے پر ترقی کرتی رہے گی۔ پیداواری قوتوں کی معقول تقسیم محنت کی بچت، تمام علاقوں کی ترقی، ان کی معیشتوں کی تخصیص کاری (اسپیشلائزیشن) اور شہروں میں ضرورت سے زیادہ آبادی کی روک تھام کی ضمانت فراہم کرے گی۔ اس کی وجہ سے مختلف علاقوں کی معاشی ترقی کو ایک سطح پر لانے میں مدد ملے گی۔

سائنس کمیونزم کی مادی اور فنی بنیاد کے قیام میں ایک اہم رول ادا کرتی ہے۔ جیسے جیسے کمیونسٹ تعمیر آگے بڑھتی جائے گی، ویسے ویسے سائنس کی جدید ترین کامیابیوں کو روزافزوں وسیع پیمانے پر استعمال کیا جائے گا۔

کمیونزم کی تعمیر کے سلسلۂ عمل میں پیداوار کے آلات اور وسائل کی ترقی کے ساتھ ساتھ عوام بھی، جو سماج کی اصل پیداواری قوت ہیں، بدل جائیں گے۔ وسائل پیداوار کی ترقی اور بہتری لازماً ایسے انسانوں کے وجود کو ضروری قرار دیتی ہے جو فنی ترقی کو آگے بڑھانے اور اس کے شانہ بشانہ چلنے کے اہل ہوں، ایسے انسان جو پیچیدہ ٹیکنولوجی کے تقاضوں کو پورا کرنے میں پیچھے نہ رہ جائیں۔ یہ انسان، یعنی مزدور، فنی ماہرین، انجینیر اور سائنس داں جن سے کمیونزم کو حرکت میں لانے، اس میں زندگی کی روح پھونکنے کا تقاضہ کیا جاتا ہے کمیونزم کی مادی اور فنی بنیاد کی تعمیر کے سلسلۂ عمل میں تربیت پا رہے ہیں۔

فنی ترقی، پیداوار کی کارکردگی اور تمام محنت کش عوام کی خصوصی تربیت اور عمومی تعلیم کے تقاضوں میں بہت زیادہ اضافہ کرتی ہے۔ چونکہ ٹیکنولوجی ترقی کرتی اور بہتر ہوتی ہے، اس لئے پیداوار میں مصروف کار تمام مزدوروں کی ثقافتی اور فنی سطح بھی بتدریج بلند ہوتی ہے۔ ثقافتی اور فنی سطح کے بلند ہونے میں آسان تر حالات کار، مختصر تر اوقات کار اور بہتر معیارات زندگی جو فنیاتی ترقی کے ساتھ ناقابل شکست طور پر وابستہ ہوتے ہیں کافی مدد بہم پہنچاتے ہیں۔

اس کے علاوہ ایک متنوع اور اعلیٰ پیداآور زراعت کمیونزم کی مادی اور فنی بنیاد کے لئے ناگزیر شرط ہے۔ زرعی پیداواری قوتوں کی ایک بڑی پیش قدمی سماج کو اس قابل بنا دیگی کہ آبادی کے لئے وافر غذا اور صنعت کے لئے وافر خام مال حاصل کیا جائے اور سوویت دیہی علاقے کی کمیونسٹ سماجی تعلقات میں بتدریج منتقلی کو یقینی بنایا جائے۔

کمیونزم کی مادی اور فنی بنیاد کی تعمیر ذو، کیے بعد دیگرے مراحل میں عمل میں آئے گی۔

زوال عشرہ (۱۹۶۱ - ۷۰ء) میں سوویت یونین صنعتی اور زرعی ہر دو پیداوار میں اضافہ کرے گا۔ نتیجۃً تمام سوویت عوام کو مادی آسودگی حاصل ہوگی اور خاص طور پر انھیں اچھے رہائشی حالات فراہم ہو جائینگے۔

دوسرے عشرے (۱۹۷۱ - ۸۰ء) کے دوران سوویت یونین میں کمیونزم کی مادی اور فنی بنیاد کی تخلیق کی جائے گی۔ ۱۹۶۱ء سے لیکر ۱۹۸۰ء تک کے بیس برسوں کے دوران سوویت یونین میں جو ترقی ہوگی وہ صنعتی لحاظ سے موجودہ سوویت یونین جیسے پانچ مزید ملکوں اور زرعی لحاظ سے دو مزید ملکوں کی تعمیر کے مساوی ہوگی۔ یہ چیز تمام آبادی کے لئے مادی اور ثقافتی اقدار اور دیگر فائدوں کی فراوانی کی بنیاد کی تشکیل کرے گی اور اس طرح سوویت یونین "ضروریات کے مطابق تقسیم دولت" کے کمیونسٹ اصول کے اطلاق کے قریب پہنچ جائے گا۔

سوشلسٹ پیداواری تعلقات کی کمیونسٹ پیداواری تعلقات میں تبدیلی: کمیونزم کی مادی اور فنی بنیاد کی تعمیر سوشلسٹ پیداواری تعلقات کے مزید فروغ اور ان کی کمیونسٹ پیداواری تعلقات میں تدریجی تبدیلی کے لئے اساس کا کام دیتی ہے۔ کمیونسٹ پیداواری تعلقات اعلیٰ ذہانت اور ہمہ گیر فروغ کے حامل آزاد انسانوں کے درمیان کامل ترین تعلقات ہوں گے۔

سوشلسٹ پیداواری تعلقات اور کمیونسٹ پیداواری تعلقات دونوں ہی وسائل پیداوار کی سماجی ملکیت پر مبنی ہوتے ہیں لیکن ملکیت کی دو شکلوں یعنی ریاستی اور اجتماعی (کوآپریٹو) کے بجائے جو کہ سوشلزم میں موجود ہوتی ہیں، کمیونزم میں صرف ایک کمیونسٹ ملکیت ہوگی جو سماج کے سارے اراکین کی ملکیت ہوگی۔

سوشلسٹ ملکیت کی دونوں شکلوں کی ترقی اور بہتری کے ذریعے کمیونزم تک پہنچا جائے گا۔ پیداوار کے بڑھتے ہوئے ارتکاز اور محنت کی بڑھتی ہوئی اجتماعیت کے ذریعے، وسیع تر تخصیص کاری (اسپیشلائزیشن) اور تعاون کے ذریعے ریاستی ملکیت اور بھی زیادہ پختہ ہوگی۔ کوآپریٹو ملکیت اور اجتماعی فارم کی ملکیت میں تبدیلیاں خاص طور پر گہری ہونگی۔ اجتماعی فارموں کی پیداواری قوتوں کی مسلسل ترقی اجتماعی فارموں کی پیداوار کو بتدریج اور زیادہ وسیع بنانے اور کوآپریٹو اور اجتماعی فارم کی ملکیت کو روز افزوں طور پر ریاستی ملکیت کے قریب لانے اور نتیجۃً ان دونوں کے ایک کمیونسٹ ملکیت میں ضم ہو جانے کی بنیاد فراہم کرے گی۔ یہ سلسلہ عمل آج کل جاری ہے۔ اجتماعی فارموں کے ناقابل تقسیم اثاثوں میں، جو پیداوار کی مزید ترقی کے لئے معاشی بنیاد کی تشکیل کرتے ہیں، اضافہ ہو رہا ہے (ناقابل تقسیم اثاثے اجتماعی فارم کے وہ مشترکہ اثاثے ہوتے ہیں جنھیں

فارم کے اراکین کے درمیان ذاتی آمدنی کی حیثیت سے تقسیم نہیں کیا جاتا۔ اِن اثاثوں میں مشینری، موٹریں، فارم کی عمارتیں، مویشی اور اجتماعی فارم میں سرمایہ کاری کے لئے رقم شامل ہوتی ہے) فارموں کے درمیان رشتے فروغ پا رہے ہیں اور یہ مزید وسیع ہوں گے۔ کئی کئی اجتماعی فارموں کی جانب سے مشترکہ طور پر بجلی گھروں اور زرعی پیداوار کی صفائی کے اداروں وغیرہ کی تعمیر وسیع تر پیمانے پر عمل میں لائی جائے گی۔ دیہی برق کاری کے فروغ کے ساتھ زرعی پیداوار کی مشین کاری اور خودکاری، اجتماعی فارم کے اور ریاستی ملکیت کے وسائل پیداوار کا امتزاج روز افزوں وسیع پیمانے پر عمل میں آئے گا۔ جیسے جیسے اجتماعی فارم ترقی کرتے جائینگے اُن کے اراکین کی زرعی اشیا کی ضروریات روز افزوں طور پر اجتماعی فارموں سے ہی پوری ہونے لگیں گی۔ اراکین اُن قطعاتِ اراضی کی پیداوار پر کم سے کم انحصار کرینگے جو اُن کے مکانوں کے ساتھ ملحق ہیں اور بہت زیادہ پیداآور نہیں۔

کوآپریٹیو اور اجتماعی فارم کی ملکیت اور ریاستی ملکیت کو بتدریج ایک دوسرے کے قریب تر لانے کی ضرورت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس وقت ملکیت کی اجتماعی فارم کی شکل اپنا وقت پورا کر چکی ہے۔ ملکیت کی یہ شکل دیہی علاقوں میں جدید پیداواری قوتوں کی ترقی کی سطح اور ضروریات سے مکمل مطابقت رکھتی ہے۔ اجتماعی فارم کسانوں کے لئے کمیونزم کی درسگاہ ہے، اِس لئے دیہی علاقوں میں کمیونسٹ پیداواری تعلقات کو ترقی دینے کا طریقہ یہی ہے کہ اجتماعی فارم کے نظام کو ہر طرح سے مضبوط کیا جائے اور اُسے فروغ دیا جائے۔

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، سوشلسٹ پیداواری تعلقات سماج کے تمام اراکین کے درمیان تعاون، دوستی اور باہمی امانت کے تعلقات ہیں۔ کمیونسٹ تعمیر کے عمل کے دوران یہ تعلقات جو کمیونسٹ سماج میں بھی خلقتاً موجود ہوتے ہیں، کاملیت کی ایک نہایت اعلیٰ سطح پر پہنچ جائیں گے۔ ملک کے معاشی علاقوں کے مابین پیداواری علاقوں کے اندر اداروں کے مابین معاشی تعلقات میں نیز ہر ادارے کے کارکنوں کے مابین تعاون کی شکلوں کو مزید فروغ حاصل ہوگا۔ نتیجتہً، ایک نہایت اعلیٰ طور پر منظم اور عمدگی کے ساتھ کام کرنے والی محنت کش عوام کی کمیونسٹ دولتِ مشترکہ وجود میں آئے گی۔ سماج کا ہر رکن اپنے فرائضِ محنت کو تن دہی اور جوش و خروش کے ساتھ پورا کریگا اور سماج کی زندگی میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لے گا۔ سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کے پروگرام میں کہا گیا ہے، "کمیونزم عوامی زندگی کی تنظیم کی اعلیٰ ترین شکل کی نمائندگی کرتا ہے۔ تمام پیداواری یونٹ اور خود اختیاری انجمنیں ایک مشترکہ منصوبہ بند معیشت میں اور سماجی محنت کے یکساں آہنگ میں یک رنگی کے ساتھ متحد ہو جائیں گی۔"

ٹیموں اور پوری پوری فیکٹریوں کی جانب سے، جن کے کارکن اس وقت بھی اپنے فرائض کی جانب سے، کمیونسٹ طرزِ عمل کے نمونے پیش کر رہے ہیں، کمیونسٹ محنت کی تحریک سوشلسٹ پیداواری تعلقات کی ترقی اور بہتری میں اور کمیونسٹ سماجی تعلقات کی بنا ڈالنے میں زبردست اہمیت کی حامل ہے۔ اداروں کی ان ٹیموں اور عملے کے اراکین نے اپنے سامنے یہ فریضہ متعین کیا ہے کہ وہ نئی ٹکنولوجی پر عبور حاصل کرینگے، پیداواری صلاحیتوں کو بتدریج بہتر بنائینگے اور اپنی عمومی ثقافت کو بلند کرینگے۔

مزدوروں کی ٹیمیں اِس حق کے لئے آپس میں مقابلہ کرتی ہیں کہ وہ خود کو کمیونسٹ مزدور ٹیمیں کہیں۔ مقابلے کی اِس قسم کی شکلوں میں عوام کے درمیان نئے تعلقات اُبھرتے ہیں۔ ایک اعلیٰ تر قسم کی اجتماعیت اور باہمی اعانت صورت پذیر ہوتی ہے اور عوام علم حاصل کرنے، رہنمایانہ، تخلیقی مساعی میں مصروف ہونے اور دوسروں کو نقصان دہ عادتوں اور روایات سے چھٹکارا حاصل کرنے میں مدد دینے پر آمادہ ہوتے ہیں۔

جیسے جیسے پیداواری قوتیں فروغ پاتی جائیں گی اور مادی اور روحانی دولت میں اضافہ ہوتا جائے گا ویسے ویسے مادی اقدار کی تقسیم بہتر ہوتی جائے گی۔ نتیجۃً، عوام کی مادی اور ثقافتی ضروریات کو روز فزوں وسیع پیمانے پر پورا کیا جائے گا۔

پارٹی پروگرام میں کہا گیا ہے "سوویت عوام کی بہادرانہ محنت نے ایک طاقتور اور جامع طور پر ترقی یافتہ معیشت کی تخلیق کی ہے۔ اب ساری آبادی کے معیاراتِ زندگی میں تیز رفتار اضافے کے لئے تمام ضروری حالات موجود ہیں۔ سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی نے تاریخی اہمیت کا ایک فریضہ متعین کیا ہے: سوویت یونین میں ایسا معیارِ زندگی حاصل کرنا جو کسی بھی سرمایہ دار ملک کے معیارِ زندگی سے زیادہ بلند ہو"۔ پروگرام میں اشیائے صرف کی پیداوار کی تیز رفتار توسیع کا تقاضا کیا گیا ہے۔ صنعت کے بڑھتے ہوئے وسائل کو سوویت عوام کی ضروریات کی ہمہ گیر تکمیل کے لئے نیز ثقافتی اداروں اور صارفین کی خدمات کے اداروں کے قیام اور اُنھیں ساز و سامان کی فراہمی کے لئے روز افزوں طور پر استعمال کیا جائے گا۔

۷۰-۱۹۶۱ء کی مدت کے دوران قومی آمدنی میں تقریباً ڈھائی گنے کا اضافہ ہوگا اور بیس سال کی مدت (۸۰-۱۹۶۱ء) میں یہ تقریباً پانچ گنی ہو جائے گی۔ بیس سال کے دوران فی کس حقیقی آمدنی میں ساڑھے تین گنے سے زیادہ کا اضافہ ہوگا۔ مزید براں، حقیقی آمدنیوں میں تدریجی اضافے کے ساتھ ساتھ اوقاتِ کار میں مسلسل کمی کی جائے گی اور حالاتِ کار کو بہتر بنایا جائے گا۔

معیارِ زندگی کو بلند کرنے کا خاص طریقہ یہ ہے کہ کام کی مقدار اور معیار کے مطابق اُجرتوں میں اضافہ کیا جائے اور خردہ قیمتوں میں کمی کی جائے اور ٹیکسوں کا خاتمہ کر دیا جائے۔

سوویت یونین کی سپریم سوویت کا منظور کردہ قانون جس کی رو سے تعلیمی اداروں، صحت عامہ کے اداروں اور عوامی سہولتوں کے اداروں، ضیافت عامہ کے اداروں اور ایسے دیگر اداروں کے ملازمین کی تنخواہوں میں اضافہ کیا گیا جو براہ راست آبادی کی خدمت کرتے ہیں، اعلیٰ تر معیارِ زندگی کا باعث بنا ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں سوشلسٹ سماج ابھی اپنے شہریوں کی تمام ضروریات کو مکمل طور سے پورا نہیں کر پاتا۔ یہی وجہ ہے کہ کمیونسٹ پارٹی کام کے مطابق تقسیم دولت کے سوشلسٹ اصول کے مزید سختی کے ساتھ اطلاق اور اس اصول کو مزید بہتر بنانے کا تقاضہ کرتی ہے اور مادی اور اخلاقی ترغیبات کو آپس میں ملا دیتی ہے۔ اُجرتوں میں حالیہ ردوبدل اس سلسلے میں بہت اہم ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ قومی معیشت کے ہر شعبے میں مزدوروں کی آمدنیوں کو اُن کے کام کی مقدار اور معیار کے زیادہ سے زیادہ مطابق بنایا جائے۔ اس ضرورت کو پیش نظر رکھا جا رہا ہے کہ زیادہ آمدنی اور کم آمدنی والے مزدوروں کی اُجرتوں میں فرق کو بتدریج کم کر دیا جائے۔

اجتماعی فارموں میں بھی معاوضے کی شکلوں کو بہتر بنایا جا رہا ہے اور وہ بتدریج ریاستی فارموں کی اُجرتوں کے مساوی آ جائیں گی۔ اجتماعی کسانوں کو بھی سماجی نگہداشت کی تمام سہولتیں حاصل ہوں گی (تنخواہ کے ساتھ چھٹیاں، پنشن وغیرہ)۔ انھیں یہ سہولتیں اجتماعی فارموں اور ریاستی فارموں کی طرف سے فراہم کی جائیں گی۔ اجتماعی کسانوں کے لئے پنشنوں اور الاؤنسوں کا قانون جو ۱۹۶۴ء میں نافذ ہوا تھا، اس پروگرام پر عمل میں ایک اہم مرحلے کی حیثیت رکھتا ہے۔

محنت کش عوام کی انفرادی آمدنیوں میں اضافے کے ساتھ ساتھ دنیا میں اعلیٰ ترین معیارِ زندگی کے حصول کا ایک اور طریقہ بھی ہے اور وہ ہے عوامی صرف کے اُس فنڈ کو بہت زیادہ وسیع کرنا جسے سماج کے اراکین میں بلا لحاظ اُن کے کام کے معیار یا مقدار کے تقسیم کیا جاتا ہے۔ یعنی تعلیم، صحت عامہ، نرسریوں اور کنڈرگارٹنوں میں بچوں کی نگہداشت وغیرہ کیلئے مختص کی جانے والی رقومات میں اضافہ۔

سوویت سماج کی کمیونزم کی جانب پیشقدمی کے ساتھ عوامی صرف کے اس فنڈ میں جو ذاتی ضروریات کی تکمیل کے مقصد کیلئے مختص ہے انفرادی اُجرتوں کے مقابلے میں زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ اضافہ ہوگا۔ نتیجۃً بیس سال کی مدت کے دوران عوامی صرف کا فنڈ آبادی کی حقیقی آمدنیوں کے تقریباً نصف کے مساوی ہوگا۔ اس کی

وجہ سے سماج زیر سرویں، کنڈر گارٹنوں اور بورڈنگ اسکولوں میں بچوں کی بالکل مفت نگہداشت کا بندوبست کر سکے گا، تمام تعلیمی اداروں میں مفت تعلیم فراہم کر سکے گا۔ تمام شہریوں کو مفت دوائیں اور صحت گاہوں میں مفت علاج سمیت مفت طبی خدمات بہم پہنچا سکے گا، بلا کرائے کے مکان مہیا کر سکے گا، مفت شہری ٹرانسپورٹ اور دیگر سہولتیں بہم پہنچا سکے گا۔ چھٹی گھروں اور سیاحتی مرکزوں کی سہولتوں کے اخراجات میں بتدریج کمی کی جائیگی اور یہ سہولتیں جزوی طور پر مفت ہو جائینگی، فیکٹریوں، دفتروں اور اجتماعی فارموں میں بتدریج مفت کھانے (ڈنر) کا انتظام رائج کیا جائے گا۔ آبادی کو روزافزوں وسیع پیمانے پر الاؤنس مراعات اور وظائف دیئے جائینگے۔ سماج معذور افراد کی مادی نگہداشت کی ذمہ داری قبول کرے گا۔

چنانچہ اس طرح، ذاتی ضروریات کی تکمیل کیلئے عوامی صرف کے فنڈ میں بتدریج اضافہ کر کے اور کام کے مطابق تقسیم دولت کو برقرار رکھتے ہوئے، "کام کے مطابق تقسیم دولت" کا سوشلسٹ اصول بتدریج "ضرورت کے مطابق تقسیم دولت" کے کمیونسٹ اصول میں بدل جائے گا۔ تاہم تقسیم دولت کے کمیونسٹ اصول میں حتمی منتقلی صرف اس وقت عمل میں آئے گی جبکہ سوشلسٹ اصول پورے طور سے اپنا کام ختم کر چکے۔ یعنی جب ہر شے کی فراوانی موجود ہو، اور محنت سماج کے تمام اراکین کیلئے زندگی کی بنیادی ضرورت بن جائے۔ پیداواری قوتیں جتنی تیزی سے ترقی کرینگی اور محنت کی پیداواری صلاحیت میں جتنی تیزی سے اضافہ ہوگا، اتنی ہی جلدی یہ وقت آجائے گا۔

یہ ہیں سوویت یونین میں کمیونسٹ تعمیر کے خاص معاشی فریضے، جن کی تکمیل ساری نوع انسانی کیلئے زبردست اہمیت کی حامل ہوگی۔ پروگرام میں کہا گیا ہے :

"جب سوویت عوام کمیونزم کی نعمتوں سے بہرہ ور ہونگے، تو دنیا کے کروڑوں دوسرے عوام یہ کہیں گے 'ہم کمیونزم کے حامی ہیں'۔ کمیونزم کے آدرش دوسرے ممالک کے ساتھ جنگ کا ذریعہ نہیں، بلکہ سماج کی زیادہ مکمل تنظیم کی مثال کے ذریعہ، پیداواری قوتوں کے فروغ میں تیز رفتاری کے ذریعہ اور ان کی مسرت اور خوشحالی کے لئے تمام تر حالات کی تخلیق کے ذریعہ عوام کے دماغ کو مسخر کرتے ہیں۔"

کمیونزم کمیونسٹ پارٹی اور سوویت عوام کا عظیم مقصد ہے۔ کمیونزم کیا ہے اور یہ نوع انسانی کے سامنے کون سے امکانات روشن کرتا ہے؟

۴۔ کمیونزم ۔ ساری نوعِ انسانی کا تابناک مستقبل

کمیونزم نوعِ انسانی کا بہت پُرانا خواب ہے۔ سولھویں صدی کے آغاز میں انگریز انسان دوست عالم سر تھامس مور نے اپنی کتاب "یوٹوپیا" میں ایک ایسے سماج کا ذکر کیا جس میں انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال کا وجود نہیں ہوگا جہاں عوام فراواں وسائل معاش پیدا کرینگے اور ہر شخص کو زندگی کی تمام تر ضروری اشیا اس کی ضروریات کے مطابق ملیں گی۔ اطالوی فلسفی ٹوماسو کمپانیلا، فرانسیسی یوٹوپیائی سوشلسٹوں، فوریر اور سینٹ سائمن روسی ادیب اور فلسفی چیرنی شیفسکی اور بہت سے دیگر عظیم مفکروں نے ایسے شاندار سماج کا خواب دیکھا۔ یوٹوپیائی سوشلسٹوں نے سرمایہ داری پر نہایت سخت تنقید کی اور کمیونسٹ سماج کی بعض خصوصیات کی پیشین گوئی کی جسے ان کے خیال میں لازماً سرمایہ داری کی جگہ لینی تھی لیکن یہ لوگ اس سماج کی تعمیر کے حقیقی راستوں کا انکشاف کرنے سے قاصر رہے۔ کمیونزم کے بارے میں ان کے خوابوں کی یوٹوپیائی، غیر حقیقت پسندانہ نوعیت اس عہد کے سماجی تعلقات کی نا پختگی سے مشروط تھی۔ ان دنوں نہ تو پیداوار کی ترقی کمیونسٹ تعمیر کی اجازت دیتی تھی اور نہ ہی دیگر سماجی حالات۔

مارکس اور اینگلز نے کمیونزم کو یوٹوپیا (خواب و خیال) سے ایک سائنس میں بدل دیا۔ انسانی تاریخ کے قوانین کا انکشاف کرکے انھوں نے یہ ثابت کیا کہ کمیونزم ایک خواب موہوم نہیں ہے بلکہ یہ سماجی نشو نما کا ناگزیر نتیجہ ہے۔ انھوں نے نہ صرف کمیونزم کی منفرد ترین خصوصیات بیان کیں بلکہ کمیونزم کے حصول کے طریقوں کی جانب بھی اشارہ کیا۔ انھوں نے سرمایہ داری کے عمیق ترین تضادات کو بے نقاب کیا اور یہ ثابت کیا کہ سوشلسٹ انقلاب ان تضادات کے حل کا واحد طریقہ ہے۔ انھوں نے اس امر کی جانب بھی اشارہ کیا کہ مزدور طبقہ ایک انقلابی قوت ہے جو پرانی دنیا کو برباد کرنے اور ایک نئی دنیا تعمیر کرنے کا عمل لازماً انجام دے گی۔ مزدور طبقہ بورژوازی کی حکمرانی کا خاتمہ کرکے خود اپنا اقتدار، پرولتاریہ کی آمریت قائم کرتا ہے، محنت کش عوام کو منظم کرکے سوشلزم کی فتح کو یقینی بناتا ہے۔

کمیونزم کے بارے میں مارکسی تعلیم کو لینن نے ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ انھوں نے کمیونسٹ سماج کے دو مرحلوں کی، جن کا کارل مارکس اور اینگلز نے ذکر کیا تھا، زیادہ تفصیلی اور گہری تعریف پیش کی، سوشلزم کی تعمیر کا منصوبہ بنایا اور سوشلزم کے بتدریج کمیونزم کی شکل میں فروغ پا جانے کے قوانین کا انکشاف کیا۔

سوویت عوام نے اُن دیکھے راستوں پر چلتے ہوئے، بے پناہ مشکلات اور محرومیوں پر قابو پاتے ہوئے کمیونسٹ پارٹی کی زیر قیادت سوشلزم کی تعمیر کے لینِنی منصوبے کو عملی جامہ پہنایا اور سوشلزم کو سوویت یونین میں مکمل اور حتمی فتح حاصل ہوئی۔ کمیونسٹ سماج کی تعمیر اب سوویت عوام کا براہ راست عملی وظیفہ بن گئی ہے۔

کمیونزم کیا ہے ؟

پارٹی پروگرام کے الفاظ میں :

" کمیونزم ایک غیر طبقاتی سماجی نظام ہے جس میں وسائل پیداوار کی عوامی ملکیت کی ایک ہی شکل ہوتی ہے اور سماج کے تمام اراکین کو مکمل سماجی مساوات حاصل ہوتی ہے۔ کمیونزم کے تحت عوام کے ہمہ جہتی نشوونما کے ساتھ ساتھ، سائنس اور ٹکنولوجی کی مسلسل ترقی کے ذریعے پیداواری قوتوں کو بھی ترقی حاصل ہوگی۔ اجتماعی دولت کے تمام چشمے زیادہ زور وشور کے ساتھ بہیں گے اور اس عظیم اصول کو عملی جامہ پہنایا جائے گا کہ ہر شخص سے اس کی صلاحیت کے مطابق کام لیا جائے اور ہر شخص کو اسکی ضرورت کے مطابق دیا جائے۔ کمیونزم آزاد اور سماجی لحاظ سے باشعور محنت کش کسانوں کا ایک انتہائی منظم سماج ہے جس میں عوامی حکومت خود اختیاری قائم کی جائیگی ایک ایسا سماج جس میں سماجی بھلائی کے لئے محنت ہر شخص کے لئے زندگی کی اول احتیاج بن جائے گی، ایک ایسی ضرورت بن جائے گی جسے ہر شخص تسلیم کریگا، اور ہر شخص کی صلاحیت کو عوام کے بہترین مفاد کیلئے استعمال کیا جائیگا"

کمیونزم تمام انسانوں کو سماجی عدم مساوات سے، ہر قسم کے استبداد و استحصال سے اور جنگ کے خوف سے نجات دلانے کے تاریخی مشن کی تکمیل کرتا ہے اور کرۂ ارض کے تمام انسانوں کے لئے امن، محنت، آزادی، مساوات، اخوت اور مسرت لاتا ہے۔

دنیا میں کمیونزم کا قیام نوعِ انسانی کی طویل تاریخ کا عظیم ترین انقلاب ہوگا۔ اور یہ زندگی کے تمام شعبوں یعنی پیداوار، محنت کی نوعیت اور حالاتِ محنت، سماجی تعلقات اور طرزِ زندگی، لوگوں کے خیالات و نظریات میں گہری تبدیلیاں لائے گا۔ کمیونزم سماج کے تمام اراکین کو ایسے حالاتِ زندگی فراہم کریگا جو انسان کی عزیز ترین امنگوں کے عین مطابق ہوں اور اعلیٰ ترین انسانی آدرشوں سے مطابقت رکھتے ہوں۔

کمیونسٹ سماج کی سب سے بڑی خصوصیت مسلسل وسیع ہوتی ہوئی پیداوار کی نہایت اعلیٰ سطح اور محنت کی پیداواری صلاحیت کی فقید المثال سطح ہوگی جو تیز رفتار سائنسی اور فنی ترقی کا نتیجہ ہوگی۔ کمیونسٹ سماج منصوبہ بند معیشت کی اعلیٰ ترین منزل کو حاصل کریگا اور مادی دولت اور قدرتی وسائل کے انتہائی بامقصد اور معقول

استعمال کو یقینی بنائے گا۔ عوام بہترین اور طاقتور ترین ٹکنولوجی سے لیس ہونگے اور قدرت پر انسان کی طاقت رفیع الشان بلندیوں تک جا پہنچے گی جس سے انسان اس قابل ہو جائے گا کہ قدرت کی خود رو قوتوں کو بڑی حد تک کنٹرول کرے اور انھیں اپنے مفادات کے لئے استعمال کرے۔ کمیونسٹ پیداوار کا مقصد مسلسل سماجی ترقی کو یقینی بنانا، سماج کے ہر فرد کو مادی اور ثقافتی ضروریات اور آرام بہم پہنچانا، اور اسکی مسلسل بڑھتی ہوئی ضرورتوں مفادات اور ذوق کی تکمیل کرنا ہوگا۔

لیکن کمیونزم کوئی نراجیت، کاہلی اور آرام طلبی کا سماج نہیں ہوگا۔ محنت کمیونسٹ سماج کی مادی اور روحانی دولت کا اصل سرچشمہ ہوگی۔ کمیونزم کے تحت ہر شخص رضاکارانہ طور پر اپنی صلاحیت کے مطابق کام کریگا اور سماج کی دولت اور قوت میں اضافہ کریگا۔ کام کی نوعیت ہی بالکل بدل جائیگی۔ محنت محض ایک ذریعۂ معاش نہیں ہوگی بلکہ زندگی کی بنیادی ضرورت بن جائے گی، حقیقی تخلیقی سعی بن جائیگی، خوشی اور مسرت کا سرچشمہ بن جائے گی۔

کمیونزم، سماج کی طبقوں اور سماجی گروہوں میں تقسیم کا خاتمہ کردے گا۔ جب سماجی اور معاشی دائروں میں اور ثقافت اور طرزِ زندگی میں شہر اور گاؤں کے درمیان فرق کا خاتمہ ہو جائے گا اور جب سوشلسٹ ملکیت کی دو قسمیں ایک کمیونسٹ ملکیت میں مدغم ہو جائینگی تو مزدور اور کسان طبقوں کی حیثیت سے باقی نہیں رہینگے۔ جسمانی محنت کرنے والے مزدور دانش وروں کی ثقافتی اور فنی سطح حاصل کرلینگے اور اس طرح کمیونزم کے تحت دانش وروں کا ایک علاحدہ سماجی گروہ کی حیثیت سے کوئی وجود نہیں ہوگا۔ سماج کا ہر رکن دماغی اور جسمانی محنت کرے گا اور کام میں دماغی اور جسمانی مساعی نامیاتی طور پر متحد ہو جائیں گی۔

کمیونسٹ سماج کے تمام اراکین، وسائل پیداوار کے ساتھ یکساں تعلق رکھنے کی بنا پر، ایک ہی جیسی حیثیت کے حامل ہونگے، انھیں کام اور تقسیم کے یکساں حالات حاصل ہونگے اور وہ سماج کے امور کا نظم ونسق کرنے میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لیں گے۔ فرد اور سماج کے درمیان ہم آہنگ تعلقات ایک ضابطہ بن جائینگے کیونکہ سماجی اور ذاتی مفادات مکمل طور پر ہم آہنگ ہونگے۔

انسانی ثقافت فقید المثال بلندیوں تک جا پہنچے گی: کمیونسٹ سماج کی ثقافت، عالمی ثقافت کی تخلیق کردہ بہترین چیزوں کو ورثے میں لیتے ہوئے اور انھیں فروغ دیتے ہوئے، نوعِ انسانی کی ثقافتی ترقی میں ایک نئے اور اعلیٰ تر مرحلے کی نمائندگی کریگی۔ اس میں نئے سماج کی جمالیاتی زندگی کا سارا تنوع اور دولت اعلیٰ آئیڈیالوجی اور انسان دوستی شامل ہوگی۔ یہ ساری نوعِ انسانی کی ایک غیر طبقاتی، بین الاقوامی ثقافت ہوگی۔

کمیونزم کے تحت ایک نیا انسان ظہور پذیر ہوگا جو روحانی دولت کو اخلاقی پاکیزگی اور جسمانی کاملیت کے ساتھ ہم آہنگ کرے گا، یہ انسان محنتی، تنظیم یافتہ اور سماج کے مفادات کا وفادار ہوگا، اور یہ ساری چیزیں ملکر کمیونسٹ شعور کی تخلیق کرتی ہیں۔ کمیونسٹ تعمیر انسان سے جس عظیم تنظیم اور قطعیت کا مطالبہ کرتی ہے اس کی ضمانت جبر کے ذریعے نہیں، بلکہ گہرے شہری احساس فرض کے ذریعے فراہم کی جائے گی۔ انسان کا نشوونما جامع اور ہم آہنگ ہوگا۔ اس کی صلاحیتوں اور ذکاوتوں کو پوری آزادی ملے گی اور وہ مکمل طور سے اُبھریں گی۔ اس کی نفیس ترین روحانی اور جسمانی خوبیاں مکمل طور پر اپنا اظہار کرینگی۔

کمیونزم کی تعمیر کمیونسٹ پارٹی کے اس اعلیٰ ترین مقصد کے حصول کی علامت ہوگی کہ ایک ایسا سماج تعمیر کیا جائے جس کے پرچم پر یہ لکھا ہو:

"ہر شخص سے اس کی صلاحیت کے مطابق کام لیا جائے اور ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق دیا جائے"۔ پارٹی کا یہ نعرہ کہ "ہر چیز انسان کے لئے، انسان کی بھلائی کے لئے" مکمل طور پر عملی صورت پالے گا۔

تیرھواں باب

بنیاد اور بالائی ڈھانچہ

ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ مادی دولت کی پیداوار کا طرز سماجی نشوونما کی اصل، فیصلہ کن قوت ہے۔ پیداوار کا طرز اور پیداواری تعلقات کس طرح دیگر تمام سماجی تعلقات (سیاسی، قانونی، اخلاقی وغیرہ) کی تشکیل کرتے ہیں اور یہ موخر الذکر تعلقات اپنی طرف سے سماج کی معاشی ترقی پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں، یہ وہ سوالات ہیں جنکے جوابات "بنیاد اور بالائی ڈھانچہ کا مارکسی۔لیننی نظریہ" دیتا ہے۔

۱۔ بنیاد اور بالائی ڈھانچے کا تفاعل اور ان کے نشوونما کی اہم خصوصیات

بنیاد اور بالائی ڈھانچہ کیا ہیں؟ تمام متنوع سماجی تعلقات میں سے تاریخی مادیت مادی پیداواری تعلقات کو اصل اور فیصلہ کن تعلقات کی حیثیت سے الگ کرتی ہے۔ ان پیداواری تعلقات کا مجموعہ ہی سماج کے معاشی ڈھانچے کی یعنی اس کی بنیاد کی تشکیل کرتا ہے۔ پیداواری تعلقات کے مجموعے سے ملکیت کی شکلیں اور پیداواری سلسلۂ عمل میں انسانوں کے درمیان باہمی تعلقات جو ملکیت کی ان شکلوں سے پیدا ہوتے ہیں اور مادی دولت کی تقسیم کا طریقہ کار مراد لینا چاہیے۔

ہر سماج کی اپنی ایک بنیاد ہوتی ہے۔ پیداواری تعلقات کے مجموعے کی حیثیت سے بنیاد کی قسم کا انحصار پیداواری قوتوں کی حالت پر ہوتا ہے۔ کوئی بھی بنیاد اس وقت تک عالم وجود میں نہیں آسکتی جبتک کہ مطابقتی مادی حالات یعنی اس بنیاد کی پیدائش کے لئے ضروری پیداواری قوتیں، پرانے سماج کے اندر پیدا نہ ہو جائیں۔

بنیاد ایک مرتبہ صورت پذیر ہو جانے کے بعد سماج کی زندگی میں زبردست کردار ادا کرتی ہے۔ یہ انسانوں کو مادی دولت کی پیداوار اور تقسیم کی تنظیم کرنے کا اہل بناتی ہے۔ آپس میں معاشی تعلقات قائم کئے بغیر انسان پیداوار نہیں کر سکتے اور نتیجۃً وسائل معاش کو تقسیم بھی نہیں کر سکتے۔

بنیاد اہم اس لئے ہے کیونکہ یہ بالائی ڈھانچے (یعنی سماج کے سیاسی، قانونی، فلسفیانہ، اخلاقی، جمالیاتی

اور مذہبی نظریات اور ان سے مطابقت رکھنے والے تعلقات، اداروں اور تنظیموں) کے لئے اساس کا کام دیتی ہے۔ چنانچہ بنیاد طرز پیداوار کا وہ پہلو ہے جو سماج، اس کے خیالات اور اداروں کی نوعیت کا براہ راست تعین کرتا ہے۔

بالائی ڈھانچہ بھی سماجی ترقی میں ایک اہم حصہ ادا کرتا ہے۔ ایک خاص معاشی بنیاد پر استوار ہو کر یہ بالآخر اس بنیاد کی جانب انسانوں کے رد عمل کا اظہار کرتا ہے۔ متعدد خیالات انسانوں کے لئے اس خاص بنیاد کو مستحکم کرنے یا اُسے تباہ کر دینے کی ضرورت کے جواز کا کام دیتے ہیں، جبکہ ادارے اور تنظیمیں (ریاست، سیاسی پارٹیاں وغیرہ) انسانوں کو ان خیالات کو بروئے کار لانے کا اہل بناتی ہیں۔ بالائی ڈھانچہ بنیاد کے ذریعے ہی پیداواری قوتوں کے نشوونما پر اثر ڈالتا ہے۔ مثلاً اس بات سے سبھی لوگ واقف ہیں کہ کمیونسٹ پارٹی، سوویت ریاست، مجموعی طور پر پورا سوشلسٹ بالائی ڈھانچہ کمیونزم کی مادی اور فنی بنیاد کی تعمیر کرنے میں اور کمیونسٹ پیداواری قوتوں کو فروغ دینے میں کتنا اہم رول ادا کرتا ہے۔

بالائی ڈھانچہ کو بنیاد ہی وجود میں لاتی ہے اور یہ بنیاد کے ساتھ ناقابل شکست طور پر بندھا ہوا ہوتا ہے۔ بالائی ڈھانچے کا انحصار بنیاد پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر قدیم سماج کی بنیاد کو لیجئے۔ ذاتی ملکیت اور اور طبقات کی عدم موجودگی اور نتیجۃً طبقاتی تضادات کی عدم موجودگی ہی وہ سبب تھی جس کی بنا پر قدیم سماج کے بالائی ڈھانچے میں تو ریاست موجود تھی، نہ تو سیاسی اور قانونی خیالات موجود تھے اور نہ ہی اُن سے متعلق ادارے موجود تھے۔

ذاتی ملکیت اور طبقات کی پیدائش نے، یعنی غلامی کے سماج کی بنیاد کے ظہور نے ایک مختلف قسم کے بالائی ڈھانچے کو جنم دیا۔ ایسے خیالات پیدا ہوئے جو غلاموں پر آقاؤں کی حکمرانی کو جائز ثابت کرتے تھے، اور ایسے ادارے بھی پیدا ہوئے (ریاست اور دیگر ادارے) جو اس حکمرانی کا تحفظ کرتے تھے۔

مخاصمانہ معاشی سماج کی بنیاد متضاد ہوتی ہے۔ وسائل پیداوار کے ساتھ انسانوں کے مختلف تعلق کا اظہار کرتے ہوئے یہ بنیاد طبقاتی مفادات کے ٹکراؤ کی، ظلم سہنے والوں اور ظلم کرنے والوں کے درمیان مخاصمت کی عکاسی کرتی ہے۔ مثلاً سرمایہ داری کی معاشی بنیاد بورژوازی اور پرولتاریہ کے درمیان مخاصمت کی عکاسی کرتی ہے، اگرچہ بورژوا سماج کا معاشی ڈھانچہ صرف ان دو اہم مخاصمانہ طبقات کے درمیان تعلق بھی تک ہی محدود نہیں ہے۔ سرمایہ دارانہ سماج میں بورژوازی اور پرولتاریہ کے علاوہ دیگر طبقات اور سماجی گروہ بھی ہوتے ہیں۔ محنت کش کسان، شہروں، گاؤں کے کاریگر اور پیٹی بورژوازی جن کے مفادات اجارہ دار بورژوازی کے مفادات

سے ٹکراتے ہیں)۔

چونکہ ایک مخصوص طبقاتی سماج کا بالائی ڈھانچہ بنیاد میں موجود تضادات کا عکس ہوتا ہے، اس لئے اس بالائی ڈھانچے میں بھی تضادات موجود ہوتے ہیں۔ اس میں مختلف طبقات اور سماجی گروہوں کے خیالات اور ادارے شامل ہوتے ہیں۔ لیکن اسی طبقے کے خیالات اور اداروں کو بالادستی حاصل ہوتی ہے جو معاشی لحاظ سے غالب ہوتا ہے۔ مارکس اور اینگلز نے لکھا ہے، "وہ طبقہ جو سماج کی حکمراں مادی قوت ہوتا ہے، وہی سماج کی حکمراں دانشور قوت بھی ہوتا ہے۔"

سرمایہ داری کے تحت بورژوازی کو معاشی غلبہ حاصل ہوتا ہے اور اسی لئے بورژوا خیالات اور اداروں کو بالادستی حاصل ہوتی ہے اور بورژوازی انہیں خود اپنی حکمرانی کو دائمی بنانے کے لئے اور پرولتاریہ سے لڑنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔

تاہم، سرمایہ دارانہ سماج میں بورژوازی کے مدمقابل پرولتاریہ ہوتا ہے جو خود اپنے خیالات کی تشکیل کرتا ہے اور خود اپنے ادارے قائم کرتا ہے۔ مزدور بتدریج سرمایہ داری کی ماہیت سے واقف ہونے لگتے ہیں اور اسے ختم کرنے کی ضرورت سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔ وہ بورژوازی سے لڑنے کے لئے خود اپنی تنظیمیں یعنی ایک سیاسی پارٹی، ٹریڈ یونینیں، کوآپریٹو انجمنیں وغیرہ بناتے ہیں۔ انقلابی جدوجہد کے دوران پرولتاریہ مارکسی نظریئے پر عبور حاصل کرتا ہے۔ خود اپنی اخلاقیات کی، خود اپنے سیاسی، قانونی اور جمالیاتی نقطہائے نظر کی تخلیق کرتا ہے۔

بنیاد بالائی ڈھانچے کی نوعیت کا تعین کرتی ہے۔ محض اس وجہ سے نہیں کہ یہ اسے جنم دیتی ہے، بلکہ اس لئے بھی کیونکہ معاشی نظام کی تبدیلیاں لازماً بالائی ڈھانچے میں تبدیلیوں کا باعث ہوتی ہیں۔ مثلاً قبل اجارہ داری سرمایہ داری سے سامراج میں منتقلی کے دوران سرمایہ دارانہ معیشت میں ایک اہم تبدیلی پیدا ہوئی، یعنی آزاد مقابلے کی جگہ اجارہ داری نے لے لی۔ بورژوا بالائی ڈھانچہ بھی اسی کے مطابق بدل گیا۔ بہت سے ممالک میں سرمایہ دار طبقے نے حکومت کی بورژوا جمہوری شکلوں کے بجائے رجعت پرست فاشسٹ یا نیم فاشسٹ شکلیں اختیار کر لیں اور اب بھی اختیار کر رہا ہے۔ محنت کش عوام کے حقوق کو روزافزوں طور پر کم کیا جا رہا ہے کمیونسٹ پارٹیوں اور ترقی پسند تنظیموں کو تعزیری کارروائیوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ بورژوا آرٹ اور فلسفہ انحطاط کا شکار ہیں اور عینیت کی انتہائی رجعت پرستانہ شکلیں فروغ پا رہی ہیں۔

بالائی ڈھانچے میں تبدیلیاں اس وقت خاص طور پر نمایاں ہوتی ہیں جب سماجی انقلاب کے نتیجے میں

ایک معاشی بنیاد دوسری معاشی بنیاد پر غالب آجاتی ہے۔ انقلاب کے عمل کے دوران پرانے طبقے کے سیاسی اقتدار کی جگہ نئے طبقے کا اقتدار قائم ہو جاتا ہے۔ ایک نئی ریاستی مشینری (یسی سی، ورقانونی اداروں کا نظام) پرانی ریاستی مشینری کی جگہ وجود میں آجاتی ہے۔ سماجی شعور میں تبدیلی پیدا ہوتی ہے، پرانی آئیڈیالوجی کی جگہ نئی آئیڈیالوجی لے لیتی ہے جو نئی بنیاد سے مطابقت رکھتی ہے۔ لینن نے لکھا ہے، "پرانا ڈھانچہ ٹوٹ جاتا ہے اور ایک نیا ڈھانچہ انتہائی متنوع سماجی قوتوں کے آزادانہ عمل کے ذریعے وجود میں آتا ہے۔"

بالائی ڈھانچے کی اضافی آزادی اور اس کا فعال کردار

بالائی ڈھانچہ، جسے بنیاد وجود میں لاتی ہے، اضافی آزادی کا حامل بھی ہوتا ہے جس کا اظہار اسکے فروغ کے تسلسل میں ہوتا ہے۔ بالائی ڈھانچہ کا انقلاب جو اس وقت وقوع پذیر ہوتا ہے جبکہ پرانی بنیاد کی جگہ نئی بنیاد لے لیتی ہے، یہ معنی نہیں رکھتا کہ پرانے بالائی ڈھانچے کی تمام خصوصیات خود بخود ختم ہو جائینگی۔ پرانی بنیاد کی تباہی کے ساتھ پرانا ڈھانچہ بحیثیت مجموعی، پرانے سماج کے نظریات اور اداروں کے نظام کی حیثیت سے باقی نہیں رہتا لیکن اسکی انفرادی خصوصیات بنیاد سے زیادہ زندہ رہتی ہیں اور نئے سماج کے بالائی ڈھانچے میں داخل ہو کر اس نئے سماج کے طبقات کے کام آتی ہیں اور اُن کے مفادات کو پورا کرتی ہیں۔

ہر سماج کا بالائی ڈھانچہ غیر عبوری خصوصیات بھی رکھتا ہے جو ساری نوع انسانی کے لئے اہم ہوتی ہیں۔ ان میں انسان کے عام اخلاقی معیارات اور فن و ادب کی نفیس ترین تخلیقات شامل ہوتی ہیں۔

اس تسلسل کی وجہ سے ہر سماج کا بالائی ڈھانچہ نہایت پیچیدہ ہوتا ہے۔ اس میں وہ خیالات اور ادارے بھی شامل ہوتے ہیں جو پرانے سماج سے ورثہ میں ملے ہوتے ہیں اور وہ خیالات اور ادارے بھی شامل ہوتے ہیں جو اس کی نئی معاشی بنیاد پر ابھرتے ہیں۔

بالائی ڈھانچے کی اضافی آزادی اسکے اس فعال کردار میں بھی نظر آتی ہے جو یہ اس بنیاد کے فروغ میں ادا کرتا ہے جسکی یہ پیداوار ہوتا ہے۔ ایک مخاصمانہ طبقاتی سماج میں غالب حیثیت رکھنے والے خیالات اور ادارے اسکی بنیاد کو بچانے اور اس کو مضبوط کرنے کا کام کرتے ہیں۔ یہ خیالات اور ادارے اس طبقے کی حکمرانی کو جائز ثابت کرتے ہیں جس نے اِن کو جنم دیا ہے اور جسکے مفادات کا یہ تحفظ کرتے ہیں۔ مخاصمانہ سماجوں میں یہ خیالات اور ادارے دیگر طبقات کے خلاف اور خاص طور پر محنت کش طبقات کے خلاف حکمران طبقے کی جدوجہد کو مقدس ثابت کرنے اور اس جدوجہد کو منظم کرنے کا نظریاتی وسیلہ ہوتے ہیں۔ یہ وہ استحصال، نوآبادیاتی

استبداد اور دیگر اقسام کے استبداد سے آزادی حاصل کرنے کی دوسرے طبقات کی خواہش کو کچلتے ہیں۔

جب سرمایہ دارانہ بنیاد جڑ پکڑ رہی تھی، تو اس وقت بورژوازی کے خیالات و اداروں نے اس بنیاد کے فروغ و استحکام میں بڑا فعال حصہ لیا اور جاگیردار طبقے کے خلاف جدوجہد میں ایک طاقتور ہتھیار کا کام دیا۔ اس وقت بورژوا خیالات و اداروں کو تمام ترقی پسند قوتوں کو کچلنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے تاکہ سرمایہ دارانہ بنیاد کو ہر قیمت پر باقی رکھا جائے، سرمایہ داری کے انہدام کو روکا یا کم از کم ملتوی کیا جائے۔ عصر حاضر کی سرمایہ داری کے بچے رہنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس کے مفادات کا تحفظ بورژوا ریاست اور قوانین کے ذریعے اور نظریاتی اثر و نفوذ کے تمام وسائل کے ذریعے کیا جاتا ہے جو سرمایہ داری کے دفاع میں ایک انتہائی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

۲۔ سوشلسٹ سماج کی بنیاد اور بالائی ڈھانچہ

گزشتہ باب میں ہم نے سوشلسٹ طرز پیداوار کے وجود میں آنے کی منفرد خصوصیت کا جائزہ لیا اور یہ بتایا کہ سوشلسٹ پیداواری تعلقات، جو سوشلزم کی معاشی بنیاد ہوتے ہیں، کس طرح صورت پذیر ہوتے ہیں۔ سوشلسٹ بنیاد سرمایہ داری کے اندر نہیں پیدا ہوتی، بلکہ صرف اس کی پیدائش کے لئے ضروری حالات سرمایہ داری کے تحت وجود میں آتے ہیں۔

سوشلسٹ بنیاد از خود تعمیر نہیں ہو جاتی، جیسا کہ اس سے پہلے کے مخاصمانہ طبقاتی سماجوں میں ہوتا تھا، بلکہ یہ بنیاد سوشلسٹ ریاست کے اقدامات کے ذریعہ تشکیل پاتی ہے۔ پرولتاریہ ڈکٹیٹرشپ یعنی پرولتاریہ کی زیر قیادت محنت کش عوام کی توانائی سے بھرپور اور سماجی لحاظ سے باشعور سرگرمی اس بنیاد کی تخلیق میں ایک فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے۔

پرولتاریہ کی آمریت یعنی مزدور طبقے کا سیاسی اقتدار حاصل کرلینا، سوشلزم کی معاشی بنیاد کی تعمیر کے لئے ایک لازمی شرط ہے۔ پرولتاری ریاست پیداوار کے بنیادی وسائل کو اپنے ہاتھوں میں مجتمع کرلیتی ہے اور شہر و گاؤں میں سوشلسٹ پیداواری تعلقات کی ایک منصوبہ بند نظام میں تنظیم کرتی ہے۔ زراعت میں مشینوں کا استعمال اور زراعت کی اجتماعیت سوشلزم کی مادی بنیاد کی تعمیر کے اہم مراحل ہیں۔

جیسے جیسے سوشلسٹ بنیاد مضبوط ہوتی جاتی ہے، ویسے ویسے بالائی ڈھانچہ بھی مضبوطی حاصل کرتا جاتا

ہے۔ ریاستی مشینری فروغ پاتی اور بہتر ہوتی ہے اور سائنس اور آرٹ ترقی کی اعلیٰ سطح حاصل کرتے ہیں۔ عوام کے سماجی شعور کی ترتیب نو ہوتی ہے اور کمیونسٹ اخلاقیات کے اصول جڑ پکڑتے ہیں۔ سوشلزم کی فتح اور سوشلسٹ بنیاد کی مضبوطی کے ساتھ سوشلسٹ بالائی ڈھانچے کی تشکیل کا سلسلۂ عمل بھی ختم ہو جاتا ہے۔

بنیاد کے برخلاف، سوشلسٹ بالائی ڈھانچے کی انفرادی خصوصیات سرمایہ داری کے اندر ظاہر ہو جاتی ہیں۔ مارکسی اور لیننی نظریہ، مزدور طبقے کی پارٹی، ٹریڈ یونینیں، پرولتاری اخلاقیات، پرولتاری ادب و آرٹ اس وقت نمودار ہو جاتے ہیں جبکہ ابھی سرمایہ دارانہ بنیاد ہی موجود ہوتی ہے۔ اس کے بعد یہ خصوصیات سوشلسٹ سماج کے بالائی ڈھانچے میں منتقل ہو جاتی ہیں اور سوشلسٹ سماج کا بالائی ڈھانچہ بھی سابقہ ادوار کی سائنس، ثقافت اور فلسفے کی نفیس ترین کامیابیوں کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ تاہم یہ خصوصیات سوشلسٹ بالائی ڈھانچے کی کلیت کی، خیالات، اداروں اور تنظیموں کی مجموعیت کی تشکیل نہیں کرتیں۔ سوشلسٹ بالائی ڈھانچہ مجموعی طور پر صرف سوشلسٹ بنیاد کی تخلیق کے ساتھ ہی تشکیل پاتا ہے۔

آیئے ہم دیکھیں کہ سوویت سوشلسٹ سماج کا بالائی ڈھانچہ کس طرح تشکیل پذیر ہوا تھا۔ سوشلسٹ بنیاد کے اہم ستونوں کی تخلیق سوویت اقتدار کے اولین مہینوں میں اسی وقت عمل میں آ گئی تھی جبکہ پیداوار کے اصل وسائل کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا تھا۔ تقریباً اسی عرصہ میں پرانی ریاستی مشینری کو مکمل طور پر ختم کر دیا گیا تھا اور پرولتاری ریاست جو سوشلسٹ بالائی ڈھانچے کی ایک بنیادی خصوصیت ہوتی ہے، قائم کر دی گئی تھی۔ ۲۶ر اکتوبر ۱۹۱۷ء کو عوامی کمیساروں (وزیروں) کی کونسل قائم ہوئی۔ دسمبر ۱۹۱۷ء میں کل روس غیر معمولی کمیشن قائم کیا گیا جس کا مقصد انقلاب دشمنی اور سبوتاژ کے خلاف جدوجہد کرنا تھا۔ سرخ فوج کو منظم کرنے کے فرمان پر ۱۵ر جنوری ۱۹۱۸ء کو دستخط ہوئے اور سرخ بحریہ کے قیام کے فرمان پر ۱۴ر فروری کو دستخط ہوئے۔ اس وقت مرکزی اور مقامی حکومتی ادارے بھی قائم ہو گئے۔

سوشلسٹ بالائی ڈھانچہ سوشلسٹ آئیڈیالوجی اور اس سے مطابقت رکھنے والے اداروں یعنی سوشلسٹ ریاست، کمیونسٹ پارٹی، ٹریڈ یونینوں، نوجوان کمیونسٹ لیگ، نیز ثقافتی، تعلیمی، دفاعی کمیٹیوں کی اور دیگر تنظیموں کے مجموعے پر مشتمل ہوتا ہے۔

یہ بالائی ڈھانچہ مخاصمانہ طبقاتی سماجوں کے بالائی ڈھانچوں، خاص طور پر عصر حاضر کے سرمایہ دارانہ بالائی ڈھانچے سے بنیادی طور پر مختلف ہوتا ہے۔

ترقی پسند سوشلسٹ بنیاد بالائی ڈھانچے کی نوعیت کا، اس کی موثر، انقلابی، بدلتی ہوئی نوعیت کا بھی تعین کرتی ہے۔ یہ تاریخ کے حقیقی عمل کی، سرمایہ داری سے کمیونزم کی جانب نوع انسانی کی تابع قانون پیش قدمی کی عکاسی کرتی ہے اور اس پیش قدمی میں ہر طرح سے مدد بہم پہنچاتی ہے۔

سوشلسٹ سماج کے بالائی ڈھانچے میں کسی قسم کے مخاصمانہ تضادات نہیں ہوتے۔ اس کا تعین سوشلسٹ بنیاد کی وحدت اور ہم آہنگی سے ہوتا ہے۔ سوشلسٹ سماج میں ایسے طبقات وجود نہیں رکھتے جو رجعت پرستانہ خیالات کی تشہیر کا وسیلہ ہوں۔ تمام محنت کش عوام سوشلسٹ سماج کی ترقی اور کمیونزم کی جانب اسکی پیشقدمی میں دلچسپی لیتے ہیں۔ وہ سبھی سب سوشلزم کی معاشی بنیاد کو مستحکم کرنے اور اسکے بالائی ڈھانچے کو ترقی دینے اور بہتر بنانے کی جد و جہد کرتے ہیں۔

سوشلسٹ سماج میں بھی پسماندہ خیالات موجود ہو سکتے ہیں۔ لیکن وہ سوشلسٹ بالائی ڈھانچے کا حصہ نہیں ہوتے کیونکہ وہ سرمایہ داری سے ورثے میں ملے ہوئے ہوتے ہیں اور سوشلسٹ بنیاد کی پیداوار نہیں ہوتے۔

سوشلسٹ بالائی ڈھانچہ ایک حقیقی معنوں میں جمہوری کردار کا حامل ہوتا ہے۔ یہ محنت کش عوام کے مفادات کی نگرانی کرتا ہے اور ان مفادات کے پرچم کو بلند رکھتا ہے، اور جواباً، اسے محنت کش عوام کی مسلسل حمایت حاصل رہتی ہے۔ یہ چیز سوشلسٹ بالائی ڈھانچے کی سرگرمی کا اور اس زبردست اثر کا سبب ہوتی ہے جو بالائی ڈھانچہ بنیاد کی ترقی پر اور سارے سوشلسٹ سماج کے فروغ پر ڈالتا ہے۔ جیسے جیسے سوویت سماج کمیونزم کی جانب پیش قدمی کرتا ہے، ویسے ویسے بالائی ڈھانچے کی اہمیت میں اور بنیاد اور پورے سماج کی ترقی پر اسکے اثر میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ سوشلسٹ بالائی ڈھانچہ، اور بالخصوص اسکے بنیادی اجزائے ترکیبی یعنی سوویت ریاست اور کمیونسٹ پارٹی جو ملک کی معاشی، سیاسی اور ثقافتی زندگی کی تنظیم کرتی ہیں، کمیونزم کی کامیاب تعمیر میں ایک اہم عامل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

چودھواں باب

عوام — سماجی نشوونما کی فیصلہ کُن قوت

تاریخ میں فرد کا رول

ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ سماج خود اپنے قوانین کی بنیاد پر، تاریخی ضرورت کی بنیاد پر، نشوونما پاتا ہے۔ لیکن سماجی قوانین کا اظہار ہمیشہ عوام کے اقدامات میں ہوتا ہے جو اپنی تاریخ کے خالق ہوتے ہیں۔

تاریخی سلسلۂ عمل میں عوام کی کیا اہمیت ہوتی ہے اور تاریخ میں عوام کا اور فرد کا کیا رول ہوتا ہے؟

تاریخی مادیت اس مقدمے کو بنیاد بناتی ہے کہ عوام تاریخ کے خالق ہوتے ہیں۔

۱۔ عوام تاریخ کے حقیقی خالق اور سماجی نشوونما کی فیصلہ کُن قوت ہوتے ہیں

عوام سے کیا مُراد ہے؟ تاریخ کے خالقوں کی حیثیت سے عوام کے رول کی تشریح کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم پہلے اس امر کی وضاحت کریں کہ عوام سے کیا مراد ہے۔

عوام سے ہماری مراد بنیادی طور پر اُن لوگوں سے ہے جو کام کرتے ہیں۔ ایک مخاصمانہ طبقاتی سماج میں وہ استحصال کا شکار ہوتے ہیں۔ غلامی کے سماج میں وہ زیادہ تر غلام تھے، اور جاگیرداری سماج میں وہ مزارعے اور دستکار تھے۔ سرمایہ دارانہ سماج میں عوام میں مزدور طبقہ، کسان، محنت کش دانشور اور وہ دیگر گروہ شامل ہوتے ہیں جو سماجی ترقی میں حصہ لیتے ہیں۔

ایک مخاصمانہ طبقاتی سماج میں عوام آبادی کی اکثریت پر مشتمل ہوتے ہیں لیکن وہ ساری آبادی پر مشتمل نہیں ہوتے۔ مثلاً عصرِ حاضر کے سرمایہ دارانہ سماج میں عوام کے مدمقابل رجعت پرست سامراجی طبقہ ہوتا ہے۔

سوشلسٹ سماج میں ساری آبادی، یعنی مزدور طبقہ، کسان اور دانشور، عوام پر مشتمل ہوتی ہے۔

عوام تاریخ کے خالق ہوتے ہیں: تاریخ میں عوام کی فیصلہ کُن اہمیت طرزِ پیداوار کے اس تعین کُن رول سے وجود میں آتی ہے جو وہ سماج کے نشوونما میں ادا کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے جان چکے ہیں، مادی پیداوار

سماجی زندگی کی بنیاد ہے اور محنت کش عوام اصل پیداواری قوت ہیں۔ چنانچہ نتیجۃً، عوام سماجی نشوونما کی فیصلہ کن قوت ہوتے ہیں، تاریخ کے حقیقی خالق ہوتے ہیں۔

محنت کش عوام سب سے پہلے تو اپنی پیداواری محنت کے ذریعے تاریخ بناتے ہیں۔ یہ عوام ہی ہوتے ہیں جو ساری مادی دولت، شہر اور گاؤں، فیکٹریاں، سڑکیں، پل، موٹریں، مشینیں، کپڑے، جوتے، غذا اور گھریلو اشیا، مختصر یہ کہ ہر وہ چیز تخلیق کرتے ہیں جس کے بغیر ہمارا وجود باقی نہیں رہ سکتا۔

عوام فنی ترقی کی اصل محرکہ قوت ہوتے ہیں۔ انھوں نے روز بروز، سال بہ سال، صدی بہ صدی مشقت اور مستقل مزاجی کے ساتھ کام کرکے، اور اکثر و بیشتر اس سے خود بھی واقف نہ ہوتے ہوئے محنت کے آلات تیار کئے اور انھیں بہتر سے بہتر بنایا، اور یہی چیز بنیادی فنی انقلابات کا، پیداواری قوتوں میں تبدیلی کا باعث ہوئی ہے۔ پیداواری قوتوں کی ترقی نے، اپنی طرف سے، پورے طرز پیداوار میں تبدیلی پیدا کی ہے۔ انتہائی تکلیف دہ استبداد کی حالت میں بھی، استحصال پر مبنی سماج کے معمولی انسانوں کی محنت نے ہمیشہ نوعِ انسانی کی ترقی کے لئے، نئے سماجی نظام میں منتقلی کے لئے ضروری مادی شرائط مہیا کی ہیں۔

لیکن تاریخ میں عوام کا رول محض پیداواری قوتوں کو فروغ دینے اور اس طرح ایک نئے سماجی نظام میں منتقلی کے لئے مادی حالات مہیا کرنے تک محدود نہیں ہے۔ عوام وہ اصل قوت بھی ہیں جو سماجی انقلابات کے مقدر کا، سیاسی اور قومی آزادی کی تحریکوں کے مقدر کا فیصلہ کرتی ہے۔ طبقاتی جدوجہد، ظالموں کے خلاف محنت کش عوام کی جدوجہد، جس کی اعلیٰ ترین شکل سماجی انقلاب ہے، مخاصمانہ طبقاتی سماجوں کے نشوونما میں قوتِ محرکہ کا کام دیتی ہے۔ غلاموں کی بغاوتوں نے غلامی کے سماج کی بنیادوں کو کمزور کیا اور یہ جاگیرداری میں منتقلی کا ایک اہم سبب تھیں۔ کسان اور شہری غریب اُن بورژوا انقلابوں کی ایک اہم محرکہ قوت تھے جنھوں نے جاگیرداری کو ایک زیادہ ترقی یافتہ نظام، یعنی سرمایہ دارانہ نظام کے لئے جگہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

سوشلزم سے پہلے کے سماجوں میں عوام اپنی محنت کے پھل سے بہرہ ور نہیں ہوتے تھے، لیکن کام اور جدوجہد وہ اصل عوامل تھے جو بالآخر محنت کش عوام کی نجات کا اور ترقی یافتہ، سوشلسٹ نظام کی پیدائش کا باعث ہوئے۔

عوام کا نوعِ انسانی کی روحانی ثقافت کے فروغ میں زبردست حصہ ہے۔ ماکسم گورکی نے لکھا ہے:

"عوام محض وہ قوت ہی نہیں ہیں جس نے ساری مادی اقدار پیدا کی ہیں۔ وہ روحانی اقدار کا واحد اور کبھی نہ خشک ہونے والا سرچشمہ ہیں۔ وہ وقت، حسن اور ذکاوت کے معاملہ میں سب سے بڑے شاعر اور فلسفی ہیں وہ

تمام عظیم نظموں کے جو کہ موجود ہیں، دنیا کے سارے المیوں کے اور ان المیوں میں سے سب سے بڑے المیئے یعنی عالمی ثقافت کی تاریخ کے خالق ہیں۔"

عوام کی محنت، ان کی تخلیقی مساعی سائنس اور ثقافت کو غذا بہم پہنچانے والے ذریعے کا کام کرتی ہیں۔ بہت سے نامور سائنس داں اور ادیب، فن کار اور ثقافتی رہنما، جن کی عظیم تخلیقات نے نوعِ انسانی کو مالا مال کیا، معمولی انسانوں کے درمیان میں سے اُبھرے۔ مثلاً ایسے ہی انسانوں میں سے ایک لومونوسوف تھا جو ایک ماہی گیر کا بیٹا تھا، نیوٹن تھا جو ایک معمولی کسان کا بیٹا تھا۔ چیرے پانوف باپ بیٹے، جنھوں نے روس میں پہلا ریلوے انجن ایجاد کیا، کمیرے تھے۔ عوام شاندار رزمیہ نظموں اور طلسماتی داستانوں، نغموں اور رقص کے خالق ہیں ممتاز فنکاروں نے اپنی بہترین تخلیقات کیلئے ہمیشہ لوک فن کے کبھی نہ ختم ہونیوالے خزانے سے ماڈل لئے ہیں۔

تاریخی نشو و نما میں عوام کا بڑھتا ہوا رول: عوام تاریخ بناتے ہیں۔ وہ اپنی مرضی سے تاریخ نہیں بناتے بلکہ معروضی حالت کی مطابقت میں، اور بالخصوص تاریخی طور پر متعینہ طرزِ پیداوار کی مطابقت میں تاریخ بناتے ہیں۔ چونکہ مادی پیداوار مسلسل ادنیٰ سے اعلیٰ کی جانب ترقی کرتی رہتی ہے، اس لئے تاریخی سلسلۂ عمل میں عوام کا رول بھی بدلتا رہتا ہے۔ مزید برآں، جیسے جیسے نوعِ انسانی ترقی پسندانہ انداز میں فروغ پاتی ہے، ویسے ویسے تاریخ میں عوام کا رول بڑھتا جاتا ہے۔ مارکسزم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ سماجی تبدیلیاں جتنی زیادہ گہری ہونگی اور سماج کو درپیش فریضے جتنے زیادہ اہم ہونگے، عوام کی اتنی ہی زیادہ تعداد اور اتنی ہی زیادہ سرگرمی کے ساتھ تاریخی سلسلۂ عمل میں حصہ لے گی۔ مارکس نے لکھا ہے، "تاریخی عمل کی جامعیت کے ساتھ ان عوام کی تعداد میں اضافہ ہوگا جن کا یہ عمل ہے۔"

غلامی کے سماج اور جاگیرداری سماج میں محنت کش عوام ابتدائی ترین انسانی حقوق سے محروم تھے اور وہ اپنی تخلیقی قوتوں کو فروغ نہیں دے سکتے تھے۔ آقا اور جاگیردار ریاستی نظم و نسق، سیاست، سائنس اور آرٹ پر اپنی اجارہ داری قائم کئے ہوئے تھے، وہ عوام کو تاریکی اور جہالت میں رکھتے تھے اور اُن سے جان توڑ محنت لیتے تھے۔ ان دنوں عوام کی سرگرمیاں نسبتاً محدود تھیں اور استحصال کرنے والوں کے خلاف اُن کے اقدامات ناکامی کا ہی مُنہ دیکھتے تھے۔ اس وقت تاریخ ایک کربناک آہستہ روی کے ساتھ محض رینگ ہی سکتی تھی۔

استحصال سے محنت کش عوام کی نجات کے لئے ضروری مادی حالات سرمایہ داری کے تحت وجود میں آتے ہیں۔ بڑے پیمانے کی مشینی پیداوار نمودار ہوتی ہے اور اسکے ساتھ ہی پرولتاریہ، یعنی وہ طبقہ نمودار ہوتا ہے

جو سرمایہ داری کے خلاف لڑائی میں عوام کی قیادت کرنے کا اور سوشلزم کی فتح حاصل کرنے کا اہل ہوتا ہے۔ یہ طبقہ کمیونسٹ پارٹی کی تخلیق کرتا ہے جو مارکسزم۔لینن ازم کے نظریات سے رہنمائی حاصل کرتی ہے اور محنت کش عوام کی انقلابی جدوجہد کی سربراہی کرتی ہے۔ ان اسباب کی بنا پر عوام سرمایہ داری کے تحت زندگی میں ایک زیادہ بڑا کردار ادا کرتے ہیں۔ کروڑوں محنت کش عوام فعال سیاسی جدوجہد میں شامل ہو جاتے ہیں اور یہ چیز تاریخ کے عمل کی رفتار کو کافی تیز کر دیتی ہے۔

محنت کش عوام سوشلسٹ انقلاب میں اصل محرکہ قوت ہوتے ہیں۔ سابقہ انقلابوں کے برخلاف جن میں عوام نے محض پرانے سماجی نظام کو برباد کیا تھا، سوشلسٹ انقلاب کے عمل کے دوران وہ نہ صرف پرانے سرمایہ دارانہ سماج کو ختم کرتے ہیں، بلکہ نئے سوشلسٹ سماج کی تخلیق بھی کرتے ہیں۔

عوام کی سرگرمی اور سماجی زندگی میں اُن کا رول سوشلسٹ سماج میں خاص طور پر عظیم ہوتا ہے۔ سوشلزم محنت کش عوام کے اہم مفادات سے مطابقت رکھتا ہے اور اسی لئے عوام سوشلزم کی تعمیر میں جوش و خروش کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ لینن نے لکھا ہے: "زندہ تخلیقی سوشلزم خود عوام کا اپنا پیدا کردہ ہوتا ہے" نئی زندگی کی تعمیر میں عوام کی روز افزوں سرگرمی سوشلسٹ ترقی کا ایک قانون ہے۔ اس کا واضح مظاہرہ سوویت یونین میں اس ملک میں ہوا ہے جہاں سوشلزم پہلی مرتبہ فتحمند ہوا۔

سوشلسٹ حالات میں عوام کا رول بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے جس کا زیادہ تر سبب سوشلسٹ نظام کی نوعیت: سوشلسٹ پیداواری تعلقات کا غلبہ ہے۔ سوشلسٹ ملکیت' جو اب سوویت یونین میں مضبوطی کے ساتھ قائم ہو چکی ہے، محنت کش عوام کے تمام حلقوں کو متحد کرتی ہے اور کمیونزم کی تعمیر میں انکی سرگرم شرکت کو یقینی بناتی ہے۔

سماجی اور ذاتی مفادات کا ہم آہنگ امتزاج اور اپنی محنت کے نتائج میں محنت کش عوام کی مادی دلچسپی صرف سوشلزم کے تحت ہی حاصل ہوتی ہے۔ سرمایہ دارانہ سماج میں محنت کش عوام عظیم مادی اور روحانی اقدار پیدا کرتے ہیں، اور وہ تمام ترقی پسند سماجی تحریکات کے اصل شرکاء ہوتے ہیں لیکن ان کی محنت اور جدوجہد کے پھل پر استحصال کرنے والوں کی ایک چھوٹی سی تعداد قابض ہو جاتی ہے۔ سوشلسٹ سماج میں صورت حال مختلف ہوتی ہے۔ یہاں مزدور سوشلسٹ نظام کو مستحکم کرنے اور اسے ترقی دینے میں بہت زیادہ دلچسپی لیتے ہیں، کیونکہ یہ اُن کی سیاسی آزادی

مادی بہبود اور ثقافتی ترقی کی بنیاد ہوتا ہے۔ لینن نے لکھا ہے کہ "صدیوں تک دوسروں کیلئے کام کرتے رہنے استحصال کنندہ کے لئے جبری محنت کرتے رہنے کے بعد پہلی مرتبہ خود اپنے لئے کام کرنا اور مزید یہ کہ جدید ٹکنولوجی اور ثقافت کی تمام کامیابیوں سے اپنے کام میں استفادہ کرنا ممکن ہوا ہے۔" عوام اس بات سے آگاہ ہوتے ہیں کہ وہ خود اپنے لئے، اپنے سماج کے لئے کام کر رہے ہیں، اور یہ چیز کام کے لئے اُن کے جوش و خروش کا منبع ہوتی ہے، یہ انہیں پہل کاریوں سبقت لے جانے کی کوششوں اور مسابقت کی سوشلسٹ شکلوں کو تحریک دیتی ہے۔

سوشلزم کے تحت عوام کے رول میں اضافے کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ انہیں کمیونزم کی تعمیر میں جو فریضے درپیش ہوتے ہیں وہ بے انتہا وسعت کے حامل ہوتے ہیں۔ کمیونزم کی فتح سماجی ترقی میں ایک نہایت زبردست چھلانگ کی علامت ہوگی۔ یہ زندگی کے تمام شعبوں میں وسیع، فقید المثال تبدیلیوں کا نتیجہ ہوگی اور ان تمام چیزوں کا کروڑوں محنت کش عوام کی توانائی سے بھرپور شرکت کے بغیر قطعی کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔

سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کی قیادت سوشلسٹ سماج میں عوام کے رول کو بڑھانے والے ایک بڑے عامل کی حیثیت رکھتی ہے۔ پارٹی سوویت عوام کو ایک ایسی سائنسی پالیسی سے لیس کرتی ہے جو معروضی قوانین پر مبنی ہے اور سماج کی، اور زندگی کی ضروریات کو پیش نظر رکھتی ہے۔ حالیہ پیداواری سطح اور حقیقی امکانات کی بنیاد پر عمل کرتے ہوئے پارٹی عوام کے لئے مزید فریضے متعین کرتی ہے اور انہیں عملی جامہ پہنانے کے طریقوں کی نشاندہی کرتی ہے۔ پارٹی عوام کو تعلیم دیتی ہے، ان کی سرگرمیوں کو ابھارتی ہے اور نئے سماج کی تعمیر میں انہیں روزافزوں پیمانے پر شریک کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

۲۔ تاریخ میں فرد کا رول

مارکسسٹ چونکہ تاریخی ضرورت کو مانتے ہیں، اس لئے بورژوا نظریہ ساز اکثر اُن پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ تاریخ میں بڑے آدمیوں، رہنماؤں کے رول سے انکار کرتے ہیں۔ یہ الزامات بے بنیاد ہیں کیونکہ مارکسزم یقیناً فرد کے رول کی اہمیت کو کم نہیں کرتا ہے۔ اگرچہ مارکسسٹ یہ کہتے ہیں کہ افراد تاریخ کے معروضی عمل کو اپنی مرضی سے نہیں بدل سکتے۔ تاہم وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ فرد سماجی نشوونما میں کچھ کم اہم کردار ادا نہیں کرتا۔ لینن نے لکھا ہے: "تاریخی ضرورت کا نظریہ تاریخ میں فرد کے رول کو ہرگز کم نہیں کرتا۔ تمام تاریخ ان افراد کے اقدامات سے تشکیل پاتی ہے جو بلاشبہ فعال شخصیتیں ہوتے ہیں۔" مارکسزم نے سماجی نشوونما میں

فرد کی حقیقی اہمیت کو ثابت کیا ہے اور ان حالات کی جانب بھی اشارہ کیا ہے جنکے تحت فرد تاریخ میں ایک اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔

تاریخ میں رہنماؤں کا رول: ہم جانتے ہیں کہ عوام تاریخ بناتے ہیں۔ عوام طبقات میں بٹے ہوتے ہیں جو طبقاتی جدوجہد کے دوران خود اپنی سیاسی پارٹیاں منظم کرتے ہیں جن کی صفوں سے رہنما اُبھرتے ہیں جو سب سے زیادہ تجربہ کار، تربیت یافتہ اور فعال رکن ہوتے ہیں۔ تاریخ میں ان افراد کا رول عوام کو منظم کرنے، انھیں عمل پر آمادہ کرنے، اُن کے سامنے متعینہ فریضے رکھنے اور انھیں ان فریضوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے حرکت میں لانے پر مشتمل ہوتا ہے۔

عوام جتنے زیادہ فعال ہونگے اور ان عوام کا دائرہ جتنا زیادہ وسیع ہوگا جو تاریخ بناتے ہیں تجربہ کار اور پختہ رہنماؤں کی ضرورت بھی اتنی ہی شدید ہوگی۔ رہنماؤں کے بغیر ترقی یافتہ طبقہ سیاسی اقتدار حاصل کرنے اپنی حکمرانی کو برقرار رکھنے اور اسے مستحکم کرنے، خود اپنی ریاست بنانے اور اپنے سیاسی دشمنوں کے خلاف کامیابی کے ساتھ جدوجہد کرنے کا اہل نہیں ہوتا۔ "تاریخ میں کسی ایک طبقے نے بھی اپنے سیاسی رہنما پیدا کئے بغیر، اپنے ایسے ممتاز نمائندے پیدا کئے بغیر جو ایک تحریک کو منظم کرنے اور اسکی رہنمائی کرنے کے اہل ہوں، اقتدار حاصل نہیں کیا ہے"۔ لینن نے لکھا۔

پرولتاریہ کی انقلابی تحریک میں رہنماؤں کا، نظریہ دانوں کا رول خاص طور پر اہمیت رکھتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ تنظیم اور آہنی ڈسپلن مزدور طبقے کے مقاصد کے حصول کیلئے اہم ترین ذریعے ہیں۔ تجربہ کار اور آزمودہ کار رہنماؤں کے بغیر ایک تنظیم کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اعلیٰ باختیار رہنماؤں، جری تنظیم کاروں اور دانش مند نظریہ دانوں کے بغیر مزدور طبقے کی تحریک استحصال کنندوں کے خلاف جنگ کرنے کے صحیح طریقوں اور وسائل کو نہیں پا سکتی تھی۔

ممتاز شخصیتیں کیوں نمودار ہوتی ہیں اور اُن کی قوت کا سرچشمہ کیا ہوتا ہے: عظیم لوگ اتفاقاً نمودار نہیں ہوتے بلکہ تاریخی ضرورت کے تحت اس وقت نمودار ہوتے ہیں جب متعلقہ معروضی حالات پختہ ہو جاتے ہیں۔ ممتاز سیاسی زعما، عوام کے رہنما سماج میں بنیادی انقلابی تبدیلی کے زبردست سیاسی اقدامات کے اور عوام کی تحریکوں کے دور میں منصۂ شہود پر آتے ہیں۔ سائنس میں اعلیٰ درجے کے ذہین افراد بیشتر اس وقت اُبھرتے ہیں جب پیداوار کو کسی عظیم سائنسی دریافت کی ضرورت ہوتی ہے۔ عظیم فن کار عموماً، تاریخ

کے اہم ترین موڑوں پر اپنی ذہانت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ مزید برآں، ایک باصلاحیت انسان تاریخ میں صرف اسی وقت جانا جائے گا اگر سماج کو اپنے نشوونما کے ایک خاص مرحلے میں اس کی صلاحیتوں کردار اور ذہانت کی ضرورت ہوگی۔

ایک ممتاز شخصیت کا اس وقت ظہور ضروری ہے جب اس کی ضرورت ہو، لیکن یہ حقیقت کہ ان خاص حالات میں یہ مخصوص فرد منصۂ شہود پر آیا، اتفاق کی بات ہوتی ہے۔ اینگلز نے لکھا ہے کہ "یہ کہ فلاں فلاں آدمی اور قطعی طور پر فلاں آدمی ایک مخصوص وقت میں اور ایک مخصوص ملک میں منظر عام پر آتا ہے، فی الحقیقت محض اتفاق کی بات ہے۔ لیکن آپ اس انسان کو ہٹا دیجئے تو اس کے نعم البدل کی مانگ ہوگی اور نعم البدل تلاش کر لیا جائے گا، خواہ اچھا ہو یا بُرا، لیکن ایک طویل عرصے میں اُسے تلاش کر لیا جائے گا" ممتاز شخصیت صرف اس وقت ملتی ہے جب اُس کے ظہور کی سماجی ضروری شرائط اور متعلقہ معاشی اور سیاسی حالات پختہ ہو جاتے ہیں۔

تاریخ میں بہت سے نام موجود ہیں لیکن وہ سبھی سب عظیم نہیں تھے۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جنھوں نے تاریخی ضرورت کے خلاف عمل کیا اور تاریخ کے پہیے کو اُلٹا گھمانے کی کوشش کی۔ ان لوگوں نے رجعت پرست طبقات کے مفادات کی عکاسی کی تھی ناگزیر طور پر شکست کھائی اور ان کے ساتھ ہی اس گندے مقصد نے بھی شکست کھائی جسکے یہ علمبردار تھے۔

ایک شخص صحیح معنوں میں عظیم صرف اسی وقت ہو سکتا ہے اگر وہ اپنی ساری زندگی اور اپنی ساری توانائیاں سماج کی ترقی کے لئے وقف کر دے، اگر وہ، کوئی دقیقہ فروگزاشت کئے بغیر، جدید کے لئے کام کرتا ہے اور ایک ترقی پسند سماجی نظام کے نفاذ کے لئے سماج کے ترقی یافتہ طبقات کی اَن تھک مدد کرتا ہے۔

ایک ممتاز شخصیت اس قدر عظیم اور مشکل فرائض کی تکمیل کی اہل کیونکر ہوتی ہے؟ اس کی قوت کا سرچشمہ کیا ہوتا ہے؟ ایک ممتاز شخصیت کی قوت سب سے پہلے تو اس ترقی پسند سماجی تحریک میں مضمر ہوتی ہے جسکی وہ علمبردار ہوتی اور جسکی وہ رہنمائی کرتی ہے۔ ایک عظیم انسان عظیم اس لئے ہوتا ہے کیونکہ وہ تاریخ کے معروضی عمل کو سمجھتا ہے، یہ دیکھتا ہے کہ سماج کی ترقی کے لئے کس چیز کی ضرورت ہے اور جانتا ہے کہ ان ضروریات کو کس طرح پورا کیا جائے، سماجی زندگی کو کس طرح بہتر بنایا جائے۔ ایک ممتاز شخصیت مضبوط اس لئے ہوتی ہے کیونکہ وہ ترقی یافتہ طبقات کے، عوام کے مفادات کی ترجمانی کرتی ہے اور اس لئے اُسے ان کا اعتماد اور اُن کی حمایت حاصل ہوتی ہے۔

ایک عظیم انسان کی ذاتی خوبیاں بھی کم اہمیت کی حامل نہیں۔ صرف ایک ایسا انسان ہی جو غیر معمولی خوبیاں

اور صلاحیتوں کا، یعنی عظیم ذہنی قوت، بے پایاں توانائی، مستقل مزاجی اور بہادری کا حامل ہو، ان فرضیوں سے نمٹ سکتا ہے جو تاریخ اس کے سامنے پیش کرتی ہے۔ ایک بڑے آدمی کی ذاتی خوبیاں سماجی ضروریات کے جتنے زیادہ مطابق ہونگی تاریخ میں اس کا رول اتنا ہی زیادہ نمایاں اور اہم ہوگا۔

پرولتاریہ اور سارے محنت کش عوام کے رہنما مارکس، اینگلز اور لینن ایسے ممتاز انسان تھے جنھوں نے تاریخ پر گہرا نقش ثبت کیا۔ وہ کیفیتی لحاظ سے ایک نئے قسم کے رہنما، شاندار ماہرین نظریات اور عوام کی عظیم ترین تحریک یعنی پرولتاریہ کی انقلابی تحریک کے منظم تھے۔ وہ مستقل مزاجی اور دلیری، کمیونسٹ کاز کی سچائی کے غیر متزلزل باطنی ایقان، عوام سے محبت اور ان کے دشمنوں سے نفرت کے حامل تھے۔ وہ عوام سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ انھوں نے عوام کو سکھایا اور عوام سے سیکھا اور ان کے بیش قیمت انقلابی تجربے کی تعمیم کی۔

انھوں نے جس عظیم کاز کا آغاز کیا تھا، اسے ان کے جانشین اور پیرو، سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کے اور دیگر کمیونسٹ پارٹیوں اور مزدور پارٹیوں کے رہنما جو ہمارے عہد کی سب سے زیادہ طاقتور تحریک، کمیونزم کی جانب عوام کی تحریک کی سربراہی کر رہے ہیں، کامیابی کے ساتھ جاری رکھے ہوئے ہیں۔

مارکسزم میں شخصیت پرستی کی کوئی گنجائش نہیں: مارکسزم تاریخ میں ممتاز شخصیتوں کے اہم کردار کو تسلیم کرتا ہے اور ان کی سرگرمیوں کا عوام، ترقی یافتہ طبقات اور سیاسی پارٹیوں کی سرگرمیوں کے ساتھ قریبی ربط میں جائزہ لیتا ہے۔ مارکسزم شخصیت پرستی کا، ایک بڑے آدمی کی اندھی پرستش کا جس میں مبینہ طور پر یہ مافوق البشر قوت موجود ہو کہ وہ تاریخ کو اپنی مرضی کے مطابق بنالے، سخت مخالف ہے۔ شخصیت پرستی سوشلسٹ آئیڈیالوجی کے عین مخالف ہے اور کمیونسٹ تحریک کو کافی نقصان پہنچاتی ہے۔ مارکس، اینگلز اور لینن نے ہمیشہ شخصیت پرستی کی مخالفت کی اور انفرادی رہنماؤں کے رول میں مبالغہ آمیزی کرنے، ان پر خوشامد اور تحسین کے ڈونگرے برسانے کی مذمت کی۔ مارکسزم۔لینن ازم کے بانی اس خیال کے حامی تھے کہ صرف اجتماعی قیادت ہی انقلابی تحریک کی ضمانت دیتی ہے۔

جو چیز شخصیت پرستی کو نقصان دہ بناتی ہے وہ یہ ہے کہ شخصیت پرستی تاریخ کے خالقوں کی حیثیت سے عوام کے رول کو اور عوام کے اجتماعی رہنماؤں کی حیثیت سے کمیونسٹ پارٹی اور اسکے مرکزی اداروں کے رول کو، دونوں کو کم کر دیتی ہے۔ یہ پارٹی کی نظریاتی زندگی کے فروغ اور عوام کی تخلیقی توانائیوں میں رکاوٹ ڈالتی ہے اور انھیں اس بات کا عادی بناتی ہے کہ وہ اوپر سے آنے والے احکامات کا محض مجہول انداز میں

انتظار کرتے رہیں شخصیت پرستی اور اسکے نتیجے میں اجتماعی قیادت کے، پارٹی کے اندر جمہوریت کے اور سوشلسٹ قانون کے اصول کی خلاف ورزیاں سوشلزم کی جوہری فطرت کے قطعی خلاف ہیں جسکی خصوصیت عوام کا اقتدار اعلیٰ ہوتا ہے نہ کہ کسی ایک فرد کی قدرت کاملہ۔

شخصیت پرستی محض نادر شاہی احکامات کے ذریعے قیادت اور نظم و نسق کے نوکر شاہانہ طریقہائے کار کو جنم دیتی ہے، یہ تنقید اور خود تنقیدی کا گلا گھونٹ دیتی ہے۔ یہ کمیونسٹ تحریک میں عوام کی وسیع شرکت کے امکانات کو کم کر دیتی ہے اور اُن کی پہل کاری کی اہمیت کو گھٹا دیتی ہے، جبکہ کمیونزم کی تعمیر محض عوام کی سرگرم ترین شرکت سے ہی عمل میں آسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی نے اسٹالن کی شخصیت پرستی اور اسکے نتائج کی سختی کے ساتھ مذمت کی۔

سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کی بیسویں کانگریس نے اسٹالن کی شخصیت پرستی کی مذمت کی اور اُسے مارکسزم۔لینن ازم کے خلاف، سوشسٹ نظام کے خلاف قرار دیا اور پارٹی پر زور دیا کہ اسکے اثرات کی بیخ کنی کی جائے۔ پارٹی نے اپنی صفوں میں اور بھی قریبی اتحاد پیدا کیا، عوام کے ساتھ اپنے رشتوں کو اور زیادہ مضبوط کیا اور اپنی عمومی لائن پر عمل کرانے کے لئے تمام قوتوں کو متحرک کیا۔

جس عزم اور استحکام کے ساتھ پارٹی نے، تمام سوویت عوام کی حمایت سے، شخصیت پرستی کے خلاف جنگ کی اس سے سوویت سوشسٹ نظام کی مضبوطی اور قوت حیات کا اظہار ہوا ہے، مارکسزم۔لینن ازم کے نظریات کے غیر مغلوب ہونے کا اظہار ہوا ہے۔

شخصیت پرستی کی سختی سے مذمت کرتے ہوتے مارکسزم۔لینن ازم یہ کہتا ہے کہ شخصیت پرستی کو رہنماؤں کے اختیار کے ساتھ خلط ملط کر دینا غلط ہوگا۔ لینن نے لکھا ہے: "مزدور طبقے کو، جو مکمل نجات کے لئے ساری دنیا میں ایک سخت اور پرعزم جد و جہد کر رہا ہے، با اختیار رہنماؤں کی ضرورت ہے۔" ان رہنماؤں کے اختیار کو قائم رکھنا ضروری ہے جو خود کو عوام اور پارٹی کے لئے وقف کر دیتے ہیں، جو اپنے سارے علم اور توانائیوں کو، اپنے قیمتی تجربے کو کمیونزم کے عظیم کاز کی نذر کر دیتے ہیں۔

سارا تاریخی نشو و نما یہ ثابت کرتا ہے کہ کوئی فرد خواہ کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو، وہ تاریخ کے عمل کو متعین کرنے کا اہل نہیں ہوتا۔ یہ عوام ہی ہیں جو تاریخ کے خالق ہوتے ہیں اور نوعِ انسانی کی ساری مادی اور روحانی دولت پیدا کرتے ہیں۔

پندرھواں باب

طبقات اور طبقاتی جدوجہد

گزشتہ باب میں ہم نے یہ دیکھا کہ عوام سماج کے نشوونما کی اصل اور فیصلہ کُن قوت ہوتے ہیں۔ سماج معینہ طبقوں، سماجی گروہوں اور سماجی حلقوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

طبقات اور طبقاتی جدوجہد کے بارے میں مارکسی۔ لیننی نظریہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ طبقات کیا ہیں اور وہ کیا کردار ادا کرتے ہیں۔

۱۔ طبقات کی ماہیت اور اُن کا آغاز

مارکس سے پہلے کے مفکروں نے اِس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ انسان طبقات میں منقسم ہیں اور یہ کہ سماج میں طبقاتی جدوجہد موجود ہے۔ لیکن یہ لوگ سماج کی طبقات میں تقسیم کی معروضی بنیاد تلاش کرنے سے قاصر تھے۔ انھوں نے یہ نہیں سمجھا کہ سماج کی طبقاتی تقسیم کے سبب کو مادی پیداوار میں تلاش کرنا چاہیے جو انسانی رشتوں کا اصل دائرہ ہے۔

لینن نے اپنی تصنیف "ایک عظیم آغاز" میں طبقات کی جامع تعریف پیش کی۔ انھوں نے لکھا: "طبقات انسانوں کے وہ بڑے بڑے گروہ ہوتے ہیں جو سماجی پیداوار کے تاریخی طور پر متعینہ ایک نظام میں اس حیثیت کی بنا پر جو انھیں حاصل ہے، وسائلِ پیداوار کے ساتھ اپنے تعلقات کی بنا پر (جو بیشتر صورتوں میں قانون میں مقرر و متشکل ہوتے ہیں)، محنت کی سماجی تنظیم میں اپنے رول کی بنا پر اور نتیجتہً اس سماجی دولت سے جس سے وہ متعلق ہوتے ہیں حصہ حاصل کرنے کی حدود اور طرز کی بنا پر ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ طبقات انسانوں کے ایسے گروہ ہوتے ہیں جن میں سے ایک گروہ، ایک دوسرے گروہ کی محنت کے پھل پر اُن حیثیتوں کی بنا پر قابض ہو سکتا ہے جو انھیں (دونوں گروہوں کو) سماجی معیشت کے ایک خاص نظام میں حاصل ہوتی ہیں۔"

کسی طبقے کا وسائلِ پیداوار کے ساتھ رشتہ ہی وہ اصل خصوصیت ہوتی ہے جو سماجی پیداوار میں اس

کی حیثیت اور اس کے رول کا اور اس کی آمدنی کے حصول کے طریقے اور آمدنی کی مقدار کا تعین کرتی ہے۔

طبقات ہمیشہ سے موجود نہیں تھے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، قدیم سماج میں طبقات کا وجود نہیں تھا۔ پیداوار کی سطح اتنی نیچی تھی کہ انسانوں کو اپنے آپ کو فاقہ کشی سے بچانے کے لئے بمشکل ہی غذا حاصل ہوتی تھی۔ مادی دولت کو مجتمع کرنے کا، ذاتی ملکیت، طبقات اور استحصال کے وجود میں آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

تاہم، بعد میں جب پیداواری قوتوں نے ترقی کی اور محنت کی پیداواری صلاحیت میں اضافہ ہوا تو انسان اپنی ضرورت سے زیادہ پیدا کرنے لگا۔ چنانچہ مادی دولت کو جمع کرنا اور وسائلِ پیداوار پر قبضہ کرنا ممکن ہوگیا۔ ذاتی ملکیت نمودار ہوگئی اور بڑھتی ہوئی تقسیمِ محنت اور تجارت کی ترقی نے اسے اور بھی تقویت پہنچائی۔

مشترکہ ملکیت کی جگہ نجی ملکیت کی ترقی نے معاشی عدم مساوات میں اضافہ کیا۔ بعض لوگ اور خاص طور پر خانوادوں کے سردار مالدار ہوگئے اور انھوں نے مشترکہ وسائلِ پیداوار پر اپنا قبضہ کرلیا۔ دوسرے لوگ جو وسائلِ پیداوار سے محروم تھے، مجبور ہوگئے کہ ان لوگوں کے لئے کام کریں جو وسائلِ پیداوار کے مالک بن بیٹھے تھے۔ اس طرح قدیم مشترکہ برادری کے انتشار اور طبقاتی تقسیم کے ابتدائی عمل کا آغاز ہوا۔ یہ سلسلۂ عمل مخالف طبقات اور استحصال کے ظہور میں تکمیل کو پہنچا۔

طبقات اس وقت ظہور میں آئے جبکہ قدیم کمیونسٹ سماج ٹوٹ رہا تھا اور غلامی کا نظام ابھر رہا تھا۔ سماج میں طبقات کی مخالفانہ حیثیت اُن کے درمیان شدید جدوجہد کا سبب تھی۔ کئی صدیوں کے لئے طبقاتی جدوجہد نوعِ انسانی کے نشوونما کی بنیادی خصوصیت بن گئی۔

۲۔ طبقاتی جدوجہد مخاصمانہ طبقاتی سماجوں کے نشوونما کے منبع کی حیثیت سے

مخاصمانہ طبقاتی سماجوں کی تاریخ طبقاتی جدوجہد کی تاریخ ہے۔ آقا اور غلام، امیر اور غریب، مالک اور کمیرا، آجر اور اُجرتی کاریگر، مختصر یہ کہ ظالم اور مظلوم ایک دوسرے کے ساتھ مستقل مخالفت کی حالت میں رہے، اُن کے درمیان مسلسل جنگ ہوتی رہی جو کبھی تو پوشیدہ ہوتی تھی اور کبھی کھلم کھلا، ایک ایسی جنگ، جو

ہر مرتبہ یا تو پورے سماج کی انقلابی تنظیم نو کی صورت میں ختم ہوتی تھی اور یا جدوجہد کرنے والے طبقات کی مشترکہ تباہی میں۔

مخاصمانہ طبقات کی جدوجہد غیر مفاہمانہ ہوتی ہے، کیونکہ سماج میں ان کی معاشی اور سیاسی حیثیتوں میں بنیادی فرق موجود ہوتے ہیں۔ اَن گنت صدیوں سے محنت کش عوام، خواہ وہ غلام ہوں، کسان ہوں یا صنعتی مزدور، حکمراں طبقوں کے ظالمانہ استحصال کا شکار رہے ہیں اور یہ فطری امر ہے کہ انہیں ظلم کے خلاف جدوجہد کرنی چاہیئے اور ایک آزاد اور پرمسرت زندگی کے لئے کوششیں کرنی چاہئیں۔

ایک طبقاتی سماج میں بنیادی اور غیر بنیادی طبقات ہوتے ہیں۔ بنیادی طبقات وہ ہوتے ہیں جو سماج میں موجود غالب طرزِ پیداوار سے وابستہ ہوتے ہیں۔ ایک مخاصمانہ طبقاتی سماج میں ان میں سے ایک طبقہ تو وہ ہوتا ہے جو وسائلِ پیداوار کا مالک ہوتا ہے اور دوسرا وہ مظلوم طبقہ ہوتا ہے جو اسکے ساتھ حالتِ مخالفت میں ہوتا ہے۔ غلامی کے سماج میں غلام اور آقا، جاگیرداری کے تحت کسان اور جاگیردار، سرمایہ داری کے تحت بورژوا اور پرولتاریہ، یہ ہیں مخاصمانہ سماجوں کے بنیادی طبقات۔

مخاصمانہ سماجوں میں غیر بنیادی طبقات بھی ہوتے ہیں جو غالب طرزِ پیداوار سے براہ راست وابستہ نہیں ہوتے (غلامی کے سماج میں آزاد دستکار، سرمایہ دارانہ سماج میں کسان اور دوسرے) نیز متعدد سماجی گروہ بھی ہوتے ہیں (دانشور، علمائے دین اور دوسرے)۔

ایک مخاصمانہ طبقاتی جدوجہد سب سے پہلے تو بنیادی سماجی طبقات میں رُونما ہوتی ہے۔ غیر بنیادی طبقات اور سماجی گروہ اِس جدوجہد میں عام طور پر خود اپنی کسی لائن کے حامل نہیں ہوتے اور کسی ایک بنیادی مخاصمانہ طبقے کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور اسکے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں۔

طبقاتی جدوجہد ایک مخاصمانہ طبقاتی سماج کی محرکہ قوت اور اسکے نشوونما کا منبع ہوتی ہے۔ یہ جدوجہد ایک مخاصمانہ سماج کے نشوونما کا تعین کرتی ہے، نسبتہً "پُرامن" ادوار میں اور بالخصوص انقلابی طوفان اور دباؤ کے ادوار میں۔ دونوں میں۔

سرمایہ دارانہ حالات میں طبقاتی جدوجہد پیداواری قوتوں کے نشوونما کا ایک اہم عامل ہوتی ہے اوقاتِ کار کو بڑھانے یا اُجرتوں کو گھٹانے کی تمام کوششوں کی مزدوروں کی جانب سے مخالفت کے سبب سرمایہ دار مجبور ہوتے ہیں کہ نئی مشینری اور ترقی یافتہ ٹیکنولوجی کو رائج کریں تاکہ اپنے اداروں سے حاصل ہونے والے منافع کی

سطح کو برقرار رکھ سکیں۔

ایک مخاصمانہ سماج کی سیاسی زندگی میں طبقاتی جد وجہد اور بھی زیادہ اہم ہوتی ہے۔ مثلاً موجودہ دور میں مزدور طبقے کی جد وجہد ایک اور عالمی جنگ چھڑنے، قومی آزادی کی تحریک کو کچلنے، جمہوری آزادی کے باقیات کو ختم کرنے اور اس طرح سماج کے ترقی پسندانہ نشو ونما کو روکنے کے گھنڈے سامراجی منصوبوں کی راہ میں ایک اہم رکاوٹ ہے۔

سماجی انقلاب جو طبقاتی جد وجہد کی اعلیٰ ترین شکل ہوتا ہے سماجی ترقی میں ایک خاص طور سے اہم کردار ادا کرتا ہے اور اس کا نتیجہ پرانے سماجی نظام کی تباہی اور ایک نئے، زیادہ ترقی پسند سماجی نظام کے قیام کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔

غلامی کے سماج میں غلاموں اور آقاؤں کے درمیان شدید جد وجہد موجود تھی جس نے آلات کو توڑنے سے لیکر عوامی بغاوتوں تک متنوع ترین شکلیں اختیار کیں۔ ایسی ہی ایک بغاوت اسپارٹاکس کی زیر قیادت ہوئی تھی (پہلی صدی قبل مسیح میں) جس میں ایک لاکھ سے زیادہ غلام شریک تھے۔

جاگیرداری کے تحت جبکہ کسان اور جاگیردار اصل مخالف طبقات تھے اور شہری محنت کش عوام، خاص طور سے دستکار، اکثر و بیشتر کسانوں کا ساتھ دیتے تھے۔ طبقاتی جد وجہد زیادہ گہری ہو گئی۔ بغاوتیں کسانوں کی جنگوں میں بدل گئیں جن میں لکھوکھا عوام شامل تھے۔ یہ جنگیں اکثر اوقات وسیع علاقوں میں پھیل گئیں اور برسہا برس تک جاری رہیں۔ مثلاً انگلینڈ میں واٹ ٹیلر کی بغاوت (چودھویں۔پندرھویں صدی)، جرمنی میں کسانوں کی جنگ (سولھویں صدی)، روس میں بولوت نکوف اور رازین (سترھویں صدی) اور پوگاچوف (اٹھارویں صدی) کی زیر قیادت بغاوتیں، چین میں تائے پنگ بغاوت (انیسویں صدی) وغیرہ۔

تاہم، غلامی کے سماج اور جاگیرداری سماج میں مظلوموں کی بغاوتیں استحصال کا خاتمہ نہیں کر سکیں، کیونکہ اس کے لئے حالات ابھی پختہ نہیں تھے۔ پیداوار کی سطح ایک ایسے نظام میں تبدیلی کی اجازت نہیں دیتی تھی جس میں استحصال اور استبداد نہ ہو۔ یہ بغاوتیں غیر منظم تھیں، باغیوں کے پاس نہ تو جد وجہد کے مقاصد کا کوئی واضح تصور تھا اور نہ ہی ان مقاصد کے حصول کے طریقوں کا۔ اُن کے پاس رہنمائی کیلئے کوئی ترقی پسند نظریہ موجود نہ تھا اور نہ ہی اُن کی کوئی پارٹی تھی۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے، یہ چیزیں صرف سرمایہ داری کے تحت پیدا ہوتی ہیں۔

تاہم، غلاموں اور کسانوں کی بغاوتوں نے تاریخ میں ایک اہم اور ترقی پسندانہ کردار ادا کیا۔ غلاموں نے غلامی کے سماج کے ستونوں کو ہلایا اور کسان ان اصل قوتوں میں سے ایک تھے جو جاگیرداری کے زوال اور زیادہ ترقی پسندانہ، سرمایہ دارانہ سماج میں منتقلی کا سبب بنیں۔

۲۔ سرمایہ دارانہ سماج میں طبقاتی جدوجہد

بورژوازی اور پرولتاریہ کے درمیان جدوجہد۔ سرمایہ دارانہ نشوونما کا ایک قانون۔ بورژوازی اور پرولتاریہ سرمایہ دارانہ سماج کے بنیادی طبقات ہوتے ہیں۔ سرمایہ داری جو مزدور کو اس کی محنت کے پھل سے محروم کرتی ہے، فطرت اور سماج میں مزدور کی حیثیت مزدور کو بورژوازی کے خلاف لڑنے کے لئے اکساتی ہے۔ چنانچہ سرمایہ دارانہ سماج کی تاریخ پرولتاریہ اور بورژوازی کے مابین جدوجہد کی تاریخ ہے۔ یہ جدوجہد فطری ہے کیونکہ یہ سرمایہ دارانہ نشوونما کا بنیادی منبع ہے اور سامراج کے دور میں، جبکہ سرمایہ داری کے معاشی اور سیاسی تضادات انتہائی شدید ہو جاتے ہیں، یہ جدوجہد خاص طور پر گہری ہو جاتی ہے۔

سرمایہ داری کا خاتمہ کرنا اور ایک غیر طبقاتی کمیونسٹ سماج قائم کرنا پرولتاریہ کا مشن ہوتا ہے کیونکہ پرولتاریہ ہی واحد ثابت قدم انقلابی طبقہ ہوتا ہے۔

بورژوازی اس وقت انقلابی تھا جب اس نے سماج پر غلبے کے لئے جاگیرداروں کے خلاف جنگ کی تھی لیکن اقتدار حاصل کرنے کے بعد یہ زیادہ سے زیادہ رجعت پرست ہوتا گیا اور اب اس کا واحد مقصد استحصال کو قائم و دائم رکھنا ہے۔

آبادی کے درمیانہ حصے، خاص طور پر کسان اور دستکار جن کی تعداد سرمایہ داری کے تحت کافی بڑی ہوتی ہے، پورے طور پر انقلابی نہیں ہوتے۔ وہ سماج میں کوئی آزاد حیثیت نہیں رکھتے اور سرمایہ داری کے فروغ کے ساتھ وہ ممیز ہو جاتے ہیں۔ کسانوں اور دستکاروں کی اکثریت برباد ہو جاتی ہے اور پرولتاریہ کی صفوں میں شامل ہو جاتی ہے۔ محض ایک انتہائی قلیل تعداد سرمایہ دار طبقے میں اپنی جگہ بنا لیتی ہے۔ شدید طبقاتی جدوجہد میں کسان متزلزل رہتے ہیں۔ چنانچہ پرولتاریہ کا یہ فریضہ ہوتا ہے کہ کسانوں کی حمایت کرکے انہیں اپنا قابلِ اعتماد اتحادی بنا لے۔

دانش ور (انجینیر اور فنی ماہرین، ڈاکٹر، اساتذہ اور دوسرے) بھی استقامت کے ساتھ انقلابی نہیں ہو سکتے۔ دانش وروں کی بھاری اکثریت استحصالی طبقات کے لئے کام کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔

پرولتاریہ جو سرمایہ دارانہ سماج میں واحد پُر استقامت انقلابی طبقہ ہوتا ہے، پیداوار کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ شکل یعنی مشینی صنعت سے منسلک ہوتا ہے اور یہ مسلسل بڑھتا اور ترقی کرتا رہتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی فطرت مزدور طبقے کو متحد اور منظم ہونے اور تجربہ حاصل کرنے میں مدد دیتی ہے۔ مزدوروں کے پاس کوئی ملکیت نہیں ہوتی اور ان کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی جسے وہ جدوجہد کے دوران کھو دیں۔ آزادی کے لئے جنگ کرنے کے دوران پرولتاریہ ان تمام دوسرے محنت کش عوام کو جو سرمایہ داری سے نفرت کرنے میں پرولتاریہ کے ساتھ ہوتے ہیں، منظم کرنے اور ان کی رہنمائی کرنے کا اہل ہوتا ہے۔ خود اپنے آپ کو آزاد کرا کے یہ دوسرے تمام محنت کش عوام کو بھی آزاد کراتا ہے اور انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیتا ہے۔ فتح حاصل کرنے کے بعد پرولتاریہ محنت کش عوام کو وہ سب کچھ واپس کر دیتا ہے جو اُن کا پیدا کردہ ہے اور اس طرح سب سے بڑی سماجی ناانصافی کو یعنی اس سماجی نظام کو ختم کر دیتا ہے جس میں مٹھی بھر ظالم لاکھوں انسانوں کی محنت کا پھل کھا جاتے ہیں۔

پرولتاریہ کی طبقاتی جدوجہد کی شکلیں: سرمایہ داری کی ترقی کے ساتھ ساتھ پرولتاریہ بھی ترقی کرتا جاتا ہے اور بورژوازی کے خلاف جدوجہد کی شکلیں زیادہ متنوع اور شدید ہوتی جاتی ہیں۔ پرولتاریہ کی طبقاتی جدوجہد کی تین بڑی شکلیں ہیں۔ معاشی، سیاسی اور نظریاتی۔

معاشی جدوجہد، یعنی مادی حالات اور حالاتِ کار کو بہتر بنانے کی پرولتاریہ کی کوشش، سادہ ترین شکل ہے اور یہ مزدوروں کی دسترس میں سب سے زیادہ ہے۔ وہ اجرتوں، زیادہ اُجرتوں کا، مختصر اوقاتِ کار کا اور دیگر چیزوں کا مطالبہ کرتے ہیں اور اگر ان کے یہ مطالبات پورے نہیں ہوتے تو وہ ہڑتال کر دیتے ہیں۔

معاشی جدوجہد، جو تاریخی لحاظ سے پرولتاریہ کی طبقاتی جدوجہد کی اوّلین شکل ہے، انقلابی تحریک کے فروغ میں بڑا اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہ مزدوروں کی بڑی تعداد کو طبقاتی جدوجہد میں شامل کرنے میں مدد دیتی ہے اور اُن کے لئے تنظیم کی ایک عمدہ درسگاہ کا کام دیتی ہے۔ جدوجہد کے دوران مزدوروں کا طبقاتی شعور اور ان کا طبقاتی اتحاد بڑھتا ہے اور مزدوروں کی اوّلین تنظیمیں، یعنی ٹریڈ یونینیں، کوآپریٹو انجمنیں، باہمی مفاد کی انجمنیں نمودار ہوتی ہیں۔

تاہم، معاشی جدوجہد اپنے کردار کے لحاظ سے محدود ہوتی ہے۔ یہ ایک طبقے کی حیثیت سے بورژوازی کے خلاف سارے مزدور طبقے کی تحریک نہیں ہوتی، بلکہ یہ بعض خاص علاقوں کی فیکٹریوں میں انفرادی سرمایہ داروں کے ساتھ مزدوروں کے گروہوں کے تصادم ہوتے ہیں۔ اور اہم بات یہ ہے کہ یہ جدوجہد کی نجی ملکیت کو جو کہ سرمایہ داری کی بنیاد ہے، متاثر نہیں کرتی اور اس کا مقصد بورژوازی کی سیاسی حکمرانی کا خاتمہ کرنا نہیں ہوتا۔ اس جدوجہد کا مقصد استحصال کا خاتمہ کر دینا نہیں بلکہ محض اُسے محدود اور کم کر دینا ہوتا ہے۔

پرولتاریہ کے فروغ کے ساتھ الگ الگ فیکٹریوں اور علاقوں میں مزدوروں کی معاشی جدوجہد پورے سرمایہ دار طبقے کے خلاف مزدور طبقے کی مشترکہ جدوجہد میں ضم ہو جاتی ہے۔ طبقاتی جدوجہد اپنی اعلیٰ تر سیاسی شکل میں داخل ہو جاتی ہے۔

سیاسی جدوجہد سرمایہ دارانہ نظام کے ستونوں کا خاتمہ کرنے کی، ریاستی اقتدار کے حصول کی، پرولتاریہ کی آمریت کے قیام کی جدوجہد ہوتی ہے۔

معاشی جدوجہد کے ذریعے پرولتاریہ اپنے مادی حالات کو قدرے بہتر بنا سکتا ہے، بورژوازی سے بعض معاشی مراعات چھین کر لے سکتا ہے۔ لیکن یہ صرف بورژوازی کی سیاسی حکمرانی کا خاتمہ کر کے اور خود اپنا اقتدار، پرولتاریہ کی آمریت، قائم کر کے ہی اپنے بنیادی معاشی اور سیاسی مفادات کو پورا کر سکتا ہے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے پرولتاریہ سیاسی جدوجہد کرتا ہے اور متنوع ترین ذرائع استعمال کرتا ہے: سیاسی ہڑتالیں اور مظاہرے، پُرامن پارلیمانی جدوجہد اور مسلح جدوجہد۔ لیکن یہ سارے ذرائع، اپنے آخری تجزیئے میں، سوشلسٹ انقلاب کی تیاری اور اُسے عملی صورت دینے کے ماتحت ہوتے ہیں۔ سوشلسٹ پرولتاری انقلاب مزدور طبقے کی طبقاتی جدوجہد کا اعلیٰ ترین مرحلہ ہوتا ہے، سرمایہ داری کے خاتمے اور سیاسی اقتدار کے حصول کے لئے پرولتاریہ کا فیصلہ کن اور واحد ذریعہ ہوتا ہے۔

پرولتاریہ کی انقلابی تحریک میں نظریاتی جدوجہد، یعنی بورژوا آئیڈیالوجی کے خلاف جو سرمایہ دارانہ سماج میں غالب حیثیت کی حامل ہوتی ہے، جدوجہد، اور سوشلسٹ، پرولتاری آئیڈیالوجی کی فتح کے لئے جدوجہد زبردست اہمیت رکھتی ہے۔

سرمایہ داری کا فروغ پرولتاریہ کی یک جہتی اور تنظیم کا لازماً باعث ہوتا ہے۔ لیکن سرمایہ دارانہ نظام کے خاتمے کے لئے ضروری ہے کہ پرولتاریہ نہ صرف ایک طبقہ کی حیثیت سے متحد ہو جائے بلکہ اپنے طبقاتی

مفادات سے اپنے عظیم تاریخی مشن سے بھی واقف ہو جائے۔ اس کے لئے انقلابی نظریئے کی ضرورت ہوتی ہے۔ پرولتاریہ کے پاس خود اس نظریئے کی تخلیق کے لئے ضروری وقت، وسائل اور تعلیم کبھی بھی موجود نہیں تھی۔ نئے انقلابی نظریئے کی تخلیق، مارکس، اینگلز اور لینن نے کی۔ یہ وہ دانشور تھے جو پرولتاریہ کے حامی تھے۔

تاہم فریضہ محض یہی نہیں تھا کہ یہ ترقی پسندانہ انقلابی نظریہ تیار کر دیا جائے۔ یہ بھی ضروری تھا کہ اس کی مزدوروں کے درمیان تشہیر کی جائے۔ نظریاتی جدوجہد نتیجۃً مزدور طبقے کی تحریک میں خودروی کے خلاف جدوجہد ہے، محنت کش عوام کے ترقی یافتہ مارکسی۔ لینینی نظریئے پر عبور حاصل کرنے کی جدوجہد ہے۔ نظریاتی جدوجہد کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ مارکسی۔ لینینی نظریئے کو خالص رکھا جائے اور اُسے تمام دشمنوں سے، خاص طور پر سامراجی رجعت پرستی کی آئیڈیالوجی سے بچایا جائے۔

معاشی جدوجہد کی طرح نظریاتی جدوجہد بھی بذات خود ایک مقصد نہیں ہے، یہ سیاسی فریضوں کے تابع ہے، بورژوازی کے خاتمے اور پرولتاریہ کے ہاتھوں اقتدار کی فتح کے تابع ہے۔

ماد کسی پارٹی، پرولتاریہ کی طبقاتی جدوجہد [illegible] صرف پرولتاریہ کی سیاسی پارٹی ہی محنت کش عوام کی تنظیم کار اور رہنما کی حیثیت سے [illegible] کی جدوجہد کو مناسب قیادت فراہم کرنے اور اس جدوجہد کی تمام شکلوں کو ٹھیک طور پر آپس میں ملانے کی اہل ہوتی ہے۔ پارٹی کا رول سامراجی دور میں جب ... درانہ تضادات کے انتہائی شدت اختیار کر جانے کے نتیجے میں سوشلسٹ انقلاب ایک ... ضیہ بن جاتا ہے، خاص طور پر اہم ہوتا ہے۔

... نیشنل کی پارٹیاں جو اصلاحات اور بورژوازی کے ساتھ مفاہمت کی حامی تھیں نئے ... پرولتاری تحریک کو مناسب قیادت فراہم کرنے سے قاصر تھیں۔ ایک نئی قسم کی پارٹی ... رکسی پارٹی کی ضرورت تھی۔ اس قسم کی پارٹی پہلی بار لینن نے روس میں قائم کی۔ آج بیشتر ... سی پارٹیاں موجود ہیں۔

... پارٹی پرولتاریہ کا ترقی یافتہ انقلابی دستہ، اس کا ہراول دستہ ہوتی ہے۔ پرولتاریہ کی تنظیم کی اعلی ... کی حیثیت سے یہ ... کی دیگر تمام تنظیموں (ٹریڈ یونینوں، کوآپریٹو انجمنوں وغیرہ) کو متحد کرتی ... سیاسی قیادت فراہم کرتی ہے اور ان کی کوششوں کو ایک واحد مقصد پر مرتکز رکھتی ہے: سرمایہ داری ... تہ کرنے اور سوشلسٹ سماج کی تعمیر کرنے کا مقصد۔ لینن نے لکھا ہے، "مزدوروں کی پارٹی کو تعلیم

دے کر مارکسزم پرولتاریہ کے ہراول دستے کو تعلیم دیتا ہے جو اقتدار کو سنبھالنے اور سوشلزم کی جانب سارے عوام کی رہنمائی کرنے کا، نئے نظام کی رہنمائی اور تنظیم کرنے کا اور بورژوازی کے بغیر اور بورژوازی کے خلاف اپنی سماجی زندگی کو منظم کرنے میں تمام محنت کش اور استحصال کے شکار عوام کا اُستاد، رہبر اور رہنما بننے کا اہل ہوتا ہے۔"

مارکسی پارٹی مزدور طبقے کے ہراول دستے اور سارے عوام کی رہنما کی حیثیت سے اپنے مشن کو پورا کرنے کی اہل اس لئے ہوتی ہے کیونکہ یہ سائنسی مارکسی نظریئے سے سماجی نشو و نما کے قوانین کے علم سے اور سماج کی انقلابی منتقلی کی غرض سے ان قوانین کا عملی اطلاق کرنے کی صلاحیت سے مسلح ہوتی ہے۔

پرولتاریہ کے ترقی یافتہ، سیاسی لحاظ سے باشعور دستے کی حیثیت سے پارٹی عوام کے سوشلسٹ شعور کو مسلسل فروغ دیتی ہے اور مزدور طبقے کو بورژوا آئیڈیالوجی کے مضر اثرات سے بچاتی ہے۔ پارٹی مارکسزم کی غلط تعبیر کرنے یا اس میں ترمیم کرنے کی ہر کوشش کے خلاف سخت جدوجہد کرتی ہے اور یہ مارکسی نظریئے کو جدید ترین سائنسی کامیابیوں اور سماج کے عملی تجربے کی روشنی میں فروغ دیتی ہے۔

مارکسی پارٹی مزدور طبقے کا وہ ترقی یافتہ، باشعور اور منظم دستہ ہوتی ہے جو مارکسزم۔لینن ازم کے انقلابی نظریات کو عملی صورت دینے کی مشترکہ خواہش کے ذریعے متحد ہوتا ہے۔ پارٹی ہر قسم کے موقع پرستوں سے نفرت کا اظہار کرتی ہے جو اس کے اتحاد کو برباد کرنے، اسے اندر سے کمزور کرنے اور اسے پرولتاریہ کی طبقاتی جدوجہد کی قیادت کا نااہل بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

مارکسی پارٹی صحیح معنوں میں ایک عوامی پارٹی ہوتی ہے، یہ عوام کے بہترین نمائندوں کو متحد کرتی ہے اور یہ ہزار ہا رشتوں کے ذریعے محنت کش عوام کے ساتھ منسلک ہوتی ہے۔ عوام کی عزیز ترین اُمنگوں کا اظہار کرتے ہوئے اور ان کے اہم مفادات کا بے لوثی کے ساتھ تحفظ کرتے ہوئے، پارٹی عوام کے لامحدود اعتماد اور حمایت کی حامل ہوتی ہے۔ مارکسی پارٹی عوام کے ساتھ اپنے قریبی رابطوں سے ہی اپنی "ناقابل تسخیر قوت اور حمایت حاصل کرتی ہے۔ سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی اور دیگر سوشلسٹ ممالک کی کمیونسٹ پارٹیاں اور مزدور پارٹیاں جو سوشلسٹ اور کمیونسٹ تعمیر کی تنظیم کرتی ہیں، نیز سرمایہ دار ممالک کی مارکسی پارٹیاں جو سامراج اور نوآبادیاتی نظام کی مخالفت اور امن، جمہوریت اور سوشلزم کی حمایت میں عوام کی جدوجہد کو بڑھاوا دیتی اور اس کی رہنمائی کرتی ہیں، حقیقی انقلابی عوامی پارٹیاں ہیں۔

طبقات اور طبقاتی جدوجہد کے بارے میں بورژوا اور ترمیم پسندانہ نظریات کا دیوالیہ پن : طبقات اور طبقاتی جدوجہد کے مارکسی نظریئے کے برخلاف بورژوا نظریہ ساز سرمایہ داری کے تحت طبقاتی امن کی تبلیغ کرتے ہیں۔ وہ عصر حاضر کے بورژوا سماج میں طبقات اور طبقاتی جدوجہد کے انکار پر خاص طور سے زور دیتے ہیں۔

بعض ماہرین سماجیات تو صاف صاف یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آج کے سرمایہ دارانہ سماج میں نہ تو استحصال کا وجود ہے اور نہ ہی مخاصمانہ طبقات کا۔ لوگ صرف پیشے، تعلیم، آمدنی، عمر، مذہب اور سیاسی نظریات اور بہت سی دیگر خصوصیات کے مطابق سماجی طور پر گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ان گروہوں کے اراکین کے درمیان ملکیت کے کوئی تعلقات موجود نہیں ہیں۔ ان کے درمیان تعلقات ہم آہنگ نوعیت کے ہیں اور لوگ اپنی مرضی سے ایک گروہ سے دوسرے گروہ میں منتقل ہو سکتے ہیں۔

دیگر ماہرین سماجیات، اگرچہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ طبقات کا وجود ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ عصر حاضر کے بورژوا سماج میں طبقاتی امتیازات ختم ہوتے جا رہے ہیں اور طبقات بتدریج ایک بڑے "درمیانہ طبقے" میں تبدیل ہوتے جا رہے ہیں۔ مثلاً وہ یہ کہتے ہیں کہ امریکہ میں بہت جلد ہر شخص کا تعلق اسی "درمیانہ طبقے" سے ہو جائے گا۔ ایک امریکی ماہر سماجیات اسٹراز ہوپ اپنی کتاب "زون آف انڈفرینس" میں کہتا ہے کہ آج کے امریکہ میں استحصال کرنے اور استحصال کا شکار ہونے والوں کے درمیان کسی قسم کا فرق پانا مشکل ہے۔ غریبی ختم ہو رہی ہے اور ایک بالائی طبقے کا تصور اب باطل ہوتا جا رہا ہے۔

بورژوازی کے نظریہ ساز یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ امریکی مزدور اب پرولتاریہ نہیں رہے، یہ کہ اب وہ اعلیٰ معیار زندگی کے حامل ہیں، وہ بچت کرتے ہیں، حصص خریدتے ہیں اور اس لئے فیکٹری کے مالکوں کی طرح، منافع میں سے اپنا حصہ حاصل کرتے ہیں۔ دوسری طرف آجروں کے حقوق کو ریاست بتدریج زیادہ سے زیادہ محدود کرتی جا رہی ہے، جس کے نتیجے کے طور پر وہ پیداوار میں کم اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

سرمایہ داری کے معذرت خواہوں کو عصر حاضر کے بورژوا سماج میں طبقات اور طبقاتی جدوجہد کی غیر موجودگی کے بارے میں اپنی طلسماتی کہانیوں میں اصلاح پسندوں اور ترمیم پسندوں کی پرجوش حمایت حاصل ہے۔ امریکہ کی ٹریڈ یونین تنظیم سی آئی او کے ایک رہنما فلپ مورے نے لکھا کہ امریکہ میں کوئی طبقات موجود

نہیں ہیں، یہ کہ "سب لوگ مزدور ہیں" اور فی الحقیقت کسانوں، صنعتی مزدوروں، تاجروں، دفتری ملازموں اور دانشوروں کے سب کے مفادات یکساں ہیں۔

مورے کی حمایت میں ترمیم پسند بھی آواز بلند کرتے ہیں جو طبقات کے بارے میں لینن کی تعریف کو "ذومعنی" قرار دیتے ہیں اور اس تعریف کی جگہ "گروہ" وغیرہ جیسے تصورات پیش کرتے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ لوگ گروہوں میں وسائل پیداوار کے ساتھ اپنے تعلقات کے مطابق نہیں، بلکہ دوسرے ثانوی اسباب کی بنا پر متحد ہوتے ہیں۔ چونکہ ترمیم پسند طبقات کی موجودگی سے انکار کرتے ہیں، اس لئے وہ طبقاتی جدوجہد کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ مثلاً اطالوی ترمیم پسند انٹونیو گیولیتی کا دعویٰ ہے کہ آج مزدوروں کا فریضہ بورژوازی کے خلاف لڑنا نہیں ہے بلکہ فنی ترقی کو بڑھاوا دینا ہے جس کی وجہ سے طبقاتی جدوجہد اور انقلاب کے بغیر خود بخود عوام کے ہاتھ میں آجائے گا۔

بورژوازی کے معذرت خواہ اور ان کے ترمیم پسند حواری، عہد حاضر کے بورژوا سماج میں طبقات اور طبقاتی جدوجہد کی غیر موجودگی کے بارے میں فریب کارانہ نظریات کی تشہیر کرتے ہوئے اور "سرمایہ و محنت کے مفادات کی ہم آہنگی کے دور کا اعلان کرتے ہوئے مزدور طبقے کو گمراہ کر رہے ہیں، مزدوروں کے ذہن میں یہ بات بٹھا رہے ہیں کہ بورژوازی کے خلاف طبقاتی جدوجہد بے سود ہے، اور مزدور طبقے کی تحریک کو اصلاح پسندانہ راہ پر ڈال رہے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ بعض امریکی مزدوروں کا، بالخصوص بالائی حلقے کے مزدوروں کا معیار زندگی، خاص طور پر دیگر سرمایہ دار ممالک کے مزدوروں کے معیار زندگی کے مقابلے میں زیادہ بلند ہے لیکن ہمیں یہ بات ہرگز فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ سارے کے سارے امریکی مزدور اس اعلیٰ معیار زندگی کے ہرگز حامل نہیں ہیں۔ لاکھوں بیروزگاروں، حبشیوں، میکسیکن اور دیگر مزدوروں کو کم ترین بنیادی ضروریات زندگی بھی میسر نہیں ہیں۔ اسی کے ساتھ امریکہ کی آبادی کا ایک فیصد حصہ جو اجارہ دار بورژوازی ہے امریکہ کی تمام قومی دولت کے تقریباً ساٹھ فی صد حصہ کا مالک ہے۔

بعض امریکی مزدور بچت کرتے ہیں۔ لیکن مجموعی بچت میں اُن کا حصہ کیا ہوتا ہے؟ آدھی آبادی مجموعی بچت کے صرف ایک فی صد حصے کی مالک ہے، جبکہ بقیہ آدھی آبادی ننانوے فی صد بچت کی مالک ہے۔

بعض امریکی مزدور حصص کے بھی مالک ہوتے ہیں۔ لیکن اُن کے پاس موجود تمام حصص کی بازاری قیمت

امریکہ کے تمام حصص کے صرف ۰.۲ فیصد کے مساوی ہے اور امریکہ کے صرف ایک دولتمند خاندان "ڈیو پونٹ" کے کل حصص کی مالیت کے محض دسویں حصے کے برابر ہے۔

ان حقائق کی موجودگی میں طبقات کی غیر موجودگی اور "عظیم امریکی متوسط طبقے" کی بات کس طرح کی جا سکتی ہے؟ امریکہ وسیع سماجی مخالفتوں اور گہرے سماجی تضادات کا ملک ہے۔ برطانیہ میں بھی بڑی سماجی مخالفتیں اور گہرے طبقاتی تضادات موجود ہیں۔ تقریباً آدھی قومی دولت آبادی کے دو فیصد حصے کی ملکیت ہے جبکہ چھیتر فیصدی عوام اس دولت کے محض پانچ فی صد کے مالک ہیں۔ چالیس لاکھ سے زیادہ بوڑھے لوگ انتہائی معمولی پنشنوں پر گزارہ کر رہے ہیں اور تعلیم، طبی خدمات اور رہائش کے مسائل غیر حل شدہ ہیں۔ دیگر بیشتر سرمایہ دار ممالک میں محنت کش عوام اور بھی بری حالت میں ہیں اور یہاں بورژوازی اور پرولتاریہ کے درمیان تضادات زیادہ گہرے اور زیادہ تیز ہیں۔

یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ عصرِ حاضر کے بورژوا سماج میں سرمایہ دارانہ ملکیت کو ہی غلبہ حاصل ہے۔ نتیجۃً، مخاصمانہ طبقات موجود ہیں۔ بورژوازی اور پرولتاریہ موجود ہیں اور ان کے درمیان شدید جد و جہد جاری ہے۔

عصرِ حاضر کے سرمایہ دارانہ سماج میں طبقاتی جدوجہد

پرولتاریہ اور بورژوازی کے درمیان طبقاتی جد و جہد آج سرمایہ داری کے عمومی بحران کے زوغ کے نئے مرحلے کے حالات کے تحت جاری ہے۔ یہ بحران ۱۹۱۷ء میں اس وقت شروع ہوا تھا جب روس میں اکتوبر انقلاب کو فتح حاصل ہوگئی تھی اور یہ بڑا ملک سامراج کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا۔ نئے مرحلے کی خصوصیت عالمی سوشلسٹ نظام کا وجود ہے جو عالمی نشو و نما میں فیصلہ کن عامل بنتا جا رہا ہے۔ سوویت یونین اور سارے عالمی سوشلسٹ نظام کی کامیابیوں کی وجہ سے، عوام میں کمیونسٹ پارٹیوں کے اثر و نفوذ میں اضافے کی وجہ سے اور اصلاح پسندی کے نظریاتی دیوالیہ پن کی وجہ سے مزدور طبقے کی تحریک کے لئے صورتِ حال زیادہ سازگار ہوگئی ہے۔ سامراجیوں کی رجعت پرستانہ پالیسیوں سے، خاص طور پر جنگ خیال اور ہتھیاروں کی دوڑ کی پالیسی سے، جس کا اصل بوجھ عوام کو ہی اٹھانا پڑتا ہے، عوام کی بے اطمینانی نے مزدور طبقے کی تحریک کے امکانات کو مزید وسیع کر دیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ عوام اس بات کے قائل ہوتے جا رہے ہیں کہ سوشلزم ہی مصائب سے ان کی نجات کا واحد راستہ ہے اور یہ چیز ان کے بورژوازی کے خلاف فعال جد و جہد میں شامل ہو جانے کے لئے سازگار حالات

کی تخلیق کرتی ہے۔

سوشلزم کے لئے پرولتاریہ کی جدوجہد اب امن، قومی آزادی اور جمہوریت کے لئے قوموں کی تحریک کے ساتھ مل گئی ہے۔ اور یہ چیز آج مزدور طبقے کی تحریک کی خاص منفرد خصوصیت ہے۔ سازگار حالات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے بہت سے ممالک میں مزدور طبقہ، سرمایہ داری کے خاتمے سے پہلے ہی، حکمراں حلقوں کو اس بات پر مجبور کرنے کا اہل ہوگیا ہے کہ وہ ایک اور جنگ کی تیاریاں ختم کردیں، مقامی جنگوں کو چھیڑنے سے پرہیز کریں اور معاشی وسائل کو پُرامن مقاصد کے لئے استعمال کریں۔ یہ مزدور طبقہ فاشسٹ رجعت پرستی کے حملے کو پسپا کرسکتا ہے اور ایسے قومی پروگرام منظور کرواسکتا ہے جو امن، قومی آزادی، جمہوری حقوق اور عوام کے معیارات زندگی میں بعض اضافوں پر زور دیتے ہیں۔

یہ اقدامات بذاتِ خود سوشلسٹ مقاصد کے حامل نہیں ہوتے، لیکن، جیسا کہ سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کے پروگرام میں کہا گیا ہے، وہ عام اصلاحات کی حدود سے بہت آگے نکل جاتے ہیں اور انقلاب کی، سوشلزم کی فتح کی خاطر مزدور طبقے کی جدوجہد کے لئے اور قوم کی اکثریت کے لئے زبردست اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ اقدامات سوشلزم کی پیش قدمی کو معروضی طور پر بڑھادیتے ہیں کیونکہ وہ سرمایہ دار اجارہ داریوں کی حکمرانی کو کمزور کرتے ہیں جو مزدور طبقے اور سارے عوام کی اولین دشمن ہوتی ہیں۔

سامراج کے خلاف جدوجہد کے مشترکہ پلیٹ فارم پر ہی سوشلسٹ اور جمہوری قوتیں آپس میں متحد ہوتی ہیں۔ سوشلزم اور جمہوریت ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ صرف سوشلزم ہی غیرمحدود جمہوریت لاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ پرولتاریہ، سوشلزم کے لئے جنگ کرنے کے ساتھ ہی جمہوریت کا بھی اولوالعزم علمبردار ہوتا ہے۔ مزدور طبقہ اور اس کی مارکسی پارٹی ہمارے عہد کی جمہوری تحریک کا ہراول دستہ ہوتے ہیں۔ عوام کے دیگر حلقوں کے ساتھ مل کر مزدور طبقہ مالیاتی اجارہ داریوں کی اُن کوششوں کے خلاف جنگ کررہا ہے جن کا مقصد جمہوری آزادی کو ختم کرنا، پارلیمنٹ کے اختیار کو محدود کرنا اور آئین میں تبدیلی کرنا ہے تاکہ اجارہ داریوں کے نمائندوں کی ذاتی حکمرانی قائم کی جائے اور پارلیمانی نظام کے بجائے ایک قسم کی فاشسٹ آمریت قائم کردی جائے۔

•

پرولتاریہ اپنے حقوق کی جدوجہد جمہوریت اور سوشلزم کی جدوجہد میں متنوع ترین طریقوں کا اختیار کرتا ہے: ہڑتالیں، مظاہرے، جلسے، کانفرنسیں وغیرہ۔ یہ پارلیمانی جدوجہد کو بھی استعمال کرتا ہے۔

جدوجہد کا روایتی طریقہ، ہڑتال، آج کے حالات میں سب سے زیادہ وسیع پیمانے پر استعمال کیا جانے والا طریقہ ہے۔ یہ حقیقت، کہ سرمایہ دار ممالک میں ہڑتال کی تحریک اپنی وسعت اور طاقت کے اعتبار سے بڑھ رہی ہے، بورژوا اور اصلاح پسند نظریہ سازوں کے ان تمام دعووں کو غلط ثابت کر دیتی ہے کہ بورژوازی اور پرولتاریہ کے مفادات میں ہم آہنگی موجود ہے۔

۱۹۵۸ء میں تقریباً دو کروڑ ستر لاکھ مزدوروں نے ہڑتال میں حصہ لیا، جبکہ ۱۹۶۲ء میں اُن کی تعداد چھ کروڑ تک جا پہنچی تھی۔ آج کی ہڑتالیں دوسری عالمی جنگ سے پہلے کے دور کے مقابلے میں زیادہ منظم اور بڑے پیمانے کی ہوتی ہیں اور مزدور طبقہ عام ہڑتالوں کا روز افزوں استعمال کر رہا ہے۔ ۱۹۵۸ء اور ۱۹۶۲ء کے دوران تقریباً چالیس سرمایہ دار ممالک میں لگ بھگ اسی عام ہڑتالیں ہوئیں۔

اس امر کو ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ مزدوروں کے مطالبات خالص معاشی حدود سے آگے چلے گئے ہیں اور ایک سیاسی کردار حاصل کر رہے ہیں۔ ۱۹۵۸ء میں تمام ہڑتال کرنے والوں کی تقریباً چوالیس فیصد تعداد نے سیاسی ہڑتالوں میں حصہ لیا اور ۱۹۶۲ء میں یہ تعداد چونسٹھ فیصد کی تھی۔ امن، اسلحہ کی دوڑ کو روکنے اور ایٹمی ہتھیاروں پر پابندی لگانے کے مطالبات مزدور طبقے کے اقدامات میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ مزدور طبقہ اور اس کا ہراول دستہ، یعنی مارکسی پارٹیاں اپنی اصلی ضرب سرمایہ دار اجارہ داریوں پر یعنی رجعت پرستی اور جارحیت کی پشت پناہ پر لگاتی ہیں جو اسلحہ کی دوڑ اور محنت کش عوام کے مصائب کی براہ راست ذمہ دار ہیں۔

رجعت پرست سامراجی قوتوں کے خلاف مزدور طبقے کی جدوجہد میں لکھوکھا انسان اور دانشوروں کے ترقی یافتہ حلقے اور ترقی پسند قوتیں شامل ہوتی ہیں۔

آج مزدور طبقے کی تحریک کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے سامراجی رجعت پرستی کے خلاف اور امن، جمہوریت اور سوشلزم کی حمایت میں کی جانے والی جدوجہد میں نہایت وسیع امکان حاصل کیا ہے اور زیادہ سیاسی سرگرمی کا مظاہرہ کیا ہے۔

کمیونسٹ پارٹیوں اور مزدور پارٹیوں کا فروغ محنت کش عوام کے سیاسی شعور میں پیدا ہونے والی گہری تبدیلیوں کا واضح اظہار ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے موقع پر سرمایہ دار ممالک میں کمیونسٹ پارٹیوں کے اراکین کی تعداد ساڑھے چھ لاکھ سے لیکر سات لاکھ تک تھی۔ آج (۱۹۶۵ء تک) اُن کے اراکین کی تعداد باون لاکھ سے زیادہ ہے۔

رجعت پرست سامراجی حلقے کمیونسٹ اور جمہوری تحریکوں کے خلاف انتہائی ظالمانہ اقدامات کرتے ہیں وہ اجارہ دار بورژوازی کی کھلی آمریت کا روز افزوں سہارا لیتے ہیں، جمہوریت کے بچے کھچے عناصر کا خاتمہ کرتے ہیں اور عوام کو کچلنے کے لئے ایک پرانا ہتھیار، "مضبوط حکومت کا ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔

ان حالات میں امن، جمہوریت اور سوشلزم کی جدوجہد میں مزدور طبقے اور تمام ترقی پسند اور امن پسند قوتوں کا اتحاد زبردست اہمیت اختیار کر لیتا ہے۔ سوشلسٹ ممالک کی کمیونسٹ پارٹیوں اور مزدور پارٹیوں کے نمائندوں کے اجلاس منعقدہ ۱۹۵۷ء کے اعلان نامے میں کہا گیا ہے: "عظیم تاریخی ذمہ داریوں کی انجام دہی نہ صرف کمیونسٹ پارٹیوں اور مزدور پارٹیوں کے قریبی اتحاد کو ضروری قرار دیتی ہے، بلکہ سارے مزدور طبقے اور کسانوں کے اتحاد کو، محنت کش عوام اور ترقی پسند نوع انسانی اور دنیا کی امن پسند اور آزادی پسند قوتوں کے اتحاد کو ضروری قرار دیتی ہے۔"

سامراجی رجعت پرست اور مزدور تحریک میں ان کے حاشیہ بردار، کمیونسٹ دشمن ذہن رکھنے والے سوشل ڈیموکریٹک لیڈر اور ہر قسم کے موقع پرست مزدور طبقے کے اتحاد کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں، مارکسی۔ لیننی نظریے کو مسخ کرتے ہیں اور کمیونسٹ تحریک کو بے اعتبار ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان تمام باتوں کے پیش نظر موجودہ مرحلے میں یہ بہت ضروری ہو گیا ہے کہ مزدور طبقے کی تحریک اور کمیونسٹ تحریک میں موقع پرستانہ رجحانات کے خلاف جدوجہد کی جائے اور ترمیم پسندی اور عقیدہ پرستی پر سختی کے ساتھ غالب آیا جائے۔

کمیونسٹ پارٹیوں نے اپنی صفوں میں ترمیم پسندی کو نظریاتی طور پر شکست دے دی ہے اور اس چیز نے ہر ایک کمیونسٹ پارٹی کو اور مجموعی طور پر بین الاقوامی کمیونسٹ تحریک کو نظریاتی اور تنظیمی اعتبار سے مزید مستحکم کیا ہے۔ لیکن کمیونسٹ تحریک اور مزدور طبقے کی تحریک کا فروغ آج بھی ترمیم پسندی کے خلاف جو کہ اصل خطرہ ہے، نیز عقیدہ پرستی اور انتہا پسندی کے خلاف جدوجہد کا تقاضا کرتا ہے۔

ترمیم پسندی، یا دائیں بازو کی موقع پرستی، مارکسزم کو مسخ کرتی ہے اور اس کی انقلابی روح کو ہلاک کر دیتی ہے۔ یہ مزدور طبقے کے درمیان بورژوا اثر و نفوذ کا ایک عکس ہے۔ یہ پرولتاریہ اور سارے محنت کش عوام کے انقلابی عزم کو مفلوج کر دیتی ہے اور سامراجی استبداد کے خلاف اور امن، جمہوریت اور سوشلزم کی حمایت میں کی جانے والی جدوجہد میں انھیں غیر مسلح کر دیتی ہے۔

عقیدہ پرستی اور انتہاپسندی، مارکسزم۔لینن ازم کے تخلیقی فروغ کی براہ راست مخالف ہیں۔ اُن کے حامی ٹھوس صورت حال کا مطالعہ کرنے کے بجائے اُن ہی پرانے فارمولوں اور عقیدہ پرستانہ دعووں سے مسلسل چمٹے رہتے ہیں، اور اس طرح کمیونزم کو عوام سے الگ تھلگ کر دیتے ہیں۔

بین الاقوامی کمیونسٹ تحریک کے اتحاد کا پُراستقامت دفاع اور ہر ایسے قدم کی روک تھام جو اس اتحاد کو کمزور کر سکے، قومی آزادی، جمہوریت اور امن کی جدوجہد میں فتح کے لئے نیز سوشلسٹ انقلاب کے مقاصد، یعنی سوشلسٹ اور کمیونسٹ تعمیر کی کامیاب تکمیل کے لئے ضروری شرائط ہیں۔

۴۔ سرمایہ داری سے سوشلزم میں منتقلی کے دور میں طبقات اور طبقاتی جدوجہد

ہم جانتے ہیں کہ جب سے وسائل پیداوار کی نجی ملکیت اور مخاصمانہ طبقات عالم وجود میں آئے، تب سے استحصال کرنے والوں اور استحصال کا شکار ہونے والوں کے درمیان شدید جدوجہد ہوتی چلی آئی ہے۔ یہ جدوجہد بالآخر سوشلسٹ انقلاب کا باعث ہوتی ہے جسکے نتیجے میں بورژوازی کی حکمرانی کے بجائے محنت کش عوام کی حکومت، پرولتاریہ کی آمریت، قائم ہو جاتی ہے۔ اس طرح سرمایہ داری سے سوشلزم میں منتقلی کے دور کا آغاز ہوتا ہے۔

سرمایہ داری سے سوشلزم میں منتقلی کے دوران طبقاتی جدوجہد

سرمایہ داری سے سوشلزم میں منتقلی کے دور میں طبقاتی جدوجہد ناگزیر ہے۔ اقتدار سے محروم ہو جانے والا بورژوازی اس حقیقت سے سمجھوتہ نہیں کریگا کہ اقتدار اب ان محنت کش انسانوں کے ہاتھوں میں آگیا ہے جن کا وہ برسوں سے استحصال کرتا چلا آیا ہے اور نہ انہیں اس بات کے لئے معاف کرے گا کہ انہوں نے اس کی ذاتی ملکیت پر دست اندازی کی ہے۔ بورژوازی اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوگا کہ اس کے طرز زندگی کا جو دائمی اور ناقابل تنسیخ معلوم ہوتا تھا، خاتمہ ہو گیا ہے، اُس کی دولت، مراعات اور لامحدود حکمرانی کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بورژوازی نئے، پرولتاری اقتدار کی بڑی شدت کے ساتھ مزاحمت کرتا ہے:

بورژوازی پرولتاریہ کے خلاف جد وجہد میں ہر قسم کے طریقے استعمال کرتا ہے۔ یہ اپنی معاشی حیثیت کا، بڑے بڑے دانش وروں، سول ملازموں اور فوجی رہنماؤں کے ساتھ سابقہ تعلقات کا فائدہ اٹھاتا ہے اور ملک کی معیشت میں اور ریاستی اداروں کے کام میں انتشار پیدا کرنے اور دفاع میں خلل ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ عوام کے ذہنوں کو بھی متاثر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور بالآخر سرمایہ داری کی بحالی کی غرض سے، یہ محنت کش عوام کے خلاف کھلی مسلح جد وجہد شروع کر دیتا ہے اور اپنی اصل توقعات بین الاقوامی سرمایہ کی مدد سے وابستہ کرتا ہے۔ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ فتح مند پرولتاریہ نہ صرف اپنے ملک کے سرمایہ داروں کے خلاف بلکہ رجعت پرست بین الاقوامی بورژوازی کے خلاف شدید جد وجہد کرنے کے لئے مجبور ہوتا ہے۔

بالفاظ دیگر، پرولتاریہ کی آمریت طبقاتی جد وجہد کو ختم نہیں کر دیتی جو منتقلی کے دور میں بھی رہتی ہے۔ لیکن یہ نئی جد وجہد اس وقت ہوتی ہے جب پرولتاریہ سیاسی اقتدار کا مالک ہوتا ہے اور معیشت کے کلیدی مقامات کو کنٹرول کرتا ہے۔ طبقاتی جد وجہد کی شکلیں اسی مطابقت میں بدل جاتی ہیں۔ لینن نے لکھا ہے، "پرولتاریہ کی آمریت طبقاتی جد وجہد کا خاتمہ نہیں ہے بلکہ نئی شکلوں میں اس کا تسلسل ہے۔ پرولتاریہ کی آمریت ایک ایسی طبقاتی جد وجہد ہے جو وہ پرولتاریہ کر رہا ہے جو فتح مند ہو چکا ہے اور جس نے سیاسی اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے اور یہ جد وجہد اس بورژوازی کے خلاف ہے جسے شکست ہو چکی ہے لیکن جو تباہ نہیں ہوا ہے، ایسا بورژوازی جو ختم نہیں ہوا ہے، جس نے مزاحمت ترک نہیں کی ہے بلکہ جس نے اپنی مزاحمت کو اور بھی شدید کر دیا ہے۔"

سرمایہ داری سے سوشلزم میں منتقلی کی مدت کے دوران طبقاتی جد وجہد کی نئی شکلیں مندرجہ ذیل ہوتی ہیں: استحصال کرنے والوں کی مزاحمت کو کچل دینا (اس میں طاقت کا استعمال بھی شامل ہے)، کسانوں کو بورژوازی کے اثر سے نجات دلانے اور انھیں سوشلسٹ تعمیر میں شامل کرنے کی جد وجہد کرنا۔ بورژوا ماہرین سے معیشت میں کام لینا اور عوام کو سوشلسٹ ڈسپلن کے جذبے کے ساتھ تعلیم دینا۔

طاقت کے استعمال کی جانب پرولتاریہ کا رویہ: شکست خوردہ لیکن مزاحمت کرنے والے بورژوازی کے خلاف مزدور طبقے اور کسانوں کی شدید جد وجہد سرمایہ داری سے سوشلزم میں منتقلی کے دور میں سماجی نشو و نما کا ایک اہم عامل ہے۔ یہ جد وجہد بالآخر بورژوازی کے ایک طبقے کی

حیثیت سے مکمل طور پر ختم ہو جانے اور انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال سے آزاد سماج کے قیام کا باعث ہوتی ہے۔

بورژوازی کے نظریہ ساز پرولتاریہ کی آمریت کو بے لگام دہشت اور تباہی کا دور قرار دیتے ہیں اور یہ الزام لگاتے ہیں کہ پرولتاریہ بورژوازی کے خلاف جنگ میں طاقت کو، مسلح جدوجہد کو واحد ذریعے کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ لیکن درحقیقت مارکسزم۔لینن ازم، نظریئے اور عمل، دونوں میں اس اصول پر مبنی ہے کہ بورژوازی کی مزاحمت پر مختلف طریقہائے کار کے استعمال کے ذریعہ جن میں جبری اور پُرامن دونوں طریقہائے کار شامل ہیں، قابو پایا جا سکتا ہے۔

مزدور طبقہ ہمارے عہد کا سب سے زیادہ انسان دوست طبقہ ہے۔ یہ انسانی ثقافت کے خزانوں کو محفوظ رکھنے اور ان میں اضافہ کرنے کی، پیداوار کی سطح کو بلند کرنے کی اور اصل پیداواری قوت یعنی انسان کو، محنت کش عوام کو بچانے کی سعی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پرولتاریہ سرمایہ داری سے سوشلزم میں پرامن منتقلی کا بہت زیادہ خواہاں ہوتا ہے۔ پُرامن طریقہ عظیم مادی خزانوں کو محفوظ رکھتا ہے، بہت سی انسانی جانوں کو بچاتا ہے اور اس لئے، جیسا کہ لینن نے لکھا ہے، یہ عوام کے لئے سب سے زیادہ غیر تکلیف دہ، آسان ترین اور سب سے زیادہ منفعت بخش راستہ ہے۔

انقلاب کون سا راستہ اختیار کرتا ہے، پرامن یا غیر پرامن، اس کا انحصار اتنا زیادہ مزدور طبقے پر نہیں ہوتا جتنا کہ بورژوازی کی مزاحمت کی وسعت پر اور مراعات دینے کے لئے اس کی آمادگی پر۔

سوشلسٹ انقلاب کے پہلے ملک یعنی سوویت یونین میں بورژوازی نے اپنے گمشدہ اقتدار، ملکیت اور مراعات کو طاقت کے ذریعہ دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کی اور بین الاقوامی سرمایہ کے ساتھ مسلح گٹھ جوڑ کا سہارا لیا۔ ان حالات میں مزدور طبقے کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ بورژوازی کو ہتھیاروں کی طاقت کے ذریعہ، خانہ جنگی کے ذریعہ کچل دے جو منتقلی کے دور میں سوویت جمہوریہ میں طبقاتی جدوجہد کی ایک خصوصی شکل تھی۔ کلاکوں، یعنی مالدار کسانوں کے خلاف جدوجہد میں بھی طاقت کا استعمال کیا گیا۔

لیکن یورپ کی عوامی جمہوریتوں کے تجربے سے ظاہر ہوا ہے کہ بورژوازی کو طاقت کے ذریعہ دبانا منتقلی کے دور میں طبقاتی جدوجہد کی ہمیشہ ایک ضروری شکل نہیں ہے۔ ان ممالک میں کوئی خانہ جنگی نہیں

ہوئی کیونکہ اصل طاقت عوام کی طرف تھی۔ ان ممالک میں رجعت پرست قوتوں کی اصل حیثیت جرمن فاشزم کے خلاف جدوجہد آزادی کے دوران پہلے ہی ختم ہو چکی تھی، اور بورژوازی کے بچے کچھے حصے نے، جو کافی طاقت کا مالک نہیں تھا، عوامی حکومت کے خلاف مسلح مزاحمت کا خطرہ مول نہیں لیا۔ اسی کے ساتھ سوویت فوج کی موجودگی نے، جس نے ان ممالک کو نازیوں سے آزاد کرایا تھا، عالمی سامراجی رجعت پرستی کو ان ممالک کے خلاف فوجی مداخلت سے روکا۔

منتقلی کے دور میں طبقاتی جدوجہد کی شدت نہ صرف ایک ملک سے دوسرے ملک میں مختلف ہوتی ہے، بلکہ ایک ہی ملک میں اس کے نشوونما کے مختلف مرحلوں میں بھی مختلف ہوتی ہے۔ سوویت یونین اور عوامی جمہوریتوں کے تجربے سے یہ ثابت ہوا ہے کہ جیسے جیسے پرولتاریہ کی آمریت مضبوط ہوتی جاتی ہے اور سوشلسٹ تعمیر پیش قدمی کرتی جاتی ہے، ویسے ویسے طبقاتی قوتوں کا تعلق باہمی بتدریج سوشلزم کے حق میں بدلتا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مخالف طبقات کے بچے کچھے عناصر کی جانب سے کی جانے والی مزاحمت کمزور پڑ جاتی ہے۔ سرمایہ داری سے سوشلزم میں منتقلی کے دوران ایک ملک کے اندر طبقاتی جدوجہد کے نشوونما کا یہی عمومی رجحان ہے۔

۱۹۳۷ء میں اسٹالن کا پیش کردہ یہ خیال کہ سوشلزم کی قوتوں کے مضبوط ہونے کے ساتھ ساتھ طبقاتی جدوجہد تیز تر ہو جاتی ہے، غلط تھا۔ اس خیال کو ایک ایسے وقت میں تشکیل دیا گیا تھا جب کہ سوویت یونین میں استحصالی طبقات کا خاتمہ ہو چکا تھا اور سوشلزم کی تعمیر ہو گئی تھی، اور اس خیال کو پارٹی اور ریاست کی زندگی کے بارے میں اور سوشلسٹ جمہوریت اور قانون کے بارے میں لینی معیارات کی انتہائی سنگین خلاف ورزیوں کو جائز ثابت کرنے کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔

اس اصول پر عمل کرتے ہوئے کہ طبقاتی جدوجہد منتقلی کے دور میں مختلف شکلیں اختیار کر سکتی ہے پرولتاریہ اور اس کی ہر کسی پارٹی نے اپنے سامنے یہ فریضہ رکھا کہ طبقاتی جدوجہد کی تمام شکلوں پر عبور حاصل کیا جائے اور ان شکلوں کو استعمال میں لایا جائے۔ جو ٹھوس حالات سے طبقاتی قوتوں کے معروضی اتحاد سے سب سے زیادہ مطابقت رکھتی ہوں

۵۔ سوشلسٹ سماج کی طبقاتی ساخت

سوویت یونین میں سوشلزم کی تعمیر کے ساتھ سوویت سماج کی طبقاتی ساخت بنیادی طور پر بدل گئی۔ وسائلِ پیداوار کی نجی ملکیت اور انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ شہر اور گاؤں، دونوں میں استحصالی طبقات ختم کر دیئے گئے۔ دو دوست طبقات باقی رہ گئے، یعنی مزدور طبقہ اور اجتماعی فارموں کا کسان اور اسکے علاوہ محنت کش دانشور جن میں سوویت دورِ اقتدار میں بنیادی تبدیلی آئی۔

مزدور طبقہ اب وہ پرولتاریہ نہیں رہا تھا جو سرمایہ داری کے تحت استحصال کا شکار اور تمام حقوق سے محروم تھا۔ دیگر تمام عوام کے ساتھ مل کر یہ وسائلِ پیداوار کا مالک ہے اور ملک کا حقیقی مالک ہے۔ مزدور طبقہ سب سے زیادہ منظم اور سماجی لحاظ سے سب سے زیادہ باشعور طبقہ ہے۔ اپنی فطرت کی بنا پر یہ دوستانہ تعاون اور باہمی اعانت کے تعلقات کو فروغ دیتا ہے۔ چنانچہ یہ سوشلزم کے تحت بھی اور مکمل پیمانے کی کمیونسٹ تعمیر کے دور میں بھی، سماج میں رہنمایانہ رول ادا کرتا ہے۔

زراعت کی اجتماعیت اور ثقافتی انقلاب نے سوویت کسانوں کی حالت کو یکسر بدل ڈالا۔ کسان ایک غیر متحد، پامال طبقے سے جو جاگیرداروں اور مالدار کسانوں کے استحصال کا شکار تھا، صحیح معنوں میں ایک آزاد اور بڑے پیمانے کی مشینی زراعت میں کام کرنے والا طبقہ بن گئے۔

اجتماعی محنت نے کسان کی صدیوں پرانی علیحدگی کو ختم کر دیا، اُسے اپنی مالکانہ نفسیات پر غالب آنے میں مدد دی اور اس میں اجتماعیت، دوستی اور تعاون کے احساسات کو اُبھارا۔ جدید مشینری کا وسیع پیمانے پر استعمال مشین آپریٹروں کی بھاری تعداد کی تربیت کا متقاضی تھا جن کی محنت فیکٹریوں کے مزدوروں کی محنت سے کچھ ہی مختلف ہوتی ہے۔ چنانچہ کسانوں کا ثقافتی معیار بلند ہو گیا ہے۔

دانشوروں میں بھی بہت زیادہ تبدیلی آگئی ہے۔ سوویت دانشوروں کو، جن کی اکثریت مزدوروں اور کسانوں کی صفوں سے تعلق رکھتی ہے، عوام سے جدا نہیں کیا جا سکتا اور وہ وفاداری اور بے لوثی کے ساتھ عوام کی خدمت کرتے ہیں۔

سوویت دورِ اقتدار میں دانشوروں کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ اعلیٰ، نامکمل

اعلیٰ اور خصوصی ثانوی تعلیم کے حامل افراد کی تعداد ۱۹۱۳ء میں دو لاکھ نوے ہزار تھی جو ۱۹۵۹ء میں ایک کروڑ چونتیس لاکھ ہوگئی! اس وقت (۱۹۷۵ء تک ۔ مترجم) بیس لاکھ اساتذہ، لکھو کھا سائنسداں، ڈاکٹر، انجینیر، فنی ماہرین، وکلا، مالیاتی ماہرین اور دیگر ماہرین سوویت سماج کی بھلائی کے لئے کام کر رہے ہیں۔

سوویت یونین میں غلبے اور مغلوبیت کے طبقاتی تعلقات کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کیا جا چکا ہے۔ یہاں اب کوئی استحقاق یافتہ طبقات یا گروہ موجود نہیں ہیں اور سماج کے تمام اراکین وسائل پیداوار کے تئیں مساوی رشتے کے حامل ہیں، اس لئے استحصال اور کسی دوسرے کی محنت کا پھل کھا جانا ناممکن ہے۔ سوشلسٹ سماج محنت کش عوام کا سماج ہے۔

چونکہ سوشلسٹ سماج میں استحصالی یا استحصال کا شکار طبقے نہیں ہوتے بلکہ صرف محنت کش طبقات اور سماجی گروہ ہوتے ہیں، اس لئے یہاں کوئی طبقاتی جدوجہد بھی نہیں ہوتی۔

سوویت عوام کا سماجی، سیاسی اور نظریاتی اتحاد سوشلسٹ سماج میں صورت پذیر ہوا ہے۔ اس اتحاد کا سرچشمہ مزدور طبقے، کسانوں اور دانشوروں کے بنیادی، معاشی اور سیاسی مقاصد کا اشتراک اور کمیونسٹ سماج کی تعمیر میں اُن کی مشترکہ کوشش ہے جو انھیں عظیم مادی اور ثقافتی فوائد بہم پہنچائے گا۔ مفادات کا یہ اشتراک سوویت عوام کو اس بات کا اہل بناتا ہے کہ وہ متحدہ کوششوں کے ذریعہ عظیم ترین مشکلات پر قابو پانے اور عظیم تاریخی اہمیت کے حامل فریضوں کو پورا کرنے کی غرض سے مل جل کر، ہم آہنگی کے ساتھ قدم اٹھائیں۔ ان کروڑوں عوام کی مضبوطی جو مفادات کے اشتراک کے ذریعے آپس میں منسلک ہیں، اتحادِ عمل کے ذریعہ ایک دوسرے کے ساتھ پیوستہ ہیں اور کمیونزم کے رفیع الشان نظریات سے جوش وجذبہ حاصل کرتے ہیں، ایک عظیم، ناقابلِ شکست قوت کی تشکیل کرتی ہے۔

۶۔ طبقاتی امتیازات کو ختم کرنے کے طریقے

سوشلسٹ سماج دو دوست طبقوں، مزدور طبقے اور کسانوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سوشلزم کے تحت سوشلسٹ ملکیت کی دو شکلوں، یعنی ریاستی ملکیت اور کوآپریٹو اور اجتماعی فارم کی ملکیت کو باقی رکھا جاتا ہے، جس کی وجہ سے شہر اور گاؤں میں لازمی امتیازات باقی رہتے ہیں۔ سوشلزم کے تحت دانشور بھی ہوتے ہیں، یہ ایک سماجی گروہ ہوتا ہے جس کا وجود جسمانی اور دماغی محنت کے درمیان لازمی امتیازات

کے سبب ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دانشوروں کے ساتھ مزدوروں اور کسانوں کے طبقاتی فرق اور امتیازات کو ختم کرنے کا سلسلۂ عمل فی الحقیقت اس چیز سے شروع ہوتا ہے کہ شہر اور گاؤں کے درمیان اور دماغی اور جسمانی محنت کے درمیان امتیازات کو ختم کیا جائے۔ لینن کا خیال تھا کہ طبقات کے خاتمے کو مکمل کرنے کے لئے صرف یہی ضروری نہیں ہے کہ استحصالی طبقات کو ختم کر دیا جائے، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ "شہر اور گاؤں کے درمیان امتیاز کو نیز جسمانی اور دماغی کام کرنے والوں کے درمیان امتیاز کو ختم کیا جائے"۔

سوویت سماج میں سماجی امتیازات، پیداواری قوتوں اور سوشلسٹ پیداواری تعلقات کی مسلسل ترقی کے ذریعہ اور ان تعلقات کے کمیونسٹ تعلقات میں بدل جانے کے ذریعہ، بتدریج ختم ہو رہے ہیں۔

شہر اور گاؤں کے درمیان لازمی امتیازات کو ختم کرنے کے طریقے

سرمایہ داری کے تحت شہر دیہی علاقے کا اندھا دھند استحصال کرتا ہے اور نتیجۃً مفادات کی غیر مصالحانہ مخالفت موجود رہتی ہے۔ سوشلزم شہر اور گاؤں کے درمیان مخالفت کو ختم کر دیتا ہے۔ لیکن معیشت، ثقافت اور طرز زندگی کے لحاظ سے ان میں لازمی امتیازات باقی رہتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ شہری صنعت میں ملکیت ریاست کی، سارے عوام کی ہوتی ہے جبکہ اجتماعی فارموں میں کوآپریٹو اور اجتماعی فارم کی ملکیت کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ نہ صرف یہ کہ دیہی علاقہ ثقافتی سطح کے اعتبار سے شہر سے کسی قدر پیچھے ہوتا ہے بلکہ اس کا طرز زندگی بھی مختلف ہوتا ہے۔

کمیونزم کی تعمیر کے عمل کے دوران اجتماعی فارم کی ملکیت جیسے جیسے مزید مستحکم ہوتی جاتی اور مزید فروغ پاتی جاتی ہے، ویسے ویسے یہ بتدریج ریاستی ملکیت کے قریب آتی جاتی ہے۔ یہ سلسلۂ عمل اجتماعی فارموں کی فنی سہولتوں میں اضافے کے ساتھ وقوع پذیر ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے زرعی محنت بتدریج ایک قسم کی صنعتی محنت بن جاتی ہے۔

بڑے پیمانے کی مشین کاری محنت کی پیداواری صلاحیت اور زرعی کارکردگی میں مسلسل اضافہ کرتی ہے جس کے سبب اجتماعی فارموں اور کسانوں کی آمدنی بڑھتی ہے۔ کسانوں کے معاوضے اپنی مقدار اور شکل کے اعتبار سے شہری صنعتی مزدوروں کے معاوضوں کے زیادہ قریب قریب ہو جائینگے۔

زرعی پیداوار کی نوعیت میں تبدیلی دیہی علاقے کی شکل کو بدل دیتی ہے، کسانوں کے طرز زندگی

کو بہتر بناتی ہے اور اُن کی ثقافتی سطح کو بلند کرتی ہے۔

دیہی علاقوں میں بڑے پیمانے کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ اجتماعی فارم گیراج، مشینوں کی مرمت کی شاپیں، گودام، مویشی خانوں کی عمارتیں، زرعی فارم، مال اور غذائی اشیا کی پروسیسنگ کے لئے اور تعمیراتی ساز و سامان تیار کرنے کے لئے ادارے نیز کینٹینیں، کنڈرگارٹن اور نرسریاں، بیکریاں، دکانیں اور خدمات عامہ کے مختلف ادارے قائم کر رہے ہیں۔ بڑی تعداد میں مکانات تعمیر کئے جا رہے ہیں، خاص طور پر شہری طرز کے مکانات جن میں مرکزی حرارتی نظام اور دیگر سہولتیں موجود ہیں۔ اجتماعی فارموں کے گاؤں آہستہ آہستہ ترقی یافتہ شہری طرز کے علاقوں کی شکل اختیار کر لینگے۔

فارم ثقافتی مرکز، کلبوں، لائبریریوں، اسکولوں، اسٹیڈیموں، کھیل کے میدانوں وغیرہ کے فروغ کے لئے بڑی رقومات صرف کر رہے ہیں۔ کتابیں، ریڈیو، ٹیلیفون اور ٹیلیویژن اجتماعی فارم کی زندگی کی مستقل خصوصیات بنتے جا رہے ہیں۔ ثقافت کی یونیورسٹیاں، عوامی تھیٹر، موسیقی کے اسکول اور شوقیہ فن کے ادارے دیہی علاقوں میں تیزی کے ساتھ پھیلتے جا رہے ہیں اور شہر اور گاؤں کو ایک دوسرے کے قریب لا رہے ہیں۔

سوویت یونین جیسے جیسے کمیونزم کے قریب پہنچتا جائے گا، ویسے ویسے شہری آبادی کے حالاتِ زندگی زیادہ سے زیادہ بہتر ہوتے جائینگے۔ رہائشی علاقوں میں ضرورت سے زیادہ آبادی نہیں ہوگی اور لوگوں کو زیادہ ہوا، روشنی اور توانائی میسر آئے گی۔ اس لحاظ سے اُن کے حالاتِ کار اور حالاتِ رہائش دیہی علاقوں سے قریب تر ہو جائیں گے۔

اس طرح شہر اور گاؤں کے درمیان لازمی امتیازات کا خاتمہ ہو جائے گا۔ ایکبار جب ایسا ہو جائے گا تو پھر سماج کی مزدور طبقے اور کسانوں میں تقسیم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی۔

جسمانی اور دماغی محنت کے درمیان لازمی امتیازات کو ختم کرنے کے طریقے: دانشوروں کی وسیع اکثریت صدیوں تک استحصالی طبقات کی خدمت کرتی رہی اور محنت کش عوام کو، جسمانی کام کرنے والوں کو کچلنے میں مدد دیتی رہی۔ یہی جسمانی اور دماغی محنت کے درمیان صدیوں پرانے اختلاف کا سبب ہے۔ سوشلزم نے اس اختلاف کو ختم کر دیا ہے۔ سوویت دانشور، جسمانی محنت کرنے والوں، یعنی مزدوروں اور کسانوں کے شانہ بشانہ اپنے سوشلسٹ ملک کی ترقی میں لغاوِ کر رہے ہیں۔ تاہم، سوشلزم کے تحت بھی

جسمانی اور دماغی محنت کے درمیان لازمی امتیازات باقی رہتے ہیں۔ مزدوروں اور کسانوں کی ثقافتی اور فنی سطح اب بھی دانشوروں کی ثقافتی سطح اور فنی علم سے پیچھے ہوتی ہے۔ اس امتیاز کو ختم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مزدوروں اور کسانوں کی ثقافت اور فنی تعلیم کو بڑھا کر دانش وروں کی سطح کے برابر لے آیا جائے۔ کمیونزم کی مکمل پیمانے کی تعمیر کے دور میں اس فریضے کی تکمیل کی جارہی ہے۔

اس مسئلہ کو حل کرنے کا اصل ذریعہ فنی ترقی اور خود محنت کی نوعیت میں متعلقہ تبدیلی ہے۔ فنیاتی ترقی، نئی پیچیدہ اور انتہائی اعلیٰ کارکردگی کی حامل مشینوں کا نفاذ، پیداوار کی خودکاری اور مکمل برق کاری، ایٹمی توانائی کا استعمال اور کیمیا اور دیگر سائنسوں کی کامیابیوں کا بڑے پیمانے پر اطلاق نہ صرف خصوصی فنی مہارتوں کا بلکہ ترقی یافتہ عمومی تعلیم اور سائنس کے مبادیات سے واقفیت کا بھی تقاضی ہوتا ہے۔ فنی ترقی مزدوروں اور کسانوں کی عمومی ثقافتی اور فنی پیشقدمی سے ناقابل شکست طور پر وابستہ ہے۔ بنیادی طور پر محنت کے سلسلۂ عمل میں ہی، جو انسانی سرگرمی کا اصل دائرہ ہے، کیمونسٹ سماج کا نیا انسان، ہمہ گیر نشوونما کا حامل انسان، تشکیل پائے گا۔

کیمونسٹ محنت کی تحریک جسمانی اور دماغی محنت کے درمیان لازمی امتیازات کو ختم کرنے میں مدد دے رہی ہے۔ اس تحریک میں حصہ لینے والوں کا اصل مقصد یہ ہے کہ فنی ترقی کی بنیاد پر محنت کی پیداواری صلاحیت میں اضافہ کیا جائے اور اپنے مقصد کو مسلسل اور پر استقامت مطالعے کے ذریعہ اور مہارت اور عمومی تعلیم میں اضافے کے ذریعے حاصل کیا جائے۔

تعلیمی نظام کو اس نقطۂ نظر کے تحت فروغ دیا اور بہتر بنایا جارہا ہے کہ اسکول کی تعلیم اور پیداواری کام کو ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ قریبی طور پر وابستہ کیا جائے تاکہ نئی نسل کی تعلیم کو اور ہر میدان میں ماہرین کی مہارت کو، دونوں کو بہتر بنایا جا سکے۔ تعلیم میں ضروری بہتری پیدا کرنے کی غرض سے سوویت ذہین فنی، زرعی، حیوانی فنیاتی نصابوں، عمومی تعلیم کے اسکولوں، اور اعلیٰ یا خصوصی ثانوی تعلیم دینے والے مراسلاتی نصابوں اور شام کے اسکولوں کے جال کو وسیع کر رہا ہے۔

کیمونسٹ پارٹی اور سوویت حکومت نے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ عوام کو فرصت کے اوقات مہیا ہوں جو مزید علم حاصل کرنے اور اپنی ثقافتی سطح کو بلند کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ اوقات کار کو گھٹانے کے اقدامات کئے جارہے ہیں۔ چند سال کے اندر اندر فیکٹریوں اور دفتروں کے ملازمین روزانہ

چھ سات گھنٹے کام کرینگے اور انھیں ہفتے میں دو چھٹیاں ملیں گی۔ سوویت عوام کا یوم کار دنیا بھر میں مختصر ترین اور عمدہ ترین تنخواہ کے ساتھ ہوگا (سوویت یونین میں پانچ دن کا ہفتہ کار گزشتہ کئی سالوں سے نافذ کیا جا چکا ہے ۔۔۔ مترجم)۔

جب کمیونزم کی تعمیر عمل میں آجائیگی تو دماغی اور جسمانی محنت کے درمیان کسی بھی قسم کے لازمی امتیازات باقی نہیں رہینگے۔ کمیونسٹ سماج میں تنگ، خصوصی دماغی محنت اور خالص جسمانی محنت، دونوں ہی باقی نہیں رہینگی۔ کیفیتی لحاظ سے ایک نئی قسم کی محنت وجود میں آئے گی جس میں کمیونسٹ سماج کے اراکین یعنی ہمہ گیر نشوونما کے حامل عوام کی جسمانی اور دماغی مساعی ہم آہنگی کے ساتھ یک جان ہوں گی۔

سولھواں باب

قومیں اور قومی تحریکِ آزادی

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، طبقات کی جد و جہد ایک خاصمانہ طبقاتی سماج کے نشو و نما کا بنیادی عامل ہے۔ ہمارے دور میں طبقات کی جد و جہد کے علاوہ، قومی آزادی کی تحریک نے نوعِ انسانی کے نشو و نما میں زبردست اہمیت حاصل کر لی ہے۔ اب ہم قوموں اور قومی آزادی کی تحریک کے بارے میں مارکسی لیننی نظریے کا جائزہ لیجئے۔ آیئے سب سے پہلے تو ہم یہ دیکھیں کہ قومیں کیا ہوتی ہیں اور اُن کا آغاز کس طرح ہوتا ہے۔

۱۔ قوم کیا ہے؟

عصرِ حاضر کے سماج میں طبقات کے علاوہ انسانوں کی قومی برادریاں، یعنی قومیں بھی موجود ہیں۔ قومیں طبقات کے کافی عرصے کے بعد صورت پذیر ہوئیں۔ طبقات غلامی کے سماج کے ظہور کے دوران صورت پذیر ہوئے، جبکہ قومیں سرمایہ داری کے فروغ کی پیداوار ہیں۔

تاریخ میں قوموں سے پہلے انسانوں کی اس قسم کی برادریاں جیسے خانوادہ، قبیلہ اور قومیت موجود تھیں۔

خانوادہ انسانوں کا ایک ایسا گروہ ہوتا ہے جو خونی اور معاشی رشتوں سے بندھے ہوئے ہوتے ہیں۔ وسائلِ پیداوار کی مشترکہ ملکیت اور مشترکہ استعمال بڑے خانوادے کی بنیاد کا کام کرتا تھا۔ کئی خانوادے مل کر ایک قبیلے کی تشکیل کرتے تھے۔ قبیلے اور خانوادے قدیم کمیونسٹ سماج میں وجود رکھتے تھے۔

غلامی کے سماج اور جاگیرداری سماج میں انسانوں کی ایک نئی قسم کی برادری، قومیت، وجود رکھتی تھی۔ قومیت خانوادے کے برخلاف خونی رشتوں پر مبنی نہیں تھی بلکہ مشترکہ علاقے، زبان اور ثقافت پر مبنی تھی۔ ایک قومیت لوگوں کی کافی مستحکم برادری نہیں تھی، کیونکہ غلامی اور جاگیرداری ایک ایسی معاشی

برادری کو پیدا نہیں کر سکتی تھیں جو پورے کے پورے ممالک پر محیط ہو اور اس شرط کے بغیر انسانوں کے درمیان قریبی اور مستحکم تعلقات ممکن نہیں ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ غلامی کے سماج میں اور جاگیرداری کے تحت منڈیاں اور تبادلۂ اجناس موجود تھا، لیکن یہ محدود اور مقامی نوعیت کا تھا اور معاشی اور سیاسی عدم اتحاد کو ختم نہیں کر سکتا تھا۔

سرمایہ داری کے فروغ کے ساتھ معاشی عدم اتحاد بتدریج ختم ہو گیا اور ایک واحد منڈی نمودار ہوئی جس کے نتیجے میں قومیتیں قوموں میں بدل گئیں۔ لینن نے لکھا ہے، "قومیں بورژوا عہد میں سماجی نشوونما کی ایک ناگزیر پیداوار ہیں، ایک ناگزیر شکل ہیں۔"

قومیت کی طرح ایک قوم بھی مشترکہ علاقے، زبان اور ثقافت جیسی خصوصیات کی حامل ہوتی ہے لیکن ایک قومیت کے برخلاف قوم انسانوں کی زیادہ مستحکم برادری ہوتی ہے۔ لینن نے کہا ہے کہ عمیق ترین معاشی عوامل نے قوم کو استحکام عطا کیا۔ کیف رُس کے سلاونک قبائل اگرچہ ایک واحد زبان اور ایک مشترکہ علاقے کے ساتھ ایک قومیت پر مشتمل تھے، لیکن وہ ایک قوم نہیں تھے۔ اُن کے درمیان قومی روابط روسی تاریخ کے نئے دور میں ہی (تقریباً سترھویں صدی میں) اُس وقت اُبھرے جب ملک کے معاشی عدم اتحاد کا خاتمہ ہو گیا، گردشِ اجناس میں اضافہ ہوا اور چھوٹی مقامی منڈیاں ایک کُل روسی منڈی میں ضم ہو گئیں۔ چنانچہ معاشی زندگی کا اشتراک ایک قوم کی اہم خصوصیت ہوتا ہے۔ معیشت اور معاشی روابط ہی وہ چیزیں ہیں جو ایک علاقے کے رہنے والے اور مشترکہ زبان رکھنے والے لوگوں کو ایک واحد کُل میں، ایک قوم میں متحد کرتی ہیں۔ معاشی اور سیاسی نشوونما کے عمل کے دوران ایک مشترکہ نفسیات تشکیل پاتی ہے جس کا اظہار ایک قوم کی تاریخی روایات میں اور اس کی ثقافت اور طرزِ زندگی کی منفرد خصوصیات میں ہوتا ہے۔

قوموں کو نسلوں کے ساتھ خلط ملط نہیں کر دینا چاہیے۔ نسلی امتیازی خصوصیات بعض حیاتیاتی خصائص کے مطابق انسانوں کی خصوصیات ہوتی ہیں، مثلاً جلد کی رنگت، آنکھوں کی شکل وغیرہ۔ ان خصوصیات کے مطابق انسان کی تین بنیادی نسلیں وجود رکھتی ہیں: یورپی، منگول اور نیگرو نسل۔

بعض بورژوا نظریہ ساز کسی قوم یا قومیت کی معاشی، سیاسی اور ثقافتی سطح کی یا سماج میں کسی انسان کی نسلی امتیازات کے ذریعہ وضاحت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ سفید نسل کی برتری کی فضول باتیں کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بات پہلے سے طے ہے کہ سفید نسل کو رنگدار نسلوں پر غلبہ حاصل

ہوگا لیکن تاریخ اور سائنسی حقائق یہ ثابت کرتے ہیں کہ تمام نسلوں کے لوگ مساوی صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں۔ اگر بعض قومیں یا قومیتیں جن کا تعلق سفید نسل سے نہیں ہے، پسماندہ ہیں تو اس کی وجہ ان کی جلد یا بالوں کی رنگت نہیں ہے بلکہ سفید استحصال کنندوں کا نوآبادیاتی ظلم و استبداد اس کی وجہ ہے۔ آج سابقہ نوآبادیوں اور محکوم ممالک کی وہ قومیں اور قومیتیں جنھوں نے نوآبادیاتی نظام کے جوئے کو اتار پھینکا ہے، اپنی معیشت اور ثقافت کو کامیابی کے ساتھ ترقی دے رہی ہیں۔ ان ممالک میں جنھوں نے سوشلسٹ راہ اختیار کر لی ہے، عوام بہت تیزی کے ساتھ ترقی کر رہے ہیں۔

۲۔ قومی نوآبادیاتی سوال پر مارکسزم۔ لینن ازم کا نقطۂ نظر

سرمایہ داری کے تحت تشکیل پانے والی قومیں بورژوا قومیں ہوتی ہیں۔ مزدور طبقہ اور محنت کش عوام کے دیگر طبقے ان قوموں کی آبادی کی بھاری اکثریت کی تشکیل کرتے ہیں، لیکن بورژوازی غالب رول ادا کرتا ہے کیونکہ وہ سارے وسائل پیداوار کا مالک ہوتا ہے، ریاستی اقتدار پر اپنا قبضہ رکھتا ہے اور ذرائع ابلاغ کو کنٹرول کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بورژوا قوم کی ظاہری حالت کا تعین بہت بڑی حد تک سرمایہ دارانہ معیشت، سیاست اور آئیڈیالوجی سے ہوتا ہے۔ معاشی اور فوجی لحاظ سے مضبوط قوموں کے ہاتھوں کمزور قوموں پر تشدد اور غلبہ بورژوا قوموں کے نشوونما کا ایک قانون ہے۔ چنانچہ یہ بات قابل فہم ہے کہ سرمایہ داری کے تحت قوموں کا نشوونما آزادی کے لئے مظلومین کی شدید جدوجہد کے ساتھ ناقابل شکست طور پر وابستہ ہے۔ قومی مسئلہ، یعنی یہ مسئلہ کہ مظلوم قومیں کس طرح آزادی حاصل کر سکتی ہیں، قومی استبداد کا خاتمہ کر سکتی ہیں اور قوموں اور قومیتوں کے درمیان مساویانہ تعلقات قائم کر سکتی ہیں، سرمایہ داری کے تحت خاص طور پر شدت اختیار کر جاتا ہے اور یہ سماجی نشوونما کے بنیادی مسائل میں سے ایک ہے۔

مارکسزم۔ لینن ازم قومی مسئلے کی اہمیت پر زور دیتا ہے اور یہ مطالبہ کرتا ہے کہ اس مسئلہ کو ٹھوس تاریخی حالات کے مطابق طے کیا جائے۔ اس مسئلے کو مناسب طور پر حل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مختلف ادوار میں سماج کے نشوونما کو، ہر ملک کے نشوونما کی منفرد خصوصیات کو، دنیا میں اور مذکورہ ملک کے اندر طبقاتی قوتوں کے توازن کو مختلف قوموں کے محنت کش عوام کی سرگرمی کو اور ان کے سماجی

شعور، تنظیم وغیرہ کی سطح کو پیش نظر رکھا جائے۔

سرمایہ داری کے نشوونما کے مختلف مراحل میں قومی مسئلے کا مافیہ ایک ہی نہیں رہا ہے۔ جب سرمایہ دارانہ سماج مائل بہ ترقی تھا تو اس وقت یہ سوال بالعموم الگ الگ ممالک کی حدود سے آگے نہیں جاتا تھا۔ روس، آسٹریا، ہنگری وغیرہ جیسے کثیر الاقوامی ممالک جن میں ظالم اور مظلوم دونوں قومیں موجود تھیں، قومی استبداد نیز قومی آزادی کی جدوجہد کے اصل میدان تھے۔ قومی مسئلہ عملاً قومی اقلیتوں کے مسئلے اور آزادی کے لئے اور خود اپنی معیشت اور ثقافت کو فروغ دینے کے حق کے لئے اُن کی جدوجہد کے مسئلہ تک محدود تھا۔

سامراج کے دور میں قومی تعلقات بدل گئے۔ دُنیا مٹھی بھر غالب قوموں، یعنی سب سے زیادہ ترقی یافتہ سامراجی ممالک میں اور بہت سی نوآبادیاتی اور محکوم قوموں اور ملکوں میں تقسیم ہو گئی۔ لینن نے قوموں کی ظالم اور مظلوم میں تقسیم کو سامراج کے تحت بنیادی، انتہائی لازمی اور ناگزیر قرار دیا۔ سامراج کا نوآبادیاتی نظام صورت پذیر ہوا۔ سرمایہ داری جس نے اپنے ابتدائی دور میں قوموں اور قومیتوں کو جاگیرداری کے جوئے اور کلیسائیت کی گرفت سے نجات حاصل کرنے میں مدد دی تھی، سامراجی مرحلے میں داخل ہونے کے بعد قوموں پر سب سے زیادہ ظلم کرنے والا، قوموں اور قومیتوں کی آزادی کو بے رحمی کے ساتھ کچلنے والا نظام بن گئی۔ قومی مسئلے کا مافیہ بدل گیا اور اس کی حدود بہت زیادہ وسیع ہو گئیں۔ یہ اندرونِ ملک مسئلے کے بجائے ایک بین الاقوامی مسئلہ بن گیا اور ساری دنیا کے کروڑوں عوام کے مقدرات کو متاثر کرنے لگا۔

سامراج کے تحت قومی مسئلہ ایک ملک کی حدود کے اندر قومی اقلیتوں کا مسئلہ نہیں رہتا ہے، بلکہ یہ ایک قومی نوآبادیاتی مسئلہ بن جاتا ہے۔ یہ سب سے پہلے تو نوآبادیاتی استبداد کے خلاف قوموں اور قومیتوں کی جدوجہد کا مسئلہ ہے، ان کی آزادی اور ترقی کا مسئلہ ہے۔

اگرچہ مارکس، اینگلز اور لینن نے قومی مسئلے کو اہم قرار دیا، لیکن انھوں نے اُسے انقلابی تحریک کا بنیادی سوال نہیں گردانا۔ انھوں نے اس مسئلہ کو ہمیشہ مارکسزم کے کلیدی مسئلے یعنی پرولتاریہ کی آمریت کے ماتحت رکھا، انھوں نے اسے ہمیشہ بین الاقوامی مزدور تحریک اور امن، سوشلزم اور سماجی ترقی کی جدوجہد کے سیاق و سباق میں رکھا۔ وہ اس اصول پر قائم تھے کہ قومی مسئلہ بہ حیثیت مجموعی سرمایہ دارانہ

سماج کی حدود میں بنیادی طور پر لاینحل ہے۔ یہ مسئلہ صرف اسی وقت حل ہو سکتا ہے جب پرولتاریہ اقتدار میں ہو، یعنی سوشلسٹ سماج میں حل ہو سکتا ہے۔

لینن نے سرمایہ داری کے تحت قومی تعلقات کے نشوونما میں دو متضاد رجحانات کا پتہ لگایا۔ ایک طرف تو قومی شعور بیدار ہوتا ہے اور قومی تحریکات ابھرتی ہیں، ہر قسم کے قومی استبداد کے خلاف جدوجہد وقوع پذیر ہوتی ہے اور قومی ریاستیں تشکیل پاتی ہیں۔ دوسری طرف مختلف قوموں کے درمیان تعلقات فروغ پاتے ہیں، قومی دیواریں گرتی ہیں اور ایک واحد معیشت، ایک عالمی منڈی صورت پذیر ہوتی ہے۔ اول الذکر رجحان اس عرصے میں غالب رہتا ہے جبکہ سرمایہ داری مائل بہ ترقی ہوتی ہے اور موخر الذکر رجحان سامراج کے عہد میں نمودار ہوتا ہے جبکہ سوشلزم سرمایہ داری کی جگہ لینے کے لئے آتا ہے۔

یہ دونوں رجحانات سماجی نشوونما کی ضروریات سے جنم لیتے ہیں اور تاریخی لحاظ سے ترقی پسند ہیں۔ لیکن سرمایہ داری کے تحت وہ مسخ شدہ شکلیں اختیار کرتے ہیں جو ان کے معروضی طور پر ترقی پسند مافیہ سے میل نہیں کھاتیں۔ سامراج بہت ہی بڑے بین الاقوامی بینکوں اور ٹرسٹوں اور ایک ہمہ گیر عالمی معیشت کی تخلیق کرتا ہے اور سماج کی معاشی، سیاسی اور ثقافتی زندگی کو روزافزوں طور پر متحد کرتا اور اسے بین الاقوامی بناتا ہے لیکن سرمایہ دار اجارہ داریوں کے غلبے کے تحت قوموں کا یہ اتحاد ان کے نزدیک آنے" کا یہ عمل ایک زیادہ طاقتور اور زیادہ ترقی یافتہ قوم کے ہاتھوں ایک دوسری قوم پر تشدد، نوآبادیاتی لوٹ کھسوٹ اور ظلم کے ذریعہ ہی وقوع پذیر ہو سکتا ہے۔ سامراج کے تحت تمام چھوٹی اور بڑی قومیں اور بڑے بڑے براعظم مٹھی بھر سامراجی قزاقوں کے ہاتھوں، جنھوں نے مظلوم قوموں کی اپنے آپ کو آزاد کرانے کی ہر کوشش کو سختی کے ساتھ کچل دیا، نوآبادیاتی توسیع کا شکار ہو گئے۔ قوموں کو متحد کرنے، انھیں ایک دوسرے کے قریب لانے کا رجحان قومی آزادی اور قومی ریاستوں کی تشکیل کے رجحان کے ساتھ غیر مفاہمانہ طور پر متصادم ہوتا ہے۔

قومی تعلقات کے نشوونما میں ان رجحانات کا انعکاس بورژوا آئیڈیالوجی اور سیاست میں ہوتا ہے جو قوم پرستی کی شکل اختیار کرتا ہے۔ مارکسزم-لینن ازم بورژوا قوم پرستی کے ہر قسم کے مظاہرے کا کٹر دشمن ہے، لیکن اسی کے ساتھ یہ غالب قوموں کی قوم پرستی (بڑی طاقت کی جارحانہ قوم پرستی اور نسل پرستی) اور مظلوم قوموں کی قوم پرستی کے درمیان فرق بھی کرتا ہے۔ بڑی طاقت کی جارحانہ قوم پرستی

اور نسل پرستی جو ایک قوم پر دوسری قوم کے غلبے کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہیں، رجعت پرست آئیڈیالوجی ہیں اور مزدور طبقہ انھیں مسترد کرتا ہے۔ دوسری طرف، مظلوم قوموں کی قوم پرستی میں آزادی کے لئے اور سامراج کے خلاف جدوجہد کا ایک لازمی جزو شامل ہوتا ہے جو ترقی پسند ہوتا ہے اور اسی لئے پرولتاریہ اس کی حمایت کرتا ہے۔ لینن نے لکھا ہے، "کسی بھی مظلوم قوم کی بورژوا قوم پرستی ایک عمومی جمہوری مافیہ کی حامل ہوتی ہے جس کا رخ ظلم کے خلاف ہوتا ہے اور یہی وہ مافیہ ہے جس کی ہم غیر مشروط طور پر حمایت کرتے ہیں۔" بہت سے ایشیائی اور افریقی ممالک کی قوم پرستی آج اس کی ایک مثال ہے۔ جو چیز اس قوم پرستی کو ایک ترقی پسند مافیہ عطا کرتی ہے وہ ہے سامراج، نوآبادیاتی نظام، جاگیردارانہ رجعت پرستی اور پسماندگی کے خلاف جدوجہد، جو عوام کے اور بالخصوص کروڑوں کسانوں کے سیاسی شعور کو بیدار کرتی ہے۔

قومی آزادی کی تحریک میں قومی بورژوازی کے تاریخی لحاظ سے ترقی پسندانہ رول کی عارضی نوعیت کی بنا پر مظلوم قوموں کی قوم پرستی میں ترقی پسندانہ رجحان مستقل نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ مارکسی پارٹی مظلوم قوموں کی جدوجہد آزادی کی حمایت کرتے ہوئے محنت کش عوام کو ہر قسم کی بورژوا قوم پرستی کے اثر سے بچانے کی کوشش کرتی ہے، کیونکہ یہ قوم پرستی پرولتاری بین الاقوامیت پسندی کے ساتھ یعنی اس آئیڈیالوجی کے ساتھ میل نہیں کھاتی جو ساری دنیا کے محنت کش عوام کی یک جہتی کا اعلان کرتی ہے۔ مارکسی پارٹی کسی بھی سماجی تحریک میں طبقاتی جدوجہد کے فیصلہ کن رول کا مظاہرہ کر کے اور تمام ممالک کے مزدوروں کے اتحاد کا نعرہ بلند کر کے بورژوا قوم پرستی کی آئیڈیالوجی کے خلاف جدوجہد کرتی ہے۔ اس طرح یہ محنت کش عوام کے ذہنوں میں پرولتاری بین الاقوامیت پسندی کے تصورات کو مستحکم کرتی ہے۔

۳۔ قومی آزادی کیلئے قوموں کی تحریک کی پیشقدمی اور سامراج کے نوآبادیاتی نظام کی شکست و ریخت

نوآبادیاتی نظام کی شکست و ریخت۔ سامراجیوں کے ہاتھوں نوآبادیوں اور محکوم ممالک کے ہمارے عہد کی ایک امتیازی خصوصیت: وحشیانہ اور غیر انسانی استحصال نے نوآبادیاتی ظلم کے خلاف اور خود مختاری اور قومی آزادی کی حمایت میں جدوجہد کو جنم دیا۔

اکتوبر کے عظیم سوشلسٹ انقلاب نے قومی آزادی کی تحریک کو زبردست بڑھاوا دیا۔ اس انقلاب نے مشرق کو بیدار کر دیا اور نوآبادیاتی قوتوں کو عالمی انقلابی تحریک کے ختر کر دھارے میں شامل کر لیا۔ سوویت یونین مظلومین کے لئے سیاسی اور اخلاقی حمایت کا ایک کبھی نہ خشک ہونے والا سرچشمہ بن گیا۔

دوسری عالمی جنگ، متعدد یورپی اور ایشیائی ممالک میں سوشلسٹ انقلاب کی فتح اور عالمی سوشلسٹ نظام کی تشکیل کے بعد دنیا میں طاقتوں کے نئے تعلق باہمی نے قومی آزادی کی جدوجہد کے لئے خاص طور پر سازگار حالات پیدا کئے۔ سامراج نے قوموں کی اکثریت کی قومی آزادی اور خودمختاری چھین لی اور انھیں وحشیانہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا، لیکن جیسا کہ سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کے پروگرام میں کہا گیا ہے، سوشلزم کا ظہور مظلوم قوموں کی آزادی کے عہد کی آمد کی نشان دہی کرتا ہے۔ قومی آزادی کے انقلابات کی ایک طاقتور لہر نوآبادیاتی نظام کو بہائے لئے جا رہی ہے اور سامراج کی بنیادوں کو کمزور کر رہی ہے۔ سابق نوآبادیوں اور نیم نوآبادیوں میں نئے آزاد ممالک نمودار ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں۔

ایشیا کی شکل میں بنیادی تبدیلیاں آ چکی ہیں اور افریقہ میں نوآبادیاتی نظام ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے۔ جنگ کے بعد کے برسوں کے دوران درجنوں ممالک نے اپنی قومی آزادی حاصل کر لی ہے۔ لاطینی امریکہ، جس پر سامراجیوں نے سالہا سال تک بلا شرکت غیرے حکومت کی ہے، سامراج اور نوآبادیاتی نظام کے خلاف جنگ کرنے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا ہے۔ بہادر کیوبا جس میں عوامی انقلاب کامیاب ہو چکا ہے، قومی آزادی اور سماجی ترقی کی جائز جدوجہد میں لاطینی امریکی برِاعظم کی قوموں کا پرچم بن گیا ہے۔ وہ وقت اب زیادہ دور نہیں ہے جب نوآبادیاتی نظام، جو تاریخ انسانی کی ایک گھناؤنی لعنت ہے، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔ قومی آزادی کی تحریک کے زیر اثر نوآبادیاتی غلامی کے نظام کی شکست و ریخت ایک ایسا نشوونما ہے جو تاریخی اہمیت کے لحاظ سے عالمی سوشلسٹ نظام کی تشکیل کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔

جو چیز نوآبادیاتی نظام کی شکست و ریخت کو اہم بناتی ہے وہ یہ ہے کہ اُس کے سبب کروڑوں عوام تاریخ بنانے کے عمل میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ان نوآزاد خودمختار ممالک کے عوام جنھوں نے نوآبادیاتی سلطنتوں کے کھنڈروں سے جنم لیا، ایک نئی زندگی کے معماروں اور عالمی امور کے سرگرم شرکا کی حیثیت سے، سامراج کو تباہ کرنے والی ایک انقلابی قوت کی حیثیت سے منظرِ عام پر آ گئے ہیں۔ نوآبادیاتی

نظام کا انہدام نوعِ انسانی کے نشو و نما کے ایک نئے دور کی آمد کی علامت ہے۔

وہ قومیں اور قومیتیں جنھوں نے نوآبادیاتی جوئے کو اُتار پھینکا ہے، ہمارے عہد کے بیحد اہم مسئلے یعنی ایک اور عالمی جنگ کو روکنے اور امن قائم کرنے اور اُسے مستحکم بنانے کے مسئلے کو حل کرنے میں، لازمی طور پر اہم حصہ لینگی۔ یہ قومیں سوشلسٹ ممالک کی قوموں کے ساتھ مل کر دنیا کی دو تہائی آبادی کے برابر ہوتی ہیں۔ اور یہ ایک بہت بڑی قوت ہے جو سامراجی جارحیت پسندوں کو پسپا ہونے پر مجبور کرسکتی ہے۔

قومی آزادی کی تحریک کی سماجی ماہیت اور فرائض: مزدور طبقہ اور اسکی مارکسی پارٹی نوآبادیاتی نظام کے سب سے زیادہ کٹر دشمن اور قومی مساوات اور سیاسی آزادی کے سب سے زیادہ پرجوش علمبردار ہوتے ہیں۔ وہ قومی، سامراج دشمن جمہوری انقلاب کے فریضوں کی تکمیل کرتے ہیں اور سماجی ترقی میں رکاوٹ ڈالنے والی رجعت پرست قوتوں کے خلاف لڑتے ہیں۔ قومی آزادی کی تحریک اپنے کردار کے اعتبار سے نہ تو پرولتاری ہوتی ہے اور نہ سوشلسٹ، اور نہ ہی اس کا مقصد سرمایہ داری کا خاتمہ کرنا اور ایک نیا، سوشلسٹ سماج قائم کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ لازمی ہے کہ ہم اس تحریک کی اہمیت میں مبالغہ آرائی سے کام نہ لیں اور اُسے اپنے وقت کی اصل انقلابی قوت نہ سمجھیں۔

قومی آزادی کی تحریک کو سامراج کے خلاف جد و جہد میں اصل انقلابی قوت قرار دینا مزدور طبقے کے تاریخی مشن کے بارے میں مارکسی تعلیم کو مسخ کرنا ہے، یہ چیز ترقی یافتہ سرمایہ دار ممالک میں مزدور طبقے کی تحریک کی اہمیت کو گھٹاتی ہے اور عالمی نشو و نما میں عالمی سوشلسٹ نظام کے روز افزوں فیصلہ کن رول سے انکار کرتی ہے۔

عالمی انقلابی سلسلۂ عمل میں قومی آزادی کی تحریک کے رول میں مبالغہ آرائی ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے عوام کو سوویت یونین اور دیگر سوشلسٹ ممالک سے اور سرمایہ دار ممالک کے مزدور طبقے سے الگ کردیتی ہے، یہ قومی آزادی کی تحریک کو بین الاقوامی مزدور طبقے سے کاٹ دیتی ہے۔ اس قسم کی پالیسی سوشلسٹ نظام اور قومی آزادی کی تحریک، دونوں کو عالمی مزدور طبقے کے عظیم کاز کو سنگین نقصان پہنچا سکتی ہے۔ مظلوم قومیں اپنی آزادی اور ایک پُرمسرت مستقبل کے لئے بین الاقوامی مزدور طبقے کی تحریک کے ساتھ اور ان عوام کے ساتھ جو سوشلزم اور کمیونزم کی تعمیر کر رہے ہیں، متحد ہو کر ہی کامیابی کے ساتھ جد و جہد

کر سکتی ہیں۔

اگرچہ قومی آزادی کی تحریک اپنی ماہیت کے اعتبار سے سوشلسٹ نہیں ہوتی، لیکن یہ ایسے اہم سماجی مسائل کو حل کرنے کی اہل ہوتی ہے اور انھیں حل کرتی ہے جیسے جاگیرداری نظام اور اس کے باقیات کا خاتمہ کرنا، نوآبادیاتی نظام اور سامراجی حکمرانی کے باقی ماندہ اثرات کو ختم کرنا، غیر ملکی اجارہ داریوں کو محدود کرنا اور انھیں نکال باہر کرنا، ایک قومی صنعت کو فروغ دینا، بنیادی زرعی اصلاحات کرنا، سیاسی آزادی کو مستحکم کرنا، امورِ خارجہ میں ایک آزاد امن پسند پالیسی پر عمل پیرا ہونا اور وسیع جمہوری خطوط پر سماجی زندگی کی از سرِ نو تعمیر کرنا۔

اِن عمومی جمہوری، قومی مسائل کے حل کی سامراجی قوتوں کی جانب سے خوفناک مزاحمت کی جاتی ہے۔ یہ قوتیں سابقہ نوآبادیوں اور نیم نوآبادیوں کو سرمایہ دارانہ معاشی نظام میں شامل رکھنے، انھیں اپنی رجعت پرست، جارحانہ پالیسی کے دائرے میں گھسیٹنے کی کوشش کرتی ہیں۔ چنانچہ سامراج اور بالخصوص امریکی سامراج کے خلاف جو نوآبادیاتی نظام کی اصل پشت پناہ ہے، پُر استقامت جدوجہد قومی آزادی کے انقلاب کی کامیابی کے لئے بنیادی لازمی شرط ہے۔

ایک قوم کی ساری ترقی پسند قوتیں، نوآبادیوں میں قومی جمہوری فریضوں کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے متحد ہو سکتی ہیں اور متحد ہو جاتی ہیں۔ اس جدوجہد میں مزدور طبقے کے ساتھ کسانوں کے وسیع حلقے، دیگر متوسط گروہ نیز قومی بورژوازی کا وہ حصّہ بھی شامل ہوتا ہے جو سامراج دشمن انقلاب کے اصل فریضوں، یعنی ایک مقامی معیشت اور منڈی کی تخلیق اور غیر ملکی سامراجیوں کی دست اندازیوں کے خلاف اُن کے تحفظ کے فریضوں کی تکمیل سے معروضی طور پر دلچسپی رکھتا ہے۔ ایک قوم کی تمام ترقی پسند، محبِ وطن قوتوں کا ایک بلاک جو مکمل قومی آزادی کے لئے، وسیع جمہوریت کے لئے اور قومی آزادی کے انقلاب کی تکمیل کے لئے لڑ رہا ہو، قومی جمہوریت کے لئے سیاسی بنیاد کا کام دے سکتا ہے۔ ایک قومی جمہوریت کی تشکیل اور فروغ سے ایسے ممالک کے عوام کے سامنے جو معاشی لحاظ سے کم ترقی یافتہ ہوں، وسیع امکانات روشن ہوتے ہیں۔

قومی آزادی کی تحریک میں قومی بورژوازی کی شرکت جدوجہد کے ترقی پسندانہ کردار کو تبدیل نہیں کر دیتی۔ تاہم ایک مظلوم قوم کے مزدور طبقے کے لئے بورژوازی اور دوسری سماجی قوتوں کے ساتھ ملکر

قدم اُٹھاتے وقت بورژوازی کی عدم استقامت، ان کے عدم استحکام اور سامراج اور جاگیرداری کے ساتھ اس کے سمجھوتہ کر لینے کے رجحان کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

مزدور طبقے اور کسانوں کے درمیان اتحاد قومی آزادی کی تحریک کی سب سے زیادہ اہم قوت ہوتا ہے۔ اس اتحاد کے بغیر قومی آزادی، گہری جمہوری اصلاحات اور سماجی ترقی کو حاصل کرنا اور اُن کا دفاع کرنا ناممکن ہوتا ہے۔

نوآبادیوں کی قوموں اور قومیتوں کی آزادی اور خود مختاری کے لئے جدوجہد کرتے ہوئے مزدور طبقہ اور اسکی مارکسی پارٹی قومی آزادی کو اپنی جدوجہد کا آخری مقصد نہیں سمجھتے۔ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ سیاسی آزادی حاصل کر لینے کے بعد عوام کو بہت سے اہم مسائل کا سامنا کرنا ہوتا ہے، جن میں سب سے بڑا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ کون سی راہ کو اپنایا جائے۔ سرمایہ دارانہ راہ ترقی کو یا غیر سرمایہ دارانہ راہ ترقی کو

مختلف طبقات اور مختلف سیاسی پارٹیاں اس مسئلے کے مختلف حل تجویز کرتی ہیں۔ بورژوازی قومی نشوونما کو سرمایہ داری کی راہ پر لے جانا اور نجی ملکیت اور استحصال کو برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ یہ اندرونی طبقاتی تضادات سے، جو کہ آزادی کے حصول کے بعد روز افزوں شدت اختیار کر جاتے ہیں فائدہ اُٹھانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ یہ تضادات جیسے جیسے بڑھتے جاتے ہیں، ویسے ویسے اندرونی رجعت پرستوں اور بیرونی سامراجی قوتوں کے ساتھ بورژوازی کے گٹھ جوڑ کر لینے کے امکانات بھی وسیع ہو جاتے ہیں اسکے برعکس، محنت کش عوام خود اپنے تجربے سے یہ جانتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ راہ میں اُنکے لئے کچھ نہیں رکھا ہے، یہ کہ سرمایہ داری کا راستہ عوام کے مصائب کا راستہ ہے۔ عوام اس بات کو سمجھنے لگے ہیں کہ سوشلزم امن و آزادی کا واحد راستہ ہے۔ صرف سوشلزم ہی سابقہ نوآبادیوں اور محکوم ممالک کی صدیوں پرانی پسماندگی کا خاتمہ کر سکتا ہے، اُن کی تیز رفتار معاشی اور ثقافتی ترقی کی ضمانت فراہم کر سکتا ہے، عوام کی مادی اور روحانی ضروریات کو پورا کر سکتا ہے اور انہیں استحصال، افلاس اور فاقہ کشی سے ہمیشہ کے لئے نجات دلا سکتا ہے اور ایک اور عالمی جنگ کے خطرے سے بچا سکتا ہے۔

ضروری ہے کہ ہر قوم اپنی راہ کا خود انتخاب کرے۔ دنیا میں قوتوں کے تعلق باہمی کے موجودہ حالات میں، جبکہ نوآبادیاتی نظام سے آزاد ہونے والے عوام عالمی سوشلسٹ نظام سے کافی حمایت حاصل کر سکتے ہیں، وہ اس سوال کو خود اپنے مفادات کے مطابق حل کر سکتے ہیں یعنی غیر سرمایہ دارانہ

راہ کا انتخاب کرسکتے ہیں۔ مزدور طبقے، عوام اور تمام قومی جمہوری اور سامراج دشمن قوتوں کی سرگرم جدوجہد ایک ملک کو غیر سرمایہ دارانہ راہ پر گامزن ہونے کا اہل بناتی ہے اور اس طرح قوم کی بھاری اکثریت کے مفادات کو پورا کرتی ہے۔ چنانچہ اس طرح قومی آزادی کی جدوجہد کے عمل کے دوران سوشلسٹ تبدیلیوں کے لئے ضروری حالات تشکیل پاتے ہیں۔

۴۔ سوشلزم اور قومیں

سوویت یونین میں قومی مسئلے کا حل: سرمایہ دارانہ سماج جو نجی ملکیت اور استحصال پر مبنی ہوتا ہے اور قوموں کے درمیان بغض وعناد کو جنم دیتا ہے، قومی مسئلے کو حل کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔ صرف سوشلزم ہی استحصال اور طبقاتی مخاصمت کا خاتمہ کرکے، قومی عناد کا خاتمہ کرسکتا ہے اور قوموں کی حقیقی ترقی، اُن کے درمیان باہمی اعتماد اور اتحاد کی ضمانت فراہم کرسکتا ہے۔ مارکس اور اینگلز نے کمیونسٹ مینی فیسٹو میں لکھا ہے، "جس تناسب سے ایک فرد کے ہاتھوں دوسرے فرد کے استحصال کا خاتمہ ہوگا، اسی تناسب سے ایک قوم کے ہاتھوں دوسری قوم کے استحصال کا بھی خاتمہ ہوجائے گا۔ جس تناسب سے (ایک) قوم کے اندر طبقات کے درمیان مخاصمت کا خاتمہ ہوگا، اسی تناسب سے ایک قوم کے ساتھ دوسری قوم کی مخاصمت بھی ختم ہوجائے گی۔"

لینن نے قومی مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایک ٹھوس پروگرام تیار کیا، ایک ایسا پروگرام جو قوموں کی ترقی اور انہیں ایک دوسرے کے قریب لانے کا تقاضہ کرتا ہے۔ اس پروگرام کے بنیادی اصول یہ ہیں: سوشلسٹ خطوط پر زندگی کی مکمل جمہوری تعمیرِنو، تمام علاقوں اور قوموں کی حقیقی مساوات کا قیام، قوموں کو علاحدہ ہوجانے اور اپنی خودمختار ریاستیں قائم کرلینے کے حق سمیت حق خوداختیاری دینا اور ملک میں تمام قومیتوں کے مزدور طبقے کی بین الاقوامی یکجہتی کا قیام۔ اس قومی پروگرام نے جو چھوٹی اور بڑی تمام قوموں کے احترام اور اُن کی اہم ضروریات اور امنگوں کے لحاظ پر مبنی ہے، روس کے متعدد قومیتوں کے مزدوروں اور کسانوں کو مزدور طبقے کی قیادت میں ایک ناقابل شکست اتحاد میں مدغم ہونے میں مدد دی، یہ اتحاد ان بنیادی عوامل سے ایک تھا جنھوں نے اکتوبر کے عظیم سوشلسٹ انقلاب کی فتح کی ضمانت دی۔

روس میں سوشلسٹ انقلاب نے قومی استبداد کی زنجیروں کو توڑ دیا، قوموں اور قومیتوں کے مابین پرانی دشمنی کو ختم کر دیا اور اُن کے ہمہ گیر تعاون اور ایک دوسرے کے قریب آنے کی راہ صاف کر دی۔ اس نے انہیں اپنی قسمت کا خود فیصلہ کرنے اور اپنی قومی ریاستوں، معیشت اور ثقافت کو فروغ دینے کا حق دیا۔

سوویت کمیونسٹ پارٹی اور سوشلسٹ ریاست نے سوویت اقتدار کے اولین دنوں ہی سے قومی مسئلہ پر انتہائی گہری توجہ دی ہے۔ ۱۵ نومبر ۱۹۱۷ء کو ہی سوویت حکومت نے "روس کی قوموں اور قومیتوں کے حقوق کا اعلان نامہ" منظور کیا جس میں ملک کی تمام قومیتوں اور قوموں کی مساوات اور خود مختاری کا، علاحدہ ہو جانے اور اپنی آزاد ریاستیں قائم کر لینے کے حق سمیت اُن کے غیر محدود حق خود اختیاری کا، تمام قومی مراعات اور پابندیوں کے خاتمے کا اور قومی اقلیتوں اور نسلی گروہوں کی آزادانہ ترقی کا اعلان کیا گیا تھا۔

اس اعلان نامے نے قومی استبداد کا خاتمہ کر دیا اور ملک کی تمام قوموں اور قومیتوں کے لئے سیاسی اور قانونی مساوات قائم کر دی۔ اسی کے ساتھ تمام قوموں اور قومیتوں کے رضاکارانہ طور پر ایک ریاست میں متحد ہو جانے کی مضبوط بنیاد بھی پڑ گئی۔ یہ اتحاد سوویت سوشلسٹ جمہوریاؤں کی یونین (سوویت یونین) کے قیام (۳۰ دسمبر ۱۹۲۲ء) کے ذریعہ حاصل ہوا۔ یہ دنیا کی پہلی کثیرالاقوامی ریاست تھی جو قومی مساوات اور رضاکارانہ اتحاد کی بنیاد پر قائم ہوئی تھی۔ سوویت یونین کی تشکیل نے سوویت جمہوریاؤں کی معاشی اور فوجی قوت کو مضبوط کیا، ان کی سیاسی معیشت کو اور زیادہ مستحکم کیا اور قوموں اور قومیتوں کے ایک دوسرے کے اور بھی زیادہ قریب آجانے اور مل جل کر سوشلزم کی تعمیر کرنے کے لئے ضروری حالات مہیا کئے۔

ظاہر ہے کہ قوموں کی آزادی محض قومی استبداد کے خاتمے اور سیاسی اور قانونی حقوق کے دائرے میں مساوات کے قیام تک محدود نہیں رہ سکتی تھی۔ اصل چیز یہ تھی کہ اس صدیوں پرانی معاشی اور ثقافتی پسماندگی کا خاتمہ کیا جائے جو نئے سماج کو زارشاہی روس سے ورثے میں ملی تھی۔ سوویت سوشلسٹ ریاست اس مشکل فریضے سے نمٹنے میں بھی کامیاب رہی۔ اس نے سابقہ مظلوم قوموں کو آزادانہ ترقی کا نہ صرف حق دیا بلکہ انھیں اپنی پسماندگی پر غالب آنے اور اپنی قومی معیشت اور ثقافت

کی سطح کو بلند کرنے میں بھی مدد فراہم کی۔

پہلی عالمی جنگ اور خانہ جنگی کے ہاتھوں برباد شدہ معیشت کو بحال کرنے کے بعد کمیونسٹ پارٹی اور سوویت حکومت نے ملک میں صنعتیں قائم کرنے کا کام شروع کیا، اور نئی صنعتیں، دھات سازی کی، موٹر سازی کی، برقی سازوسامان کی اور دیگر صنعتیں، سابقہ پسماندہ جمہوریاؤں میں تعمیر کی گئیں اور اس طرح ان جمہوریاؤں کی معیشت نے خاص طور پر اعلیٰ شرحوں کے ساتھ ترقی کی۔ یہ بات واضح رہے کہ ان جمہوریاؤں کی ترقی کی شرح مجموعی طور پر سوویت یونین کی ترقی کی شرح سے بہت زیادہ تھی۔ مثال کے طور پر سوویت دورِ اقتدار میں ۱۹۶۵ء تک جارجیا میں ایک ہزار سے زیادہ صنعتی ادارے اور آرمینیا میں پانچسو سے زیادہ فیکٹریاں، کانیں اور بجلی گھر تعمیر کئے گئے۔ زراعت نے بڑے پیمانے کے کوآپریٹو خطوط پر ترقی کی ہے اور اس میں مشینوں کا استعمال وسیع پیمانے پر ہو رہا ہے۔ خود عوام بھی بدل گئے ہیں۔ اب تمام جمہوریاؤں میں بہت سے بامہارت مزدور اور دانشور موجود ہیں۔ سوویت یونین کے عوام نے اپنی ثقافت میں نیز اپنی معاشی زندگی میں ایک انقلاب برپا کر دیا ہے۔

خواندگی تمام جمہوریاؤں میں عام ہے اور ہر جمہوریہ میں بہت سے اسکول، یونیورسٹیاں، تحقیقاتی و ثقافتی ادارے وغیرہ موجود ہیں۔ ایک نئی ثقافت، جو اپنے مافیہ کے لحاظ سے سوشلسٹ اور شکل کے لحاظ سے قومی ہے، عالم وجود میں آئی ہے۔ سوویت غیر روسی جمہوریاؤں نے ثقافتی ترقی کے میدان میں نہ صرف مشرق کے سرمایہ دار ممالک کو بلکہ مغرب کے ترقی یافتہ سرمایہ دار ممالک کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

سوویت یونین میں سوشلزم کی فتح کے نتیجے میں سابقہ غیر روسی علاقے اب معاشی اور ثقافتی لحاظ سے پسماندہ، زرعی اور محض خام مال مہیا کرنے والے علاقے نہیں رہے ہیں جیسا کہ وہ زارشاہی روس میں تھے، اور ایسی سوشلسٹ ریاستیں بن گئے ہیں جو ایک اعلیٰ ترقی یافتہ صنعت اور زراعت اور خود اپنے مزدور طبقے اور دانشوروں کے وسیع حلقے کی حامل ہیں۔

بورژوا قومیں کیفیتی لحاظ سے نئی، سوشلسٹ قوموں میں بدل گئی ہیں۔ بہت سی قومیتیں ایک نئی سماجی۔ معاشی بنیاد پر سوشلسٹ قومیں بن گئی ہیں۔ ان میں سے بہت سی قومیں سرمایہ دارانہ مرحلے سے گزرے بغیر آگے بڑھ گئی ہیں اور دوسری ترقی یافتہ قوموں کی مدد سے ترقی یافتہ قوموں کی سطح تک

جا پہنچی ہیں۔

سوویت یونین میں قوموں نے بلند تر قومی حد بندیاں قائم کر کے اور قومی علاحدگی اور خود غرضی میں شدت پیدا کر کے ترقی حاصل نہیں کی ہے، جیسا کہ سرمایہ داری کے تحت ہوتا ہے، بلکہ ایک دوسرے کے قریب آکر، اپنی برادرانہ باہمی اعانت اور دوستی کو فروغ دے کر ترقی حاصل کی ہے۔ ہر قوم کی موثر اور ہمہ گیر ترقی، اور پرولتاری بین الاقوامیت پسندی کے اصولوں کی بنیاد پر سوشلسٹ قوموں کا روز افزوں طور پر ایک دوسرے کے قریب آنا، سوشلزم کے تحت قومی مسئلے کے یہ دو باہم مربوط ترقی پسند رجحانات ہیں۔ نتیجتہً، سوویت یونین میں مشترکہ خصوصیات کے حامل مختلف قومیتوں کے عوام کی ایک نئی تاریخی برادری، یعنی سوویت عوام صورت پذیر ہوئے ہیں۔ وہ ایک مشترکہ سوشلسٹ مادر وطن یعنی سوویت یونین، ایک مشترکہ معاشی بنیاد، یعنی سوشلسٹ معیشت، ایک مشترکہ سماجی طبقاتی ڈھانچے، ایک مشترکہ عالمی نقطۂ نظر یعنی مارکسزم۔لینن ازم اور ایک مشترکہ مقصد، یعنی کمیونزم کی تعمیر کے مقصد کے حامل ہیں، نیز اپنی روحانی تشکیل اور نفسیات میں بہت سی مشترکہ خصوصیات رکھتے ہیں۔

قومی مسئلے پر لینن کے تیار کردہ مارکسی پروگرام کو سوویت یونین میں مکمل طور پر عملی جامہ پہنایا گیا ہے۔ سوویت یونین میں سوشلسٹ پیداواری تعلقات کی غیر منقسم حکمرانی نے قوموں کے درمیان منفرد قسم کے تعلقات کے برادرانہ تعاون اور باہمی اعانت کے تعلقات کے قیام کے لئے بنیاد کا کام دیا ہے، اور یہ چیز ملک کی طاقت کا ایک اہم سرچشمہ ہے۔ قومی مسئلے کو، جو نشو و نما کے پیچیدہ ترین اور نازک ترین مسائل میں سے ایک ہوتا ہے، سوویت یونین میں مکمل طور پر حل کیا جا چکا ہے۔ یہ مارکسزم۔لینن ازم کی، پرولتاری بین الاقوامیت کے تصورات کی ایک شاندار فتح ہے۔

قومی تعلقات کے دائرے میں سوویت یونین کے تجربے نے یہ بات قطعی طور پر ثابت کر دی ہے کہ صرف سوشلسٹ انقلاب ہی قومی استبداد کے مکمل خاتمے کے لئے، آزاد اور مساوی قوموں اور قومیتوں کے رضاکارانہ طور پر ایک ریاست میں متحد ہو جانے کے لئے اور قوموں کی حقیقی ترقی اور ان کے ایک دوسرے کے قریب آنے کے لئے حالات پیدا کرتا ہے۔ اس تجربے سے اب عالمی سوشلسٹ نظام کے ممالک ہر ایک ملک کے اندر اور سوشلسٹ ممالک کے مابین، دونوں صورتوں میں، قومی مسئلے کے حل کے لئے استفادہ کر رہے ہیں۔ یہ قیمتی تجربہ نوآزاد ممالک کی قوموں کے لئے جنھوں نے نوآبادیاتی زنجیروں کو توڑ دیا ہے اور ان قوموں

کے لئے جو نوآبادیاتی نظام سے نجات کے لئے جدوجہد کر رہی ہیں۔ دونوں ہی کے لئے زبردست اہمیت کا حامل ہے۔ اِن قوموں کے لئے سوویت قوموں اور قومیتوں کی کامیابیاں سامراج اور نوآبادیاتی نظام کے خلاف خود اُن کی اپنی سخت جدوجہد میں جوش و جذبے اور طاقت کے سرچشمے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اُن کے لئے سوشلسٹ قوموں کا حال خود اُن کے اپنے مستقبل کا ایک نمونہ ہے۔

کمیونزم کی تعمیر کے عمل کے دوران قوموں کا مکمل یجا ہوتے کی کمیونسٹ تعمیر، کمیونزم کی ایک دوسرے کے مزید قریب آجانا؛ مادی اور فنی بنیاد کی تخلیق، سوویت یونین میں قومی تعلقات کے فروغ کا ایک نیا مرحلہ ہے جو قوموں کے ایک دوسرے کے مزید قریب آنے اور اُن کے مکمل اتحاد کی نشان دہی کرتا ہے۔

یہ مرحلہ یونین جمہوریاؤں کی مزید ہمہ گیر ترقی، اُن کے درمیان تقسیمِ محنت کی مسلسل بہتری، موجود معاشی تعلقات کی توسیع اور نئے معاشی تعلقات کے قیام کو بڑھاوا دیتا ہے۔ کمیونسٹ معیشت سوویت جمہوریاؤں کے درمیان قریبی ترین روابط کی متقاضی ہے۔ جیسے جیسے سوویت یونین کمیونزم کی جانب پیش قدمی کرتا جائے گا، ہر جمہوریہ ملک کی پیداواری قوتوں کو فروغ دینے کے مشترکہ فریضے کی تکمیل میں زیادہ بڑا حصّہ لے گی اور سوشلسٹ قومیں معاشی لحاظ سے ایک دوسرے کے اور بھی زیادہ قریب آتی جائیں گی۔ اس چیز کو نئے صنعتی مراکز کی تعمیر، قدرتی وسائل کی دریافت اور اُن سے استفادہ، اچھوتی زمینوں اور دور دراز علاقوں کو زیرِ کاشت لانے اور ہر قسم کی ٹرانسپورٹ کو فروغ دینے سے مدد ملے گی۔ ان تمام چیزوں سے قوموں کے درمیان روابط کو نیز پیداوار کے فنی علم اور ثقافتی کامیابیوں کے تبادلے کو وسعت حاصل ہوگی۔

کمیونسٹ تعمیر کے عمل کے دوران قوموں کے ایک دوسرے کے قریب آنے کا مطلب یہ ہوگا کہ یونین جمہوریاؤں کے درمیان سرحدیں اپنی سابقہ اہمیت کھو دیں گی۔ یہ بات قابلِ فہم بھی ہے، کیوں کہ سوویت دیس کی تمام قوموں کو مساوی حقوق حاصل ہیں، اُن کی زندگی ایک سوشلسٹ بنیاد پر استوار ہے، ہر قوم کی مادی اور روحانی ضروریات مساوی پیمانے پر پوری کی جاتی ہیں۔ وہ سب کی سب مشترکہ اہم مفادات کے ذریعہ متحد ہیں، ایک خاندان کی رکن ہیں اور ایک مقصد کی جانب شانہ بشانہ، ایک دوسرے کے ساتھ مِل کر، پیش قدمی کر رہی ہیں۔

ہر سوویت جمہوریہ اپنی آبادی کی ساخت کے لحاظ سے زیادہ کثیر الاقوامی ہوتی جا رہی ہے۔ یہ چیز بھی

سوویت قوموں کے ایک دوسرے کے قریب آنے کی توثیق کرتی ہے۔ تمام جمہوریاؤں میں متنوع ترین قومیتوں سے تعلق رکھنے والے مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے ساتھ رہتے اور کام کرتے ہیں۔ سوویت فیکٹریوں میں بھی بہت سی قومیتوں کے مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے ساتھ کام کرتے ہیں۔

کمیونزم کی تعمیر میں حاصل شدہ کامیابیاں، طبقاتی امتیازات کا خاتمہ اور کمیونسٹ سماجی تعلقات کا فروغ، قوموں کی سماجی یکسانیت میں اضافہ کرنے اور اُن کی ثقافت، اخلاقیات اور طرز زندگی میں مشترکہ کمیونسٹ خصوصیات کو اُجاگر کرنے کے لئے بنیاد کا کام دیتا ہے۔ یہ چیز قوموں کے درمیان اعتماد اور دوستی کو مزید مستحکم کرتی ہے۔ قوموں کا روحانی اتحاد مضبوط تر ہو جاتا ہے۔ ایک بین الاقوامی ثقافت فروغ پاتی ہے جو نوعِ انسانی کی نفیس ترین ثقافتی کامیابیوں کو اپنے اندر جذب کئے ہوئے ہوتی ہے اور تمام قوموں کے لئے مشترک ہوتی ہے۔ بین الاقوامی کردار کی حامل تخلیقات کے ذریعے ہر قوم کی ثقافت کا سرمایہ وسیع ہوتا ہے اور یہ سلسلۂ عمل نوعِ انسانی کی واحد کمیونسٹ ثقافت کی تشکیل کا آغاز کرتا ہے۔

کمیونسٹ تعمیر کے عمل کے دوران قوموں کا ایک دوسرے کے قریب آنا ایک معروضی سلسلۂ عمل ہے۔ لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ خود بخود، روانی کے ساتھ اور بغیر کسی رُکاوٹ کے وقوع پذیر ہوتا ہے۔ سوشلسٹ قوموں کی معاشی اور ثقافتی ترقی اور اُن کے بتدریج ایک دوسرے کے قریب آنے میں قوم پرستی اور شاونیت (جارحانہ قوم پرستی) کے مظاہر اور باقیات کے خلاف، قومی علاحدگی اور تنہا پسندی کے رجحانات کے خلاف، ماضی کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے اور سماجی تضادات کی غلط تاویلیں کرنے کے خلاف اور فرسودہ رسم و رواج اور عادات کے خلاف سخت جدوجہد شامل ہوتی ہے۔

سوویت یونین میں کمیونزم کی فتح کے ساتھ قوموں کے معاشی اور نظریاتی اشتراک میں اضافہ ہوگا، ان کی ثقافت عدیم المثال بلندیوں تک جا پہنچے گی اور ان کی روحانی تشکیل میں کمیونسٹ خصوصیات مکمل طور پر فروغ پا جائیں گی۔

قومیں بالآخر ایک دوسرے میں ضم ہو جائیں گی، لیکن اُن کے درمیان امتیازات کے خاتمے کا سلسلۂ عمل طبقات کے درمیان امتیازات کے خاتمے کے سلسلۂ عمل کے مقابلے میں کافی سست ہوگا۔ کمیونزم کی فتح کے ساتھ طبقاتی امتیازات ختم ہو جائیں گے لیکن قومی اور بالخصوص لسانی امتیازات ایک کافی طویل عرصے تک باقی رہیں گے۔

ہمارے عہد میں، جبکہ عالمی سوشلسٹ نظام وجود میں آچکا ہے اور ترقی پا رہا ہے، قوموں

کے ایک دوسرے کے قریب آنے کا سلسلۂ عمل قومی حدود سے آگے نکل گیا ہے اور اس نے بین الاقوامی اہمیت حاصل کر لی ہے۔ سوشلسٹ ممالک کے درمیان برادرانہ اتحاد اور تعاون کے تعلقات قائم ہوئے ہیں اور سوشلسٹ نظام کی ترقی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ تعلقات ملک کے اعلیٰ ترین قومی مفادات کے عین مطابق ہیں۔ سوشلسٹ ممالک کے درمیان تعاون ہر سوشلسٹ ملک کو سامراجیوں کے دباؤ کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے، خود اپنے وسائل کا معقول ترین اور مکمل ترین استعمال کرنے، اپنی معیشت کو فروغ دینے اور قومی ثقافت کے سرمائے میں اضافہ کرنے کا اہل بنا دیتا ہے۔ سوشلزم اور کمیونزم کی تعمیر میں نئی کامیابیوں کے ساتھ سوشلسٹ برادری کے ممالک کے درمیان مادّی اور روحانی دولت کا تبادلہ فروغ پاتا ہے۔ ان کی طاقت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اُن کا معاشی سیاسی اور نظریاتی اتحاد مضبوط تر ہو جاتا ہے۔ عالمی سوشلسٹ نظام کا ظہور قوموں کے ہمہ گیر طور پر ایک دوسرے کے قریب آجانے کی راہ پر، سوویت یونین کی تشکیل کے بعد، سب سے اہم قدم ہے۔

ستر ھواں باب

ریاست

لینن نے کہا ہے کہ بورژوا ماہرین سماجیات نے دیگر تمام مسائل کے مقابلے میں ریاست کے مسئلے کو سب سے زیادہ اُلجھایا ہے، کیونکہ کوئی اور مسئلہ حکمراں طبقات کے مفادات کو اتنا متاثر نہیں کرتا جتنا کہ ریاست کا مسئلہ۔ بورژوازی کے نظریہ ساز ریاست کو کسی ایسی مافوق الفطرت قوت کی شکل میں پیش کرتے ہیں جو انسان کو قضا و قدر نے ازل سے عطا کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ریاست کا کوئی طبقاتی کردار نہیں ہوتا اور یہ نظم و ضبط قائم رکھنے کا محض ایک بے ضرر "ہتھیار" ہوتی ہے۔ ایک "منصف" ہوتی ہے جس کا کام انسانوں کے درمیان خواہ وہ کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتے ہوں، پیدا ہونے والے تنازعوں کو حل کرنا ہوتا ہے۔ ریاست کے بارے میں اس قسم کا نظریہ بورژوازی کو حاصل شدہ مراعات کو، استحصال اور سرمایہ داری کے وجود کو جائز ثابت کرنے کا کام دیتا ہے۔

۱۔ ریاست کا آغاز اور اس کی نوعیت

ریاست سماج کے تاریخی نشوونما کی پیداوار کی حیثیت سے بورژوا نظریہ سازوں کے برخلاف مارکسسٹوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ ریاست کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو سماج میں کہیں باہر سے آگئی ہو، بلکہ یہ سماج کے اندرونی نشوونما کی پیداوار ہے۔ ریاست مادی پیداوار میں تبدیلیوں کے ذریعہ وجود میں آئی۔ ایک طرزِ پیداوار کی دوسرے طرزِ پیداوار سے تبدیلی ریاستی نظام میں تبدیلی کا سبب بنتا ہے۔

ریاست ہمیشہ سے موجود نہیں رہی ہے۔ قدیم سماج میں جس میں نجی ملکیت اور طبقات موجود نہیں تھے، ریاست بھی موجود نہیں تھی۔ ظاہر ہے کہ بعض سماجی وظائف موجود تھے لیکن یہ وظائف وہ لوگ ادا کرتے تھے جنہیں پورا سماج منتخب کرتا تھا اور سماج کو یہ حق حاصل تھا کہ ان لوگوں کو کسی وقت بھی برطرف کر دے اور نئے لوگوں کو مقرر کر دے۔

جیساکہ ہم دیکھ چکے ہیں، پیداواری قوتوں کی مزید ترقی قدیم سماج کے ٹوٹنے کا سبب بنی۔ نجی ملکیت نمودار ہوئی اور اس کے ساتھ ہی طبقات، یعنی آقا اور غلام بھی نمودار ہوئے۔ نجی ملکیت کو، اس کے مالکوں کی حکمرانی اور سلامتی کو بچانا ضروری ہوگیا! دریں چہ ریاست کو وجود میں لائی۔ ریاست کے آغاز اور اس کی مزید ترقی کے ساتھ خوفناک طبقاتی جدوجہد جاری رہی۔

ریاست طبقاتی سماج کی پیداوار ہے۔ یہ طبقات کے ظہور میں آنے کے ساتھ وجود میں آئی اور طبقات کے ختم ہوجانے کے ساتھ ہی یہ ختم ہوجائے گی۔ لیکن ایسا صرف کمیونسٹ سماج میں ہی ہوگا۔

ریاست کی نوعیت : ایک مخاصمانہ طبقاتی سماج میں ریاست ایک سیاسی ہتھیار ہے اور جیساکہ لینن نے کہا: "ایک طبقے پر دوسرے طبقے کی حکمرانی کو قائم رکھنے کی ایک مشین ہے۔" معاشی طور پر غالب طبقے کے لئے، یعنی وسائل پیداوار کے مالک طبقے کے لئے۔ ریاست مظلوم اور استحصال کے شکار لوگوں کو کچلنے کا ایک طاقتور ہتھیار ہے۔ ریاست نہایت واضح طبقاتی کردار کی حامل ہوتی ہے۔ یہ سماج کی معاشی بنیاد پر استوار بالائی ڈھانچے کا ایک اہم حصہ ہوتی ہے، اور اس بنیاد کو مضبوط کرنے اور اس کا تحفظ کرنے کے لئے ہر قدم اٹھاتی ہے۔

ریاست کی اہم خصوصیت سماجی طاقت کا وجود ہے جو ساری آبادی کے مفادات کی ترجمانی نہیں کرتی بلکہ اس طبقے کے مفادات کی ترجمانی کرتی ہے جو معاشی لحاظ سے غالب ہوتا ہے۔ یہ طاقت مسلح قوت، یعنی فوج اور پولیس پر قائم ہوتی ہے۔

قدیم سماج میں تمام انسان مسلح ہوتے تھے۔ لیکن ایک ایسے سماج میں جو مخاصمانہ طبقات میں بٹا ہوا ہوتا ہے مسلح افواج حکمراں طبقے کے ہاتھ میں ہوتی ہیں اور انھیں عوام کو کچلنے کے لئے، عوام کو استحصال کنندوں کے ایک چھوٹے گروہ کے تابع رکھنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ نمائندہ ادارے (پارلیمنٹیں) نوکرشاہی انتظامیہ جو سول حکام کی ایک پوری فوج پر مشتمل ہوتی ہے، سراغ رسانی کے ادارے، عدالتیں اور جیلیں، یہ سب کی سب چیزیں اسی مقصد کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔ یہ ساری چیزیں مل کر استحصالی ریاست کی سیاسی طاقت کی تشکیل کرتی ہیں۔

جیسے جیسے طبقاتی تضادات گہرے ہوتے جاتے ہیں اور طبقاتی جدوجہد بڑھتی جاتی ہے، ویسے ویسے ریاستی مشین پھیلتی جاتی ہے۔ یہ سلسلہ عمل عصر حاضر کے سرمایہ دارانہ سماج میں خاص طور پر شدید ہے

جبکہ ریاستی مشین اور مسلح افواج کی وسعت میں بے پایاں اضافہ ہوا ہے۔ اس زبردست ریاستی مشین اور مسلح افواج کی پرورش عوام کیلئے ایک بھاری بوجھ ہوتی ہے خاص طور سے آج کے حالات میں جبکہ سامراجی ملقے ہتھیاروں کی دوڑ میں مصروف ہیں۔

قدیم سماج میں لوگ خونی رشتوں پر مبنی گروہوں میں رہتے تھے، لیکن ریاست میں آبادی علاقوں کے لحاظ سے گروہوں میں بٹی ہوئی ہے (علاقوں، ضلعوں، خطوں وغیرہ میں)۔ علاقائی بندوبست پیداوار کی ترقی کا، بڑھتی ہوئی تقسیم محنت کا اور تجارت اور تبادلۂ جنس کے فروغ کا نتیجہ ہے۔

۲۔ ریاست ایک استحصالی سماج میں

استحصالی ریاستوں کے وظائف: ایک استحصالی سماج (غلامی کا، جاگیرداری یا سرمایہ دارانہ سماج) کی ریاست کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حکمراں طبقے کے مفادات کا خود اندرونِ ملک دوسرے طبقات کے ساتھ تعلقات میں اور بیرونِ ملک، دوسری ریاستوں کے ساتھ تعلقات میں تحفظ کرے۔ چنانچہ ایک ریاست کی سرگرمیوں میں دو خاص رجحانات یا وظائف ہوتے ہیں، اندرونی اور بیرونی۔ اندرونی وظیفہ ہی اصل وظیفہ ہوتا ہے اور یہ ایک ریاست کے تمام بیرونی امور کا تعین کرتا ہے۔

ایک استحصالی ریاست کا اندرونی وظیفہ محنت کش عوام پر کنٹرول رکھنا اور انھیں ظالموں کے ایک چھوٹے سے گروہ کے تابع رکھنا ہوتا ہے۔ یہ چیز ریاست کی طبقاتی نوعیت کی عکاسی کرتی ہے اور اسکی اندرونی پالیسی میں، مظلوم طبقات کے خلاف جدوجہد میں ظاہر ہوتی ہے۔ معاشی جبر جسے استحصال کنندگان وسائلِ پیداوار پر اپنی اجارہ داری کی بنا پر استعمال کر سکتے ہیں، اس جدوجہد کو جیتنے کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ انہیں جبر و تشدد کی ایک خصوصی مشین کی، استحصالی ریاست کی ضرورت ہوتی ہے۔

پہلی استحصالی ریاست غلامی کی ریاست تھی۔ اسکے بعد جاگیرداری کی ریاست آئی اور پھر اس کی جگہ سرمایہ دار ریاست نے لے لی۔ اگرچہ ان میں بعض فرق موجود تھے لیکن ان تینوں میں ایک چیز مشترک تھی: عوام کو قابو میں رکھنا اور محنت کش عوام کی ہر اس کوشش کو کچل دینا جس کا مقصد خود کو استحصال سے آزاد کرانا ہو۔

آقاؤں کی ریاست نے ان غلاموں کو ہتھیاروں کے ذریعے کچل دیا جو اپنے آقاؤں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے تھے جاگیرداری ریاست نے کسانوں کو زمینی جاگیروں سے زبردستی باندھ دیا اور اُن کسانوں کو ظالمانہ سزائیں دیں جنھوں نے زمیندار کے لئے کام کرنے سے انکار کیا تھا۔ بہت سی کسان بغاوتیں خون میں نہاکر ختم ہوگئیں۔ سرمایہ دار ریاست اگرچہ جمہوری لبادے میں نمودار ہونا پسند کرتی ہے، لیکن یہ بھی محنت کش عوام کو دبانے کی ایک مشین ہوتی ہے۔ اس کا اصل مقصد نجی سرمایہ دارانہ ملکیت کا تحفظ کرنا، اُجرتی غلامی کو برقرار رکھنا اور پرولتاریہ کی انقلابی تحریک کو کچلنا ہوتا ہے۔

استحصالی ریاست کا بیرونی وظیفہ غیر ممالک کے علاقوں پر قبضہ کرنا یا خود اپنے علاقے کو حملے سے بچانا ہوتا ہے۔ یہ چیز دوسری ریاستوں کے ساتھ ریاست کے تعلقات کی عکاسی کرتی ہے اور اس کا اظہار ریاست کی خارجہ پالیسی میں ہوتا ہے۔ خارجہ پالیسی اندرونی (یا داخلی) پالیسی سے جنم لیتی اور اسی کا ایک تسلسل ہوتی ہے۔ عصرِ حاضر کے سامراج کی رجعت پرستی اور لوٹ کھسوٹ کی خارجہ پالیسی اس کی اس داخلی پالیسی کا فطری تتمہ ہے جو مزدور طبقے اور دیگر ترقی پسند قوتوں کو کچلنے پر مبنی ہے۔

ریاست کی قسمیں اور حکمرانی کی شکلیں: ریاستیں اس طبقے کے مطابق جس کی وہ خدمت کرتی ہیں اور اس معاشی بنیاد کے مطابق جس پر وہ قائم ہوتی ہیں، ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ تاریخ میں چار قسم کی ریاستیں رہی ہیں: غلامی کی ریاست، جاگیرداری ریاست، سرمایہ دار ریاست اور سوشلسٹ ریاست۔ پہلی تین ریاستوں کے برخلاف جو استحصال کرنے والوں کا دفاع کرتی ہیں، سوشلسٹ ریاست ایک نئی قسم کی ریاست ہوتی ہے۔ یہ صحیح معنوں میں عوام کی ریاست ہوتی ہے۔

ہر قسم کی ریاست اپنی حکومت کی خاص شکل کی، یعنی غالب طبقے کی حکمرانی کی تنظیم کی حامل ہوتی ہے۔ حکومت کی شکل کا انحصار ہر ملک کے ٹھوس تاریخی حالات، طبقاتی قوتوں کے رشتۂ باہمی اور بیرونی حالات پر ہوتا ہے۔ حکومت کی شکل خواہ کتنی ہی مختلف کیوں نہ ہو، اس میں خواہ کتنی ہی تبدیلی کیوں نہ ہو جائے لیکن ایک خاص معاشی نظام کے ڈھانچے کے اندر ریاست کی قسم اور اس کی طبقاتی نوعیت غیر تبدیل شدہ رہتی ہے۔

غلامی کے سماج میں حکومت کی مختلف شکلیں تھیں: شخصی حکومت، یعنی ایک شخص کی، بادشاہ

کی حکمرانی، ریپبلک یعنی منتخب شدہ لوگوں کی حکمرانی، اشرافیہ یعنی ایک نسبتہً چھوٹی اقلیت کی حکمرانی، جمہوریت یعنی اکثریت کی حکمرانی۔ ان تمام تر اختلافات کے باوجود غلامی کے عہد میں ریاست آقاؤں کی ہی ریاست تھی۔

جاگیردارانہ سماج میں بھی اسی قسم کی تقسیم نظر آتی ہے۔ جاگیردارانہ ریاست میں بادشاہت، حکومت کی سب سے زیادہ عام شکل تھی لیکن بعض اوقات یہ بھی دوسری شکلوں میں نمودار ہوتی تھی، مثلاً ریپبلک کی شکل میں۔ لیکن شکل خواہ کچھ بھی ہو، جاگیردارانہ ریاست کمیروں اور دستکاروں کو کچلنے کے ایک ہتھیار کا کام دیتی تھی۔

اشکال کا تنوع بورژوا ریاست میں بھی نظر آتا ہے۔ بیشتر یہ ریاست ریپبلک کی شکل میں نمودار ہوتی ہے (امریکہ، فرانس، اٹلی اور دیگر ممالک)۔ سرمایہ داری کے تحت بادشاہت کی شکل خال خال نظر آتی ہے اور بادشاہ کی حکمرانی کو کسی نہ کسی صورت میں آئین یا دیگر قانونی اقدامات کے ذریعہ محدود کر دیا جاتا ہے (برطانیہ اور بلجیم)۔ سامراجی دور میں بورژوازی فاشسٹ آمریت کو بھی بروئے کار لاتا ہے (ہٹلر کا جرمنی، فرانکو کا اسپین وغیرہ)۔ تاہم، بورژوازی کی لامحدود قوت بورژوا ریاست کی کسی بھی شکل کی اہم ترین خصوصیت ہے۔

سماج کے نشو و نما کے ساتھ ساتھ ریاست کی قسمیں اور شکلیں بدلتی گئیں لیکن اس سے بنیادی خصوصیت، یعنی استحصال، پر کوئی اثر نہیں پڑا۔

عصرِ حاضر کی بورژوا ریاست کی رجعت پرستانہ نوعیت بورژوا نظریہ ساز اور سیاستداں سرمایہ دارانہ ریاست کے ترقی پسندانہ رول کا بڑے ذوق شوق سے ذکر کرتے ہیں۔ اُن کا دعویٰ ہے کہ صرف اسی ریاست نے عوام کو مکمل آزادی عطا کی، یہ کہ یہ جمہوریت کی اعلیٰ ترین شکل ہے، یہ کہ یہ "عوام کی عوام کے ذریعہ حکومت" ہے۔

سرمایہ داری کے طلوع کے وقت بورژوا ریاست واقعی بعض ترقی پسندانہ خصوصیات کی حامل تھی۔ اس نے سرمایہ دارانہ پیداواری تعلقات کو جو جاگیردارانہ تعلقات کے مقابلے میں زیادہ ترقی یافتہ تھے، رائج کرنے اور ترقی دینے میں مدد دی۔ لیکن بورژوا ریاست اپنے عروج کے زمانے میں بھی "سب کے لئے جمہوریت" نہیں تھی، بلکہ صرف مخصوص لوگوں کے لئے، بورژوازی کے لئے جمہوریت

تھی لینن نے لکھا ہے کہ سرمایہ دارانہ سماج کی جمہوریت یک بہت ہی حقیر سی اقلیت کی' مالداروں کی جمہوریت ہے۔

بورژوا ریاست، خواہ وہ کسی بھی شکل میں کیوں نہ ہو، سرمایہ داروں کی آمریت ہوتی ہے۔ یہ مزدور طبقے اور تمام محنت کش عوام کو کچلنے کی مشین ہوتی ہے۔ یہ اپنے طبقاتی دشمن کے خلاف مختلف شکلوں اور مختلف درجوں کے جبر و تشدد کا استعمال کرتی ہے۔ سامراج کی آمد کے ساتھ بورژوا ریاست رجعت پرستی کی جانب براہِ راست رُخ اختیار کر لیتی ہے اور سرمایہ داری کی معاشی بنیاد کا، جو کافی عرصہ پہلے ہی تاریخی ترقی میں رکاوٹ بن چکی ہوتی ہے، دفاع کرنے کا مذموم رول اختیار کر لیتی ہے

سامراج ہر دائرے میں، اور سب سے بڑھ کر ریاستی پالیسی کے دائرے میں رجعت پرست ہوتا ہے۔ لینن نے کہا ہے، "خارجہ اور داخلی، دونوں ہی پالیسیوں میں سامراج جمہوریت کی خلاف ورزی کی جانب، رجعت پرستی کی جانب، جد و جہد کرتا ہے۔ اس مفہوم میں سامراج غیر متنازعہ طور پر' عمومی طور پر جمہوریت کی، ہر جمہوریت کی نفی ہے۔"

سامراج کے تحت، ریاستی اجارہ دار سرمایہ داری کو بڑا فروغ حاصل ہو جاتا ہے۔ اس میں اجارہ داریوں کی قوت اور ریاست کی قوت ایک واحد مشین میں مجتمع ہو جاتی ہیں جس کا مقصد اجارہ داریوں کی دولت میں اضافہ کرنا، پرولتاری تحریک اور قومی آزادی کی جد و جہد کو کچلنا، سرمایہ دارانہ نظام کو بچانے کی کوشش کرنا اور جارحانہ جنگیں چھیڑنا ہوتا ہے۔ ریاست اجارہ دار "معززین" کے امور کا نظم و نسق کرنے والی ایک کمیٹی بن کر رہ جاتی ہے اور اُن کے مفادات کے لئے سرمایہ دارانہ پیداواری سلسلۂ عمل میں مداخلت کرتی ہے، متعدد انضباطی اقدامات کرتی ہے اور معیشت کی انفرادی شاخوں پر قبضہ کر لیتی ہے تاکہ اجارہ داریوں کو بیشترین حد تک ممکنہ منافع حاصل ہو سکے۔

عصرِ حاضر کی بورژوا ریاست کی داخلی اور خارجہ پالیسیوں کی رجعت پرستانہ نوعیت کو نہ تو آزادی اور جمہوریت کے بارے میں تقریریں کر کے اور بورژوا دساتیر کا حوالہ دے کر چھپایا جا سکتا ہے اور نہ ہی سرمایہ داری کے "مہذب بنانے" کے مشن کے بارے میں اعلانات کر کے۔ بہت سی سامراجی ریاستوں کے دساتیر میں ایسی دفعات کی کمی نہیں جن میں تمام شہریوں کے لئے ہر قسم کی آزادیوں اور حقوق کا یعنی عام رائے دہی، آزادانہ انتخابات، تحریر و تقریر کی آزادی وغیرہ کا اعلان کیا گیا ہے

لیکن درحقیقت یہ آزادیاں شہریوں کی بھاری اکثریت کے لئے، محنت کش عوام کے لئے زیادہ تر ایک مُردہ لفظ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اِن آزادیوں سے پورا فائدہ صرف بورژوازی اُٹھاتا ہے جو معاشی اور سیاسی غلبے کے تمام تر ہتھیاروں کو کنٹرول کرتا ہے۔

عام، براہِ راست اور مساوی حقِ رائے دہی جس کا اعلان بہت سے سرمایہ دار ممالک کے دساتیر میں کیا جاتا ہے، اکثر و بیشتر محض ایک رسمی حق ہوتا ہے۔ عوام کی ایک بہت بڑی تعداد پابندیوں اور دیگر وجوہات کی بنا پر انتخابات سے خارج رہتی ہے اور خود انتخابات کا بھی حقیقی جمہوریت سے بہت کم تعلق ہوتا ہے۔ بورژوازی پارلیمنٹ میں نشستوں کی اکثریت کو جیتنے کی غرض سے رشوت اور بلیک میل سے لیکر خوف اور دہشت گردی تک دباؤ کے تمام ہتھکنڈوں اور ہر قسم کے مکر و فریب سے کام لیتا ہے، انتخابی مہموں کے دوران بورژوازی اپنی پارٹیوں اور اپنے اُمیدواروں کو مقبول بنانے کی غرض سے پریس، ریڈیو، ٹی وی اور دیگر ذرائعِ ابلاغ پر اپنے کنٹرول کا پورا پورا فائدہ اُٹھاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ منتخب شدہ پارلیمنٹیں عموماً اجارہ داریوں کے مطلب کی ہوتی ہیں۔

"آزاد" سرمایہ دار دنیا میں تقریر و تحریر اور ضمیر کی آزادی اور بہت سی دیگر آزادیوں کے سلسلے میں بھی صورتِ حال اس سے بہتر نہیں ہے۔

سرمایہ داری کی "آزاد دنیا" میں کروڑوں بیروزگار انسان موجود ہیں۔ بالفاظِ دیگر، بورژوازی کی حکمرانی ہر شخص کو کام کرنے کے حق کی ضمانت فراہم کرنے سے بھی قاصر ہے اور آرام کرنے، فرصت کے اوقات گزارنے اور سوشل سیکورٹی کا حق تو بہت دور کی بات ہے۔

سرمایہ دار اور ان کے حواری سرمایہ داری کی جنت کے بارے میں خواہ کتنی ہی لاف و گزاف کیوں نہ کریں، حقیقت یہی رہتی ہے کہ سرمایہ داری مٹھی بھر استحصال کرنے والوں کے ہاتھوں کروڑوں عوام پر ظلم و استبداد کا نظام ہے، یہ ایک ایسا نظام ہے جس میں افلاس اور بڑے پیمانے کی بیروزگاری کا دور دورہ رہتا ہے۔ سامراجی دنیا میں "آزادی" کا مطلب ہے نہ صرف اندرونِ ملک کے مزدور طبقے اور محنت کش عوام کا استحصال کرنے، بلکہ ان دوسرے ممالک میں بھی جو اجارہ داریوں کے چنگل میں ہوتے ہیں، مزدور طبقے اور محنت کش عوام کا استحصال کرنے کی آزادی۔

سامراج کے تحت مالیاتی اجارہ داری حکومت کے انتہائی رجعت پرستانہ طریقہائے کار کا کھلم کھلا

دہشت پسند آمریت کا، فاشزم کا روز افزوں سہارا لیتی ہے۔ یہ اپنے آپ کو عوام کے غیظ و غضب سے بچانے کے لئے فوج اور پولیس کو آخری سہارا سمجھ کر ان پر تکیہ کرتی ہے۔

نوع انسانی یورپ میں ہٹلر اور مسولینی کی فاشسٹ حکومتوں کی خوفناکیوں کو، فاشزم کی چھیڑی ہوئی دوسری عالمی جنگ کی ہولناکیوں کو، بھولی نہیں ہے۔ تاہم، بعض سرمایہ دار ممالک میں فاشزم کی خطرناک علامات دوبارہ ظاہر ہو گئی ہیں۔ ریاست کو سب سے بڑی اجارہ داریوں کے مکمل تابع بنا دینا، معیشت کی عسکریت، ریاستی مشین کا پھیلاؤ، مزدور طبقے اور کمیونسٹ تحریک کے خلاف جنونی مہم، امن کے حامیوں اور دیگر ترقی پسند تنظیموں کے اراکین کے خلاف تعزیری کارروائیاں، نسلی امتیاز اور جمہوری آزادیوں کے باقیات کا خاتمہ۔۔۔ یہ ہے عصر حاضر کی سامراجی ریاستوں کی داخلی پالیسی کا نافہ۔

عصر حاضر کی سامراجی ریاستوں کی خارجہ پالیسی بھی رجعت پرستانہ ہے۔ امریکی اجارہ داریوں کی سربراہی میں سامراجی، خود کو نوآبادیاتی قوموں کی آزادی کا علمبردار ظاہر کرتے ہوئے فی الحقیقت قومی آزادی کی تحریک کے خلاف سخت جدوجہد کر رہے ہیں اور اسی نوآبادیاتی نظام کو جس سے قوموں کو شدید نفرت ہے، نئی شکلوں میں مسلط کر رہے ہیں۔ ان ممالک پر کنٹرول حاصل کرنے کی غرض سے جو پہلے اپنی آزادی حاصل کر چکے ہیں، سامراجی انہیں جارحانہ بلاکوں میں پھانستے ہیں، کم ترقی یافتہ ملکوں کے لئے نام نہاد معاشی "امداد" اور بہت سے دوسرے ذرائع کا استعمال کرتے ہیں۔ وہ رجعت پرست حکومتوں کی حمایت کرتے ہیں، ہتھیاروں کی دوڑ میں مصروف رہتے ہیں، ایک اور جنگ کی تیاری کرتے ہیں اور سوویت یونین اور دیگر سوشلسٹ ممالک کے گرد فوجی اڈوں کا حلقہ قائم کرتے ہیں۔

سامراجی اپنی رجعت پرستانہ داخلی اور خارجہ پالیسیوں پر سوویت یونین اور دیگر سوشلسٹ ممالک کی جانب سے لاحق "کمیونسٹ خطرے" کے خلاف جدوجہد کے پرچم تلے عمل پیرا ہیں، باوجود اس حقیقت کے کہ نہ تو سوویت یونین اور نہ ہی کوئی دوسرا سوشلسٹ ملک کسی کو دھمکی دیتا ہے۔ اسکے برخلاف سوویت یونین کی سربراہی میں سوشلسٹ نظام کے ممالک امن اور سرمایہ دار ممالک کے ساتھ پرامن بقائے باہمی کے لئے انتہائی استقامت کے ساتھ جدوجہد کرتے ہیں۔

اگرچہ ہر بورژوا ریاست استحصال کرنے والوں کا ہتھیار ہوتی ہے، تاہم یہ جو شکل اختیار کرتی ہے وہ مزدور طبقے کے لئے اہمیت رکھتی ہے۔ کھلی آمریت کے بجائے بورژوا جمہوریت اپنی

محدود نوعیت کے باوجود مزدور طبقے کو بورژوازی کے خلاف اور سوشلزم کی حمایت میں کامیاب جدوجہد کے لئے زیادہ سازگار حالات فراہم کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرمایہ دار ممالک میں مزدور طبقہ تمام جمہوری قوتوں کی سربراہی کرتا ہے اور جمہوری آزادیوں اور عوام کے حقوق پر رجعت پرستوں کے حملوں کا ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے۔

۲۔ پرولتاریہ کی آمریت

کمیونسٹ سماج سرمایہ داری سے براہ راست اور فوراً ہی پیدا نہیں ہو جاتا۔ سرمایہ داری اور کمیونزم کے ایک کمتر مرحلے، یعنی سوشلزم کے درمیان "ایک کی دوسرے میں انقلابی تبدیلی کی مدت موجود ہوتی ہے۔ اس سے مطابقت رکھنے والی ایک سیاسی منتقلی کی مدت بھی ہوتی ہے جس میں ریاست پرولتاریہ کی انقلابی آمریت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتی۔" (مارکس۔ اینگلز)

پرولتاریہ کی آمریت کیفیتی لحاظ سے ریاست کی ایک نئی قسم کی حیثیت سے؛ پرولتاریہ کی آمریت کامیاب سوشلسٹ انقلاب اور بورژوا ریاستی مشین کی مکمل تباہی کے نتیجے کے طور پر وجود میں آتی ہے۔ یہ کیفیتی لحاظ سے ریاست کی ایک نئی قسم ہوتی ہے اور اپنی طبقاتی نوعیت، ریاستی تنظیم کی شکلوں اور اس رول کے اعتبار سے جو اُسے ادا کرنا ہے، سابقہ ریاستوں سے بنیادی طور پر مختلف ہوتی ہے۔ ریاست کی تمام سابقہ قسمیں استحصالی طبقات کا ہتھیار تھیں اور انھیں محنت کش عوام کو دبانے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ اُن کا مقصد استحصال کے نظام کو مضبوط تر بنانا اور سماج کی ظالم اور مظلوم طبقوں میں تقسیم کو دائمی بنانا تھا لیکن پرولتاریہ کی آمریت مزدور طبقے کی حکمرانی ہے جو دیگر تمام محنت کش عوام کے ساتھ ملکر سرمایہ داری کو تباہ کر دیتا ہے، اور ایک نئے سماج کی تعمیر کرتا ہے، ایک ایسا سماج جس میں مخاصمانہ طبقات اور استحصال کا وجود نہیں ہوتا۔

اگر ہم سائنسی۔ تاریخی۔ فلسفیانہ اصطلاح، "پرولتاریہ کی آمریت"، کو آسان تر زبان میں بیان کریں تو اس کا مطلب مندرجہ ذیل ہوگا:

"صرف ایک معینہ طبقہ ہی یعنی شہری مزدوروں اور بالعموم فیکٹریوں اور صنعتوں کے مزدوروں (کا طبقہ) ہی سرمائے کے جوئے کو اتار پھینکنے کی جدوجہد میں اس اُتار پھینکنے کے سلسلے میں نتیجے کو قائم رکھنے اور

اُسے مستحکم کرنے کی جد وجہد میں، نئے سوشلسٹ نظام کی تخلیق کے کام میں اور طبقات کے مکمل خاتمے کی ساری جد وجہد میں سارے محنت کش اور استحصال کے شکار عوام کی رہنمائی کرنے کا اہل ہوتا ہے" (لینن)۔

پرولتاریہ کی آمریت مارکسزم کی ماہیت ہے۔ صرف پرولتاریہ کی آمریت ہی، اس کی غیر منقسم قوت ہی پرولتاریہ کو سرمایہ داری کا خاتمہ کرنے اور سوشلزم کی تعمیر کرنے کا اہل بناتی ہے۔ پرولتاریہ کی آمریت کا سوال اصلاح پسندی اور ترمیم پسندی کے خلاف مارکسزم لینن ازم کی نظریاتی جد وجہد کا ہمیشہ محور رہا ہے اور آج بھی ہے۔ لینن نے پرولتاریہ کی آمریت کو مارکسزم کو صحیح معنوں میں سمجھنے اور اُسے تسلیم کرنے کی کسوٹی قرار دیا۔ انھوں نے کہا کہ مارکسسٹ ہونے کے لئے محض طبقات کی جد وجہد کو تسلیم کر لینا ہی کافی نہیں ہے، آپ ایک مارکسسٹ اُس وقت ہو سکتے ہیں جب آپ طبقاتی جد وجہد کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ پرولتاریہ کی آمریت کو بھی تسلیم کر لیں۔

لینن نے دوسری انٹرنیشنل کے اصلاح پسند رہنماؤں اور ترمیم پسندوں کے خلاف جو پرولتاریہ کی آمریت کی ضرورت سے انکار کرتے تھے، سخت جد وجہد کی۔ انھوں نے بار بار یہ ثابت کیا کہ پرولتاریہ کی آمریت سوشلزم کی تعمیر کا واحد ذریعہ ہے اور تاریخ نے اس بات کی مکمل توثیق کر دی ہے۔ پرولتاریہ کی آمریت کے سبب ہی سوشلزم کو سوویت یونین میں مکمل فتح حاصل ہو سکی اور دوسرے ملکوں کے لئے سوشلزم کی راہ پر کامیابی کے ساتھ پیش قدمی کرنا ممکن ہو سکا۔

پرولتاریہ کی آمریت کے خاص خاص پہلو: جیسا کہ ہم پچھلے باب میں دیکھ چکے ہیں، منتقلی کے دور میں طبقاتی جد وجہد ختم نہیں ہو جاتی، اور بعض اوقات تو یہ بہت زیادہ شدت اختیار کر جاتی ہے۔ کسی بھی ملک میں سیاسی اقتدار سے محروم کر دیا جانے والا بورژوازی اپنی شکست اور غلبے اور استحقاق کے خاتمے کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کرتا۔ چنانچہ یہ فتحمند پرولتاریہ کے خلاف جنونی مزاحمت کرتا ہے۔

اِس مزاحمت پر غالب آنے کے لئے اور شدید طبقاتی معرکوں میں بورژوازی کو شکست دینے کے لئے پرولتاریہ کی آمریت ضروری ہے۔ لینن نے لکھا ہے، "پرولتاریہ کی آمریت نئے طبقے کی جانب سے زیادہ طاقتور دشمن، یعنی بورژوازی کے خلاف جس کی مزاحمت میں اقتدار سے محروم ہو جانے کے بعد دس گنا اضافہ ہو جاتا ہے، سب سے زیادہ پُرعزم اور سب سے زیادہ سخت جنگ ہوتی ہے۔

یہ پرولتاریہ کی آمریت کا پہلا، جبریہ، پہلو ہوتا ہے۔

لیکن بورژوازی کو کچل دینا پرولتاریہ کے لئے بذات خود کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ اس کا اصل مقصد سوشلزم کی تعمیر کرنا اور ایک نئی سوشلسٹ معیشت کی تعمیر کرنا ہوتا ہے۔ جو چیز اس فریضے کو اتنا زیادہ مشکل بنا دیتی ہے وہ یہ ہے کہ سوشلسٹ انقلاب ایک ایسے وقت میں شروع ہوتا ہے جبکہ کسی بھی قسم کی سوشلسٹ معاشی شکلیں موجود نہیں ہوتیں۔ پرولتاریہ کی آمریت کا، پرولتاری ریاست کا فریضہ ہوتا ہے کہ وہ سماج کی معاشی زندگی کی تنظیم کرے، معیشت کی ایک ایسی نئی قسم کی جو سرمایہ داری سے بہتر ہو، سوشلزم کی معیشت کی تعمیر کرے۔ لینن نے لکھا ہے: "پرولتاریہ کی آمریت استحصال کرنیوالوں کے خلاف محض طاقت کا استعمال ہی نہیں ہے اور حتیٰ کہ یہ خاص طور پر طاقت کا استعمال بھی نہیں ہے۔ پرولتاریہ سرمایہ داری کے مقابلے میں محنت کی سماجی تنظیم کی ایک اعلیٰ تر قسم کی نمائندگی کرتا اور اسکی تخلیق کرتا ہے یہی ماہیت ہے۔ یہی کمیونزم کی طاقت کا سرچشمہ ہے، یہی کمیونزم کی ناگزیر مکمل فتح کی ضمانت ہے۔"

یہ پرولتاریہ کی آمریت کا دوسرا، تعمیری، پہلو ہے۔

پرولتاریہ نئے، سوشلسٹ نظام کی تخلیق تن تنہا نہیں کرتا، بلکہ غیر پرولتاری محنت کش عوام، خاص طور پر کسانوں، کے ساتھ قریبی اتحاد کے ذریعہ کرتا ہے۔ بورژوازی کے خلاف جدوجہد کے دوران اور سوشلسٹ تعمیر کے دوران مزدور طبقہ ان عوام کو نئے سرے سے تعلیم دیتا ہے۔ یہ ایک بہت مشکل کام ہے، بورژوازی کے خلاف کھلی جدوجہد سے کہیں زیادہ مشکل۔ کسانوں کو اجتماعی کاشتکاری کے فوائد کا یقین دلانے کے لئے طویل اور محنت طلب تعلیمی کام کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ پرولتاری ریاست کے بنیادی فریضوں میں سے ایک ہے۔ لینن نے کہا، "پرولتاریہ کو کسانوں اور عمومی طور پر پیٹی بورژوا گروہوں کی قیادت کا اہل بنانے کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے، وہ ہے پرولتاریہ کی آمریت، ایک طبقے کی حکمرانی، اس کی تنظیم اور ڈسپلن کی مضبوطی، سرمایہ داری کی ثقافت، سائنس اور ٹکنالوجی کی تمام کامیابیوں پر مبنی اس کی مرکزی قوت، ہر محنت کش انسان کی ذہنیت کے ساتھ اس کی پرولتاری نسبت، دیہی علاقے یا چھوٹی صنعت سے تعلق رکھنے والے بکھرے ہونے اور کم ترقی یافتہ محنت کش عوام کے درمیان جو سیاست میں کم پرعزم ہوتے ہیں، اس کا وقار۔"

یہ پرولتاریہ کی آمریت کا تیسرا، تعلیمی پہلو ہے۔

اِس امر پر زور دیا جانا چاہیئے کہ پرولتاریہ کی آمریت کے یہ تمام اہم پہلو ایک دوسرے کے ساتھ نامیاتی طور پر وابستہ ہیں اور یہ ایک متحدہ کُل کی تشکیل کرتے ہیں۔ لیکن پرولتاریہ کی آمریت کا خاص پہلو ایک نئے سماج کی تعمیر کرنا اور لکھو کھا چھوٹے مالکوں اور کسانوں کو تعلیم کے ذریعے سوشلزم کے فعّال معماروں میں بدلنا ہے۔ اسی کے ساتھ ہمیں پرولتاریہ کی آمریت کے جبری پہلو کو بھی ہرگز کم نہیں سمجھنا چاہیئے۔ مزدور طبقے کو کئی مرتبہ اس پہلو کو کم اہم سمجھنے کی، بورژوازی کے ساتھ بہت زیادہ نرم رویہ اختیار کرنے اور اسے رعایتیں دینے کی قیمت اپنے خون سے ادا کرنی پڑی ہے۔ ۱۸۷۱ء کے پیرس کمیون کو اور ۱۹۱۸ء سے ۱۹۱۹ء تک کے دوران جرمنی، ہنگری اور فن لینڈ کے انقلابات کو خون میں غرق کر دیا گیا تھا۔ اکتوبر ۱۹۵۶ء میں ہنگری کے مزدور طبقے کے ہزارہا نفیس ترین فرزندوں کو انقلاب دشمن بورژوازی نے ہلاک کر ڈالا۔ اِن ساری چیزوں سے قطعیت کے ساتھ یہ ثابت ہوتا ہے کہ محنت کش عوام کے پاس سوشلزم تک پہنچنے کے لئے پرولتاریہ کی آمریت کے علاوہ اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔

پرولتاریہ کی آمریت، جمہوریت کی اعلیٰ ترین قسم: بورژوا نظریہ ساز اور اُن کے اصلاح پسند حواری "ہمہ گیر جمہوریت"، "سب کے لئے جمہوریت" کے بارے میں، جو بقول اُن کے سرمایہ دار دُنیا میں موجود ہے، بڑا ہی شور و غوغا مچاتے ہیں وہ اس "خالص" بورژوا جمہوریت کو پرولتاریہ کی آمریت کے مقابلے میں جو مبیّنہ طور پر ایک نوکر شاہی، غیر جمہوری حکومت ہوتی ہے، سراہتے ہیں۔

لیکن درحقیقت، معاملہ اِسکے بالکل برعکس ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں، بورژوا جمہوریت میں، جسکی اس قدر تشہیر کی جاتی ہے، محنت کش عوام کے حقوق کا فقدان ہوتا ہے۔ بورژوا جمہوریت کا مقصد سرمایہ دارانہ نظام کو اور مٹھی بھر دولتمندوں کے ہاتھوں لکھو کھا محنت کش عوام کے استحصال کو باقی رکھنا ہوتا ہے۔

صرف پرولتاری ریاست ہی صحیح معنوں میں جمہوری ہوتی ہے۔ پرولتاریہ کی آمریت ایک اعلیٰ ترین قسم کی، کیفیتی لحاظ سے نئی جمہوریت ہوتی ہے۔ یہ لینن کے بقول، عوام کی بھاری اکثریت کی جمہوریت ہوتی ہے جس میں سے استحصال کرنے والوں اور ظالموں کو خارج کر دیا جاتا ہے۔ اپنی ترقی کے سلسلۂ عمل کے دوران یہ جمہوریت روز افزوں طور پر سارے عوام کی سوشلسٹ جمہوریت میں بدل جاتی ہے۔

پرولتاریہ کی آمریت کے تحت جمہوریت کی کیفیتی لحاظ سے نئی قسم پرولتاریہ کی آمریت کی فطرت سے، اُس کے اغراض و مقاصد سے جنم لیتی ہے۔ تمام محنت کش عوام اور جمہوری قوتوں کے ساتھ ایک مستحکم اتحاد کے ذریعہ ہی، صرف عوام کی حمایت سے ہی پرولتاریہ استحصالی طبقات کی مزاحمت کو شکست دے سکتا ہے، اقتدار قائم رکھ سکتا ہے، سوشلزم کی تعمیر کر سکتا ہے اور اس طرح عوام کو ایک پُرمسرت زندگی دے سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شہر اور دیہات کے غیر پرولتاری حلقوں اور خاص طور سے کسانوں کے ساتھ مزدور طبقے کا اتحاد، پرولتاریہ کی آمریت کی، جو پرولتاری ریاست کی حقیقی جمہوریت کا مکمل ترین اور ہمہ گیر اظہار ہوتی ہے، بنیاد کی اور اس کے اعلیٰ ترین اصول کی تشکیل کرتا ہے۔

شہر اور دیہات کے دیگر محنت کش عوام کے ساتھ مزدور طبقے کے اتحاد کی بنیاد اُن کے بنیادی سیاسی اور معاشی مفادات کے اشتراک پر اور استحصال کو ختم کرنے اور سوشلزم کی تعمیر کرنے کی مشترکہ خواہش پر ہوتی ہے۔ صرف سوشلزم ہی مزدوروں کو سرمایہ دارانہ اُجرتی غلامی سے اور کسانوں اور دیگر غیر پرولتاری محنت کش حلقوں کو تباہی اور افلاس سے نجات دلا سکتا ہے۔ استحصال کی مخالفت اور نئے، سوشلسٹ نظام کی حمایت میں مشترکہ جدوجہد میں ہی تمام محنت کش عوام اور جمہوری قوتوں کے ساتھ مزدور طبقے کے اتحاد نے جنم لیا اور یہ ترقی کر رہا ہے۔ یہ پرولتاریہ کی آمریت کی ناقابلِ شکست قوت کا سرچشمہ ہے۔

تاہم، مزدور طبقے کو پیٹی بورژوا حلقوں کے ساتھ صرف اسی قسم کے اتحاد کی ضرورت ہوتی ہے جن میں یہ (مزدور طبقہ) رہنمایانہ کردار ادا کرتا ہے! کسان اور شہری پیٹی بورژوازی غیر مستقل مزاج ہوتے ہیں۔ وہ ایک ہی وقت میں محنت کش عوام بھی ہوتے ہیں اور چھوٹے مالک بھی، اور وہ اکثر پرولتاریہ اور بورژوازی کے درمیان تذبذب کی حالت میں رہتے ہیں۔ صرف پرولتاریہ ہی، جو سب سے زیادہ ترقی یافتہ، مستقل مزاج انقلابی اور منظم طبقہ ہوتا ہے اور جس کی سربراہ مارکسی پارٹی ہوتی ہے، اُن کے تذبذب پر غالب آ سکتا ہے، اُنھیں بورژوازی سے الگ کر سکتا ہے اور اُنھیں سوشلسٹ راہ پر لے جا سکتا ہے۔

پرولتاری جمہوریت کی ایک بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ یہ محنت کش عوام کے حقوق کا صرف اعلان ہی نہیں کرتی بلکہ محنت کش عوام کے لئے ایسے حالات پیدا کرتی ہے جن کے تحت وہ ان حقوق کو استعمال کر سکیں۔ پرولتاریہ کی آمریت کے تحت محنت کش عوام محض رسمی حقوق کے ہی حامل نہیں ہوتے،

جیسا کہ بورژوا ریاست میں ہوتا ہے، بلکہ وہ فی الحقیقت ملک کا نظم و نسق چلاتے ہیں اور براہ راست یا اپنے نمائندوں کے ذریعہ ملک کی ساری معاشی، سیاسی اور ثقافتی زندگی کا بندوبست کرتے ہیں۔

پرولتاری ریاست جمہوری حقوق کے استعمال کی ضمانت متعلقہ مادی سہولتوں کی فراہمی کے ذریعے مہیا کرتی ہے۔ محنت کش عوام سارے وسائل پیداوار کے مالک ہوتے ہیں۔ اور یہ چیز انھیں ملک کی معیشت کا نظم و نسق چلانے اور کام کرنے کے حق کو استعمال کرنے کا اہل بناتی ہے۔ اسکول یونیورسٹیاں، سائنسی و ثقافتی ادارے، صحت گاہیں اور جسٹی گھر محنت کش عوام کو یہ موقع دیتے ہیں کہ وہ اپنے تعلیم حاصل کرنے، آرام کرنے اور فرصت کے اوقات گزارنے کے حق کو استعمال کریں۔ محنت کش عوام کی دسترس میں طباعت گھر، کاغذ کے ذخائر، ریڈیو اسٹیشن، بہترین عمارتیں وغیرہ ہوتی ہیں اور یہ چیز انھیں تحریر و تقریر اور اجتماع کی آزادی، تنظیم کی آزادی وغیرہ سے فائدہ اٹھانے کا اہل بناتی ہے۔

محنت کش عوام سوویتوں اور دیگر ریاستی اداروں، سوویتوں کی قائم کردہ متعدد کمیٹیوں اور کمیشنوں میں اپنی وسیع شرکت کے ذریعہ نیز خود اپنی عوامی تنظیموں کے ذریعے ملک کی سیاسی زندگی اور ریاست کے نظم و نسق میں فعال حصہ لیتے ہیں۔ مختصر یہ کہ جیسا کہ لینن نے کہا ہے، پرولتاری جمہوریت کسی بھی بورژوا جمہوریت کے مقابلے میں لاکھوں گنا زیادہ جمہوری ہوتی ہے۔

پرولتاریہ کی آمریت کی مختلف شکلیں: سرمایہ داری سے سوشلزم میں منتقلی صرف پرولتاریہ کی آمریت کے ذریعہ ہی وقوع پذیر ہو سکتی ہے۔ تاہم، چونکہ پرولتاری آمریت منتقلی کے دور کا لازمی مافیہ ہوتی ہے، اس لئے یہ مختلف ملکوں میں مختلف شکلیں اختیار کر سکتی ہے۔ لینن نے کہا، "تمام قومیں سوشلزم تک پہنچیں گی، یہ ناگزیر ہے، لیکن ہر قوم کا طریقہ قطعی طور پر ایک ہی جیسا نہیں ہوگا۔ ہر قوم جمہوریت کی کسی شکل میں، پرولتاریہ کی آمریت کی کسی قسم میں، سماجی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں سوشلسٹ تبدیلیوں کی مختلف سطح میں، خود اپنی طرف سے کسی نہ کسی چیز کا اضافہ کرے گی"

پرولتاریہ کی آمریت کی شکل کا انحصار، سب سے پہلے تو، کسی ملک کے ٹھوس تاریخی حالات پر یعنی معاشی ترقی کی سطح، طبقاتی قوتوں کی صف بندی اور طبقاتی جدوجہد کی شدت، عوام کی قومی اور تاریخی روایات اور بین الاقوامی صورت حال پر ہوتا ہے۔

۱۹۱۷ء میں روس کے مزدور طبقے کے انقلابی اقدام کے نتیجے میں "مزدوروں، کسانوں اور سپاہیوں کے نمائندوں کی سوویتیں" جیسی پرولتاری آمریت کی شکل عالم وجود میں آئی۔ بہت سے یورپی اور ایشیائی ممالک میں پرولتاریہ کی آمریت کی ایک اور شکل اُبھری، یعنی "عوامی جمہوریت"۔

عوامی جمہوریت کس اعتبار سے سوویتوں سے مختلف ہے؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ ایک عوامی جمہوریت میں ایسی کئی پارٹیوں کے وجود کی اجازت ہوتی ہے جو سوشلسٹ تعمیر کی حامی ہوں اور کمیونسٹ پارٹی کے رہنمایانہ رول کو تسلیم کرتی ہوں۔ کئی سوشلسٹ ملکوں میں ایک سے زائد پارٹیوں کا نظام رہا ہے۔ لیکن سوویت یونین میں ایک پارٹی کا نظام ہے، کیونکہ اکتوبر انقلاب کے بعد روس کی پیٹی بورژوا پارٹیوں نے کمیونسٹوں کے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کر دیا تھا اور وہ انقلاب دشمنوں کے ساتھ مل گئی تھیں۔

دوسرے یہ کہ عوامی جمہوریتوں میں ایک عوامی (قومی) محاذ، ایک بڑی تنظیم موجود ہوتی ہے جو عوام کے متنوع ترین حلقوں کو سوشلزم کی تعمیر کے مقصد کی غرض سے متحد کرتی ہے۔ یہ عوامی محاذ مزدور طبقے، کسانوں، دانشوروں اور حتیٰ کہ پیٹی بورژوازی او متوسط بورژوازی کے ایک حصے کے خصوصی تنظیمی اتحاد کی ایک شکل ہوتا ہے۔ تاہم مزدور طبقہ اور اسکی پارٹی رہنمایانہ رول ادا کرتے ہیں۔ سوویت یونین میں ایسی کوئی تنظیم نہ تو ہے اور نہ رہی ہے۔

تیسرے یہ کہ یورپی عوامی جمہوریتوں میں موجود پارلیمانی شکلوں اور روایات کو سرمایہ داری کے خلاف اور سوشلزم کی حمایت میں جدوجہد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ زارشاہی روس میں پارلیمانی نظام کو وسیع فروغ حاصل نہیں تھا اور کوئی پارلیمانی روایات موجود نہیں تھیں۔

پرولتاریہ کی آمریت کی ایک شکل کی حیثیت سے عوامی جمہوریت سوشلسٹ انقلاب کے خصوصی نشوونما کی ایک ایسے وقت میں عکاسی کرتی ہے جبکہ سامراج کمزور ہو رہا ہے اور طاقتوں کا رشتہ باہمی سوشلزم کے حق میں تبدیل ہو رہا ہے۔ اس کا انحصار بھی ان ممالک کی تاریخی اور قومی خصوصیات پر ہوتا ہے جو ترقی کی سوشلسٹ راہ پر گامزن ہو چکے ہیں۔

تاریخ نے اب تک پرولتاریہ کی آمریت کی دو اشکال پیدا کی ہیں، ایک تو سوویتیں اور دوسرے عوامی جمہوریت۔ لیکن پرولتاریہ کی آمریت کی دوسری اشکال بھی پیدا ہو سکتی ہیں۔ لیکن ان شکلوں میں بھی مزدور طبقے اور اس کی مارکسی پارٹی کا رہنمایانہ رول قطعی طور پر لازمی ہوگا۔ لینن نے کہا ہے،

"سرمایہ داری سے کمیونزم میں منتقلی یقیناً بہت ساری اور ایک دوسرے سے مختلف سیاسی شکلوں کو جنم دے گی، لیکن اُن سب کی ماہیت لازماً ایک ہی رہے گی: پرولتاریہ کی آمریت۔"

پرولتاریہ کی آمریت میں مارکسی پارٹی کا رہنمایانہ رول

مارکسی پارٹی، مزدور طبقے کے ترقی یافتہ، سیاسی طور پر باشعور اور منظم دستے کی حیثیت سے، وہ رہنما قوت ہوتی ہے جو بورژوازی کی سیاسی حکمرانی کے خاتمے اور پرولتاریہ کی آمریت کے قیام کو عملی شکل دیتی ہے۔ اقتدار پر قبضہ کرنا ایک مشکل کام ہے، لیکن اقتدار کو برقرار رکھنا، اقتدار سے محروم بورژوازی کو حتمی شکست دینا اس سے کہیں زیادہ مشکل ہے، اور لکھو کھا کسانوں اور دیگر چھوٹے مالکوں کی نجی ملکیت کی جبلتوں کا خاتمہ کرنا، انھیں بورژوازی سے الگ کر دینا اور انھیں سوشلزم کے سیاسی طور پر باشعور معماروں میں بدل دینا بے انتہا مشکل (بقول لینن کے، ہزار گنا زیادہ مشکل) ہے۔ مزدور طبقہ ان انتہائی مشکل فریضوں کو پورا کرنے اور سوشلزم اور اس کے بعد کمیونزم کی تعمیر کرنے کا اہل صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ یہ سخت ترین تنظیم اور ڈسپلن کو قائم رکھے اور اُسے اس امر کا یقین حاصل رہے کہ اس نے صحیح راہ کا انتخاب کیا ہے۔ صرف مارکسی پارٹی ہی پرولتاریہ کو منظم کر سکتی ہے، اس کی صفوں میں آہنی ڈسپلن قائم رکھ سکتی ہے، مزدور طبقے کو تعلیم دے سکتی ہے، اُسے پیٹی بورژوا اثرات سے بچا سکتی ہے، اس کی سیاسی سرگرمیوں کی رہنمائی کر سکتی ہے، اور مزدور طبقے کے ذریعے تمام محنت کش عوام پر اثر ڈال سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "ایک آہنی پارٹی کے بغیر جو جدوجہد میں تپ کر نکلی ہو، ایک ایسی پارٹی کے بغیر جسے اپنے طبقے کے تمام تر ایماندار عناصر کا اعتماد حاصل ہو، ایک ایسی پارٹی کے بغیر جو عوام کی مزاجی کیفیت پر نظر رکھنے اور اُسے متاثر کرنے کی اہل ہو، سوشلزم کی کامیاب تعمیر ناقابلِ تصور ہے۔" (لینن)

سوشلسٹ انقلاب کی فتح کے بعد مارکسی-لیننی پارٹی حکمراں طبقے کی پارٹی بن جاتی ہے۔ یہ چیز پارٹی پر خصوصی ذمہ داری عائد کر دیتی ہے اور مزدور طبقے کی رہنما کی حیثیت سے اس کے رول میں بے پایاں اضافہ کر دیتی ہے۔ پارٹی، سماجی نشوونما کے قوانین کے بارے میں اپنے علم سے استفادہ کرتے ہوئے اور عوام کے انقلابی تجربے کی تلخیص کرتے ہوئے اور اس پر تکیہ کرتے ہوئے، پرولتاری ریاست کی تمام تر معاشی، سیاسی اور ثقافتی سرگرمیوں کی رہنمائی کرتی ہے۔ یہ ملک کی زندگی کے تمام شعبوں میں

ایک واحد سیاسی پالیسی بناتی ہے اور اس پالیسی پر عمل درآمد کو یقینی بنانے کے لئے کام کرتی ہے۔

پرولتاریہ کی آمریت کے تحت مارکسی پارٹی کا اتحاد پہلے کے مقابلے میں زیادہ اہم ہوتا ہے۔ پارٹی سماج کو قیادت فراہم کرنے، مزدور طبقے کی حکمرانی کو برقرار رکھنے اور اسے مستحکم بنانے اور سوشلزم اور کمیونزم کی تعمیر کی تنظیم کرنے کی صرف اس وقت اہل ہوتی ہے جب اس کے اراکین کے درمیان ارادے اور عمل کا اتحاد موجود ہو۔ سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی اور دیگر سوشلسٹ ممالک کی کمیونسٹ پارٹیاں اور مزدور پارٹیاں کسی بھی قسم کی گروہ بندی کرنے اور اکثریت کی رائے کو نہ ماننے والوں کے خلاف، جو پارٹی کے اتحاد کو کمزور کرنے کی کوشش کرتے ہیں، غیر مصالحانہ رویہ اختیار کرتی ہیں۔

ترمیم پسند پرولتاریہ کی آمریت کے نظام میں پارٹی کے رہنمایانہ رول سے انکار کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اس کی قیادت ریاست اور پارٹی کی مشینری کے آپس میں مل جانے اور سوشلسٹ جمہوریت کے اصولوں کی خلاف ورزی کی صورت میں منتج ہوتی ہے۔ وہ یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ سماج کی معاشی اور سیاسی زندگی میں پارٹی کو نہیں، بلکہ ٹریڈ یونینوں اور دیگر عوامی تنظیموں کو قیادت کے فرائض سرانجام دینے چاہئیں۔

تاریخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پرولتاریہ کی آمریت کے نظام میں مارکسی پارٹی کا رہنمایانہ کردار جمہوری اصولوں کے خلاف ہرگز نہیں ہے، بلکہ یہ جمہوریت کو فروغ دیتا اور اس کی بہتری میں حصہ لیتا ہے۔

مارکسی پارٹی ریاستی اداروں اور متعدد عوامی تنظیموں یعنی ٹریڈ یونینوں، کوآپریٹو انجمنوں، ہر قسم کی نوجوانوں کی، کھیلوں کی، فنکاروں کی، ادیبوں کی اور دیگر تنظیموں کے نظام کے ذریعہ اپنا رہنمایانہ رول انجام دیتی ہے۔ پارٹی ان تنظیموں کی مساعی کو متحد کرتی ہے اور ایک مقصد کی جانب ان کی رہنمائی کرتی ہے، پارٹی ریاست اور دیگر اداروں کے وظائف اختیار نہیں کر لیتی بلکہ اُن کی پہل کاریوں کو انتہائی حد تک تحریک دیتی ہے۔ پارٹی ریاستی اداروں اور عوامی تنظیموں کے جال کے ذریعے عوام سے منسلک رہتی ہے، انہیں تعلیم دیتی اور سکھاتی ہے اور ان سے سیکھتی ہے۔ پارٹی عوام اور پرولتاری ریاست کے ساتھ مل کر سوشلسٹ تعمیر کے تمام خاص مسائل کو حل کرتی ہے۔

مارکسی پارٹی پرولتاری ریاست کو مستحکم کرنے کے لئے، جمہوریت کو فروغ دینے کے لئے اور ملک کے نظم و نسق میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو شریک کرنے کے لئے مستقل کام کرتی ہے۔ پارٹی اور عوام کے درمیان وسیع رشتے جو سرمایہ داری کے خلاف جدوجہد کے دوران ہی قائم ہو جاتے ہیں، پرولتاریہ

کی آمریت کی مدت کے دوران "عوام اور پارٹی کے درمیان ٹھوس اتحاد" کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی میں مارکسی پارٹی کی قوت مضمر ہے اور یہی چیز اس کے عظیم کاز کی کامیابی کے لئے فال نیک ہے۔

۴۔ سوویت سوشلسٹ ریاست سوشلزم اور کمیونزم کی تعمیر کے ایک ہتھیار کی حیثیت سے

گزشتہ اوراق میں ہم نے کیفیتی لحاظ سے ایک نئی، سوشلسٹ طرز کی ریاست کی حیثیت سے پرولتاریہ کی آمریت کے عمومی خدوخال کا جائزہ لیا ہے اور ہم نے یہ دیکھا ہے کہ پرولتاریہ کی آمریت کا اصل فریضہ سوشلزم کی تعمیر کی تنظیم کرنا ہے۔ آئیے اب ہم یہ دیکھیں کہ سوویت سوشلسٹ ریاست اس عظیم فریضے سے کس طرح نمٹتی ہے، آئیے ہم سوشلزم اور کمیونزم کی تعمیر میں اس کے رول کا تجزیہ کریں۔

سرمایہ داری سے سوشلزم میں منتقلی سوویت ریاست اپنے نشوونما میں دو اہم ادوار **کے دوران سوشلسٹ ریاست کے وظائف** سے گزری ہے۔ ان میں سے ہر ایک دور میں اس نے داخلی اور خارجہ پالیسیوں کے جن متنوع اور پیچیدہ مسائل کو حل کیا، اُن کا اظہار اس کے متعلقہ وظائف میں ہوا۔ یہ وظائف معاشی بنیاد، ملک میں طبقاتی قوتوں کے رشتہ باہمی اور بین الاقوامی صورت حال میں تبدیلی کے مطابق بدلتے گئے۔

سوویت ریاست کی ترقی کا پہلا دور اس وقت سے لیکر جبکہ پرولتاریہ نے اقتدار حاصل کیا، (اکتوبر ۱۹۱۷ء) استحصالی طبقات کے خاتمے اور سوشلزم کی فتح تک کی مدت پر مشتمل ہے، یعنی یہ سرمایہ داری سے سوشلزم میں منتقلی کا دور ہے۔

اس دور میں معیشت میں ایک سے زائد طرز ہائے پیداوار اور پرولتاریہ اور بورژوازی کے درمیان شدید طبقاتی جدوجہد موجود تھی۔ مزدور طبقے کو بورژوازی کی مزاحمت کا قلع قمع کرنے اور دیگر تمام محنت کش عوام کے ساتھ مل کر سوشلزم کی تعمیر کرنے کا فریضہ درپیش تھا۔ سوشلسٹ ریاست کے وظائف اسی کی مطابقت سے تشکیل پذیر ہوئے۔

استحصالی طبقات کو کچلنا منتقلی کے دور میں ملک کے اندر پرولتاری ریاست کے اہم ترین وظائف میں سے

ایک ہے، کسی بھی شکل کی پرولتاری ریاست کے لئے استحصال کرنے والوں کو کچلنا ضروری ہے لیکن اس کے طریقوں کا انحصار ہر ملک کے اپنے حالات پر ہوتا ہے۔ سوویت یونین نے سیاسی (ووٹ دینے کے حق سے محروم کر دینا) اور معاشی (ملکیت کی ضبطی، بھاری ٹیکس وغیرہ) طریقوں کے علاوہ کچلنے کے مسلح طریقے بھی اختیار کئے کیونکہ استحصال کرنے والے عوامی حکومت کے خلاف ہتھیاروں سے لڑ رہے تھے۔

تنظیمی معاشی کام یعنی ایک سوشلسٹ معیشت کی تعمیر کرنے اور ملک کی ساری معاشی زندگی کی رہنمائی کرنے میں ریاست کی سرگرمیاں، منتقلی کے دور میں سوویت ریاست کا دوسرا بڑا اہم فریضہ ہے۔ ریاست کا مقصد سرمایہ داری پر سوشلزم کی معاشی فتح کو یقینی بنانا اور سرمایہ داری کے مقابلہ میں محنت کی ایک اعلیٰ سماجی تنظیم کو حاصل کرنا ہوتا ہے۔ پرولتاری ریاست نے بنیادی وسائل پیداوار کو قومی ملکیت میں لیکر اپنے وجود کے بالکل ابتدائی مہینوں میں ہی معیشت کی کلیدی پوزیشنوں پر قبضہ کر لیا اور معیشت کے منصوبہ بند نظم و نسق کی سائنسی بنیادوں پر تنظیم کی۔ کمیونسٹ پارٹی کی رہنمائی میں ریاست نے ملک کی سوشلسٹ صنعتکاری اور زراعت کی اجتماعیت کو عملی جامہ پہنایا اور اس بنیاد پر پیداوار کو مسلسل ترقی دی اور اسے بہتر بنایا اور عوام کے معیارِ زندگی کو بلند کیا۔ سوشلزم کے ترقی کرنے کے ساتھ ساتھ سوشلزم کا تنظیمی۔ معاشی وظیفہ صحیح معنوں میں معیشت کی تمام شاخوں کا احاطہ کرتا گیا۔

تاہم سوشلزم کی تعمیر محض ایک سوشلسٹ معیشت کی تخلیق تک محدود نہیں ہے۔ عوام کے سماجی شعور اور ثقافت میں ایک باضابطہ پیش قدمی کے بغیر اور عوام کے ذہنوں میں سرمایہ داری کے باقیات کا خاتمہ کئے بغیر سوشلزم کی تعمیر کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ یہ فطری امر ہے کہ محنت کش عوام کی کمیونسٹ تعلیم، ان کی عمومی تعلیم اور پیشہ ورانہ اور ثقافتی ترقی سوشلسٹ ریاست کے اہم فریضوں میں سے ایک ہے۔ یہ چیز لازمی بھی ہے، کیونکہ استحصال کرنے والوں نے محنت کش عوام کو صدیوں سے روحانی طور پر غلام بنا رکھا تھا، علم اور ثقافت کے لئے ان کی خواہشات کا گلا گھونٹنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا تھا۔ سوشلسٹ ریاست ایک ثقافتی انقلاب برپا کرتی ہے جو سوشلسٹ انقلاب کا ایک اہم عنصر ہوتا ہے۔ محنت کش عوام کی ثقافتی پیشقدمی اور تعلیم کو منظم کرنے میں ریاست کا کام اس کا ثقافتی۔ تعلیمی وظیفہ ہوتا ہے۔

خارجہ پالیسی میں سوشلسٹ ریاست کے وظائف قوموں کے درمیان امن کے لئے اور بیرونی سامراجی جارحیت سے ملک کے دفاع کے لئے کام پر مشتمل ہوتے ہیں۔ فرمانِ امن سوویت حکومت کا پہلا فرمان تھا۔

لیکن پرولتاری ریاست کی امن کے لئے پُرخلوص خواہش کے جواب میں سامراجی قزاقوں کے ایک گروہ نے جو استحصال کرنے والوں کی حکمرانی کو ہتھیاروں کی قوت کے بل بوتے پر بحال کرنا چاہتے تھے، مسلح مداخلت کر دی۔ مزدور طبقے نے ہتھیار اُٹھا لئے، انقلاب دشمنوں اور مداخلت کاروں کو شکست دے دی اور اس کے بعد پُرامن سوشلسٹ تعمیر کا کام شروع کیا۔

سوشلسٹ ریاست امن کی انتھک علمبرداری کرنے کے ساتھ ساتھ ملک کے دفاع کو مستحکم کرتی اور اور اس کی مسلح افواج کو مضبوط بناتی ہے۔

سوشلزم سے کمیونزم میں منتقلی کے دوران سوشلسٹ ریاست کے وظائف: سوویت ریاست کے نشوونما کی دوسری مدت سوشلزم سے کمیونزم میں بتدریج منتقلی کی مدت ہے۔

سوشلزم کی تعمیر نے ملک کی معاشی زندگی میں دوررس تبدیلیاں پیدا کیں۔ مختلف طرز ہائے پیداوار کا خاتمہ کر دیا گیا اور استحصالی طبقات غائب ہو گئے۔ سوشلسٹ بنیاد نے جو سماجی ملکیت پر استوار تھی، معیشت کی تمام شاخوں میں اپنی جڑیں گہری کر لیں۔

معاشی بنیاد کی تبدیلیوں نے سوشلسٹ بالائی ڈھانچے میں خاص طور پر سوشلسٹ ریاست کے اندرونی وظائف میں تبدیلیاں پیدا کیں۔ دشمن طبقات کے کچلنے کا وظیفہ ختم ہو گیا کیونکہ استحصالی طبقات کا قلع قمع کر دیئے جانے کے بعد اس کی کوئی ضرورت ہی باقی نہ رہی تھی۔ ریاست اب صرف اُن لوگوں کے خلاف تادیبی اقدامات کرتی ہے جو سوشلسٹ قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ریاست عوام کے حقوق اور آزادیوں کا تحفظ کرتی ہے اور سوشلسٹ نظم و ضبط قائم رکھتی ہے۔ یہ سوشلزم کی معاشی بنیاد کا، سوشلسٹ ملکیت کا تحفظ کرنے کا خاص طور سے خیال رکھتی ہے کیونکہ سوشلسٹ ملکیت کا مکمل فروغ و استحکام کمیونسٹ تعمیر کی ایک ناگزیر شرط ہے۔ سوشلسٹ ملکیت کا اور شہریوں کے حقوق اور آزادیوں کا تحفظ اور سوشلسٹ نظم و ضبط کا قیام سوشلسٹ ریاست کے اہم وظائف ہیں۔ یہ وظائف سوشلسٹ ریاست کے وجود کے پہلے مرحلے میں نمودار ہوئے تھے اور سوشلزم کی تعمیر کے ساتھ انہوں نے مکمل فروغ حاصل کیا۔

سوویت یونین میں سوشلزم کی فتح سوشلسٹ ریاست کے خاص وظائف، یعنی تنظیمی۔ معاشی اور ثقافتی تعلیمی وظائف کے مکمل ترین فروغ میں منتج ہوتی ہے۔

معیشت کی تیز رفتار ترقی کے سبب تنظیمی۔ معاشی وظیفہ بہت زیادہ پیچیدہ اور متنوع ہو گیا ہے۔

سرمایہ داری سے سوشلزم میں منتقلی کے دوران ریاست کی تنظیمی۔ معاشی سرگرمی کا مقصد یہ تھا کہ ملک کے اندر سرمایہ دارانہ قوتوں پر سوشلسٹ قوتوں کی معاشی فتح کو یقینی بنائے۔ اب جبکہ سوشلزم کی تعمیر ہو چکی ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ کمیونزم کی مادی اور فنی بنیاد کی تخلیق کرے اور سوشلسٹ پیداواری تعلقات کو کمیونسٹ پیداواری تعلقات میں تبدیل کرے اور معیارِ زندگی میں مزید اضافے کو یقینی بنائے۔ ریاست محنت کے پیمانے پر اور صرف کے پیمانے پر اور بھی زیادہ کنٹرول کرتی ہے۔

سوشلزم کی تعمیر نے ریاست کے تعلیمی۔ ثقافتی وظیفے کو بھی کافی تبدیل کر دیا ہے۔ عوام کا سماجی شعور اور ان کی ثقافتی سطح جتنی زیادہ بلند ہوگی، کمیونزم میں منتقلی کا عمل اتنا ہی زیادہ تیز رفتار ہوگا۔ کمیونسٹ تعمیر کی مدت کا ایک بنیادی وظیفہ یہ ہے کہ ایک نئے انسان کو تعلیم دی جائے، ہمہ گیر نشو و نما کے حامل ایک ایسے انسان کو تعلیم دی جائے جو ماضی کے باقیات سے آزاد ہے اور سماج کا باشعور رکن ہے جس کے لئے سماج کی بھلائی کے لئے کی جانے والی محنت محض ایک فرض نہیں ہے بلکہ ایک بنیادی ضرورت ہے۔

خارجہ پالیسی کے میدان میں بھی سوویت ریاست کے وظائف سوشلزم سے کمیونزم میں منتقلی کی مدت کے دوران مسلسل ترقی کر رہے ہیں۔ اس کا تعلق بین الاقوامی صورتِ حال میں بہت اہم تبدیلیوں سے ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد عالمی سوشلسٹ نظام ظہور پذیر ہوا اور اس نظام کے ممالک کے درمیان برادرانہ امانت اور تعاون کے تعلقات قائم ہوئے۔ دیگر سوشلسٹ ممالک کے ساتھ برادرانہ تعاون کا استحکام اور فروغ سوویت سوشلسٹ ریاست کا ایک نیا وظیفہ ہے جو عالمی سوشلسٹ نظام کے قیام سے جنم لیتا ہے۔

اس نئے وظیفے کے ساتھ، عالمی امن اور تمام ممالک کے ساتھ عام تعلقات کے قیام کیلئے کام کرنے کا وظیفہ باقی رہا ہے اور اس میں توسیع ہوئی ہے۔ عالمی سوشلسٹ نظام کے ظہور اور اس کے استحکام نے اور سوویت یونین کی بڑھتی ہوئی قوت نے ایک تیسری عالمی جنگ کی روک تھام کو ممکن بنا دیا ہے۔ سوویت ریاست اس امکان کو حقیقت کی شکل دینے کے لئے اپنی طرف سے ہر ممکنہ کوشش کر رہی ہے۔ اسی کے ساتھ یہ ملک کے دفاع کو ہر طریقے سے مستحکم کر رہی ہے۔ جب تک سامراج اپنی جارحانہ جنگی پالیسی کے ساتھ موجود ہے، اس وقت تک سوویت یونین اپنے آپ کو حملے سے محفوظ نہیں سمجھ سکتا۔ سوشلسٹ ملک کا دفاع، ملک کے دفاع اور سلامتی کا قابلِ اعتماد تحفظ، سوشلسٹ ریاست کا ایک اہم وظیفہ ہے۔ اسی کے ساتھ

سوویت یونین اس امر کو اپنا بین الاقوامی فرض سمجھتا ہے کہ دیگر سوشلسٹ ممالک کے ساتھ ملکر سارے سوشلسٹ نظام کے قابلِ اعتماد دفاع اور سلامتی کی ضمانت فراہم کرے۔

سوشلسٹ ریاست کے اندرونی اور بیرونی وظائف کا فروغ عوام کی سرگرمیوں میں مزید اضافے اور معاشی اور ثقافتی امور کے براہِ راست نظم و نسق میں اور امن اور قوموں کی سلامتی کی فعال جد و جہد میں لکھوکھا عوام کی شرکت کی صورت میں نتیج ہوتا ہے۔ سوشلسٹ جمہوریت پھل پھول رہی ہے۔ اس کا مکمل ترین اظہار اس امر سے ہوتا ہے کہ پرولتاریہ کی آمریت کی ریاست سارے عوام کی ریاست میں بدل گئی ہے۔

پرولتاریہ کی آمریت کی ریاست سے سارے عوام کی ریاست تک: جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، پرولتاریہ کی آمریت کی ریاست سرمایہ داری سے سوشلزم میں منتقلی کے دوران وجود رکھتی ہے۔ مزدور طبقے کو استحصال کرنے والوں کی مزاحمت کو کچلنے کے لئے، انسان کے ہاتھوں انسان پر ظلم کا قلع قمع کرنے کے لئے اور کسانوں اور سماج کے دیگر محنت کش حلقوں کے ساتھ مل کر سوشلزم کی تعمیر کرنے کے لئے اس کی ضرورت ہوتی ہے۔

سوویت یونین میں مزدور طبقہ اس عہد ساز ذریعے کو کامیابی کے ساتھ پورا کر چکا ہے اور سوویت یونین میں سوشلزم فتحمند ہو چکا ہے۔ اس فتح کے ساتھ ہی وہ حالات بھی ختم ہو گئے جن میں پرولتاریہ کی آمریت کی ضرورت تھی۔ سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کے پروگرام میں کہا گیا ہے، "مزدور طبقہ تاریخ کا وہ واحد طبقہ ہے جو اپنے اقتدار کو ہمیشہ برقرار رکھنا نہیں چاہتا"۔

کمیونزم کے پہلے مرحلے یعنی سوشلزم کی مکمل اور حتمی فتح حاصل کر لینے اور مکمل پیمانے کی کمیونسٹ تعمیر میں سماج کی منتقلی کا کام کر دینے کے بعد پرولتاریہ کی آمریت اپنا تاریخی مشن پورا کر چکی ہے اور اندرونی ترقی کے ذریعوں کے نقطۂ نظر سے سوویت یونین میں اب یہ ناگزیر نہیں رہی۔ وہ ریاست جو پرولتاریہ کی آمریت کی ریاست کی حیثیت سے اُبھری تھی، نئے موجودہ دور میں، سارے عوام کی ریاست بن گئی، سارے عوام کے مفادات اور خواہشات کی ترجمانی کا آلہ بن گئی۔

پرولتاریہ کی آمریت پر مبنی ریاست تاریخ کا ایک عبوری مظہر ہے۔ اس ریاست کا اس وقت نمودار ہونا لازمی ہے جب ایک ملک کے عوام کو سوشلزم کی تعمیر کا ذریعہ درپیش ہو۔ جب سوشلزم کو فتح حاصل ہو جاتی ہے تو پرولتاری آمریت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جب سوشلزم کامیاب ہو جاتا ہے تو مزدور طبقہ

رضا کارانہ طور پر سماج پر سے اپنی حکمرانی ختم کر دیتا ہے اور اپنی آمریت کو سارے عوام کی ریاست میں بدل دیتا ہے۔

سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی نے سوویت یونین میں پرولتاری آمریت کی ریاست کے سارے عوام کی ریاست میں بدل جانے کا جو تصور تشکیل دیا ہے، عقیدہ پرست اس پر حملے کر رہے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ پرولتاریہ کی آمریت کی ریاست کو کمیونزم کے اعلیٰ ترین مرحلے تک باقی رکھنا چاہیئے، کیونکہ اسے ان سماج دشمن عناصر کو کچلنا ہوتا ہے جو سوشلزم کے تحت بھی ابھی موجود ہوتے ہیں۔ لیکن سوویت یونین میں سوشلزم اور کمیونزم کی تعمیر کے تجربے سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ پرولتاری آمریت کی ریاست جبر کا استعمال صرف سرمایہ داری سے سوشلزم میں منتقلی کی مدت کے دوران کرتی ہے۔ مزید برآں، اس وظیفے کا رخ استحصالی طبقات کی جانب ہوتا ہے جو نئے سماجی نظام کی فتح کو روکنے کے لئے اپنے مقدور بھر سب کچھ کرتے ہیں۔ سوشلسٹ سماج کے دوست طبقات میں موجود سماج دشمن عناصر کے خلاف جد و جہد ایک طبقاتی جد و جہد نہیں ہے اور سارے عوام کی ریاست سارے عوام کی فعال حمایت سے، اس جد و جہد کو کامیابی کے ساتھ جاری رکھتی ہے۔

ظاہر ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مزدور طبقہ سماج میں اپنا رہنمایانہ رول کھو دیتا ہے۔ سماج کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور منظم قوت ہونے کی حیثیت سے مزدور طبقہ مکمل پیمانے کی کمیونسٹ تعمیر کے دور میں بھی سماجی زندگی کی رہنمائی کرتا ہے۔ صرف طبقات کے خاتمے، یعنی کمیونزم کی تعمیر کے ساتھ ہی سماج کے رہنما کی حیثیت سے مزدور طبقے کا مشن پورا ہو گا۔

پرولتاریہ کی آمریت کی ریاست سے سارے عوام کی ریاست میں سوویت یونین کی منتقلی ایک ایسا نشو و نما ہے جس کی تاریخ میں کوئی مثال موجود نہیں۔ سوشلزم کے ظہور تک ریاست ہمیشہ ایک طبقے کی لامحدود حکمرانی کا ہتھیار ہوتی تھی۔ لیکن سوویت یونین میں پہلی مرتبہ ایک ایسی ریاست نمودار ہوئی ہے جو کسی خاص طبقے کی آمریت نہیں ہے، بلکہ سارے سماج کا، سارے عوام کا ہتھیار ہے۔

سوویت یونین میں سوشلزم اور پھر کمیونزم کی تعمیر کا تجربہ یہ ثابت کرتا ہے کہ پرولتاری آمریت کو اس وقت تک برقرار رکھنے کی ضرورت نہیں ہے جب تک کہ ریاست ختم نہ ہو جائے۔ پرولتاریہ کی آمریت اس سے کافی پہلے ختم ہو جائے گی، لیکن، ریاست، سارے عوام کی تنظیم کی حیثیت سے، کمیونزم کی مکمل فتح تک باقی رہے گی۔

مکمل پیمانے کی کیمونسٹ تعمیر کی مدت کے دوران سوویت عوام کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک ہمہ گیر معاشی اور ثقافتی پروگرام کو عملی جامہ پہنائیں، معیار زندگی کو بلند کریں اور ایک نئے انسان کو تعلیم دیں۔ یہ کام سوشلسٹ ریاست کو مزید مضبوط کئے اور فروغ دیئے بغیر پورا نہیں کیا جا سکتا۔

کیمونزم کی جانب ہر قدم کے ساتھ ملک کی زندگی زیادہ متنوع ہو جاتی ہے، اسکے علاقوں کے درمیان معاشی اور ثقافتی روابط وسیع ہو جاتے ہیں اور تعمیر کا پیمانہ بڑی تیزی کے ساتھ بڑھتا ہے۔ یہ ساری چیزیں سوویت سوشلسٹ ریاست کے تنظیمی رول میں اضافہ کرتی ہیں، ریاست کی تنظیمی، معاشی اور ثقافتی تعلیمی سرگرمیوں میں مسلسل بہتری اور توسیع کا مطالبہ کرتی ہیں۔

دوسری طرف کیمونسٹ تعمیر کے ہمہ گیر فریضوں کی تکمیل، جمہوریت کے مزید فروغ کے بغیر، کیمونزم کی تعمیر میں تمام محنت کش عوام کی فعال شرکت کے بغیر، ناقابل تصور ہے۔

سوویت یونین کی کیمونسٹ پارٹی کے پروگرام میں کہا گیا ہے: "سوشلسٹ جمہوریت کی ہمہ جہتی توسیع اور کاملیت، ریاست کے نظم و نسق میں نیز معاشی اور ثقافتی ترقی کے بندوبست میں تمام شہریوں کی سرگرم شرکت، حکومتی مشینری کی بہتری اور اس کی سرگرمی پر عوام کا اور بھی زیادہ کنٹرول۔۔۔ یہ ساری چیزیں اس خاص سمت کی تشکیل کرتی ہیں جس میں کیمونزم کی تعمیر کی مدت میں سوشلسٹ ریاست فروغ پاتی ہے۔

جمہوری مرکزیت کے لینینی اصول کو ہر لحاظ سے فروغ دیا گیا ہے۔ یہ چیز علاقوں میں عوام کی پہل کاری کے تحرک کے ساتھ مرکزی قیادت کے مناسب امتزاج کو اور یونین جمہوریاؤں، مقامی حکومتی اداروں اور معاشی افسروں کے اختیارات میں توسیع کو یقینی بناتی ہے۔ ان صنعتی اداروں کی اکثریت جو پہلے مرکزی وزارتوں کے تحت تھے، اب یونین جمہوریاؤں کے دائرہ اختیار میں ہے۔ قانون سازی، علاقائی نظم و نسق، اور بہت سے دوسرے اہم معاشی، ریاستی اور ثقافتی امور اب یونین جمہوریاؤں کے حوالے کر دیئے گئے ہیں۔ صنعتی اداروں کے منیجروں کو مادی اور مالیاتی وسائل کے استعمال کے سلسلے میں زیادہ حقوق حاصل ہو گئے ہیں اور سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ انھیں ایک فیکٹری یا پلانٹ کو، ریاستی فارم یا اجتماعی فارم کو مقامی طور پر چلانے کے لئے منصوبہ بندی کرنے کا حق حاصل ہو گیا ہے۔

کمیونسٹ پارٹی نے ریاستی مشینری کو بہتر بنانے کے لئے، اسے سہل بنانے کے لئے، اسکی دیکھ بھال پر اخراجات میں کمی کرنے کے لئے، اس کے کام میں سرخ فیتے کے عناصر کو ختم کرنے کے لئے اور ریاست کے

نظم ونسق میں عوام کو شریک کرنے کے لئے بہت سے اہم اقدامات کئے ہیں۔

زراعت کے نظم ونسق کو بہتر بنانے کے مقصد پر مبنی پارٹی کے اقدامات نے پیداوار میں اضافے کو یقینی بنایا ہے اور اجتماعی کسانوں کی پہل کاری کو بڑھاوا دیا ہے۔

سوشلسٹ سماج میں جمہوریت کے فروغ کا اظہار محنت کش عوام کی وسیع تنظیموں، یعنی ٹریڈ یونینوں، نوجوان کمیونسٹ لیگ، کوآپریٹو انجمنوں، ثقافتی اور تعلیمی انجمنوں کے بڑھتے ہوئے رول میں بھی ہوتا ہے۔ یہ وسیع عوامی تنظیمیں کمیونسٹ پارٹی اور سوویت حکومت کی ہمیشہ سچی مددگار رہی ہیں، اور ان کی پالیسیوں کو عوام میں پھیلاتی رہی ہیں۔ کمیونزم کی تعمیر کے دوران اہم ریاستی مسائل کے حل کے سلسلے میں اُن کے فرائض میں مسلسل توسیع ہوگی۔

معاشی اور ثقافتی ترقی کے اہم فریضوں کی تکمیل میں ٹریڈ یونینوں کے رول میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ٹریڈ یونینیں کمیونسٹ تعلیم کی درسگاہیں ہیں، معاشی نظم ونسق اور ریاستی بندوبست کی درسگاہیں ہیں۔ وہ فیکٹریوں میں پیداوار کی منصوبہ بندی اور تنظیم میں اور سوشلسٹ مسابقت کو فروغ دینے میں سرگرم حصہ لیتی ہیں۔ وہ سوشل سیکیورٹی، مزدوروں کے لئے ثقافتی اور دیگر خدمات کی فراہمی، اُن کی محنت اور صحت کے تحفظ وغیرہ کے بہت سے مسائل کی انچارج ہیں۔

ٹریڈ یونینیں مزدوروں کی محنت اور سیاست کی سرگرمیوں کو بڑھاوا دیتی ہیں، ان کے کمیونسٹ شعور کو بلند کرتی ہیں اور محنت کی "کمیونسٹ ٹیم" یا "شاپ" کا اعزاز جیتنے کے لئے مقابلے منعقد کرتی ہیں۔ وہ ریاست اور سماجی امور کا نظم ونسق کرنے میں مزدوروں کو تربیت دیتی ہیں، مسلسل فنی ترقی اور محنت کی پیداواری صلاحیت میں اضافے کے عمل میں انھیں شامل کرتی ہیں۔ وہ اس بات کا خیال رکھتی ہیں کہ مزدوروں کے حالاتِ زندگی بہتر ہوں اور اُن کی روحانی ضروریات کی تکمیل ہو۔

نوجوان کمیونسٹ لیگ کمیونزم کی تعمیر میں اور نوجوانوں کی کمیونسٹ تعلیم میں اہم خدمات انجام دے رہی ہے۔ نوجوان کمیونسٹ لیگ سوویت نوجوانوں کی تخلیقی سرگرمیوں اور اُن کے کام کو بڑھاوا دیتی ہے، عوام کی ایک ایسی نسل کی پرورش کرنے کی کوشش کرتی ہے جو کمیونزم کے تحت زندگی بسر کرے گی اور کام کرے گی اور کمیونسٹ سماج کے امور کا نظم ونسق کرے گی۔ وہ ان لوگوں کو کمیونسٹ اخلاقیات کے اعلیٰ اصولوں کے جذبے کے ساتھ تربیت دیتی ہے، انھیں سماج کی بھلائی کے لئے کام کرنے اور خود اپنی عمومی تعلیم اور فنی علم

میں اضافہ کرنے کی تربیت دیتی ہے۔
کوآپریٹو اداروں (اجتماعی فارموں، صارفین کی کوآپریٹو انجمنوں اور دیگر کوآپریٹو تنظیموں) کی اہمیت میں اضافہ ہوگا۔ سائنسی، فنی، ثقافتی، تعلیمی، کھیلوں کی اور دیگر انجمنوں اور تنظیموں کو مزید فروغ دیا جائے گا۔ وہ سب کی سب اُن مختلف شکلوں کی نمائندگی کرتی ہیں جن کے ذریعہ عوام کمیونسٹ تعمیر میں شامل ہوتے ہیں، جن کے ذریعہ محنت کش عوام کی کمیونسٹ جذبے کے ساتھ تربیت ہوتی ہے۔
جیسے جیسے سماج کمیونزم کے نزدیک پہنچتا جائے گا، ویسے ویسے وہ انفرادی وظائف جنھیں ریاستی ادارے سرانجام دیتے ہیں، رفتہ رفتہ عوامی تنظیموں کو منتقل ہوتے جائینگے۔ عوامی تنظیمیں اس وقت بھی کھیلوں کی نگراں ہیں، نیز امن عامہ کو برقرار رکھنے کے لئے عوامی ٹیمیں، کامریڈوں کی عدالتیں اور دیگر سماجی تنظیمیں ملیشیا اور عدالتی ارباب اختیار کے شانہ بشانہ، ان عناصر کے خلاف کامیابی کے ساتھ جدوجہد کر رہی ہیں جو سوویت قانون اور کمیونسٹ اخلاقیات کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔
انفرادی وظائف کو ریاستی اداروں کے ہاتھوں سے لیکر غیر حکومتی اداروں کے سپرد کر دینے سے کمیونزم کی تعمیر میں سوشلسٹ ریاست کا رول کمزور نہیں ہو جاتا۔ اِس کے برعکس، اگر وہ وظائف جنھیں اس وقت ریاست سرانجام دیتی ہے، عوامی تنظیموں کے حوالے کر دیئے جائیں تو اس سے سوشلسٹ سماج کی سیاسی بنیاد وسیع اور مضبوط ہوگی اور سوشلسٹ جمہوریت کے مزید فروغ کی ضمانت حاصل ہوگی۔ سوویت ریاست معیشت کے فروغ پر توجہ مرکوز کرنے کی اہل ہوگی، جو کمیونسٹ سماج کی مادی بنیاد ہے۔
سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کے پروگرام میں سوشلسٹ جمہوریت کے مزید فروغ کے لئے وسیع اقدامات تجویز کئے گئے ہیں۔ عوامی نمائندگی کی شکلوں اور سوویت انتخابی نظام کے جمہوری اصولوں کی مزید بہتری، کمیونسٹ تعمیر کے اہم مسائل پر نیز قانونی مسودوں پر ملک گیر مباحثے کے عمل کی توسیع، حکومتی اور انتظامی اداروں کی سرگرمیوں پر عوامی کنٹرول کی شکلوں کی توسیع اور اس کنٹرول کی کارکردگی میں اضافہ، رہنما اداروں کی ساخت کی باضابطہ تجدید اور اس اصول پر زیادہ سختی کے ساتھ عمل درآمد کہ تمام رہنما منتخب ہوں اور اپنے رائے دہندگان کے سامنے جواب دہ ہوں اور اس اصول کا ریاستی اداروں، عوامی تنظیموں اور ثقافتی اداروں کے تمام رہنما اراکین پر بتدریج اطلاق ـــــ یہ ہیں وہ اہم ذرائع جن کی مدد سے پارٹی صحیح معنوں میں تمام سوویت شہریوں کو سماج کے اُمور کے نظم ونسق میں شامل کرنے کی کوشش

کرتی ہے۔ سارے عوام کی ریاست، جو سوویت یونین میں سوشلزم کی فتح کے نتیجے میں نمودار ہوئی ہے، سوشلسٹ ریاست کی ترقی کا ایک نیا اعلیٰ تر مرحلہ ہے، سوشلسٹ ریاست کے کمیونسٹ حکومتِ خود اختیاری کی راہ اختیار کرنے میں ایک نہایت اہم قدم ہے۔

مکمل پیمانے کی کمیونسٹ تعمیر کی مدت میں جیسا کہ بائیسویں پارٹی کانگریس کے منظور کردہ ضوابط
سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کا بڑھتا ہوا رول ؛ میں کہا گیا ہے، سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی سوویت عوام کا جانچا پرکھا مستعد ہراول دستہ ہے جو مزدور طبقے، اجتماعی کسانوں اور دانشوروں کے زیادہ ترقی یافتہ اور سیاسی لحاظ سے زیادہ باشعور حلقوں کو رضا کارانہ بنیاد پر متحد کرتا ہے۔

اپنے قیام کی طویل مدت کے دوران کمیونسٹ پارٹی نے جدوجہد اور فتح کی ایک شاندار راہ طے کی ہے۔ اس نے اکتوبر کے عظیم سوشلسٹ انقلاب میں مزدور طبقے اور محنت کش کسانوں کی فتح کی جانب، پرولتاریہ کی آمریت کے قیام کی جانب، رہنمائی کی اور اس نے سوشلزم کی مکمل اور حتمی فتح کو یقینی بنایا۔ سوویت عوام کے سماجی۔ سیاسی اور نظریاتی اتحاد نے پارٹی کی زیر قیادت تشکیل پائی اور استحکام حاصل کیا۔ کمیونسٹ پارٹی اب مزدور طبقے کی پارٹی سے سارے عوام کی پارٹی بن گئی ہے۔

عوام کی سماجی۔ سیاسی تنظیم کی اعلیٰ ترین شکل کی حیثیت سے کمیونسٹ پارٹی اُن کے تعمیری کام کی رہنمائی کرتی ہے اور کمیونزم کیلئے ہمہ گیر مساعی کی سائنسی بنیادوں پر منصوبہ بندی کرتی ہے۔ ریاست اور عوامی تنظیموں کے نظام کے ذریعہ پارٹی کمیونزم کے لئے کام کے تصور کو معینہ فریضوں کی شکل میں عوام تک لے جاتی ہے اور ان فریضوں کی کامیاب تکمیل کے لئے ہر ادارے کے کارکنوں کو، سارے سوویت عوام کو حرکت میں لاتی ہے۔ پارٹی دور تک مستقبل پر نظر رکھتی ہے، عوام کو پیش قدمی کی راہ دکھاتی ہے اور ان میں عظیم تخلیقی توانائیاں اُبھارتی ہے۔
کمیونسٹ پارٹی اپنی تمام سرگرمیوں میں مارکسزم۔ لینن ازم سے رہنمائی حاصل کرتی ہے اور اس کا پروگرام اسی بنیاد پر تشکیل پاتا ہے۔ پارٹی کا پروگرام کمیونسٹ تعمیر کی مدت کے لئے پارٹی کے اہم فریضوں کا خاکہ پیش کرتا ہے۔ پروگرام میں کہا گیا ہے : "مکمل پیمانے کی کمیونسٹ تعمیر کے دور کی خصوصیت یہ ہے کہ سوویت سماج کی رہبر اور رہنما قوت کی حیثیت سے کمیونسٹ پارٹی کے رول اور اس کی اہمیت میں مزید اضافہ ہوتا ہے.....

"ترقی کے نئے مرحلے میں سوویت سماج کی زندگی میں پارٹی کے رول میں اضافہ مندرجہ ذیل چیزوں سے ہوتا ہے :

• کمیونسٹ تعمیر کے فرائض کی بڑھتی ہوئی وسعت اور پیچیدگی جو اعلیٰ تر سطح کی سیاسی اور تنظیمی قیادت کا تقاضا کرتی ہے،

• عوام کی تخلیقی سرگرمیوں میں اضافہ اور ریاستی امور اور پیداوار کے نظم و نسق میں لکھو کھا نئے محنت کش عوام کی شرکت،

• سوشلسٹ جمہوریت کا مزید فروغ، عوامی تنظیموں کے رول میں اضافہ یونین جمہوریاؤں اور مقامی تنظیموں کے حقوق میں توسیع،

• سائنسی کمیونزم کے نظریئے کی، اس کے تخلیقی فروغ اور تشہیر کی، محنت کش عوام کی کمیونسٹ تعلیم کو بہتر بنانے اور عوام کے ذہنوں میں ماضی کے باقیات پر غالب آنے کے لئے جد و جہد کرنے کی ضرورت کی بڑھتی ہوئی اہمیت۔"

سوویت سماج کی ترقی کے نئے مرحلے کی مطابقت میں پارٹی کی ترقی کا، اسکے سیاسی، نظریاتی اور تنظیمی کام کی ترقی کا بھی ایک نیا اعلیٰ تر مرحلہ ہوتا ہے۔ پارٹی اپنے کام کی شکلوں اور طریقہائے کار کو مسلسل مکمل بنائے گی تاکہ عوام کے لئے اسکی قیادت، کمیونزم کی مادی اور فنی بنیاد کی تعمیر میں اور سوویت سماج کی روحانی زندگی کے فروغ میں اس کی رہبری مکمل پیمانے کی کمیونسٹ تعمیر کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے مطابق ہو جائے۔

سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کی بائیسویں کانگریس کے منظور کردہ ضوابط کمیونزم کی فتح کے لئے پارٹی کے کام میں ایک قابل اعتماد تنظیمی ہتھیار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ ضوابط ہر پارٹی ممبر سے زیادہ سے زیادہ مطالبات کرتے ہیں۔ ضروری ہے کہ ہر کمیونسٹ محنت کی جانب اپنے کمیونسٹ رویہ میں، کمیونسٹ نظریات کے ساتھ اپنی وابستگی اور خامیوں پیسے کے لالچ اور طفیلیوں کی جانب اپنے غیر مفاہمانہ رویئے میں ایک مثالی نمونہ ہو۔ یہ ضوابط پارٹی کے اندر جمہوریت کے مزید فروغ اور پارٹی کے مقامی اداروں اور بنیادی تنظیموں کے رول میں اضافے کا اہتمام کرتے ہیں۔ وہ کمیونسٹ تعمیر کے محرک اور منتظم کی حیثیت سے سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کے رول کو اور بھی زیادہ بلند کرتے ہیں۔

عوام کے ساتھ پارٹی کے روابط کی مزید توسیع کمیونزم کے لئے کامیاب کام کی ایک ناگزیر شرط ہے۔ پارٹی اسے اپنا فرض سمجھتی ہے کہ داخلی اور خارجہ پالیسی کے اہم سوالات پر مسلسل عوام سے رائے لے اور انھیں اپنے کام میں زیادہ سے زیادہ شریک کرے۔

سوشلسٹ ریاست کا فروغ، عوامی تنظیموں کے وظائف کی توسیع اور سوشلسٹ جمہوریت کا پھیلاؤ عوام کے درمیان پارٹی کی زیادہ گہری اور پہلودار سرگرمیوں کی اور عوام کے درمیان پارٹی کے روز افزوں اثر و نفوذ کی ضرورت کا تعین کرتا ہے۔

سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کی رہ نمایانہ اور رہبرانہ سرگرمیاں اور اس کا تنظیمی اور تعلیمی کام کمیونزم کی فتح کا ایک خاص عامل ہے۔

۵۔ ریاست کا ختم ہو جانا

ہم نے یہ جان لیا ہے کہ سوشلزم اور کمیونزم کی تعمیر میں سوشلسٹ ریاست کتنا بڑا رول ادا کرتی ہے۔ لیکن ترمیم پسند ریاست کے بارے میں مارکسی لیننی نظریے کو چیلنج کرتے ہیں اور سوشلسٹ اور کمیونسٹ تعمیر میں ریاست کے رہ نمایانہ کردار سے انکار کرتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ سوشلسٹ سماج کی معاشی اور ثقافتی زندگی کی رہ نمائی کی اجازت ریاست کو نہیں دی جاسکتی، کیونکہ اس کے نتیجے میں جمہوریت کی خلاف ورزی ہوتی ہے، نوکر شاہی کو فروغ حاصل ہوتا ہے اور ریاستی مشین سماج پر غالب آجاتی ہے۔ ترمیم پسند پرولتاریہ کی آمریت کو جبر سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ پرولتاریہ کی آمریت اور جمہوریت دو قطعی مختلف چیزیں ہیں اس لئے "آمریت مردہ باد!"

ترمیم پسند پرولتاریہ کی آمریت کی ماہیت کو مسخ کرتے ہیں اور اس کے محض ایک پہلو کو، یعنی جبر کے پہلو کو مطلق قرار دیتے ہیں۔ وہ یہ دیکھنے سے انکار کرتے ہیں کہ پرولتاریہ کی آمریت کا اصل فریضہ سوشلسٹ سماج کو منظم کرنا، عوام کو تعلیم دینا اور انھیں سوشلزم کی تعمیر میں شریک کرنا ہے۔ اس قدر بڑے فریضوں کو پرولتاریہ کی آمریت کی ریاست جیسی صحیح معنوں میں جمہوری ریاست ہی تکمیل تک پہنچا سکتی ہے۔

ہم نے دیکھا ہے کہ سوشلسٹ ریاست کو کمیونسٹ تعمیر کی مدت میں اور بھی زیادہ پیچیدہ فریضے درپیش ہوتے ہیں۔ کمیونزم عوام کی تخلیقی مساعی کا، ان کے بہادرانہ اور بے لوث کام کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لیکن ضروری ہے کہ عوام کی تخلیقی مساعی متحد و منظم ہوں اور ان کا رخ ایک واحد مقصد کے حصول کی جانب ہو۔ سوشلسٹ ریاست جس کی قیادت کمیونسٹ پارٹی کے ہاتھوں میں ہوتی ہے، وہ قوت ہوتی ہے جو ایک نئے سماج کی تعمیر کی تنظیم کرتی ہے۔ چنانچہ کمیونسٹ تعمیر کی ساری مدت کے دوران سوشلسٹ ریاست کے جو

کی ضرورت ہوتی ہے، اِس ریاست کو مسلسل ترقی دینے اور بہتر بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

تاہم سوشلسٹ ریاست کے استحکام اور فروغ کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ ہمیشہ موجود رہے گی۔ سوشلسٹ ریاست کا فروغ، عوامی، کمیونسٹ سمت خود اختیاری میں اسکی منتقلی کا بتدریج باعث ہوگا، جس میں سوویتیں، ٹریڈ یونینیں، کوآپریٹو ادارے اور دیگر عوامی تنظیمیں متحد ہونگی۔

عوام کے ہاتھوں نظم و نسق کے وظائف، معاشی اور ثقافتی زندگی کی رہنمائی کے اُن وظائف کی طرح جنھیں اب ریاست سرانجام دیتی ہے، فطری طور پر، کمیونزم کے تحت بھی باقی رہیں گے اور جیسے جیسے سماج ترقی کرتا جائے گا، ویسے ویسے وہ بھی ترقی کرتے اور بہتر ہوتے جائینگے۔ لیکن اُن کی سرانجام دہی کی نوعیت اور طریقہ سوشلزم سے مختلف ہوگا۔ جیسے جیسے سماج کمیونزم کی جانب پیش قدمی کرے گا، ویسے ویسے ریاستی نظم و نسق کے ادارے بتدریج اپنے سیاسی، طبقاتی کردار سے محروم ہوتے جائینگے، اور بالآخر سماج کے ساتھ ضم ہوکر وہ عوامی حکومت خود اختیاری کے ادارے بن جائینگے جن کے ذریعے سماج کے تمام اراکین معاشی اور ثقافتی امور کا نظم و نسق چلائینگے۔ ریاست ختم ہو جائے گی۔

ریاست کا ختم ہو جانا ایک طویل، تدریجی سلسلۂ عمل ہے جو ایک طویل تاریخی مدت پر حاوی ہوگا۔ ایک خاص مدت کے دوران ریاستی نظم و نسق اور عوامی حکومت خود اختیاری کی خصوصیات ایک دوسرے کے ساتھ موجود رہیں گی اور ایک دوسرے کے ساتھ پیچیدہ ہوں گی۔ صرف اس وقت ہی جبکہ سماج حکومت خود اختیاری کیلئے مکمل طور پر تیار ہو جائیگا یعنی صرف ترقی یافتہ کمیونزم کے حالات میں ہی ایک ریاست کی ضرورت ختم ہوگی۔

لینن نے لکھا ہے کہ "ریاست صرف اس وقت مکمل طور پر ختم ہوسکے گی جب سماج اس اصول کو اختیار کرلے کہ ہر شخص سے اسکی صلاحیت کے مطابق کام لیا جائے اور ہر شخص کو اسکی ضرورت کے مطابق دیا جائے یعنی جب عوام سماجی ربط و ضبط کے بنیادی ضابطوں کی پابندی کے بہت زیادہ عادی ہو جائیں اور جب اُن کی محنت اتنی زیادہ پیداواری صلاحیت کی حامل ہو جائے کہ وہ اپنی صلاحیت کے مطابق رضا کارانہ طور پر کام کرنے لگیں"!

ایک ترقی یافتہ کمیونسٹ سماج کی تعمیر ریاست کے ختم ہونے کی اندرونی شرط ہے لیکن ریاست کے مکمل طور پر ختم ہو جانے کے لئے بعض بیرونی شرائط بھی ضروری ہیں، یعنی ساری دنیا میں سوشلزم کی

فتح اور اس کا استحکام۔ ریاست کے ختم ہو جانے کا ذکر کرتے وقت ہمیں بین الاقوامی صورت حال کو بھی لازماً پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ اگر کمیونزم ایک ملک میں یا چند ممالک میں فتحمند ہو جاتا ہے لیکن مسلح سرمایہ دارانہ طاقتیں دنیا میں باقی رہتی ہیں تو کمیونسٹ سماج مجبور ہو گا کہ دفاع کے ریاستی وظیفے کو باقی رکھے۔ یہ وظیفہ صرف اسی وقت ختم ہو گا جب رجعت پرست سامراجی قوتوں کی جانب سے حملے کا خطرہ مکمل طور پر ختم ہو جائیگا۔

چنانچہ کمیونزم کی تعمیر کے عمل کے دوران ریاستی انتظامیہ بتدریج عوامی حکومت خود اختیاری میں بدل جاتی ہے، اور یہ سلسلۂ عمل ریاستی مشینری کے کام کی مزید بہتری اور سوشلسٹ جمہوریت کی بتدریج ترقی اور کاملیت کے ساتھ ناقابلِ شکست طور پر وابستہ ہوتا ہے۔

اٹھارواں باب

سماجی انقلاب

ہم نے گزشتہ باب میں یہ دیکھا کہ ریاست کیا ہوتی ہے، یہ کس طرح وجود میں آئی اور تاریخ ریاست کی کن کن قسموں سے واقف ہے۔ اب مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں: ایک قسم کی ریاست کی جگہ دوسری قسم کی ریاست کے آجانے کا کیا سبب ہوتا ہے، سماجی نظاموں میں تبدیلیاں کیوں ہوتی اور ایک حکمراں طبقے کی جگہ دوسرا حکمراں طبقہ کیوں آجاتا ہے؟ سماجی انقلاب کا مارکسی۔لیننی نظریہ ان سوالات کے جوابات دیتا ہے۔

سماجی انقلاب، ایک مخاصمانہ طبقاتی سماج کے نشو ونما کا قانون

سماجی انقلاب کی نوعیت، اُسکے اسباب اور اُسکی اہمیت: سماجی انقلاب سماج کی سیاسی، معاشی اور نظریاتی زندگی میں ایک دُور رس تغیرِ عظیم ہوتا ہے۔ یہ سماجی انقلاب ہی ہے جو حکمراں طبقات اور ریاست کی قسموں کی تبدیلی کا باعث ہوتا ہے، پرانے پیداواری تعلقات کو ختم کرتا ہے، نئے پیداواری تعلقات قائم کرتا ہے اور سماجی نظریات اور اداروں میں بنیادی تبدیلیاں پیدا کرتا ہے۔

سماجی انقلاب اتفاقی نہیں ہوتا بلکہ یہ تابعِ قانون ہوتا ہے، یہ نشو ونما کے خاص مراحل میں سماج کی زندگی کے مادّی حالات سے اور اسکے اندرونی تضادات سے جنم لیتا ہے۔ سماجی انقلاب کے اسباب کی جانب اشارہ کرتے ہوئے مارکس نے لکھا ہے کہ سماج کی مادّی پیداواری قوتیں اپنے نشو ونما کے ایک خاص مرحلے پر اس وقت موجود پیداواری تعلقات کے ساتھ جن کے اندر رہ کر وہ اب تک کام کرتی رہی ہیں متصادم ہونے لگتی ہیں۔ یہ تعلقات پیداواری قوتوں کی ترقی کی شکلوں کے بجائے اُن کے پاؤں کی زنجیریں بن جاتے ہیں تب سماجی انقلاب کا ایک دَور شروع ہوتا ہے۔

نئی پیداواری قوتوں اور پرانے پیداواری تعلقات کے درمیان تصادم سماجی انقلاب کی معروضی معاشی اساس کی تشکیل کرتا ہے۔ ہم پہلے یہ دیکھ چکے ہیں کہ پیداواری تعلقات ایک غیر معینہ مدت تک پیداواری قوتوں کی ترقی سے پیچھے نہیں رہ سکتے۔ ضروری ہے کہ وہ جلد یا بہ دیر اُن کی مطابقت میں ہو جائیں۔ یہ مطابقت ایک سماجی انقلاب کے ذریعے وجود میں آتی ہے۔

پیداوار میں نمودار ہونے والا ایک تصادم ہمیشہ طبقاتی مفادات کے تصادم میں ظاہر ہوتا ہے۔ رجعت پرست طبقے کی جو پرانے پیداواری تعلقات کا علمبردار ہوتا ہے، ترقی پسند طبقہ مخالفت کرتا ہے جو نئے پیداواری تعلقات کا علمبردار ہوتا ہے۔ چنانچہ رجعت پرست طبقے کے خلاف ترقی پسند طبقہ غیر مفاہمانہ جدوجہد کرتا ہے جس کا اعلیٰ ترین اظہار اور انجام سماجی انقلاب کی صورت میں ہوتا ہے۔

پرانا رجعت پرست طبقہ کبھی بھی اپنی حکمرانی سے رضاکارانہ طور پر دست بردار نہیں ہوتا۔ یہ پرانے پیداواری تعلقات کو برقرار رکھنے کے لئے ریاست کی مکمل طاقت کا استعمال کرتا ہے۔ چنانچہ پرانے پیداواری تعلقات کو ختم کرنے کے لئے اور نئے پیداواری تعلقات کو نافذ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ترقی پسند طبقہ سیاسی اقتدار حاصل کرے۔ بالفاظ دیگر اس امر کا انحصار کہ نئے پیداواری تعلقات کو فتح حاصل ہوتی ہے یا نہیں، بالآخر اس امر پہ ہوتا ہے کہ آیا انقلابی طبقے کو ریاستی اقتدار حاصل ہوتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ ریاستی اقتدار کسی بھی انقلاب کا بنیادی سوال ہوتا ہے۔

سماجی انقلابات سماجی زندگی میں زبردست اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ صرف بنیادی انقلابی تبدیلیوں کے ذریعے ہی پرانے، رجعت پرستانہ سماجی نظام کو ختم کیا جاسکتا ہے اور ایک نئے، ترقی پسند نظام کو نافذ کیا جاسکتا ہے۔ صرف سماجی انقلابات ہی ان معاشی اور طبقاتی تضادات کو حل کرتے ہیں جو سابقہ سماجی نشوونما کے طویل دور میں پختہ ہوتے تھے۔ صرف انقلاب ہی معاشی سیاسی اور ثقافتی ترقی کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو جو فرسودہ پیداواری تعلقات کی شکل میں ہوتی ہیں اور اُن کے رجعت پرست علمبرداروں، یعنی پرانے طبقات کو ختم کرنے میں مدد دے سکتا ہے۔ سماجی انقلاب کے وقت عوام کی تخلیقی توانائیاں بیدار ہوتی ہیں اور لاکھوں عوام فعال سماجی زندگی میں شریک ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے سماجی نشوونما کے سلسلۂ عمل میں بڑی تیز رفتاری پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی

وجہ سے مارکس نے انقلاب کو تاریخ کا "ریلوے انجن" کہا ہے۔

ایک انقلابی صورتحال میں موضوعی عامل کا رول :

ایک انقلاب کوئی بھی انقلاب "آرڈر پر تیار" نہیں کیا جاتا اور نہ ہی کسی کی مرضی سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔ خارجی حالات؛ معروضی اور موضوعی بنیادی شرائط ایک انقلاب کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔

کسی انقلاب کے لئے درکار معروضی حالات کے مجموعے کو انقلابی صورت حال کہتے ہیں۔ لینن نے مندرجہ ذیل چیزوں کو انقلابی صورت حال کی علامات قرار دیا :

۱۔ ایک طرف تو حکمراں طبقوں کے لئے پرانے انداز میں رہنے اور حکمرانی کرنے کا ناممکن ہوجانا' یعنی "اوپر سے" بحران' اور دوسری طرف مظلوم طبقات کی بڑھتی جو پرانے انداز میں نہیں رہنا چاہتے، یعنی "نیچے سے بحران"۔ لینن نے لکھا ہے، " انقلاب ایک قوم گیر بحران (جو استحصال کا شکار ہونے والوں اور استحصال کرنے والوں، دونوں کو متاثر کرے) کے بغیر ناممکن ہے۔"

۲۔ مظلوم طبقات کے افلاس اور مصائب میں بے انتہا اضافہ ہوجانا۔

۳۔ عوام کی سرگرمی میں خاصا اضافہ۔ عام اوقات میں تو عوام نسبتہً پُرسکون ہوتے ہیں، لیکن بحران کے حالات میں صورت حال خود انھیں آزادانہ انقلابی قدم اٹھانے پر اُکساتی ہے۔

تاہم، ہر انقلابی صورت حال ایک انقلاب کا باعث نہیں ہوتی۔ روس میں ۱۸۵۹ء سے لیکر ۱۸۶۱ء تک انقلابی صورتحال رہی' لیکن کوئی انقلاب وقوع نہیں ہوا۔ ایک انقلابی صورتحال یعنی معروضی عامل کی پختگی، ایک فتحمند انقلاب کے محض امکان کو جنم دیتی ہے۔ لیکن اس امکان کو حقیقت میں بدلنے کے کیلئے موضوعی عامل بھی لازماً پختہ ہونا چاہیئے، یعنی مزدور طبقے کو بڑے پیمانے کی انقلابی کارروائی کرنے کیلئے لازماً تیار اور اس کا اہل ہونا چاہیئے جو اتنی طاقتور ضرور ہو کہ پرانی حکومت کو، جو بقول لینن خود سے نہیں گرتی، بلکہ گرائی جاتی ہے، مغلوب کر سکے (یا اسے کمزور کر سکے)۔ ایک فتحمند سوشلسٹ انقلاب صرف اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب مزدور طبقہ منظم، ورسیاسی طور پر باشعور ہو، جب اُس کے با اعتماد اتحادی موجود ہوں اور جب انقلاب کی قیادت ایک تجربہ کار اور منجھی ہوئی مارکسی پارٹی کے ہاتھوں میں ہو۔

ایک انقلاب کی نوعیت اور اُس کی محرکہ قوتیں :

سماجی انقلابات اپنی نوعیت اور محرکہ قوتوں کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ ایک انقلاب کی نوعیت کا انحصا

اس طبقے پر جو اقتدار حاصل کرلیتا ہے اور ان پیداواری تعلقات پر جو اسکے نتیجے میں نافذ ہوتے ہیں، ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک ایسا انقلاب جسکے دوران جاگیرداروں کی حکمرانی کی جگہ بورژوازی کی حکمرانی لے لیتی ہے اور جاگیردارانہ پیداواری تعلقات کے بجائے نئے سرمایہ دارانہ پیداواری تعلقات نافذ ہوجاتے ہیں، ایک بورژوا انقلاب کی نوعیت کا حامل ہوتا ہے۔

ایک انقلاب کی محرکہ قوتیں وہ سماجی طبقات ہوتے ہیں جو انقلاب برپا کرتے ہیں اور نئے پیداواری تعلقات کی فتح کے لئے رجعت پرست طبقات کے خلاف لڑتے ہیں۔ انقلاب برپا کرنے والے طبقات میں سے ایک طبقہ رہنما ہوتا ہے اور انقلاب میں حصہ لینے والے باقی تمام دیگر طبقات اور سماجی گروہ اس کی پیروی کرتے ہیں۔

اس امر کا انحصار کہ ایک انقلاب کی محرکہ قوتیں کون ہوتی ہیں اور کون سا طبقہ رہنما ہوتا ہے، انقلاب کی نوعیت پر اور ان تاریخی حالات پر ہوتا ہے جن کے تحت یہ وقوع پذیر ہوتا ہے۔ سرمایہ داری کی پیش قدمی کے وقت (سترھویں صدی سے لیکر انیسویں صدی کے نصفِ اول تک) مغرب کے بورژوا انقلابات میں محرکہ قوتیں کسان اور دستکار تھے، جبکہ رہنما بورژوازی تھا جو جاگیرداری کے خلاف لڑنے والے تمام دیگر عناصر کی رہنمائی کررہا تھا۔

سامراج کے عہد میں بورژوا انقلابات اکثر اوقات ایک بہت نمایاں جمہوری نوعیت حاصل کرلیتے ہیں (روس کا ۱۹۰۷-۱۹۰۵ء کا انقلاب اور ۱۹۱۷ء کا انقلاب فروری)۔ ان انقلابات میں عوام کے وسیع ترین طبقے حصہ لیتے ہیں، وہ خود اپنے مطالبات پیش کرتے ہیں، ایک آزاد راہِ عمل اختیار کرتے ہیں اور انقلاب کے عمل پر زبردست اثر ڈالتے ہیں۔ سامراجی بورژوازی ان انقلابات میں ایک رجعت پرست طبقے کی حیثیت سے عمل کرتا ہے۔ یہ انقلاب کی مکمل فتح سے خوفزدہ ہوتا ہے، وسیع جمہوری عمل سے ڈرتا ہے، کیونکہ آزادی جتنی زیادہ مکمل اور جمہوریت جتنی زیادہ وسیع ہوگی، اس کی حکمرانی کے خلاف مزدور طبقے کی جدوجہد کے لئے حالات اتنے ہی زیادہ سازگار ہوں گے۔ اجارہ دار بورژوازی نہ صرف یہ کہ رہنما نہیں رہتا بلکہ انقلاب کی محرکہ قوت بھی نہیں رہتا۔ بہت سے ممالک میں یہ انقلاب دشمنی کی کھلم کھلا حمایت کرتا ہے۔ پرولتاریہ اور کسان، پرولتاریہ کی رہنمائی میں سامراج کے عہد میں بورژوا انقلابات کی محرکہ قوت ہوتے ہیں۔

۲۔ سوشلسٹ انقلاب

سوشلسٹ انقلاب کی نوعیت : سوشلسٹ انقلاب سماجی انقلاب کی سابقہ تمام اقسام سے بنیادی طور پر مختلف ہوتا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ سابقہ انقلابوں میں سے کوئی بھی انقلاب استحصال کے خاتمے کے مقصد پر مبنی نہیں تھا بلکہ محض استحصال کی شکلوں میں ترمیم کر دیتا تھا۔ لیکن سوشلسٹ انقلاب ہر قسم کے استحصال کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیتا ہے اور غیر طبقاتی سماج کی تعمیر کے عہد کا آغاز کرتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ سابقہ انقلابات کو ایک نئی معیشت کی تخلیق نہیں کرنی پڑی تھی۔ انہوں نے محض سیاسی اقتدار کو اُن نئے معاشی تعلقات کے مطابق کر دیا تھا جو پرانے سماج کے اندر پیدا ہوئے تھے۔ سوشلسٹ انقلاب کے خاص فریضوں میں سے ایک فریضہ ایک نئی معیشت کی تخلیق کرنا ہے، سوشلزم کی معیشت جو سرمایہ داری کے بطن سے پیدا نہیں ہوتی۔

تیسری بات یہ ہے کہ کسی بھی انقلاب میں عوام کی اس قدر زبردست سرگرمی کا مظاہرہ نہیں ہوتا جتنا کہ سوشلسٹ انقلاب میں۔ سوشلسٹ انقلاب کے عمل میں پرولتاریہ سرمایہ داری کے خلاف اور سوشلزم کے لئے جنگ کرنے کی غرض سے محنت کش عوام کے وسیع حلقوں کو اپنے گرد مجتمع کر لیتا ہے۔

مزدور طبقہ سوشلسٹ انقلاب کی فیصلہ کن قوت ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ ترقی یافتہ، انقلابی طبقہ پرولتاریہ مارکسی پارٹی کی زیر قیادت ان تمام محنت کش عوام کی رہنمائی کرتا ہے جو پرانے سرمایہ دارانہ سماج کے خلاف جدوجہد کرتے ہیں۔ مزدور طبقہ سرمایہ داری پر اس وقت حملے کی تنظیم کرتا ہے جبکہ سرمایہ دار طبقہ ابھی سیاسی اقتدار کا حامل ہوتا ہے اور پھر مزدور طبقہ سارے محنت کش عوام کی سوشلسٹ راہ پر قیادت کرتا رہتا ہے۔

سوشلسٹ انقلاب کا اصل سوال پرولتاریہ کا سیاسی اقتدار حاصل کر لینا اور اُسے مزید ترقی دینا اور مستحکم کرنا ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، مزدور طبقہ صرف اپنی پرولتاری ریاست کی تخلیق کے ذریعہ ہی سرمایہ داری کو ختم کرنے اور ایک نئے سماج کی تعمیر کرنے کے اپنے مشن کی تکمیل کر سکتا

ہے۔ بورژوا ریاستی مشین کی تباہی اور ایک نئی، پرولتاری ریاست کی تعمیر سوشلسٹ انقلاب کا اصل فریضہ ہے۔

سامراج کے عہد میں سوشلسٹ انقلاب کا ناگزیر ہونا:

اصلاح پسندوں نے ہمیشہ سوشلسٹ انقلاب کی مخالفت کی ہے۔ وہ موجودہ دور میں جبکہ سرمایہ داری سے سوشلزم کی جانب نوعِ انسانی کی پیش قدمی تاریخ کی اصل خصوصیت ہے، سوشلسٹ انقلاب کے مارکسی۔لیننی نظریہ کو رد کرنے کی کوششوں میں خاص طور سے سرگرداں ہیں۔ اصلاح پسند، اس تاریخ قانون سلسلۂ عمل کو ہر قیمت پر روکنے کی غرض سے، سرمایہ داری کو برقرار رکھنے اور مزدور طبقہ کو انقلابی جدوجہد کی راہ سے ہٹانے کی غرض سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آج کے حالات میں کسی سوشلسٹ انقلاب کی ضرورت نہیں، یہ کہ اب سرمایہ داری سے سوشلزم میں ارتقا اصلاحات کے ذریعے ممکن ہے۔ اُن کے نقطۂ نظر کے مطابق عصرِ حاضر کی سرمایہ داری اب وہ سرمایہ داری نہیں رہی جسکے بارے میں مارکس نے اپنی کتاب "سرمایہ" میں لکھا ہے، بلکہ یہ "عوامی سرمایہ داری" بن گئی ہے، ایک ایسا سماج بن گئی ہے جس میں نہ تو استحصال کرنے والے ہیں اور نہ وہ جن کا استحصال کیا جائے، خود بورژوا ریاست بھی بدل گئی ہے، اس کی طبقاتی نوعیت ختم ہو گئی ہے اور اب یہ ایک فلاحی ریاست بن گئی ہے جو موجودہ سیاسی نظام کے ڈھانچے کے اندر ہی اصلاحات کے ذریعے سوشلزم لا سکتی ہے۔

اصلاح پسندوں کے نظریات کو جو ایک سوشلسٹ انقلاب کی ضرورت سے انکار کرتے ہیں، ترمیم پسندوں نے بھی اپنا لیا ہے۔ بہت سے سرمایہ دار ممالک میں ریاستی اجارہ دار سرمایہ داری کے فروغ کو یہ لوگ عصرِ حاضر کی سرمایہ داری کے سوشلزم میں بدل جانے کی توثیق کے لئے خاص دلیل کے طور پر استعمال کرتے ہیں ترمیم پسند سرمایہ داری کے سنگِ بنیاد، یعنی نجی ملکیت کو ختم کرنے کے خیال کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ وہ اِس بات کو سمجھنے سے انکار کرتے ہیں کہ ریاستی اجارہ دار سرمایہ داری جسکے وہ گُن گاتے ہیں، ملکیت کو ختم کرنے کے بجائے اُسے سرمایہ دار ریاست کے ہاتھوں میں مرتکز کر دیتی ہے۔ وہ انقلاب میں پرولتاریہ کے رہنمایانہ رُول سے اور ایک پرولتاری ریاست کی ضرورت سے انکار کرتے ہیں۔

سامراج کے تحت کوئی بھی "عوامی سرمایہ داری"، کوئی بھی "استحصال کے بغیر سرمایہ داری"، کوئی

بھی "فلاحی ریاست" وجود نہیں رکھتی، اور نہ ہی وجود رکھ سکتی ہے۔ سامراج کی انتہائی رجعت پرستانہ فطرت کا اظہار مزدور طبقے کے زیادہ شدید استحصال میں، محنت کش عوام کے معیار زندگی اور اُن کے جمہوری حقوق پر دست اندازی میں، اسلحہ کی دوڑ اور ایک اور عالمی جنگ کی تیاری میں ہوتا ہے۔ یہ تمام چیزیں لازماً مزدور طبقے اور بورژوازی کے درمیان مخاصمت کو گہرا کرتی ہیں جس کا اظہار تیز تر طبقاتی جدوجہد میں، سامراج کے خلاف اور معیارِ زندگی کی بہتری، امن اور جمہوریت کے لئے وسیع تر عوامی تحریکوں میں ہوتا ہے۔ یہ جدوجہد فطرتاً سوشلسٹ انقلاب کا، سرمایہ داری کے خاتمے اور سوشلزم کی فتح کا باعث ہوتی ہے۔

سامراج کے عہد میں سوشلسٹ انقلاب ناگزیر ہے۔ صرف پرولتاری انقلاب ہی سرمایہ دارانہ پیداواری تعلقات کو، جو جدید پیداواری قوتوں کے فروغ اور نوعِ انسانی کی ترقی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں، دور کرنے کا اور تاریخی نشوونما کے اہم ترین تقاضوں کو پورا کرنے کا اہل ہوتا ہے۔

سوشلسٹ انقلاب کے بارے میں لینن کا نظریہ

مارکس اور انیگلز نے بورژوازی اور پرولتاریہ کے درمیان مخاصمت کو بے نقاب کیا اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس مخاصمت کا گہرا ہونا سوشلسٹ انقلاب کا باعث ہوگا۔

تاہم، مارکس اور انیگلز کا تعلق اس دور سے تھا جبکہ سرمایہ داری مائل بہ ترقی تھی اور یہ کم و بیش ہمواری کے ساتھ فروغ پا رہی تھی۔ چنانچہ اس کے پیش نظر انہوں نے یہ رائے قائم کی کہ پرولتاری انقلاب سارے ترقی یافتہ ممالک میں یا ان ممالک کی کثیر تعداد میں ایک ہی وقت میں کامیاب ہو سکتا ہے، کیونکہ اس وقت کسی ایک ملک میں سوشلزم قائم کرنے کی کوشش کو سارے سرمایہ داروں کی مشترکہ کوششوں کے ذریعے کچل دیا جاتا۔

اُنیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں جبکہ سرمایہ داری سامراج میں بدل گئی اور اپنے آخری مرحلے میں داخل ہو گئی، تو سوشلسٹ انقلاب کی شرائط میں بھی کافی تبدیلی پیدا ہو گئی۔ لینن نے انقلاب کا ایک نیا نظریہ پیش کیا جو سامراج کے عہد سے مطابقت رکھتا تھا۔

١٩٠٥ء میں اپنی کتاب "جمہوری انقلاب میں سوشل ڈیموکریسی کے دو طریقہائے کار" میں لینن نے بورژوا جمہوری انقلاب کے سوشلسٹ انقلاب کی شکل اختیار کر لینے کے اہم سوال کا جائزہ لیا۔ نئے حالات میں مزدور طبقے کی انقلابی تحریک کی منفرد خصوصیات کا، بالخصوص روس کے ١٩٠٥ء - ١٩٠٧ء کے

انقلاب کی منفرد خصوصیات کا تجزیہ کرتے ہوئے وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ صرف پرولتاریہ ہی جو انقلاب کو آخر تک لے جانے میں براہ راست دلچسپی رکھتا ہے، سامراج کے دور میں بورژوا جمہوری انقلاب کا رہنما ہو سکتا ہے اور اُسے ہونا چاہئیے۔ انقلاب کے عمل کے دوران پرولتاریہ پہلے تو جمہوری تبدیلیاں روبعمل لاتا ہے اور پھر فوراً ہی جمہوری انقلاب سے سوشلسٹ انقلاب کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔

لینن کی یہ دریافت کہ سوشلسٹ انقلاب پہلے کسی ایک واحد ملک میں کامیاب ہو سکتا ہے، لینن کے نظریۂ انقلاب کا اہم ترین عنصر ہے۔ لینن نے اس اصول پر عمل کیا کہ سامراج کے تحت سرمایہ دار ممالک کی ترقی ناہموار اور غیر مسلسل ہے۔ بعض ممالک، جو پہلے پیچھے رہ گئے تھے، معاشی لحاظ سے ترقی یافتہ ممالک سے آگے نکل جاتے ہیں اور انھیں پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ طاقت کا توازن بے ترتیب ہے اور دنیا کی تقسیم نو کے لئے تصادم اور جنگیں ہوتی رہتی ہیں۔ نتیجتہً، عالمی سرمایہ داری کی پوزیشنیں کمزور ہو جاتی ہیں اور یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ سامراج کی زنجیر کی سب سے کمزور کڑی کو توڑ دیا جائے۔ لینن نے لکھا، "سرمایہ داری کی ترقی مختلف ممالک میں انتہائی ناہمواری کے ساتھ عمل میں آتی ہے۔ اس سے یہ ناقابل تردید نتیجہ نکلتا ہے کہ سوشلزم تمام ممالک میں بیک وقت فتح حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ پہلے تو ایک یا کئی ممالک میں فتح حاصل کرے گا جبکہ باقی دیگر ممالک کچھ عرصہ تک بورژوا یا قبل بورژوا ممالک رہیں گے۔"

سوشلسٹ انقلاب کا لیننی نظریہ نہایت درجہ عملی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ محنت کش عوام کی انقلابی پہل کاری کو زنجیروں سے آزاد کرتا ہے اور ہر ملک کے مزدور طبقے کو اسکے عظیم کاز میں فتح کا یقین دلاتا ہے۔

عالمی سوشلسٹ نظام کی تشکیل: سوشلسٹ انقلاب کے لیننی نظرئیے سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے روس کے مزدور طبقے نے کسانوں کے ساتھ اتحاد میں اور بالشویک پارٹی کی زیر قیادت جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی حکمرانی کا خاتمہ کر دیا اور سیاسی اقتدار خود اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ ۷ نومبر ۱۹۱۷ء (پرانے کلینڈر کے مطابق ۲۵ اکتوبر) کا دن تاریخ میں نوع انسانی کی ترقی کے ایک نئے عہد کے آغاز کا، سرمایہ داری کے انہدام اور ایک نئے سوشلسٹ سماج کی فتح کے عہد کے آغاز کا، دن بن گیا۔ اس تاریخی دن لینن نے کہا، "آج سے روس کی تاریخ میں ایک نئے مرحلے کا آغاز ہوتا ہے، اور اس، تیسرے روسی انقلاب کو، بالآخر سوشلزم کی فتح کا باعث ہونا چاہئیے۔"

لینن کے معجزاتی الفاظ صحیح ثابت ہوئے۔ سوشلزم کو سوویت یونین میں مکمل اور حتمی فتح حاصل ہو گئی

اکتوبر کے عظیم سوشلسٹ انقلاب نے عالمی انقلابی تحریک کو زبردست بڑھاوا دیا، اس نے سرمایہ دارانہ نظام کی ٹوٹ پھوٹ اور سرمایہ داری کے عمومی بحران کا آغاز کیا۔ اس نے سرمایہ داری سے سوشلزم میں منتقلی کی ابتدا کی۔

دوسری عالمی جنگ کے بعد وسطی اور جنوب مشرقی یورپ کے اور ایشیا کے متعدد ممالک سرمایہ دارانہ نظام سے الگ ہو گئے۔ سرمایہ داری اب واحد عالمگیر سماجی۔ معاشی نظام نہیں رہی۔ اب دنیا میں دو نظام موجود ہیں، ایک تو جاں بلب سرمایہ داری اور دوسرے نوخیز ترقی پذیر سوشلزم۔

عالمی سوشلسٹ نظام ان آزاد اور خودمختار قوموں کی، جو سوشلسٹ اور کمیونسٹ راہ پر گامزن ہیں اور جو مفادات اور مقاصد کے اشتراک کے ذریعے اور بین الاقوامی سوشلسٹ یکجہتی کے قریبی رشتوں کے ذریعے ایک دوسرے کے ساتھ متحد ہیں، ایک سماجی، معاشی اور سیاسی برادری ہے۔ اس نظام سے تعلق رکھنے والے ممالک یورپ اور ایشیا کے وسیع رقبے پر پھیلے ہوتے ہیں۔ وہ کرۂ ارض کی زمینی سطح کے ایک چوتھائی سے زیادہ حصے پر مشتمل ہیں اور ان کی آبادی نوع انسانی کی کل آبادی کی ایک تہائی ہے۔ سوشلسٹ ممالک زبردست معاشی توانائی کے حامل ہیں۔ وہ اس وقت دنیا کی کل صنعتی پیداوار کا ایک تہائی سے زیادہ اور خطے کی کل پیداوار کا تقریباً نصف حصہ پیدا کرتے ہیں۔

عالمی سوشلسٹ نظام ممالک کے درمیان کیفیتی لحاظ سے ایک نئی قسم کے معاشی اور سیاسی تعلقات کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ تعلقات ان ممالک کے معاشی اور سیاسی مفادات کی ہم آہنگی پر مبنی ہوتے ہیں۔

وسائلِ پیداوار کی سماجی ملکیت سوشلسٹ نظام کی معاشی اساس ہوتی ہے، مزدور طبقے کی زیرِ سربراہی عوام کی حکمرانی اس کی سیاسی اساس ہوتی ہے۔ مارکسزم۔ لینن ازم کا نظریہ اسکی نظریاتی اساس ہوتا ہے۔ تمام سوشلسٹ ممالک ایک مقصد کے حامل ہوتے ہیں — سوشلزم اور کمیونزم۔

چھوٹے اور بڑے تمام ممالک کی مکمل مساوات، ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت، قومی خودمختاری اور علاقائی سالمیت کا احترام، برادرانہ، باہمی معاشی اعانت اور معاشی، سیاسی اور ثقافتی دائروں میں قریبی تعاون — یہ ہیں وہ بنیادی اصول جو سوشلسٹ ممالک کے درمیان تعلقات کی تہ میں کارفرما ہوتے ہیں۔ ان تعلقات کی جو مکمل پرولتاری بین الاقوامیت پسندی

کی تجسیم ہوتے ہیں، تاریخ میں کوئی دوسری مثال موجود نہیں ہے۔ یہ تعلقات عالمی سوشلسٹ نظام کی مضبوطی اور استحکام کی ضمانت ہیں۔

سوشلسٹ ممالک کے درمیان تعاون اور باہمی اعانت کی شکلیں بہت متنوع ہیں۔ معاشی میدان میں ان شکلوں کا اظہار قومی معاشی منصوبوں کے اتحاد میں، باہمی منفعت بخش تجارت کی مکمل ترقی میں، قرضوں کے دیئے جانے میں اور سائنسی اور فنی معلومات کے تبادلے میں ہوتا ہے۔ سیاسی میدان میں تعلقات کی یہ شکلیں سامراج کے خلاف اور امن، سوشلزم اور سماجی ترقی کے لئے مشترکہ جدوجہد پر مشتمل ہوتی ہیں اور ثقافت کے میدان میں ان کا اظہار سوشلسٹ ممالک کے درمیان وسیع تر اور کثیر الطرفہ ثقافتی تعاون میں ہوتا ہے جسکے نتیجے میں قومی ثقافتیں ایک دوسرے سے زیادہ سے زیادہ فیضیاب ہوتی ہیں۔

عالمی سوشلسٹ نظام اب اپنی ترقی کے ایک نئے مرحلے میں داخل ہو گیا ہے۔ سوویت یونین مکمل پیمانے کی کمیونسٹ تعمیر میں مصروف ہے۔ دیگر ممالک سوشلسٹ سماج کی تعمیر میں مصروف ہیں۔

سارے سوشلسٹ نظام میں سوشلزم کی فیصلہ کُن فتوحات، سوشلسٹ ممالک کی ایک کیمپ میں باہمی یکجہتی اور ان کے اتحاد اور طاقت میں مسلسل اضافہ۔ یہ ساری چیزیں نہ صرف سوویت یونین میں، بلکہ دیگر سوشلسٹ ممالک میں بھی سرمایہ داری کی بحالی کو ناممکن بنا دیتی ہیں۔ یہ چیز مجموعی طور پر پورے سوشلسٹ نظام میں سوشلزم اور کمیونزم کی مکمل فتح کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔

سوشلسٹ ممالک سوشلسٹ قوانین اور فوائد کا استعمال کرتے ہوئے، ایک دوسرے کی معاشی اور ثقافتی کامیابیوں سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی معیشت اور ثقافت کو ایک منصوبہ بند طریقے سے بتدریج فروغ دے رہے ہیں۔ اُن کی معاشی اور ثقافتی ترقی کو ایک ہی سطح پر لایا جا رہا ہے اور سوشلزم کی تعمیر کی مدت کو مختصر کیا جا رہا ہے۔ نتیجتہً، ایک تاریخی عہد کی حدود کے اندر کمیونزم میں کم و بیش بیک وقت منتقلی کے امکانات ان ممالک کے سامنے روشن ہو رہے ہیں۔

پرولتاری بین الاقوامیت پسندی کے اصولوں کی بنیاد پر عالمی سوشلسٹ نظام کے اتحاد کا استحکام سوشلسٹ ممالک کی مسلسل ترقی کی ایک ناگزیر شرط ہے۔ اس اتحاد میں قوم پرستی اور قومی علاحدگی پسندی کی جو سوشلسٹ برادری کے مفادات کو اور عالمی کمیونسٹ تحریک کے مفادات کو نقصان پہنچاتی

ہیں، کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اتحاد و یگانگت سوشلزم کی قوتوں میں اضافہ کرتے ہیں۔ سوشلسٹ ممالک کا اتحاد جتنا مضبوط تر ہوگا، معیشت اور ثقافت کو فروغ دینے میں وہ اتنا ہی زیادہ اپنی کوششوں کو مجتمع کر سکیں گے، اور اُن کا سیاسی تعاون جتنا مضبوط تر ہوگا، اُتنا ہی زیادہ قائل کن طور پر سوشلزم سرمایہ داری پر اپنی فوقیت کا مظاہرہ کریگا اور عالمی نشو ونما کے سارے عمل پر، محنت کش عوام کی انقلابی جد وجہد پر اور قومی آزادی کی تحریک پر سوشلسٹ نظام کے ذریعے مترتب ہونے والا اثر و نفوذ اتنا ہی زیادہ گہرا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی اور دیگر ممالک کی مارکسی۔لیننی پارٹیاں بائیں بازو کے ان موقع پرستوں کے خلاف سختی کے ساتھ جد وجہد کر رہی ہیں جو سوشلسٹ برادری کی بنیادوں کو کمزور کرنے پر تُلے ہوئے ہیں، سوشلسٹ ممالک کے ساتھ معاشی تعلقات میں کمی کر رہے ہیں اور عالمی امور میں سوشلسٹ ممالک کی متحدہ لائن کی کُھلم کُھلا مخالفت کر رہے ہیں۔

سوشلسٹ کیمپ کے اتحاد کا مزید استحکام اور اس کی طاقت اور دفاعی قوت میں اضافہ وہ اہم فریضے ہیں جو عالمی سوشلسٹ نظام کی اقوام کو درپیش ہیں۔

۳۔ سوشلسٹ اور سرمایہ دار ممالک کی پُرامن بقائے باہمی نوعِ انسانی کی ترقی کی ایک معروضی ضرورت

پُرامن بقائے باہمی کا لیننی اصول: مختلف سماجی نظاموں کے حامل ممالک کی پُرامن بقائے باہمی کے اصول کو لینن نے تشکیل دیا اور دلیلوں سے ثابت کیا تھا۔ اکتوبر انقلاب کے اولین گھنٹوں میں ہی سوویتوں کی دوسری کانگریس سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا تھا "ہم لوٹ کھسوٹ اور تشدد سے تعلق رکھنے والی تمام دفعات کو رد کرتے ہیں، لیکن ہم ان تمام دفعات کا خیر مقدم کرینگے جن میں اچھے ہمسایگی کے تعلقات اور معاشی سمجھوتوں کی تجویزیں موجود ہوں۔ انھیں ہم رد نہیں کر سکتے۔"

لینن کو اس امر کا گہرا یقین تھا کہ جلد یا بہ دیر سوشلزم کو ساری دنیا میں فتح حاصل ہو جائیگی۔ لیکن اُن کا خیال تھا کہ اس فتح کو بیک وقت تمام ممالک میں حاصل نہیں کیا جا سکے گا۔ معیشت کی حالت، طبقاتی جد وجہد کی شدت، پرولتاریہ اور بورژوازی کے درمیان قوتوں کے رشتۂ باہمی

اور دیگر بہت سی باتوں کی بنا پر بعض ممالک بعض دیگر ممالک کے مقابلے میں، جلد سوشلزم تک پہنچ جائیں گے۔ اس بنیاد پر لینن نے یہ نتیجہ نکالا کہ تاریخ کی ایک خاص مدت کے تمام تر دوران جبکہ سوشلسٹ ممالک کے ساتھ ساتھ سرمایہ دار ممالک موجود ہوں، سرمایہ دار اور سوشلسٹ ممالک کی بقائے باہمی ناگزیر ہے۔ لینن پُرامن بقائے باہمی کے پُرجوش داعی تھے اور کمیونسٹ پارٹی اور سوویت حکومت نے اس اصول کو اپنی خارجہ پالیسی کا سنگِ بنیاد بنا لیا ہے۔ اس کا اصل مقصد سوویت یونین میں کمیونزم کی تعمیر کے لئے اور عالمی سوشلسٹ نظام کے فروغ کے لئے پُرامن حالت کو یقینی بنانا اور تمام امن پسند قوتوں کے ساتھ مل کر نوعِ انسانی کو ایک نئی عالمی جنگ کی تباہ کاریوں سے بچانا ہے۔

سوشلسٹ اور سرمایہ دار ممالک کی پُرامن بقائے باہمی نوعِ انسانی کی ترقی کی ایک معروضی ضرورت ہے۔ آج کے حالات میں جبکہ تباہی کے انتہائی بھیانک ہتھیار موجود ہیں اور ان ہتھیاروں کو کرۂ ارض کے کسی بھی حصے میں استعمال کیا جا سکتا ہے، جبکہ ایک نئی عالمی جنگ انسانی جانوں کی ناقابلِ تصور تعداد کی بھینٹ لے گی اور ہولناک بربادیوں کا سبب بنے گی، جنگ اور امن کا سوال ہمارے عہد کا بے حد اہم سوال بن گیا ہے۔ اس وقت اصل فریضہ یہ ہے کہ ایک ایٹمی جنگ کو رد کیا جائے اور دانشمندانہ بنیاد پر بقائے باہمی کے ساتھ رہا جائے۔

پُرامن بقائے باہمی جنگ کو ترک کرنے اور بین الاقوامی تنازعات کو مذاکرات کے ذریعے طے کرنے کی، قوموں کے درمیان مساوات، باہمی مفاہمت اور اعتماد کی، ایک دوسرے کے مفادات کا خیال رکھنے کی، ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت کی، ہر قوم کے اس حق کو تسلیم کرنے کی کہ وہ اپنے سارے مسائل کو خود حل کرے، تمام ممالک کی خود مختاری اور علاقائی سالمیت کے سخت احترام کی اور مکمل مساوات اور باہمی مفاد کی بنیاد پر معاشی اور ثقافتی تعاون کے فروغ کی ضرورت کو جنم دیتی ہے۔

آج کے حالات میں پُرامن بقائے باہمی کی ضمانت فراہم کرنے کے لئے تخفیفِ اسلحہ ایک اہم ذریعہ ہے۔ صرف عام اور مکمل تخفیفِ اسلحہ ہی قوموں کے درمیان پائدار امن کو اور سماج کی ترقی کو یقینی بنا سکتا ہے۔ سوویت یونین نے تخفیفِ اسلحہ کی محض ضرورت کا ہی اعلان نہیں کیا ہے بلکہ اس کے حصول کے لئے متعدد عملی اقدامات بھی کئے ہیں۔

پُرامن بقائے باہمی کے اصول کی ثابت قدمی کے ساتھ پیروی کرتے ہوئے مارکسی پارٹیاں اس اصول کے مطابق عمل کرتی ہیں کہ دنیا میں ایسی مضبوط قوتیں پیدا ہوگئی ہیں اور ترقی کر رہی ہیں جو امن کو برقرار رکھنے اور اسے مضبوط کرنے کی اہل ہیں۔ عالمی سوشلسٹ نظام جو بتدریج ترقی کر رہا ہے اور مضبوط ہو رہا ہے، تمام امن پسند قوتوں کا فطری مرکزِ توجہ بن گیا ہے۔

امن کا ایک بڑا علاقہ عالم وجود میں آگیا ہے جس میں سوشلسٹ ممالک کے علاوہ غیر سوشلسٹ امن پسند ممالک کی ایک بڑی تعداد بھی شامل ہے جس میں بہت سے ایسے ممالک ہیں جو نوآبادیاتی غلامی کا جوا اُتار چکے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ممالک غیر جانب داری کی پالیسی پر گامزن ہوتے جاتے ہیں اور خود کو فوجی بلاکوں میں شریک ہونے کے خطرے سے بچانا چاہتے ہیں۔

عوام جنگ اور امن کے مسئلے کے حل کو زیادہ سرگرمی کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لیتے جا رہے ہیں، اور یہ چیز امن کی جد وجہد کا ایک اہم عامل ہے۔ بین الاقوامی مزدور طبقہ جو سامراجی جنگوں کا سب سے زیادہ کٹر اور ثابت قدم مخالف ہے، امن کی تحریک کی سربراہی کر رہا ہے۔

امن کی ان مضبوط قوتوں کا وجود ہی وہ چیز ہے جس نے سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی اور دیگر ممالک کی مارکسی پارٹیوں کو اس نتیجے پر پہنچایا ہے کہ ہمارے دور میں جنگ ناگزیر نہیں ہے اور یہ کہ نوعِ انسانی اب اس قابل ہے کہ جنگ کو بین الاقوامی تنازعات کے تصفیے کے ایک ذریعے کی حیثیت سے روک دے۔ طاقتور سوشلسٹ کیمپ، امن پسند غیر سوشلسٹ ممالک، بین الاقوامی مزدور طبقے اور امن کی علمبردار تمام قوموں کی متحدہ کوششوں سے ایک عالمی جنگ سے بچا جا سکتا ہے۔ یہ چیز اُس تمام عرصے میں جسکے دوران وہ سماجی اور سیاسی مسائل حل کئے جائینگے جنھوں نے ابھی دنیا کو تقسیم کر رکھا ہے، پُرامن بقائے باہمی کی ضمانت کے امکانات فراہم کرتی ہے۔

امن اور تخفیفِ اسلحہ کی جد وجہد سامراج کے آگے ہتھیار ڈال دینے اور انقلاب اور انقلابی جد وجہد کو ترک دینے کا مفہوم ہرگز نہیں رکھتی۔ سرمایہ دار ممالک کی کمیونسٹ پارٹیاں قوموں کے درمیان امن اور دوستی کی وکالت کرتی ہیں، لیکن اسی کے ساتھ انقلابی طبقاتی جد وجہد اور قومی آزادی کی جد وجہد کی بھی دوگنی توانائی کے ساتھ تنظیم کرتی ہیں۔ امن کی جد وجہد کو محنت کش عوام کی انقلابی جد وجہد کے مقابلے میں ہرگز نہیں لاکھڑا کرنا چاہیے۔ یہ دونوں باہم مربوط اور متحد ہیں۔ اُن کا رُخ

سامراج کے خلاف ہوتا ہے اور یہ بالآخر سماجی ترقی اور سوشلزم کی فتح کو فروغ دیتی ہیں۔

اِس حقیقت کا کہ امن پسند قوتیں ایک اور عالمی جنگ کو روکنے کی صلاحیت رکھتی ہیں، یہ مطلب نہیں سمجھنا چاہیئے کہ جنگ کا امکان ختم ہو گیا ہے۔ یہ امکان اس وقت تک باقی رہے گا جب تک کہ سرمایہ داری موجود ہے۔ صرف کمیونسٹ سماج ہی دنیا میں دائمی امن قائم کرے گا۔ تاہم موجودہ حالات میں سامراجی جارحانہ قوتیں تمام سوشلسٹ ممالک اور تمام ایماندار انسانوں کی اِس نا استقامت جدوجہد کی مزاحمت کر رہی ہیں جو وہ امن اور دنیا کی سلامتی کے لئے کر رہے ہیں۔ یہ قوتیں بین الاقوامی صورتِ حال کو خراب کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہیں، اسلحہ کی دوڑ کو تیز کرتی ہیں اور جنگی جنون کو ہوا دیتی ہیں۔ ایک اور عالمی جنگ کے خطرے کے سبب سوویت یونین اپنے دفاع کو مستحکم کرنے اور سوویت عوام اور سارے سوشلسٹ کیمپ کے عوام کا تحفظ کرنے کی غرض سے ضروری اقدامات کرنے پر مجبور ہے۔

سامراجی رجعت پرست حلقوں نے اپنے غیر انسانی منصوبوں کو ترک نہیں کیا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ مختلف سماجی نظاموں کے حامل ممالک کی پُرامن بقائے باہمی کا تحفظ سامراجیوں کے جارحانہ منصوبوں کے خلاف قوموں کی بے لوث جدوجہد کے ذریعے ہی کیا جا سکتا ہے۔

کمیونسٹ پارٹیاں اور مزدور پارٹیاں امن کی جدوجہد میں صفِ اوّل میں ہیں۔ وہ سامراجیوں کی تمام ریشہ دوانیوں اور جارحانہ منصوبوں کا مسلسل پردہ چاک کر رہی ہیں، لوگوں کو ہوشیار کر رہی ہیں اور مختلف سماجی نظاموں کے حامل ممالک کی پُرامن بقائے باہمی کی لیننی پالیسی پر ثابت قدمی کے ساتھ گامزن ہیں۔

پُرامن بقائے باہمی طبقاتی جدوجہد کی ایک شکل کی حیثیت سے؛ ترمیم پسند اور عقیدہ پرست پُرامن بقائے باہمی کے اصول کی ماہیت کو مسخ کرتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ پُرامن بقائے باہمی سوشلسٹ اور سرمایہ دارانہ نظاموں کے درمیان تضادات میں مفاہمت پیدا کر دیتی ہے اور سوشلسٹ اور بورژوا نظریات کے درمیان جدوجہد کا خاتمہ کر دیتی ہے۔

لیکن درحقیقت پُرامن بقائے باہمی سوشلزم اور سرمایہ داری کے درمیان تضادات میں مفاہمت اور اُن کے درمیان جدوجہد کے خاتمے کا ہرگز مفہوم نہیں رکھتی۔ پُرامن بقائے باہمی دو مخالف عالمی نظاموں کے درمیان طبقاتی جدوجہد کی ایک خصوصی شکل ہے۔ یہ دونوں سماجی نظاموں کے

درمیان پُرامن ذرائع کے ساتھ، جنگ کے بغیر، ایک ملک کی دوسرے ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کے بغیر، جدوجہد کا تسلسل ہے۔ یہ ایک معاشی، سیاسی اور نظریاتی جدوجہد ہے لیکن ایک فوجی جدوجہد نہیں ہے۔

پُرامن بقائے باہمی سوشلزم اور سرمایہ داری کے درمیان ایک بین الاقوامی پیمانے پر معاشی مقابلے کی بنیاد ہے۔ یہ معاشی اور ثقافتی ترقی کی رفتار اور پیمانے کے لئے اور عوام کی مادی اور ثقافتی ضروریات کی تکمیل کے لئے سوشلزم اور سرمایہ داری کے درمیان ایک انوکھی جدوجہد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اِس جدوجہد کے سلسلۂ عمل کے دَوران عوام خود اپنے تجربے سے یہ بات سیکھتے ہیں کہ کون سا نظام اُن کی ضروریات کی زیادہ بہتر طور پر تکمیل کر سکتا ہے۔

اِس مقابلے کا عمل اور اسکے نتائج، دو مخالف نظاموں کی جدوجہد، عصرِ حاضر کے عالمی نشوونما کے سارے سلسلۂ عمل کا تعین کرتے ہیں۔ ہمیں یہ بات زور دیکر کہنی چاہیے کہ پُرامن بقائے باہمی کے اصول کا ہرگز یہ مفہوم نہیں ہے کہ سیاسی جدوجہد کو، بورژوازی کے خلاف پرولتاریہ کی انقلابی طبقاتی جدوجہد کو اور سرمایہ دارانہ غلامی سے اپنے آپ کو آزاد کرانے کی محنت کش عوام کی جدوجہد کو ترک کر دیا جائے۔

اس کے برعکس پُرامن بقائے باہمی سرمایہ دارانہ ممالک میں طبقاتی جدوجہد کو فروغ دیتی ہے۔ اِس کی توثیق بورژوازی کے خلاف مزدور طبقے کی بڑھتی ہوئی جدوجہد اور بین الاقوامی کمیونسٹ تحریک کی ترقی سے ہوتی ہے۔ دنیا میں کمیونسٹ پارٹیوں کے اراکین کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔

پُرامن بقائے باہمی قومی آزادی کی تحریک کے لئے خاص طور پر سازگار موقع پیدا کرتی ہے۔ اس کا اظہار اِس حقیقت سے ہوتا ہے کہ جنگ کے بعد کے برسوں کے دوران آدھی سے زیادہ نوعِ انسانی نے نوآبادیاتی نظام کی زنجیروں سے نجات حاصل کی۔

دو مخالف نظاموں کی پُرامن بقائے باہمی ایک غیرمفاہمانہ نظریاتی جدوجہد، سوشلسٹ اور بورژوا نظریوں کے درمیان جدوجہد کا بھی مفہوم رکھتی ہے۔ سوشلسٹ آئیڈیالوجی مزدور طبقے کے تمام محنت کش عوام کے مفادات کی ترجمانی کرتی ہے اور اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ بورژوازی کے خلاف اور سوشلزم اور کمیونزم کی حمایت میں پرولتاریہ کی جدوجہد ایک تاریخی ضرورت ہے۔ یہ بورژوا آئیڈیالوجی کی یکسر مخالف ہے جو سامراجی رجعت پرست قوتوں کے مفادات کی ترجمانی کرتی ہے، سامراج کے

وجود کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہے اور امن، جمہوریت اور سوشلزم کے خلاف جنگ میں ایک ہتھیار کا کام دیتی ہے۔ نظریاتی اثر و نفوذ کے تمام ذرائع کو ان مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ان میں سب سے اہم مقصد کمیونسٹ دشمنی کا ہے جو زیادہ تر سوشلزم کے خلاف دشنام طرازی اور کمیونسٹ پارٹیوں اور مارکسزم۔ لینن ازم کی پالیسیوں اور مقاصد کی غلط تفسیر پر مشتمل ہوتا ہے۔ بورژوا آئیڈیالوجی کے خلاف پیہم جدوجہد سرمایہ داری کے ساتھ پُرامن مقابلے میں سوشلزم کی فتح کی ایک ناگزیر شرط ہے۔

۴۔ سرمایہ داری سے سوشلزم میں منتقلی۔ ہمارے عہد کی اصل خصوصیت

عالمی سوشلسٹ نظام کا عالمی نشوونما کے فیصلہ کن عامل میں بدل جانا: تاریخ نے ایک سے زیادہ مرتبہ مختلف سماجی نظاموں کے تصادم کا مشاہدہ کیا ہے، اور یہ جد وجہد بالآخر زیادہ ترقی پسندانہ نظام کی فتح میں انجام پذیر ہوتی ہے۔ اِس امر میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ دو متخالف نظاموں یعنی سوشلزم اور سرمایہ داری کے درمیان موجودہ جد وجہد سوشلسٹ نظام کی مکمل فتح میں انجام پذیر ہوگی۔

سوشلزم کی دنیا وسیع ہو رہی ہے اور سرمایہ داری کی دُنیا سکڑ رہی ہے۔ سوشلزم ہر جگہ سرمایہ داری پر لازماً غالب آجائے گا۔ ہمارا عہد جس کا خاص مافیہ سرمایہ داری سے سوشلزم میں منتقلی ہے، دو مخالف سماجی نظاموں کے درمیان جد وجہد کا عہد ہے، سوشلسٹ انقلابوں کا، سامراج کے زوال اور نوآبادیاتی نظام کے خاتمے کا عہد ہے، زیادہ سے زیادہ قوموں کے سوشلزم کی راہ اختیار کرنے کا اور عالمگیر پیمانے پر سوشلزم اور کمیونزم کی فتح کا عہد ہے۔ موجودہ عہد کا مرکزی عامل بین الاقوامی مزدور طبقہ اور اس کی اصل تخلیق، یعنی عالمی سوشلسٹ نظام ہے۔

سرمایہ داری کی غیر منقسم حکمرانی کا دَور ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکا ہے۔ آج نوعِ انسانی کے نشوونما کے اصل مافیہ، اصل رجحانات اور اصل امتیازی خصوصیات کا تعین عالمی سوشلسٹ نظام اور اُن قوتوں کے ذریعے ہوتا ہے جو سامراج کے خلاف اور سوشلزم اور سماجی ترقی کی حمایت میں

جدوجہد کر رہی ہیں۔ تاریخ کی پیش قدمی کو روکنے کی سامراجی کوششیں لاحاصل ہیں۔

موجودہ دور کے بائیں بازو کے موقع پرست نوعِ انسانی کے آج کے نشوونما کی اس ناقابلِ تردید حقیقت کو پیشِ نظر نہیں رکھنا چاہتے۔ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ عالمی سوشلسٹ نظام عالمی نشوونما کے عمل پر ایک فیصلہ کن اثر ڈالنا تو کجا، سامراج کے خلاف محنت کش عوام کی انقلابی جدوجہد تک میں ایک آزادانہ کردار ادا نہیں کرتا۔ یہ لوگ قومی آزادی کی جدوجہد کو ہمارے عہد کی انقلابی تحریک کا فیصلہ کن عامل قرار دیتے ہیں اور عالمی سوشلسٹ نظام کو محض ثانوی رول کا حامل گردانتے ہیں، اسے مظلوم عوام اور قوموں کے انقلاب کے سہارے اور ترقی کے لئے محض ایک "بنیاد" کے رول کا حامل قرار دیتے ہیں۔

لیکن ہمارے عہد میں نوعِ انسانی کے نشوونما کا سارا عمل یہ ثابت کرتا ہے کہ عالمی سوشلسٹ نظام دنیا کی نہ صرف تمام سوشلسٹ قوتوں کا بلکہ ساری ترقی پسند قوتوں کا بھی مرکزی نقطہ ہے سوشلسٹ نظام عالمی نشوونما کے عمل پر ایک زبردست انقلابی اثر مترتب کر رہا ہے۔

سوشلسٹ نظام عالمی نشوونما پر اپنی معاشی ترقی کے ذریعہ بطورِ خاص اثر ڈال رہا ہے۔ معاشی ترقی کی اعلیٰ شرح میں عالمی صنعتی اور زرعی پیداوار میں سوشلسٹ ممالک کے حصے میں روز افزوں اضافہ کر رہی ہیں۔ وہ دن دور نہیں جب عالمی سوشلسٹ نظام کی پیداوار سرمایہ دار ممالک کی مجموعی پیداوار سے بڑھ جائے گی۔ اس کا مطلب ہوگا انسانی مساعی کے سب سے زیادہ فیصلہ کن دائرے یعنی مادی پیداوار کے دائرے میں سرمایہ داری کی شکست۔

جیسے جیسے سوشلسٹ نظام پیش قدمی کرتا جاتا ہے اور اس کی معاشی اور سیاسی قوت بڑھتی جاتی ہے، ویسے ویسے اہم بین الاقوامی مسائل اور خاص طور پر جنگ اور امن کے مسائل کو حل کرنے میں اسکے رول میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ سوشلزم اور امن کی قوتیں اب اس قابل ہیں کہ سامراجیوں کی رجعت پرستانہ ریشہ دوانیوں کا نہ صرف پردہ چاک کرسکیں، بلکہ انھیں ناکام بھی بنا سکیں۔

نوعِ انسانی کے آج کے نشوونما میں عالمی سوشلسٹ نظام کی زبردست اہمیت کا اظہار غیر سوشلسٹ ممالک میں عوام کی جدوجہد پر اسکے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ سے بھی ہوتا ہے۔ سوشلسٹ نظام اپنی مثال کی قوت کے ذریعے سرمایہ دار ممالک کے محنت کش عوام کے ذہنوں میں ایک انقلاب برپا

کر دیتا ہے، انھیں سرمایہ داری کے خلاف جنگ کرنے پر، امن اور قومی ترقی، جمہوریت اور سوشلزم کی فتح کے لئے کام کرنے پر اُبھارتا ہے۔ مستقبل کے انقلابات سوشلسٹ نظام پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔ سوشلسٹ ممالک ایک نئے سماج کی تعمیر کرنے والوں کو ہر امداد و اعانت فراہم کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں۔

سوشلسٹ ممالک نوآبادیاتی نظام کے سب سے زیادہ کٹر دشمن اور قوموں کی مساوات اور خود مختاری کے پُرعزم علمبردار ہیں۔ یہ سوویت یونین ہی تھا جس نے ستمبر ۱۹۶۰ء میں اقوام متحدہ میں ایک اعلان نامہ پیش کیا جس میں یہ تاریخی مطالبہ پیش کیا گیا تھا کہ نوآبادیاتی نظام کو، نوعِ انسانی کی تاریخ کے اس سب سے زیادہ گھناؤنے ناسور کو ختم کیا جائے۔ عالمی سوشلسٹ نظام نوآبادیاتی غلبے کی مخالفت کرتا ہے، آزادی کے لئے عوام کی جدوجہد کی ہر ممکنہ حمایت کرتا ہے اور قومی آزادی کی تحریک کی پیش قدمی اور سامراج کے نوآبادیاتی نظام کی شکست وریخت کا ایک طاقتور عامل ہوتا ہے۔

سوشلسٹ نظام کی موجودگی اور ترقی عالمی انقلابی تحریک کے فروغ کے لئے روزافزوں سازگار بین الاقوامی حالات پیدا کر رہی ہے۔

اب زیادہ ممالک کی سوشلزم میں منتقلی کے لئے اندرونی حالات بھی زیادہ سازگار ہیں اس کی وجہ سرمایہ داری کے عمومی بحران کا زیادہ گہرا ہو جانا اور اس کے تمام تضادات کا زیادہ شدت اختیار کر لینا ہے۔

سرمایہ داری کے عمومی بحران کا گہرا ہو جانا: اب جبکہ سوشلزم کی نئی دنیا جو طاقت و توانائی سے بھرپور ہے، ترقی اور پیش قدمی کر رہی ہے، تو سرمایہ دارانہ نظام زوال اور شکست وریخت کے گہرے سلسلۂ عمل کے کرب میں مبتلا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام اپنے عمومی بحران کے نئے تیسرے مرحلے میں داخل ہوا ہے اور بورژوا سماج کی زندگی کے تمام پہلو، یعنی معیشت، داخلی اور خارجی پالیسی اور آئیڈیالوجی سب کی سب اس کی زد میں ہیں۔

عمومی بحران کے پہلے مرحلے میں جس کا آغاز اکتوبر کے عظیم سوشلسٹ انقلاب نے کیا تھا، سوویت روس پہلے سوشلسٹ ملک کی حیثیت سے نمودار ہوا، اور اس طرح دنیا میں سرمایہ داری کی

بلا شرکتِ غیرے حکمرانی کا خاتمہ ہو گیا۔

دوسرے مرحلے میں، بہت سے یورپی اور ایشیائی ممالک میں سوشلسٹ انقلابات کی فتح کے نتیجے میں، سوشلزم ایک ملک کی حدود سے باہر نکل گیا اور ایک عالمی نظام بن گیا۔

سرمایہ داری کے عمومی بحران کے نئے، تیسرے مرحلے کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ دنیا میں طاقتوں کا رشتہ باہمی بنیادی طور پر سوشلزم کے حق میں بدل گیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ممالک سرمایہ داری سے دُور ہو رہے ہیں اور سوشلزم اور سماجی ترقی کے لئے لڑنے والی قوتوں کو ساری دنیا میں بڑی تیزی کے ساتھ فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ سوشلزم کے ساتھ پُرامن معاشی مقابلے میں سامراج کی پوزیشن بہت ہی کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ قومی آزادی کی تحریک کی فقید المثال پیشقدمی سامراج کے نو آبادیاتی نظام کے زوال کا باعث ہوتی ہے۔ جو چیز سب سے زیادہ اہم ہے وہ یہ کہ سرمایہ داری کے عمومی بحران کا یہ نیا مرحلہ ایک عالمی جنگ کے سلسلے میں پیدا نہیں ہوا، بلکہ امن کے حالات میں اور مخالف سماجی نظاموں کی پُرامن بقائے باہمی کے حالات میں پیدا ہوا۔

بڑھتا ہوا اندرونی عدم استحکام اور سرمایہ دارانہ معیشت کا انحطاط سرمایہ داری کے عمومی بحران کے نئے مرحلے کی نمایاں خصوصیت ہے۔ معاشی ترقی کی کمتر سطحیں، پیداواری صلاحیتوں سے پورا فائدہ نہ اُٹھایا جا سکنا، اور معاشی بحران جو بار بار سرمایہ دار دنیا پر حملہ آور ہوتے ہیں، واضح طور پر اس امر کا انکشاف کرتے ہیں کہ سرمایہ داری موجودہ پیداواری قوتوں کو مکمل طور پر بروئے کار لانے سے روز بروز قاصر ہوتی جا رہی ہے۔

ریاستی اجارہ دار سرمایہ داری کی ترقی اور عسکریت کے فروغ کے ساتھ ساتھ سامراج کے تمام تر تضادات شدید ہوتے جاتے ہیں۔ محنت اور سرمایہ کے درمیان جدوجہد بڑھتی جاتی ہے۔ قوم کے مفادات اس اجارہ دار ٹولی کے خود غرضانہ مقاصد سے متصادم ہوتے ہیں جو ریاستی مشینری کو کنٹرول کرتی ہے۔ سرمایہ دار ممالک کی ناہموار معاشی اور سیاسی ترقی کی بنا پر سرمایہ دارانہ نظام کے اندر طاقتوں کا رشتہ باہمی تیزی سے بدلتا جا رہا ہے، الگ الگ سرمایہ دار ممالک کے درمیان اور اُن کے بلاکوں کے درمیان تضادات بڑھ رہے ہیں اور سرمایہ دارانہ منڈی میں مقابلہ شدید تر ہوتا جا رہا ہے۔

سامراج کی داخلی اور خارجہ پالیسیوں کا گہرا بحران سرمایہ داری کے عمومی بحران کے تیسرے مرحلے

کی خصوصیت ہے جس کا اظہار بڑھتی ہوئی سیاسی رجعت پرستی، بورژوا شہری آزادیوں کے خاتمے، بہت سے ممالک میں فاشسٹ استبدادی حکومتوں کے قیام اور بین الاقوامی اُمور میں سامراج کے فیصلہ کن رول کے خاتمے میں ہوتا ہے۔

بورژوا آئیڈیالوجی بھی شدید بحران کی گرفت میں ہے۔ مایوسی اور مستقبل کا خوف، سائنس پر اور انسان کی تخلیقی صلاحیتوں اور امکانات پر عدم اعتماد، ترقی کا استرداد اور کمیونزم کے خلاف دُشنام طرازی، اُجرتی غلامی اور ظلم کے اس نظام کی حمایت جس سے عوام اتنی زیادہ نفرت کرتے ہیں، اس کی اصل خصوصیات ہیں۔ بورژوا آئیڈیالوجی بہت عرصہ پہلے ایسے نظریات کو جنم دینے کی صلاحیت سے محروم ہو چکی ہے جو عوام کو اپنی طرف کھینچ سکیں۔ یہ ایک ایسے طبقے کی آئیڈیالوجی ہے جو تاریخی لحاظ سے پسپا ہوتا جا رہا ہے، اور اس لئے اس کا مکمل دیوالیہ پن ناگزیر ہے۔

سرمایہ دارانہ سماج میں پیداواری قوتوں اور پیداواری تعلقات کے درمیان تصادم انتہائی نازک صورت اختیار کر گیا ہے۔ ایٹمی توانائی کی تسخیر، خودکاری، خلائی جہان بینی اور دیگر سائنسی اور فنی کامیابیوں نے ایک عظیم سائنسی اور فنی انقلاب کا آغاز کیا ہے لیکن سرمایہ دارانہ پیداواری تعلقات کا دائرہ اس انقلاب کے لئے بہت تنگ ہے۔ سرمایہ داری نہ صرف پیداواری قوتوں کے فروغ کو روکتی اور انسانی دماغ کی کامیابیوں کو سماجی ترقی کے مفادات میں استعمال کرنے میں رکاوٹ ڈالتی ہے بلکہ ان کو خود نوعِ انسانی کا دشمن بنا دیتی ہے، انھیں جنگ کے ہتھیاروں میں بدل دیتی ہے۔ سرمایہ دارانہ طرزِ پیداوار کا یہ بنیادی تصادم نوعِ انسانی کو سرمایہ دارانہ تعلقات کے تنگ حلقے کو توڑنے، انسان کی تخلیق کردہ رفیع الشان پیداواری قوتوں کو آزاد کرنے اور انھیں سارے انسانوں کی بھلائی کیلئے استعمال کرنے کے فریضے سے دوچار کرتا ہے۔ اور یہ سب کچھ صرف سوشلسٹ انقلاب کے ذریعہ ہی کیا جاسکتا ہے جو سرمایہ دارانہ پیداواری تعلقات کی جگہ نئے، سوشلسٹ پیداواری تعلقات کو رائج کرے گا۔

جمہوریت کی جدوجہد سوشلزم کی زیادہ سے زیادہ ممالک کے سرمایہ دارانہ نظام جدوجہد کے ایک جزو لازم کی حیثیت سے ہے۔ سے الگ ہوتے جانے کے ساتھ سوشلسٹ دنیا کی توسیع اور ترقی جاری رہے گی۔

انقلاب کے عمل کے دوران سوشلسٹ تبدیلیاں جمہوری، سامراج دشمن تبدیلیوں کے

ساتھ پیوستہ ہوتی ہیں۔ لینن نے بورژوا جمہوری انقلاب کے سوشلسٹ انقلاب کی شکل اختیار کر لینے کے نظریئے کو پیش کرتے ہوئے اور اسکی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ سامراج کے عہد میں ایسے کوئی "خالص" انقلابات نہیں ہو سکتے جو متنوع ترین سماجی گروہوں کی جمہوری، سامراج دشمن تحریک سے وابستہ نہ ہوں۔ اِن حالات میں ضروری ہے کہ پرولتاریہ جو عوامی، سامراج دشمن امنگوں کا سب سے زیادہ ثابت قدم علمبردار ہوتا ہے، جمہوری تحریک کی سربراہی کرے، اس میں حصہ لینے والے مختلف طبقات کو متحد کرے اور بورژوازی کا تختہ اُلٹنے اور سوشلزم کو فتحمند بنانے میں اُن کی رہنمائی کرے۔

یہ ممکن ہے کہ بہت سے ممالک میں انقلاب دو نسبتہً آزاد مرحلوں سے ہو کر گزرے یعنی عمومی جمہوری مرحلہ اور سوشلسٹ مرحلہ۔ سوویت یونین اور بعض عوامی جمہوریتوں میں انقلاب کا فروغ اسی انداز میں ہوا تھا۔ سوویت یونین میں اکتوبر کے عظیم سوشلسٹ انقلاب سے پہلے فروری کا بورژوا جمہوری انقلاب برپا ہوا تھا۔ بہت سی عوامی جمہوریتوں میں انقلاب سوشلسٹ مرحلے میں داخل ہونے سے پہلے ایک سامراج دشمن، جمہوری مرحلے سے گزرا۔ بعض دیگر ممالک میں بھی جہاں ابھی سرمایہ کاروں کا غلبہ ہے، انقلاب اسی انداز میں پیش قدمی کر سکتا ہے۔

دوسری عالمی جنگ کے بعد زبردست جمہوری تحریکات اُبھریں، مثلاً قومی آزادی کی تحریک اور قومی خود مختاری کے تحفظ کی جدوجہد، بہت سے سرمایہ دار ممالک میں امن اور قومی سلامتی کی تحریک اور جمہوریت کی جدوجہد۔ عصرِ حاضر کی جمہوری تحریکیں اپنے خصوصی وسیع پیمانے اور تنظیم کے اعتبار سے ممتاز حیثیت کی حامل ہیں۔ اُن کا رُخ سامراج کے خلاف اور اجارہ داریوں کی رجعت پرستانہ داخلی اور خارجہ پالیسیوں کے خلاف ہوتا ہے۔

اجارہ داریاں مزدوروں، کسانوں اور دستکاروں کا بے رحمی کے ساتھ استحصال کرتی ہیں، چھوٹی اور درمیانہ بورژوازی کو برباد کر دیتی ہیں، دانشوروں کی تخلیقی صلاحیتوں کا گلا گھونٹ دیتی ہیں، ترقی پسند قوتوں کو کچلتی ہیں، جمہوری آزادیوں کے باقیات کا خاتمہ کر دیتی ہیں اور ایک نئی عالمی جنگ کی تیاریاں کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بورژوا سماج کے تمام ترمندرجہ بالا طبقات اور گروہ اجارہ داریوں کی حکمرانی کا خاتمہ کرنے میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ نتیجتہً، ان تمام قوتوں کو امن، قومی

آزادی اور جمہوریت، معیشت کی کلیدی شاخوں کو قومی ملکیت میں لینے، معیشت کے پُرامن استعمال اور بنیادی زرعی اصلاحات، محنت کش عوام کے حالاتِ زندگی کی بہتری اور ان کے حقوق کے تحفظ کی ایک مشترکہ جدوجہد میں متحد کرنے کے لئے سازگار حالات پیدا ہوتے ہیں۔

اجارہ داریوں کے خلاف اور امن اور جمہوری اصلاحات کی حمایت میں جدوجہد سوشلسٹ کردار کی حامل نہیں ہوتی، اس کا مقصد نجی ملکیت کا اور انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال کا خاتمہ کرنا نہیں ہوتا۔ لیکن یہ جدوجہد اجارہ داریوں کی حکمرانی کو کمزور کرتی ہے اور قومی آزادی اور جمہوریت کے حصول میں مدد دیتی ہے جس کی وجہ سے سوشلسٹ انقلاب کے لئے ضروری حالات پیدا ہوتے ہیں۔

دیگر تمام محنت کش عوام کے ساتھ، اور خاص طور پر اصل اتحادی، یعنی کسانوں کے ساتھ مزدور طبقے کا اتحاد سرمایہ دارانہ اجارہ داریوں کے خلاف جدوجہد میں، امن اور جمہوریت کی جدوجہد میں تشکیل پاتا ہے۔ مزدور طبقے اور اس کی مارکسی پارٹی کے گرد متحد ہو کر محنت کش عوام، یعنی کسان، بہت سے سفید پوش کارکن اور بڑی تعداد میں دانش ور، رجعت پرستی کے خلاف جدوجہد کی تربیت پاتے ہیں۔ اس عمل کے دوران انھیں اس امر کا زیادہ سے زیادہ یقین ہوتا جاتا ہے کہ سرمایہ داری کے تحت انھیں اجارہ داریوں کے ظلم سے نجات نہیں مل سکتی، اور وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ سرمایہ داری کا خاتمہ ہی ان کے لئے واحد راستہ ہے۔ چنانچہ اس طرح دائیں بازو کی سوشلسٹ اور اصلاح پسندانہ خام خیالیوں کا آہستہ آہستہ خاتمہ ہو جاتا ہے اور سوشلسٹ انقلاب کی سیاسی فوج وجود میں آتی ہے۔

ان تمام باتوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آج سرمایہ داری کے اصل ستون صرف پرولتاریہ کے براہِ راست سماجی انقلاب کے دوران ہی نہیں ٹوٹتے رہے ہیں۔ سوشلسٹ انقلابات، سامراج دشمن قومی آزادی کے انقلابات، عوامی جمہوری انقلابات، کسانوں کی وسیع تحریکات، فاشسٹ اور دیگر شدید استبدادی حکومتوں کے خاتمے کے لئے عوام کی جدوجہد اور قومی استبداد کے خلاف عمومی جمہوری تحریک — یہ سب کے سب ایک عالمی انقلابی سلسلۂ عمل میں ضم ہو جاتے ہیں جو سرمایہ داری کو کمزور کرتا اور اُسے تباہ کر دیتا ہے۔

مختلف ممالک کی سوشلزم میں منتقلی کی شکلیں: مختلف ممالک کی سوشلزم میں منتقلی کی ٹھوس شکلوں کا سوال ہمارے عہد میں، سوشلزم کی جانب نوعِ انسانی کی حرکت کے عہد میں ،

زبردست اہمیت کا حامل بن گیا ہے۔

تخلیقی مارکسزم کے مطابق سرمایہ داری سے سوشلزم میں منتقلی کی شکلوں کا انحصار سب سے پہلے تو کسی ملک کی طبقاتی قوتوں کے رشتۂ باہمی پر ہوتا ہے۔ اگر مزدور طبقے اور اس کے اتحادیوں کی قوتیں سرمایہ داروں کی قوتوں کے مقابلے میں واضح طور پر بہت زیادہ مضبوط ہیں اور اگر سرمایہ دار اپنی مزاحمت کے بے سود ہونے کا یقین کر کے، بقول لینن، اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ اپنے سروں کو بچا لیں اور اقتدار پرولتاریہ کے حوالے کر دیں، تو اس صورت میں سرمایہ داری سے سوشلزم میں پُرامن منتقلی ممکن ہے۔ لیکن اگر بورژوازی یہ "رعایت" نہیں دیتا اور مسلح مزاحمت کرتا ہے تو مزدور طبقے کو بورژوازی کی مزاحمت کو ہتھیاروں کی قوت کے ذریعے کچلنا ہوگا۔

مزدور طبقہ کبھی بے ضرورت طاقت کا استعمال نہیں کرتا۔ لیکن ضروری ہے کہ یہ بورژوازی کے مسلح حملہ کو پسپا کرنے کے لئے اور اپنے حقوق کا تحفظ کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہے۔

۱۹۱۷ء میں انقلابِ فروری کے بعد بالشیوکوں نے انقلاب کے پُرامن فروغ کا سوال اٹھایا۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکا، مگر اس میں پرولتاریہ کا کوئی قصور نہیں تھا۔ اس زمانے میں بورژوازی سارے دنیا میں بلا شرکتِ غیرے حکمرانی کر رہا تھا۔ یہ اپنے آپ کو مضبوط سمجھتا تھا اور چنانچہ سوشلزم میں پُرامن منتقلی کے امکانات بہت محدود تھے۔

اب صورتحال مختلف ہے۔ سرمایہ داری اور سوشلزم کے درمیان طاقتوں کے نئے تعلقِ باہمی نے جو دنیا میں دوسری عالمی جنگ کے بعد پیدا ہوا، سوشلزم میں پُرامن منتقلی کے امکانات میں کافی اضافہ کر دیا ہے۔ خود سرمایہ دار ممالک میں یہ امکان تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے اور اس کی وجہ جمہوریت اور سوشلزم کی قوتوں میں اضافہ اور عوام پر مزدور طبقے اور اس کی مارکسی پارٹی کا بڑھتا ہوا اثر و نفوذ ہے۔

ان حالات میں بعض ممالک کے مزدور طبقے کو، سامراج کے خلاف عوام کی وسیع تحریک پر بھروسہ کرتے ہوئے، خون خرابے اور خانہ جنگی کے بغیر اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے لینے کے پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ مواقع حاصل ہیں۔

پارلیمانی راستہ سوشلسٹ انقلاب کے پُرامن فروغ کا ایک راستہ ہو سکتا ہے۔ اگر بہت سے

سرمایہ دار ممالک میں مزدور طبقے کو عوام کی اکثریت کی حمایت حاصل ہو اور یہ موقع پرستوں کے خلاف سختی کے ساتھ جد و جہد کرتا ہو، تو یہ پارلیمنٹ میں مستحکم اکثریت حاصل کرنے، پارلیمنٹ کو محنت کش عوام کے مفادات کے حصول کا ذریعہ بنانے کا اہل ہو سکے گا۔ اور رجعت پرست طاقتوں کی مزاحمت کا قلع قمع کرنے کے بعد یہ ایک پرامن سوشلسٹ انقلاب کے لئے ضروری حالات پیدا کرنے کا اہل ہو سکے گا۔

سوشلسٹ انقلاب کے پرامن فروغ کے امکان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پرولتاریہ انقلاب کی غیر پرامن شکلوں کو ترک کر دیتا ہے۔ بورژوازی اب بھی دنیا کے ایک بڑے حصے پر قابض ہے، اس کے پاس ہتھیار ہیں جنہیں یہ مزدور طبقے کے خلاف اور تمام محنت کش عوام کے خلاف استعمال کرتا ہے اور کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مزدور طبقے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہوشیار رہے، جد و جہد کی تمام شکلوں، پرامن اور غیر پرامن، پارلیمانی اور غیر پارلیمانی، کو استعمال کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہے۔ جد و جہد کی تمام شکلوں پر کامل عبور، ان شکلوں کا مناسب استعمال جو ٹھوس صورتحال میں موزوں ترین ہوں اور ایک شکل کو تیزی کے ساتھ اور اچانک، دوسری شکل سے بدل دینے کی صلاحیت تمام ممالک میں سوشلسٹ انقلاب کی فتح کی ناگزیر شرط ہے۔

اُنیسواں باب

سماجی شعور اور سماج کے نشو و نما میں اُس کا رول

انسانوں کے مادی، معاشی تعلقات سماجی نشو و نما کی بنیاد کی تشکیل کرتے ہیں لیکن اس نشو و نما کو سمجھنے کے لئے صرف معاشی عوامل کا علم ہی کافی نہیں ہوتا۔ پیداواری سرگرمی کے علاوہ انسان اور سماج ایک رُوحانی زندگی کے بھی حامل ہوتے ہیں۔ انسان معینہ سیاسی اور اخلاقی خیالات سے رہنمائی قبول کرتے ہیں، وہ سائنسی نظریات اور فن وغیرہ کے بارے میں نظریات کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ تمام خیالات و نظریات، اپنے آغاز اور اہمیت کے اعتبار سے ایک سماجی کردار کے حامل ہوتے ہیں اور سماجی شعور کے دائرے سے تعلق رکھتے ہیں۔

سماجی شعور سماجی نشو و نما میں زبردست اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ سماج کو زیادہ مکمل طور پر سمجھنے کے لئے ہمیں یہ جاننا ہوگا کہ سماجی شعور کیا ہے، اس کا آغاز کس طرح ہوا اور یہ سماج کی زندگی میں کیا رول ادا کرتا ہے۔

سماجی شعور، سماجی وجود کے ایک انعکاس کی حیثیت سے

سماجی شعور کی ماہیت اور اس کا آغاز: سماجی شعور انسانوں کے خیالات، نظریات، نقطۂ نظر، سماجی جذبات، عادات اور اطوار کا جو معروضی صداقت، یعنی انسانی سماج اور قدرت کا انعکاس کرتے ہیں، مجموعہ ہوتا ہے۔ انسانوں کا سماجی وجود وہ اصل شے ہے جس کا سماجی شعور انعکاس کرتا ہے۔ چونکہ سماجی وجود متنوع اور پیچیدہ ہوتا ہے اس لئے سماجی شعور بھی متنوع اور پیچیدہ ہوتا ہے۔ سیاسی اور قانونی تصورات، اخلاقیات، آرٹ، سائنس، فلسفہ اور مذہب سماجی شعور کی شکلیں ہیں۔ یہ شکلیں خود اپنے امتیازی آغاز اور نشو و نما کی حامل ہوتی ہیں اور یہ سماجی وجود کے مختلف پہلوؤں کا انعکاس کرتی ہیں۔ جو وظائف وہ سرانجام دیتی ہیں وہ بھی مختلف ہوتے ہیں۔

عینیت سماج کی زندگی میں خیالات کے، سماجی شعور کے رول کی صحیح تشریح کرنے سے قاصر ہے۔ عینیت پسند یہ کہتے ہیں کہ خیالات ہی سماجی نشو و نما کے سارے عمل کا تعین کرتے ہیں۔ لیکن یہ بات حقیقت سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔

تاریخی مادیت، فلسفے کے بنیادی سوال کو سماج پر اسکے اطلاق میں صحیح طور پر حل کرتے ہوئے، یہ ثابت کرتی ہے کہ انسانوں کا سماجی شعور، اُن کے سماجی وجود کی پیداوار ہوتا ہے۔ ہمیں انسانوں کے خیالات، نظریات اور نقطہ ہائے نظر کے منبع کو اُن کے سماجی وجود میں اُن کی مادی پیداواری سرگرمی میں تلاش کرنا چاہیئے۔

سماج کی تاریخ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب انسانوں کے سماجی وجود میں تبدیلی ہوتی ہے تو اُن کے شعور میں بھی اُس کے مطابق تبدیلی ہو جاتی ہے۔ پرانے خیالات ختم ہو جاتے ہیں اور اُن کی جگہ نئے خیالات نمودار ہو جاتے ہیں جو نئے حالات کے، نئے سماجی تقاضوں کے مطابق ہوتے ہیں۔ مثلاً سوشلزم کی فتح کے ساتھ انسانوں کے سماجی وجود میں بنیادی تبدیلی پیدا ہو گئی۔ سرمایہ دارانہ نجی ملکیت کی جگہ سوشلسٹ ملکیت نے لے لی۔ انسانوں کے خیالات اور نظریات میں بھی اسی کے مطابق تبدیلی آ گئی۔ انفرادیت پسندی کے اصول کی جگہ، جو سرمایہ دارانہ اخلاقیات کا سنگ بنیاد ہے، اجتماعیت کے اصول نے لے لی جو کمیونسٹ اخلاقیات کی بنیاد ہے۔

اسی طرح اگر ہم سماجی شعور کی کسی بھی دوسری شکل کا تجزیہ کریں تو ہم یہ دیکھیں گے کہ اس کا حتمی منبع سماج کی مادی زندگی ہے۔

آئیڈیالوجی کا طبقاتی کردار: ایک طبقاتی سماج میں سماجی شعور، خواہ یہ کوئی بھی شکل کیوں نہ اختیار کرے، لازماً ایک طبقاتی کردار کا حامل ہوتا ہے۔ ایک خاص طبقے کے سیاسی، قانونی، اخلاقی، فن کارانہ اور دیگر خیالات و نظریات کا مجموعہ اس کی آئیڈیالوجی کی تشکیل کرتا ہے۔

آئیڈیالوجی کے طبقاتی کردار کی کیا وضاحت کی جا سکتی ہے؟ ہر طبقہ خود اپنی آئیڈیالوجی کی تخلیق کیوں کرتا ہے؟ ایک مخاصمانہ سماج میں طبقات کی پوزیشن ہرگز مساوی نہیں ہوتی اور ان طبقات کو مختلف سماجی مقاصد اور فریضے درپیش ہوتے ہیں۔ نظریات کے ایک خاص نظام کے ذریعہ ہی ایک طبقہ سماج میں اپنی پوزیشن کا اظہار کرتا اور اُسے بجا ثابت کرتا ہے، اپنے مفادات کا تحفظ کرتا ہے اور اپنے مقاصد کو حاصل کرنے اور درپیش فریضوں کو پورا کرنے کی سعی کرتا ہے۔ مثلاً بورژوا آئیڈیالوجی نجی سرمایہ دارانہ ملکیت اور استحصال کی دائمی نوعیت کو ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ دوسری طرف پرولتاریہ سرمایہ داری کا خاتمہ کرنے اور سوشلزم اور کمیونزم

کی طبقات اور استحصال سے آزاد ایک سماج کی تعمیر کرنے والا ہوتا ہے اور اس مقصد کے لئے آے کیفیتی لحاظ سے ایک نئی، سوشلسٹ آئیڈیالوجی کی ضرورت ہوتی ہے۔

ایک ایسا سماج جو مخاصمانہ طبقات میں بٹا ہوا ہو، ایک واحد آئیڈیالوجی کا حامل نہیں ہو سکتا استحصالی اور استحصال کے شکار طبقات کی اپنی الگ الگ آئیڈیالوجی ہوتی ہے، لیکن معاشی اور سیاسی طور پر غالب طبقے کی آئیڈیالوجی کو ہی غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ طبقاتی جد وجہد کی ایک شکل کی حیثیت سے گہری نظریاتی جد وجہد ہمیشہ ایک مخاصمانہ طبقاتی سماج کی خصوصیت رہی ہے۔

چونکہ آئیڈیالوجی ہمیشہ ایک طبقاتی کرداری حامل ہوتی ہے، تو کیا یہ سچائی کی نمائندگی کر سکتی ہے؟ کیا یہ صداقت کو طبقاتی مفادات کے مطابق بنانے کی غرض سے اس کی شکل مسخ نہیں کرتی؟ ترمیم پسند یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آئیڈیالوجی اور سچائی کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں، یہ کہ آئیڈیالوجی کسی ایک طبقے کے مفادات پر سچائی کو قربان کر دیتی ہے لیکن مارکسزم کا تقاضا یہ ہے کہ آئیڈیالوجی کو ایک ٹھوس، تاریخی زاویئے سے دیکھنا چاہیئے تاکہ یہ پتہ لگایا جا سکے کہ یہ کس طبقے کے مفادات کی ترجمانی کرتی ہے، ترقی پسند طبقے کے یا رجعت پرست طبقے کے۔ جبتک ایک طبقہ سماجی نشوونما میں ترقی پسندانہ رول ادا کرتا ہے، جبتک اس طبقے کے مفادات معروضی صداقت کے نشوونما سے ہم آہنگ رہتے ہیں، تب تک اسکی آئیڈیالوجی سچائی پر مشتمل ہوتی ہے لیکن جیسے ہی کوئی طبقہ اپنے ترقی پسندانہ رول کو ختم کر دیتا ہے اور اُس کے مفادات نشوونما کے حقیقی عمل کے ساتھ متصادم ہونے لگتے ہیں، ویسے ہی اس کی آئیڈیالوجی کی سچائی بھی ختم ہو جاتی ہے اور یہ صداقت کو طبقاتی مفادات کے مطابق بنانے کے لئے اس کی شکل کو مسخ کرنا شروع کر دیتی ہے۔

مثال کے طور پر بورژوا آئیڈیالوجی کو لیجئے۔ جبتک بورژوازی جاگیرداری کے خلاف لڑتا رہا، تب تک اس کی آئیڈیالوجی دنیا کا اس انداز میں انعکاس کرتی رہی جو نسبتہً سچا تھا۔ لیکن جیسے ہی بورژوازی اقتدار میں آیا جیسے ہی اس کی ترقی پسندانہ توانائیاں ختم ہوئیں اور یہ سماجی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنا، ویسے ہی بورژوا آئیڈیالوجی صداقت کا سچائی کے ساتھ انعکاس کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو گئی۔

مارکسی لیننی آئیڈیالوجی سائنسی اور آخر تک سچی ہے، کیونکہ مزدور طبقے کے طبقاتی مفادات اور تاریخ کا معروضی عمل ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ ہوتے ہیں اور اس لئے سچائی کا انعکاس کرنے کی مارکسی۔ لیننی آئیڈیالوجی کی صلاحیت اس کی ترقی کے ہر مرحلے میں باقی رہتی ہے۔

شعور کی ترقی میں اضافی آزادی: ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ انسانوں کا سماجی وجود، اُن کی مادی پیداواری سرگرمی، اُن کے سماجی شعور کا تعین کرتی ہے۔ لیکن شعور اپنی ترقی میں اضافی آزادی کا بھی حامل ہوتا ہے۔

سماجی شعور سماجی وجود کی ترقی سے پیچھے رہ سکتا ہے یا اس سے آگے جا سکتا ہے۔ سماجی شعور کا اظہار نشوونما کے تسلسل میں بھی ہوتا ہے، یہ وجود کے سلسلے میں مجہول نہیں ہوتا بلکہ اس پر سرگرمی کے ساتھ اثر انداز ہوتا ہے۔

سماجی شعور سماجی وجود سے پیچھے اس لئے رہ جاتا ہے کیونکہ انسانوں کا سماجی وجود پہلے بدلتا ہے اور اس کے بعد اُن کے شعور میں تبدیلی آتی ہے۔ پرانے نظریات اور خیالات کی زبردست قوتِ حیات بھی اس تاخیر کا سبب ہوتی ہے۔ یہ قوتِ حیات اتفاقی نہیں ہوتی۔ حکمران طبقے سماج کے تمام اراکین کے درمیان اپنی آئیڈیالوجی کو مؤثر طور پر پھیلانے کی غرض سے ان تمام وسائل کو بروئے کار لاتے ہیں جو ان کے پاس موجود ہوتے ہیں۔ مثلاً سامراجی بورژوازی محنت کش عوام کے ذہنوں کو مسموم کرنے کے لئے اور انہیں نظریاتی اعتبار سے غیر مسلح کرنے کے لئے تمام ذرائع ابلاغ (پریس، سینما، ریڈیو، ٹی وی وغیرہ) کو استعمال کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نئے نظام کی فتح کے بعد بھی بعض لوگوں کے ذہنوں میں پرانی آئیڈیالوجی کے باقیات کافی عرصہ تک زندہ رہتے ہیں۔

تاہم انسانوں کا سماجی شعور سماجی وجود کی ترقی سے صرف پیچھے ہی نہیں رہ سکتا، بلکہ بعض حالات میں اس ترقی کو پیچھے بھی چھوڑ سکتا ہے۔ سماج کے قوانین کا تجزیہ کر کے اور تاریخی نشوونما کے عمومی رجحانات کا انکشاف کر کے ممتاز انسان مستقبل کی پیش بینی کر سکتے ہیں یعنی ایسے نظریات کی تخلیق کر سکتے ہیں جو ان کے دور سے بہت آگے کے ہوں اور کئی عشروں کے لئے نشوونما کے راستے کی نشان دہی کرتے ہوں۔ سائنسی کمیونزم کا مارکسی نظریہ سماجی واقعات کی

پیش بینی کرنے کا ایک شاندار نمونہ ہے۔

آئیڈیالوجی کی ترقی میں تسلسل سماجی شعور کی اضافی آزادی کا ایک اہم اظہار ہے۔ نیا طبقہ جب خود اپنی آئیڈیالوجی کی تخلیق کرتا ہے تو یہ انسانی فکر کی سابقہ کامیابیوں کو مسترد نہیں کر دیتا، بلکہ انھیں جذب کر لیتا ہے، اُن سے اپنے لئے کام لیتا ہے۔

خیالات کی ترقی میں تسلسل سماجی زندگی میں زبردست اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اگر انسان ماضی کی ثقافت کی کامیابیوں کو استعمال کرنے کے اہل نہ ہوتے تو انھیں ہر چیز کو بالکل ہی ابتدا سے شروع کرنا پڑتا، ان قوانین کو دریافت کرنا پڑتا جنھیں بہت عرصہ پہلے دریافت کیا جا چکا تھا، اپنی ضرورت کے مطابق مشین بنانے کے لئے ان طریقوں کی تلاش کرنی پڑتی جنھیں بہت پہلے ڈھونڈھ لیا گیا تھا، وغیرہ۔ خیالات کی ترقی میں تسلسل کے سبب ایسا نہیں ہوتا۔ گزشتہ نسلوں کے انجام دیئے ہوئے نہایت زبردست کام کی بنیاد پر انسان اپنے اسلاف کے کام کو جاری رکھنے، اُن کی کامیابیوں کو ترقی دینے اور بہتر بنانے اور انھیں ایک نئی، اعلیٰ تر سطح تک لے جانے کے اہل ہوتے ہیں۔

مختلف طبقات پرانے نظریاتی ورثے کی جانب مختلف رویّے اختیار کرتے ہیں۔ رجعت پرست طبقات ماضی سے رجعت پرست خیالات لے لیتے ہیں اور انھیں نئے تاریخی حالات کے مطابق، اپنے مفادات کے مطابق، ڈھالتے ہیں۔ مثلاً سامراج کے نظریہ ساز محنت کش عوام کو روحانی طور پر غلام بنانے کی غرض سے ازمنۂ وسطیٰ کی مدرسیت اور سرّیت اور متعدد دعینیت پسندانہ اور کلیسائیت پسندانہ نظاموں کو استعمال کرتے ہیں۔

ترقی یافتہ، انقلابی طبقات نظریاتی ورثہ سے وہ چیزیں لے لیتے ہیں جن کی مثبت اہمیت ختم نہیں ہوئی ہے اور جو نوعِ انسانی کی مددگار ہو سکتی ہیں۔

۲۔ سماجی نشوونما میں خیالات کا فعّال رول

تاریخی مادیت سماجی شعور یعنی انسانوں کے خیالات و نظریات، کے تعلق سے سماجی وجود کی فوقیت کا اعلان کرنے کے ساتھ ساتھ سماج کے نشوونما میں خیالات کے فعّال رول کو بھی

تسلیم کرتی ہے۔ سماجی زندگی کے ہر دائرے میں انسان ہمیشہ شعوری اور بامقصد طور پر عمل کرتے ہیں اور چنانچہ اُن کے تصورات، خیالات اور نظریات زندگی کے تمام پہلوؤں میں سرایت کرتے ہیں اور اُن کو بہت زیادہ متاثر کرتے ہیں۔ سماجی خیالات کی فعالیت کا اظہار اس امر میں ہوتا ہے کہ وہ انسانوں کے لئے رہنمائے عمل کا کام دیتے ہیں، اُنھیں متحد کرتے ہیں اور اُن کی مساعی کو بعض نصب‌العینوں کی تکمیل پر مرتکز کرتے ہیں۔

خیالات سماج کے نشو و نما کو فروغ بھی دے سکتے ہیں اور اس میں رکاوٹ بھی ڈال سکتے ہیں۔ خیالات جو رول ادا کرتے ہیں اس کا انحصار اس امر پر ہوتا ہے کہ جو طبقہ ان خیالات کی وکالت کر رہا ہے وہ ترقی پسند ہے یا رجعت پرست، اِس امر پر ہوتا ہے کہ یہ خیالات سماج کی مادی زندگی کے تقاضوں کا کتنا صحیح انعکاس کرتے ہیں اور اس امر پر ہوتا ہے کہ یہ خیالات کس حد تک عوام کے مفادات کے عین مطابق ہیں۔

صرف وہی خیالات جو سماج کے ترقی یافتہ طبقات کے، محنت کش عوام کے مفادات کی ترجمانی کرتے ہیں، جو ترقی کرتی ہوئی مادی پیداوار کے تقاضوں کے مطابق ہوتے ہیں اور جو پُرانے سماجی نظام کو ختم کرنے اور ایک نیا سماجی نظام قائم کرنے میں مدد دیتے ہیں، سماج کے نشو و نما میں ترقی پسندانہ اہمیت کے حامل ہو سکتے ہیں۔

خیالات خواہ کتنے ہی نئے اور ترقی پسندانہ کیوں نہ ہوں، وہ خود سے پُرانے سماجی نظام کا خاتمہ کرنے اور ایک نیا سماجی نظام قائم کرنے کے اہل نہیں ہوتے۔ ایک مادی قوت بن جانے کے لئے ان خیالات کا انسانوں کے ذہنوں کو مسخر کرنا ضروری ہوتا ہے۔ صرف عوام ہی جنھوں نے ترقی پسند خیالات کو جذب کر لیا ہو اس سماجی قوت کی تخلیق کر سکتے ہیں، جو فوری سماجی مسائل کو حل کرنے کی اہل ہو۔

نوعِ انسانی جن تمام خیالات سے واقف ہے ان میں سائنسی کمیونزم کا خیال سب سے زیادہ ترقی پسند ہے۔ یہ زبردست قوت کا حامل ہے، کیونکہ یہ سماجی نشو و نما کے معروضی قوانین پر مبنی ہے اور سماج کی مادی زندگی کی ضروریات اور لکھوکھا محنت کش عوام کے مفادات کو پورا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سائنسی کمیونزم کا خیال ایک ایسی قوت ہے جو دنیا کو بدل رہی ہے۔ اس خیال نے

روسی مزدور طبقے کو تحریک دی جس نے غریب کسانوں کے ساتھ اتحاد کے ذریعے اور کمیونسٹ پارٹی کی زیر قیادت اکتوبر کا سوشلسٹ انقلاب برپا کیا۔ اس خیال نے سوویت عوام کو سوشلزم کے لئے ان کی بہادرانہ جد وجہد میں تقویت پہنچائی اور اب یہ کمیونسٹ نژاد کی جانب اُن کی راہ کو روشن کر رہا ہے۔ یہ خیال دنیا بھر میں زیادہ سے زیادہ عام لوگوں کے ذہنوں کو مسخر کرتا جارہا ہے۔ یہ سرمایہ دار ملکوں کے محنت کش عوام کو رجعت پرست سامراجی قوتوں کے خلاف لڑنے میں مدد دے رہا ہے۔

پسماندہ خیالات، جو صداقت کو مسخ کرتے ہیں اور رجعت پرست طبقات کے مفادات کو تقویت پہنچاتے ہیں، سماج کی ترقی میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ عصر حاضر کے رجعت پرست بورژوازی کے خیالات ایسے ہی خیالات ہیں۔

اِن تمام باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سماجی خیالات نوعِ انسانی کی زندگی میں بہت اہم ہوتے ہیں۔ چنانچہ عملی سرگرمی میں سماجی وجود کے تعیّن کن رول پر اور سماج کے نشوونما میں خیالات کے فعّال رول پر، توجہ دینا ضروری ہے۔

۲۔ سیاسی اور قانونی خیالات

سیاسیات اور معاشیات: سیاست اور سیاسی تعلقات سب سے پہلے تو طبقات کے درمیان اقتدار کے لئے، سماج میں غلبہ حاصل کرنے کے لئے جد وجہد کا نام ہے۔ ملکوں اور قوموں کے درمیان تعلقات بھی سیاست کے دائرے میں آتے ہیں۔ سیاست طبقات، طبقاتی جد وجہد اور ریاست کے ساتھ ہی عالمِ وجود میں آئی۔ سیاست ریاست کی اصل سرگرمی ہوتی ہے۔

سیاست طبقات کے درمیان تعلقات کی حیثیت سے سماج کے معاشی ڈھانچے کے ذریعے، اس کی بنیاد کے ذریعے، وجود میں آتی ہے۔ لینن نے سیاست کے آغاز اور سماج کے معاشی ڈھانچے کے ساتھ اس کے ناقابلِ شکست ربط کا انکشاف کرتے ہوئے سیاست کو معاشیات کا مرتکز اظہار، اس کا لبِ لباب اور اس کا درجۂ کمال قرار دیا۔ سیاست ہی میں طبقات کے معاشی مفادات کا مکمل ترین ہمہ گیر اظہار ہوتا ہے۔

لیکن سیاست جو معاشیات سے پیدا ہوتی ہے، خود بھی معیشت پر، سماجی نشوونما کے سارے عمل پر بہت زیادہ اثر ڈالتی ہے۔ معیشت کا فروغ سماجی نظام کی تبدیلی کے لئے زمین ہموار کرتا ہے۔ تاہم، یہ تبدیلی عوام کی شعوری سرگرمی کا نتیجہ ہوتی ہے جس کی رہبری سیاست کرتی ہے۔ سماج کی زندگی اور اس کی پیش قدمی میں سیاست کے بہت بڑے رول کو پیش نظر رکھتے ہوئے لینن نے یہ رائے قائم کی کہ سیاست کو معیشت پر فوقیت حاصل ہونا ضروری ہے۔ لینن نے لکھا ہے، "موضوع کی جانب ایک مناسب سیاسی رویے کے بغیر متعلقہ طبقہ اپنی حکمرانی کو برقرار نہیں رکھ سکتا اور نتیجتاً اپنے پیداواری مسائل کو حل نہیں کر سکتا۔

سیاسی، طبقاتی رویہ ہی سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی اور تمام برادر کمیونسٹ پارٹیوں اور مزدور پارٹیوں کا طرۂ امتیاز ہے۔ کسی بھی قسم کے معاشی یا تنظیمی مسائل کو حل کرنے میں کمیونسٹ پارٹی نے ہمیشہ مزدور طبقے کے تمام محنت کش عوام کے مفادات کو بنیاد بنایا ہے۔ مثلاً مزدور طبقہ اور تمام سوویت عوام کے بنیادی مفادات سوشلسٹ خطوط پر قومی معیشت کی تنظیم نو کیلئے ایسے اہم اقدامات کو لازمی قرار دیتے تھے جیسے ملک کی صنعتکاری اور زراعت کی اجتماعیت۔

سیاسی خیالات اور ان کی اہمیت انسانوں کے سیاسی نظریات اور خیالات سیاست کے ساتھ قریبی طور پر وابستہ ہوتے ہیں۔ سیاست طبقات، قوموں اور ملکوں کے درمیان تعلقات کا اظہار کرتی ہے اور سیاسی خیالات ان تعلقات کا انعکاس کرتے اور ان کے لئے دلیلیں فراہم کرتے ہیں۔ سیاسی خیالات میں طبقاتی جدوجہد اور انقلاب کے بارے میں، سماجی اور ریاستی نظام کے بارے میں اور جنگ اور امن کے سوال کے بارے میں ایک طبقے کے نظریات شامل ہوتے ہیں۔ ان نظریات کا اطلاق طبقات کی براہ راست جدوجہد میں اور ممالک، پارٹیوں اور دیگر سیاسی اداروں اور تنظیموں کی سرگرمیوں میں ہوتا ہے۔

سیاسی خیالات ممالک کے دساتیر میں، پارٹیوں اور دیگر سیاسی تنظیموں کے پروگراموں اور اعلامیوں میں، خصوصی نظریاتی دستاویزات اور دیگر دستاویزات میں ظاہر ہوتے ہیں۔

ایک مخاصمانہ طبقاتی سماج میں سیاسی خیالات کی نوعیت کا انحصار اس امر پر ہوتا ہے کہ وہ کس طبقے کے مفادات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ایک استحصالی طبقہ سیاسی خیالات کی مدد

سے اپنی غالب حیثیت کو جائز ثابت کرنے اور اپنی معاشی بنیاد کو اور زیادہ مستحکم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ چیز اس کے خیالات کی نوعیت کا تعین کرتی ہے۔ ایک زیر استحصال طبقہ اپنے سیاسی خیالات میں استحصالی نظام کو ختم کرنے اور ایک نیا سماج' استحصال سے آزاد سماج' قائم کرنے کی ضرورت کو ثابت کرتا ہے۔ استحصال کا شکار ہونے والوں کی سیاسی آئیڈیالوجی انقلابی جدوجہد کی، قدیم کے خاتمہ اور جدید کی تخلیق کی، آئیڈیالوجی ہوتی ہے۔

اس وقت دنیا دو سیاسی نظریات کی گرفت میں ہے، ایک تو مزدور طبقے کی آئیڈیالوجی اور دوسرے بورژوازی کی آئیڈیالوجی۔ مزدور طبقے کی سیاسی آئیڈیالوجی پرولتاری بین الاقوامیت پسندی، تمام ممالک کے محنت کش عوام کی دوستی اور امن، جمہوریت اور سوشلزم کے لئے مشترکہ جدوجہد میں تمام ترقی پسند طاقتوں کے اتحاد اور تعاون کی آئیڈیالوجی ہے۔ اس کا مکمل طور پر اور ہر زاویے سے اظہار مارکسی اور لیننی نظریئے میں، کمیونسٹ پارٹیوں کے پروگراموں میں اور سوشلسٹ ممالک کے دساتیر میں ہوتا ہے۔ یہ آئیڈیالوجی بورژوازی کے خلاف اور سوشلزم اور کمیونزم کی فتح کے لئے مزدور طبقے اور تمام محنت کش عوام کی جدوجہد کی ضرورت کو ثابت کرتی ہے۔ یہ مزدور طبقے اور اس کی پارٹی کے لئے سیاسی جدوجہد میں، جو پرولتاریہ کی طبقاتی جدوجہد کی اعلیٰ ترین شکل ہوتی ہے، رہنمائی کا کام دیتی ہے۔

مزدور طبقے کی پالیسی اور اسکے خیالات صحیح معنوں میں سائنسی ہوتے ہیں۔ وہ سماجی نشوونما کے قوانین کے علم پر مبنی ہوتے ہیں اور عوام کے مفادات کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ تاریخ کے تجربے اور عالمی کمیونسٹ تحریک کی عظیم کامیابیوں سے ان خیالات کی مضبوطی اور قوتِ حیات کا ثبوت ملتا ہے۔

مزدور طبقے کے سیاسی خیالات کے مدمقابل بورژوازی کے سیاسی خیالات ہوتے ہیں جن کا مقصد سرمایہ دارانہ اُجرتی غلامی کو مقدس اور دائمی قرار دینا ہوتا ہے۔ یہ خیالات اندرونِ ملک مزدور طبقے اور جمہوری قوتوں کو کچلنے کی پالیسی اور قومی استبداد اور ایک نئی عالمی جنگ کی تیاریوں کی پالیسی کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

عصرِ حاضر کے بورژوازی کے سیاسی خیالات کسی بھی سائنسی بنیاد کے حامل نہیں۔ یہ خیالات

سماجی نشو و نما کے معروضی قوانین اور عوام کے مفادات کے خلاف ہوتے ہیں اور اسی لئے ناکامی اُن کا مقدر ہوتی ہے۔ ناکامی عصر حاضر کے سامراجی بورژوازی کی تمام رجعت پرستانہ ریشہ دوانیوں کا اسی طرح مقدر ہوتی ہے جس طرح دنیا پر غلبہ حاصل کرنے کا نازی خیال ناکام ہوا اور جس طرح نوآبادیاتی نظام کی آئیڈیالوجی اور پالیسی آج شکست وریخت سے دوچار ہے۔

سماجی شعور کی تمام تر شکلوں میں سے سیاست اور سیاسی خیالات معاشی بنیاد کے قریب ترین ہوتے ہیں۔ ریاست، پارٹیوں اور دیگر سیاسی تنظیموں کی سرگرمیوں کے ذریعے سیاست اور سیاسی خیالات سماجی نشو و نما کی بنیاد پر اور اس کے سارے عمل پر اثر ڈالتے ہیں۔ وہ سماجی شعور کی دیگر تمام شکلوں، یعنی قانون، اخلاقیات، فن، مذہب، فلسفہ اور سائنس کے نشو و نما کو خاص طور پر متاثر کرتے ہیں۔ وہ سماجی شعور کی ان تمام شکلوں میں سرایت کرتے ہیں، اُنھیں ایک طبقاتی میلان عطا کرتے ہیں، اور انھیں ایک خاص طبقے کا آلۂ کار بنا دیتے ہیں۔

قانون اور قانونی خیالات: قانون کے ذریعہ منضبط کردہ قانونی تعلقات سماج میں وجود رکھتے ہیں۔ قانون سماج میں انسانوں کے طرز عمل کے لازمی معیارات اور ضوابط کا مجموعہ ہوتا ہے۔ ان ضوابط کا اظہار متعلقہ قوانین میں ہوتا ہے جن کا تحفظ ریاست اور جبر اور تعلیم کے تمام ریاستی ہتھیار کرتے ہیں۔

سیاست کی طرح قانون نے بھی طبقات اور ریاست کے ساتھ جنم لیا۔ قانون حکمران طبقے کا منشا ہوتا ہے جس کا اظہار قانونی شکلوں میں ہوتا ہے اور یہ حکمراں طبقے کے سیاسی اور معاشی مفادات کا تحفظ کرتا ہے۔

خاصمانہ طبقاتی سماج کی تاریخ غلامی کے، جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ قانون سے واقف ہے۔ ان میں سے ہر قانون نے استحصال کے شکار عوام کے خلاف استحصال کرنے والوں کی جد و جہد میں استحصال کرنے والوں کا ساتھ دیا۔ صرف سوشلسٹ قانون ہی محنت کش عوام کے مفادات کی ترجمانی کرتا ہے اور عوام کا حقیقی قانون ہے۔

انسانوں کے قانونی تعلقات اور اُن کے قانونی خیالات و نظریات میں فرق کرنا چاہیے۔ قانونی خیالات و نظریات کسی سماج کے قانون کی جانب انسانوں کے رویہ کو، اور ان کے اُن

تصورات کو کہ عوام، ریاستوں اور قوموں کے سلسلے میں کیا چیز قانونی ہے اور کیا غیر قانونی، کیا چیز لازمی ہے اور کیا غیر لازمی، بیان کرتے ہیں۔

قانونی خیالات و نظریات ایک طبقاتی کردار کے حامل ہوتے ہیں اور ایک خاص طبقے کے مفادات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ایک مخاصمانہ طبقاتی سماج میں استحصالی طبقے کے قانونی خیالات کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ اپنی مرضی کو دوسرے طبقات پر تھوپنے کی غرض سے حکمران طبقہ نہ صرف ریاستی مشین کا بلکہ قانونی خیالات کا بھی استعمال کرتا ہے۔ ان خیالات کے ذریعہ یا اس قانون کو جسے اس نے قائم کیا ہے جائز ثابت کرنے کی، اسکے طبقاتی کردار کو چھپانے کی اور اسے عوام کے قانون کی حیثیت سے انصاف اور بھلائی کے اعلیٰ ترین اظہار کی حیثیت سے پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

مثال کے طور پر سرمایہ دارانہ سماج کو لیجئے۔ یہ سماج ایک ایسے نظام قانون کا حامل ہوتا ہے جس کی بنیاد بورژوازی کے قانونی خیالات پر ہوتی ہے۔ ان خیالات کا مقصد یہ ثابت کرنا ہوتا ہے کہ سماج کو بورژوا قانون سے زیادہ منصفانہ کوئی قانون میسّر نہیں آسکتا اور یہ کہ بورژوا قانون جمہوریت کی تجسیم ہے، یہ کہ بورژوا عدالت غیر جانب دار ہوتی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ فی الحقیقت بورژوا قانون سرمایہ دارانہ ملکیت کا تحفظ کرتا ہے اور تمام ترقی پسند قوتوں کے دبانے کو اور استحصال کو جائز ثابت کرنے کا کام دیتا ہے۔

سوشلسٹ ریاست کے ظہور کے ساتھ سوشلسٹ قانون جنم لیتا ہے، سماج کی تاریخ کا وہ پہلا قانون جو انسانوں کی طبقاتی عدم مساوات کا خاتمہ کرتا ہے۔

سوشلسٹ قانون اور اس کی تہ میں کارفرما قانونی خیالات مخاصمانہ طبقاتی سماجوں کے قانون اور قانونی خیالات سے بنیادی طور پر مختلف ہوتے ہیں۔ وہ سارے عوام کے مفادات کی ترجمانی کرتے ہیں، سوشلزم کی معاشی بنیاد، یعنی سوشلسٹ ملکیت کا تحفظ کرنے اور اسے مستحکم کرنے میں مدد دیتے ہیں اور سوویت عوام کو قانون کی پابندی کرنے اور دیانت داری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دینے کی تعلیم دیتے ہیں۔ سوشلسٹ نظام میں لاقانونیت اور فرد کے مفادات کی توہین کی کوئی گنجائش نہیں اور اس لئے سوویت ریاست اور کمیونسٹ پارٹی سوشلسٹ

امن اور قانون کو مسلسل مضبوط کرتی ہیں اور ان کی خلاف ورزی کی کسی کوشش کو برداشت نہیں کرتیں۔

جیسے جیسے سماج کمیونزم کی جانب پیش قدمی کرتا جائے گا، ویسے ویسے شہریوں کو قانون کی پابندی پر مجبور کرنے والی ایک طاقت کی حیثیت سے ریاست کے رول میں مسلسل کمی آتی جائے گی اور سوشلسٹ امن اور قانون کو بحال رکھنے کے وظائف بتدریج عوامی تنظیموں کو منتقل ہوتے جائیں گے۔

مستقبل میں، جیسے جیسے مادی اور ثقافتی معیارات اور سماجی شعور اور تنظیم میں اضافہ ہوگا، تو اس کے ساتھ ہی ایسے تمام حالات پیدا ہوتے جائیں گے جن میں قانون کی خلاف ورزیوں کا خاتمہ کیا جا سکے اور عدالتی سزا کے بجائے سماجی اثر اور تعلیم کے اقدامات کو نافذ کیا جا سکے۔ کمیونزم کی مکمل فتح کے ساتھ قانون کی کوئی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ حقوق و فرائض فطری انداز میں ایک دوسرے میں ضم ہو جائیں گے اور کمیونسٹ طرز زندگی کے ضوابط بن جائیں گے۔

۴۔ اخلاقیات

اخلاقیات کی ماہیت اور سماجی زندگی میں اُس کا مقام: اخلاقیات سماج میں طرز عمل کے معیارات یا ضوابط کا مجموعہ ہے جو انصاف اور ناانصافی، نیکی اور بدی، عزت اور بے عزتی وغیرہ کے بارے میں انسانوں کے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ قانونی ضوابط کے برخلاف، اخلاقی معیارات اور ضوابط قانون میں مندرج نہیں ہوتے، بلکہ یہ رائے عامہ، رسم و رواج، عادات اور تعلیم کی قوت کی بنا پر انسان کے ایقان کی قوت کی بنا پر برتے جاتے ہیں۔ وہ سماج کے ساتھ، دوسری قوموں کے ساتھ، خاندان کے ساتھ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ انسان کے رشتوں کا تعین کرتے ہیں۔

اخلاقیات انسانی سماج کے ظہور کے ساتھ ہی وجود میں آئی۔ سماج نے ہمیشہ اپنے اراکین سے بعض معینہ مطالبات کئے ہیں جن کا اظہار اخلاقی معیارات میں ہوا ہے۔ یہ معیارات غیر تغیر پذیر نہیں ہوتے، بلکہ یہ پیداوار میں اور خاص طور پر پیداواری تعلقات میں تبدیلیوں کے زیر اثر

سماج کے نشوونما کے ساتھ بدل جاتے ہیں۔ قدیم سماج میں اخلاقی معیارات تمام اراکین کے لئے یکساں تھے۔ طبقات کے ظہور کے ساتھ یہ معیارات کسی نہ کسی طبقے کے مفادات کی عکاسی کرنے لگے۔ اخلاقیات ایک طبقاتی کردار کی حامل بن گئی۔ مخاصمانہ طبقات میں بٹے ہوئے سماج میں استحصال کرنے والوں کی اخلاقیات اور استحصال کا شکار ہونے والوں کی اخلاقیات موجود ہوتی ہے اور حکمراں طبقے کی اخلاقیات کو بالادستی حاصل ہوتی ہے۔ غلامی کے نظام میں آقاؤں کی اخلاقیات کو غلبہ حاصل تھا، جاگیردارانہ سماج میں جاگیرداروں کی اخلاقیات کو اور بورژوا سماج میں سرمایہ داروں کی اخلاقیات کو۔ ان کی مخالفت میں غلاموں، کسانوں اور مزدوروں کے اخلاقی معیارات و اصول تھے۔

بالائی ڈھانچے کے ایک عنصر کی حیثیت سے اخلاقیات سماج کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ کام اور ملکیت کی جانب انسانوں کے رویے کے ذریعہ یہ معیشت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ مثلاً کمیونسٹ اخلاقیات، سوشلسٹ ملکیت کو مقدس اور قابل حرمت قرار قرار دے کر سوشلزم کی معاشی بنیاد کا تحفظ کرتی ہے۔ اخلاقیات سیاست پر بھی براہ راست اثر انداز ہوتی ہے کسی ریاست کا کوئی بھی سیاسی اقدام اخلاقی طور پر پرکھا جاتا ہے، اسے سماج کے اراکین کی منظوری یا نامنظوری حاصل ہوتی ہے۔ یہ فطری بات ہے کہ کسی بھی سیاسی اقدام کی عوام کی جانب سے اخلاقی منظوری اس کی کامیابی کے لئے ایک اہم عامل ہوتی ہے۔ سوویت یونین کی امن کی پالیسی کی کامیابی کی بہت بڑی وجہ تمام ممالک کے عوام کی، ساری ترقی پسند نوع انسانی کی جانب سے اس کی حمایت ہے۔

اس وقت سماج میں دو اخلاقیات ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہیں: کمیونسٹ اخلاقیات اور بورژوا اخلاقیات۔ بورژوا اخلاقیات سماج کے نشوونما میں رجعت پرستانہ کردار ادا کرتی ہے۔ اس کے خاص سماجی مقاصد نجی ملکیت اور استحصال کو، جو سرمایہ داری کے سنگ بنیاد ہیں، برقرار رکھنا ہیں۔

بورژوا اخلاقیات نجی سرمایہ دارانہ ملکیت سے مشروط ہوتی ہے جو انسانوں کو غیر متحد کرتی ہے، انھیں ایک دوسرے کا دشمن بناتی اور منافع کی دوڑ میں انھیں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کرتی ہے۔ منافع کی جستجو میں سرمایہ دار انسانی اخلاقیات کے تمام معیاروں کو پیروں تلے

روندڈالتا ہے۔ وہ اپنے گردوپیش موجود انسانوں کے مقدر سے، مجموعی طور پر اپنے ملک اور سماج کے مقدر سے قطعاً لاتعلق ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے خود غرضانہ مقاصد کو دنیا کی ہر چیز پر مقدم رکھتا ہے۔ انتہائی خود غرضی بورژوا اخلاقیات کا بنیادی اصول ہے۔ "انسان انسان کے لئے بھیڑیا ہے"، "ہر شخص خود اپنے لئے، باقی جہنم میں جائے"، یہ ہیں بورژوا سماج کے اخلاقیاتی ضوابط۔

کمیونزم کے معماروں کا ضابطۂ اخلاق : کمیونسٹ اخلاقیات سماج کے اراکین کی اکثریت کے مفادات کی، سارے محنت کش انسانوں کے مفادات اور آدرشوں کی ترجمانی کرتی ہے۔ اس میں وہ عمومی انسانی اخلاقی معیارات شامل ہوتے ہیں جنھیں عوام نے استحصال کرنے والوں اور اخلاقی برائیوں کے خلاف جدوجہد کے دوران مجتمع کیا ہوتا ہے۔ مثلاً ان اخلاقی معیارات میں انسانی طرزِ عمل سے کئے جانے والے ابتدائی تقاضے جیسے بہادری اور ایمان داری، بزرگوں کا احترام، لالچ اور دشنام طرازی اور حسد سے نفرت وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ مزدور طبقے کی اخلاقیات، سماج کے اخلاقی نشوونما میں اور کمیونسٹ اخلاقیات کے معیارات اور تقاضوں کی تشکیل میں خاص طور پر بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔

کمیونسٹ اخلاقیات کا آغاز سرمایہ داری کے تحت ہوا جہاں یہ استحصال اور عدم مساوات کے خلاف پرولتاریہ کے احتجاج کا اور اس خواہش کا اظہار کرتی تھی کہ دوستی، رفیقانہ تعاون اور باہمی اعانت پر مبنی مشترکہ زندگی کے ضابطے نافذ کئے جائیں۔ لیکن سرمایہ دارانہ سماج میں مزدور طبقے کی اخلاقیات کو غلبہ حاصل نہیں ہوتا۔ اس اخلاقیات کے غلبے کا دور سرمایہ داری کے خاتمے اور سوشلسٹ سماج کے قیام کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔

لینن نے کہا ہے کہ کمیونسٹ اخلاقیات پرولتاریہ کی طبقاتی جدوجہد کے مفادات کے تابع ہوتی ہے۔ اس کا مافیہ اور مقصد کمیونزم کی تعمیر کرنا اور اسے مستحکم کرنا ہوتا ہے۔ یہی وہ خیال ہے جو کمیونزم کے معماروں کے ضابطۂ اخلاق کی تہ میں کارفرما ہوتا ہے۔ کمیونزم کے کاز کے لئے تندہی، سوشلسٹ مادرِ وطن کے لئے جو نوعِ انسانی کے لئے کمیونسٹ فردا کی راہ روشن کرتی ہے، محبت اور تمام سوشلسٹ ممالک کے لئے محبت ہر سوویت شہری کے ضابطۂ اخلاق میں پہلا بنیادی معیار ہے

محنت سماج کی دولت کا اور سوشلسٹ سماج کے ہر رکن کی ذاتی بہبود کا منبع ہوتی ہے محنت ہر سوویت شہری کا فرض اور اس کے لئے اعزاز کا باعث ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سماج کی بھلائی کے لئے دیانتدارانہ محنت اور ہر فرد کی جانب سے عوامی دولت کے تحفظ اور اس کے فروغ کا خیال رکھا جانا کمیونسٹ اخلاقیات کے بنیادی مطالبات ہیں۔ سوویت شہریوں کی بھاری اکثریت اِن مطالبات کو پورا کرتی ہے۔ اُن کے لئے سوشلزم کا یہ ضابطہ کہ "جو کام نہیں کرے گا وہ کھائے گا بھی نہیں" بہت عرصہ پہلے قانون کی شکل اختیار کر گیا ہے۔

کمیونسٹ اخلاقیات کے اصول سوشلسٹ نظام کی فطرت سے، اس کی معاشی بنیاد، یعنی وسائل پیداوار کی سماجی ملکیت سے جنم لیتے ہیں۔ یہ اخلاقیات عوام کو متحد کرتی ہے، انہیں برادرانہ دوستی، باہمی احترام اور تعاون کے اصولوں کے مطابق رہنے اور کام کرنے کا اہل بناتی ہے۔ چنانچہ اجتماعیت اور رفیقانہ باہمی اعانت، جیسے کمیونسٹ اخلاقیات کے اہم اصول نے اس نعرہ میں اظہار پایا: ایک سب کے لئے اور سب ایک کے لئے۔

سوشلسٹ سماج میں سماجی مفادات کی فکر فرد کے مفادات سے متصادم نہیں ہوتی۔ ہر وہ اچھا کام جو ایک سوویت شہری کرتا ہے وہ خود اس کے اپنے لئے بھی ہوتا ہے اور تمام عوام کے لئے بھی۔ اپنے کام میں دیانت داری برت کے اور اپنا کام اچھی طرح انجام دے کر وہ اپنے رفقا کی جانب اپنی توجہ کا اظہار کرتا ہے جو خود بھی سب کی بھلائی کے لئے کام کرتے ہیں۔ یہ چیز سوشلسٹ سماج میں سماجی اور ذاتی مفادات کی ہم آہنگی کی واضح طور پر عکاسی کرتی ہے۔ سوشلسٹ پیداوار کا مقصد انسان کی ضروریات کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ سماج کے لئے، اپنے عوام کے لئے، مفید بننے کی خواہش ہی سوویت شہری کے اقدامات کی بنیادی محرک ہوتی ہے۔

اجتماعیت کا اصول فرض، ضمیر اور اعزاز کی جانب رویے کی تہ میں کارفرما ہوتا ہے۔ سماج کے لئے مفید ہونا، اس کی پیش قدمی میں حصہ لینا اور مفادِ عامہ کے لئے نقصان دہ اقدامات کو برداشت نہ کرنا انسان کا فرض اور اعزاز ہے۔ اگر ایک انسان سماج کے لئے، عوام کی بھلائی کے لئے وہ سب کچھ کرتا ہے جو اس کے بس میں ہے، تو اس کا ضمیر صاف ہوتا ہے اور وہ شہری فرض کے اعلیٰ احساس کا حامل ہوتا ہے۔

پرولتاری بین الاقوامیت پسندی، سوشلسٹ حُب الوطنی اور انسان دوستی کا فروغ کمیونسٹ اخلاقیات کے اصولوں کو سوویت عوام کے ذہنوں میں بٹھانے کی ایک لازمی شرط ہے۔ سوشلسٹ انسان دوستی ایک اعلیٰ تر، کیفیتی لحاظ سے ایک نئی قسم کی حامل ہوتی ہے۔ یہ انسانوں کے درمیان حقیقی انسان دوست تعلقات اور باہمی احترام پر مشتمل ہوتی ہے۔ انسان انسان کا دوست، رفیق اور بھائی ہے۔ سوویت انسان دوستی انسان کیلئے احترام و محبت اور اسکی مادی اور روحانی بہبود کی فکر کو کمیونزم، امن اور قوموں کی آزادی کے دشمنوں کی جانب ایک غیر مفاہمانہ رویئے کے ساتھ متحد کرتی ہے۔

سوویت حب الوطنی بھی کیفیتی لحاظ سے نئی ہے۔ یہ اپنے ملک اور ساری سوشلسٹ برادری سے محبت اور اسکے لئے جاں نثاری کو پرولتاری بین الاقوامیت پسندی اور تمام ممالک کے محنت کش عوام کے ساتھ برادرانہ یکجہتی کے ساتھ متحد کرتی ہے۔ سوویت حب الوطنی میں قوم پرستی، قومی علاحدگی اور قوموں کے درمیان مخاصمت کے نظرئیے کی اور قومی عدم مساوات اور محنت کش عوام کے عدم اتحاد کی کوئی گنجائش نہیں۔ کمیونسٹ سماج کا ضابطۂ اخلاق سوویت یونین کے تمام عوام کے درمیان دوستی اور اخوت کا اور قومی اور نسلی منافرت کو برداشت نہ کرنے کا اعلان کرتا ہے۔

کمیونسٹ اخلاقیات کا تقاضا ہے کہ عوام سوشلسٹ طرزِ زندگی کے اصولوں کی پابندی کریں، بزرگوں اور عورتوں کی جانب شائستہ رویّہ اختیار کریں، خاندان میں ایک دوسرے کا باہمی احترام کریں اور بچّوں کی پرورش پر توجہ دیں۔ شوہر اور بیوی کے درمیان محبّت، مساوات اور باہمی امانت اور والدین اور اولادوں کی دوستی اور باہمی اعتماد سوویت سماج میں خاندان کی اخلاقی بنیاد کی تشکیل کرتے ہیں۔

کمیونسٹ اخلاقیات کے اصول انسان کے کردار میں بعض خاص صفات کا بھی تقاضہ کرتے ہیں: ایمانداری اور سچائی، اخلاقی پاکیزگی، سماجی اور نجی زندگی میں سادگی اور منکسر المزاجی اور ناانصافی، مفت خوری، بے ایمانی، پیسے کے لالچ اور خود غرضی کی جانب غیر مفاہمانہ رویّہ۔

سرمایہ داری کے باقیات کا خاتمہ سوشلسٹ تعمیر کی کامیابی اور پارٹی کی کمیونسٹ تعلیم کے ایک جزوِ لازم کی حیثیت سے کے زبردست تعلیمی کام نے کمیونسٹ اخلاقیات کے اصولوں کو سوویت عوام کی زندگی اور کام کا ایک لازمی حصہ بنا دیا ہے۔

لیکن بعض لوگوں کے ذہنوں میں ماضی کے باقیات اب بھی موجود ہیں۔ اب بھی بعض ایسے کاہل لوگ موجود ہیں جو کام کرنا نہیں چاہتے اور مفت خوری کی زندگی کو پسند کرتے ہیں، بعض پیسے کے لالچی، خودغرض افراد اور نوکرشاہی ذہنیت رکھنے والے لوگ بھی موجود ہیں جو اپنے ذاتی مفادات کو ہر چیز پر ترجیح دیتے ہیں۔

ایک ایسے ملک میں جہاں سوشلزم کو فتح حاصل ہو چکی ہے، پسماندہ نظریات اور جذبات کے لئے نہ تو معاشی وجوہ موجود ہوتی ہیں اور نہ سیاسی۔ تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ایسے نظریات اور جذبات اب بھی موجود ہیں؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ سوشلزم خود اپنی بنیاد پر نہیں اُبھرتا، بلکہ سرمایہ داری سے اُبھرتا ہے جو اپنی روایات اور رسوم ورواج کو نئے سماج میں بھی داخل کر دیتی ہے۔ عوام کا سماجی شعور سماجی وجود میں تبدیلی کے ساتھ فوراً ہی نہیں بدل جاتا، بلکہ ایک خاص مدت کے بعد بدلتا ہے جس کے نتیجے میں یہ سماجی وجود سے پیچھے رہ سکتا ہے۔ چنانچہ یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پرانی روایات اور عادات نئے سماج کے عوام پر کیوں کافی عرصہ تک اپنا اثر قائم رکھتی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ پسماندہ خیالات کے وجود کی ایک بڑی وجہ بورژوازی کی آئیڈیالوجی کا اثر ہے۔ بورژوازی سوویت عوام کے ذہنوں کو متاثر کرنے کے لئے اور بورژوا رسم ورواج اور تعصبات کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے وہ سب کچھ کرتا ہے جو اس کے بس میں ہے تاکہ کمیونزم کی جانب پیش قدمی میں رکاوٹ ڈال سکے۔

تیسری بات یہ ہے کہ سرمایہ داری کے باقیات کے وجود کی بعض موضوعی (داخلی) وجوہات بھی ہیں، مثلاً تقسیم دولت کے اس سوشلسٹ اصول کے اطلاق پر ناکافی کنٹرول کہ ہر شخص کو اُسکے کام کے مطابق معاوضہ دیا جائے، نظریاتی کام میں بعض کوتاہیاں، نئی نسل کی پرورش میں، خاص طور پر خاندان اور اسکول میں اس کی پرورش میں بعض کوتاہیاں۔

وہ لوگ جو سرمایہ دارانہ باقیات کے بہت زیادہ زیر اثر رہتے ہیں، وہ کمیونسٹ تعمیر میں سنگین رکاوٹیں ڈالتے ہیں۔ وہ سوویت عوام کی نارمل زندگی اور کام میں خلل پیدا کر دیتے ہیں، سماج اور انفرادی شہریوں کی ملکیت پر دست اندازی کرتے ہیں، خاندانی زندگی میں نااتفاقی پیدا کرتے ہیں وغیرہ

ماضی کے باقیات انتہائی محکم ہوتے ہیں، وہ خود بخود ختم نہیں ہوجاتے اور ان معاشی حالات کے خاتمے کے کافی عرصہ بعد بھی جو انھیں وجود میں لائے تھے، لاکھوں انسانوں کی زندگیوں اور ذہنوں میں طویل مدت تک موجود رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ماضی کے باقیات کے خلاف جدوجہد کمیونسٹ تعلیم کا ایک اہم حصہ ہے۔

تعمیری محنت اور کمیونزم کی تعمیر میں سماج کے تمام اراکین کی فعال شرکت ماضی کے باقیات کو ختم کرنے اور نئے انسان کو تعلیم دینے کا واحد طریقہ ہے۔ سوشلسٹ سماج میں سماج کی بھلائی کے لئے کئے جانے والے دماغی اور جسمانی دونوں کاموں کی ہر شکل کا احترام کیا جاتا ہے۔ سوشلسٹ محنت ہر شہری کا فرض ہے۔ سماج کے تمام اراکین کے ساتھ مشترکہ منصوبہ بند محنت میں اور ریاستی امور کے نظم و نسق میں روزمرہ کی شرکت میں انسان کا ذہن بتدریج تبدیل ہوجاتا ہے اور اس کے اعلیٰ روحانی اوصاف اُجاگر ہوجاتے ہیں۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرنے سے انسان اپنی خوبیوں اور صلاحیتوں کو مکمل طور پر ابھارتا ہے، ثقافتی اور فنی لحاظ سے پیش قدمی کرتا ہے، اس میں سبقت لے جانے اور جدید سے محبت کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ سماج کے مفادات کو ہر چیز پر مقدم رکھنا سیکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سماج کے تمام اراکین میں کام کی جانب ایک کمیونسٹ رویے کو فروغ دینا کمیونسٹ اخلاقیات کے اعلیٰ اصولوں کے جذبے کے ساتھ لوگوں کی تربیت کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ پارٹی اپنا یہ مقصد قرار دیتی ہے کہ سماج کے ہر رکن کے ذہن میں یہ محکم ایقان پیدا کرے کہ انسان تعمیری محنت کے بغیر، سماجی بھلائی میں حصہ لئے بغیر، زندہ نہیں رہ سکتا۔ سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کی بائیسویں کانگریس کی ایک قرارداد میں کہا گیا ہے:

"فرد کو محنت کے لئے تیار کرنا، اس میں زندگی کی ایک بنیادی ضرورت کی حیثیت سے محنت کے لئے محبت اور احترام پیدا کرنا کمیونسٹ تعلیم کے ہمارے سارے کام کی ماہیت اس کی اصل ہے۔"

متواتر مطالعہ اور عمومی تعلیم اور ثقافت میں مسلسل اضافہ لوگوں کے ذہنوں سے ماضی کے باقیات کا خاتمہ کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ ایک شخص جتنا زیادہ تعلیم یافتہ اور عملی ثقافتی معیاروں کا حامل ہوگا، اتنی ہی زیادہ مستعدی کے ساتھ وہ کام کرے گا، اتنی ہی زیادہ سرگرمی کے ساتھ وہ سماجی امور میں حصہ لے گا اور اتنا ہی زیادہ وہ ذاتی اور سماجی زندگی میں بے رغبت

اور سادہ مزاج ہوگا۔ متواتر کام اور مسلسل مطالعہ ناانصافی اور مفت خوری، بے ایمانی اور خود غرضی کی جانب ایک غیر مفاہمانہ رویے کو جنم دیتا ہے۔

کمیونسٹ محنت کے فروغ کی تحریک کام کرنے اور مطالعہ کرنے کے دوران عوام کو تعلیم دینے کی شاندار مثالیں پیش کرتی ہے۔ وہ اخلاقی اصول جو اس تحریک میں حصہ لینے والوں کو جوش اور جذبہ عطا کرتے ہیں، یہ ہیں: ملک کی بھلائی کے لئے کام کرنا، شہری فرض کا احساس، اپنے کام اور اپنے طرزِ زندگی میں جدید کا پرچم بلند رکھنا، مقصدیت اور اجتماعیت کا احساس۔ یہ تحریک عوام کو اور بالخصوص نوجوانوں کو کمیونسٹ انداز میں رہنا اور کام کرنا سکھاتی ہے اور یہی چیز اس کی اتنی زیادہ اہمیت کا سبب ہے۔

کمیونزم کی جانب ہر قدم اخلاقیات کے دائرۂ عمل میں توسیع کرتا اور سوویت سماج کی زندگی اور ترقی میں کمیونسٹ اخلاقیات کے رول کو بڑھاتا ہے۔ دوسری طرف عوام کے درمیان تعلقات کے انتظامی انضباط کا دائرہ اسی کے تناسب سے سکڑ جاتا ہے۔ چنانچہ اسی بنیاد پر کمیونسٹ پارٹی اور سوویت حکومت عوام کی پہل کاریوں کی تمام شکلوں کی جو کمیونسٹ طرزِ زندگی کے بنیادی ضوابط کے ظہور اور فروغ کو بڑھاوا دیتی ہیں، مکمل حمایت اور حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔

۵۔ سائنس

سائنس کی نوعیت اور سماج کی ترقی میں اس کا رول

سائنس قدرت، سماج اور خیال کے بارے میں انسانی علم کا نظام ہے۔ یہ تصورات، مقولوں اور قوانین میں دنیا کی عکاسی کرتی ہے جس کی صحت اور سچائی کی توثیق عملی تجربے سے ہوتی ہے۔

عصرِ حاضر کی سائنس مجموعی طور پر متعدد انضباطوں (ڈسپلنوں) کا مجموعہ ہے جو مادی دنیا کے معینہ دائروں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ سائنسوں کے اس تنوع میں ہمیں سماجی سائنسوں (تاریخ، سیاسی معیشت، فلسفہ، جمالیات وغیرہ) اور قدرتی سائنسوں (میکانیات، ریاضی، طبعیات، کیمیا، حیاتیات وغیرہ) میں فرق کرنا چاہیئے۔

سائنس نے عملی سرگرمی سے جنم لیا اور یہ اسی بنیاد پر فروغ پاتی ہے۔ مادی پیداوار کی ضروریات

سائنس کی اصل قوتِ محرکہ ہیں۔ اینگلز نے لکھا: "اگر سماج کو ایک فنی ضرورت لاحق ہوتی ہے تو یہ چیز سائنس کو آگے لے جانے میں دس یونیورسٹیوں سے بھی زیادہ مددگار ثابت ہوتی ہے۔" قدیم سماج میں انسان کا اپنی روزی کے حصول کے دوران قدرت کی قوتوں سے سابقہ پڑا اور اس نے اُن سے بالکل ابتدائی، سطحی علم حاصل کیا۔ یہ علم تجربی نوعیت کا تھا اور اُسے ابھی تک سائنس کا درجہ حاصل نہیں ہوا تھا۔ سائنس، سماجی شعور کی ایک خصوصی شکل کی حیثیت سے، بعد میں غلامی کے سماج میں، اس وقت وجود میں آئی جب دماغی محنت جسمانی محنت سے الگ ہو گئی اور انسانوں کی ایک خصوصی جماعت، یعنی عالم ظہور پذیر ہوئے جو صرف مطالعے سے سروکار رکھتے تھے۔

سائنسی علم کا تسلسل سائنس کا بنیادی طرۂ امتیاز ہے۔ انسانوں کی نئی نسلیں، نئے سماج، ماضی کی سائنسی کامیابیوں کو رد نہیں کرتے بلکہ انھیں قبول کرتے ہیں اور نئی عملی ضروریات کے مطابق انھیں مزید فروغ دیتے ہیں۔

سائنس پیداوار، عملی سرگرمی کی بنیاد پر نمودار ہوتی ہے اور خود اپنی طرف سے عوام کی پیداوار کی عملی ضروریات کو پورا کرتی ہے اور سماج کے لئے زبردست اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ یہ انسانوں کو معروضی قوانین کے علم سے لیس کرتی ہے، قدرت کی طاقتوں پر اُن کے اختیار میں اضافہ کرتی ہے، ایک بہتر زندگی کی راہ بتاتی ہے اور اُن کے روزمرہ کے کام کو آسان بناتی ہے۔ سائنس انسان کے آفاق کو وسیع کرتی ہے اُسے توہمات اور تعصبات سے چھٹکارا دلاتی ہے اور ایک مادی عالمی نقطۂ نظر کی تشکیل میں مدد دیتی ہے۔

سائنس سماج میں ہر طرزِ پیداوار کے تحت نہ صرف ترقی کرتی ہے، بلکہ یہ سماج کے ساتھ مربوط ہوتی ہے اور اس کے زیرِ اثر ہوتی ہے۔ سماجی سائنسیں ایک خاص طبقے کے مفادات کی ترجمانی کرتی ہیں، سماج کی بنیاد کو مستحکم کرنے یا اُسے تباہ کرنے میں مدد دیتی ہیں، باوجودیکہ پیداوار سے اُن کا براہِ راست تعلق نہیں ہوتا۔ دوسری طرف قدرتی سائنسوں کا پیداوار سے براہِ راست تعلق ہوتا ہے۔

سائنس کے فروغ کا بڑی حد تک انحصار سماجی نظام پر، سماج میں غالب حیثیت رکھنے والے معاشی تعلقات پر ہوتا ہے۔ ان ہی پر سائنسی ترقی کی سمت اور شرح کا نیز سائنسی کامیابیوں کے اطلاق کا انحصار ہوتا ہے۔ سرمایہ دارانہ پیداواری تعلقات اس عرصہ میں جبکہ سرمایہ داری

مائل بہ ترقی تھی، سائنسی ترقی کا ایک طاقتور عامل تھے، کیونکہ تیزی کے ساتھ پھیلتی ہوئی سرمایہ دارانہ پیداوار زیادہ سے زیادہ سائنسی علم کی متقاضی تھی۔ سامراج کی آمد کے ساتھ سرمایہ دارانہ پیداواری تعلقات سائنسی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن گئے۔

سرمایہ دار کے لئے سائنس اپنے حریف کے خلاف لڑنے کا ایک وسیلہ ہے، زیادہ سے زیادہ منافع کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بنیادی طور پر سائنس کے ان دائروں کو ترقی دینے کی کوشش کرتا ہے جن سے بہت بڑے منافع کی توقع ہے۔ چونکہ جنگی صنعت پیداوار کی سب سے زیادہ منافع بخش شاخ بن گئی ہے، اس لئے اجارہ داران سائنسوں کو ترقی دینے کی خصوصی کوششیں کرتے ہیں جن کا تعلق اسلحہ سازی سے ہے، جنگ کے ایٹمی، کیمیاوی، جراثیمی اور دیگر ذرائع کی تیاری سے ہے۔

عصرِ حاضر کا سامراجی بورژوازی عینیت پسندانہ عالمی نقطۂ نظر کو برقرار رکھنے اور اسے پھیلانے میں دلچسپی رکھتا ہے، اور اسی سبب سے وہ عینیت اور مابعد الطبیعات کے طریق ہائے کار کو مسلط کرنے اور علم کو عقیدے کا تابع بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ اس امر کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے کہ قدرتی سائنس اور سائنس دانوں کو مادیت کی جانب اُنکی ناگزیر پیش قدمی سے منحرف کر دے اور انھیں عینیت کی غلط راہ پہ ڈال دے۔ جب قدرتی سائنس داں علمی میدان میں اہم کامیابیاں حاصل کرتے ہیں تو بورژوازی اُن کامیابیوں کو غلط انداز میں پیش کرنے اور اُن کی عینیتی تعبیر کرنے کی غرض سے فلسفیوں اور رجعت پرست سائنس دانوں کو استعمال کرتا ہے۔

بورژوا سماجی سائنس براہِ راست طور پہ سرمایہ دارانہ نظام کے دفاع، سرمایہ داری کے دم توڑتے ہوئے نظام کی لیپا پوتی اور کمیونزم اور ترقی کے خلاف شدید حملوں کے لئے وقف ہے۔

بورژوا سماج میں بھی ایسے بہت سے سائنس داں ہیں جو سامراج کی مذمت کرتے ہیں اور مادیت، امن اور سماجی ترقی کی حمایت کرتے ہیں، لیکن سائنسی پالیسی کا تعین حکمران طبقہ، اجارہ دار بورژوازی کرتا ہے۔

سوویت سائنس اور کمیونزم سوشلسٹ سماج میں سائنس پیداوار کو فروغ دینے، عوام کے مادی اور ثقافتی معیارات کو بلند کرنے اور انھیں کمیونسٹ جذبہ کی تعلیم میں اس کا رول ...

کے ساتھ تعلیم دینے کا ایک اہم وسیلہ ہے۔ یہ سماج کو قدرت کی دولت اور قوتوں کا عوام کے مفادات میں معقول ترین استعمال کرنے، توانائی اور مال کی نئی اقسام دریافت کرنے، آب و ہوا کو متاثر کرنے والے طریقہائے کار وضع کرنے اور بیرونی خلا کی چھان بین کرنے کا اہل بناتی ہے۔ سوویت سائنس امن، تخلیقی مساعی اور فقید المثال سماجی ترقی کا ایک طاقتور ہتھیار ہے۔

سوویت سائنس کی نمایاں خصوصیت عوام کے ساتھ اس کا گہرا تعلق ہے۔ یہ نہ صرف عوام کی خدمت کرتی ہے، بلکہ عوام کو سائنس تک وسیع دسترس بھی حاصل ہوئی ہے۔ لاکھوں سوویت سائنسداں عوام میں سے ابھر کر آئے ہیں جن کے لئے وہ اپنی تمام تر توانائی اور علم کو وقف کرتے ہیں۔ سائنس دانوں کے ساتھ لاکھوں کی تعداد میں مرد اور عورتیں جو پیداوار کی راہ کو روشن کرتے ہیں، یعنی مزدور اور اجتماعی کسان، سائنسی ترقی میں حصہ لے رہے ہیں۔

سوویت سائنس پیداوار کے ساتھ عوام کی زندگی اور کام کے ساتھ ناقابل شکست طور پر وابستہ ہے۔ سائنسی تحقیق پیداوار میں مدد دیتی ہے۔ سائنسی تحقیق براہ راست پیداوار میں، متعدد سائنسی اداروں، ڈیزائننگ آفسوں، تجربہ گاہوں اور دیگر اداروں میں جو پلانٹوں اور فیکٹریوں میں اور ریاستی فارموں اور اجتماعی فارموں میں کام کرتے ہیں، انجام دی جاتی ہے۔

سوشلزم سماج کو ایک عمومی ریاستی منصوبے کے مطابق تحقیقات کرنے اور بہت سے سائنسی اداروں کے کام میں آپس میں ربط پیدا کرنے کا اہل بناتا ہے جس کی وجہ سے زیادہ اہمیت کے حامل مسائل کے حل پر مساعی کو مرکوز کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔

عوام کی کوششوں اور پارٹی اور حکومت کی توجہ نے سوویت سائنس کو عظیم بلندیوں تک پہنچا دیا ہے۔ سائنسدانوں نے ایٹمی توانائی کے حصول کے طریقوں پر عبور حاصل کر لیا ہے، انہوں نے مصنوعی ارضی سیارے چھوڑے ہیں، اولین خلائی راکٹ اور خلائی جہاز بنائے ہیں اور سائنس میں ایک نئے عہد کا، خلائی چھان بین کے عہد کا آغاز کیا ہے۔ سائنسوں کے ایک پورے سلسلے یعنی طبعیات، الیکٹرونکس، کیمیا، ریڈیو انجینیرنگ، ریاضیات وغیرہ کی عظیم ترقی کے بغیر یہ کامیابیاں ناممکن ہوتیں۔

سوویت سائنس کمیونزم کی تعمیر کا ایک اہم عامل ہے۔ قدرتی سائنسیں فنی ترقی میں،

ٹکنولوجی کو ترقی دینے اور اُسے بہتر بنانے میں اور عوام کی فنی اور ثقافتی سطح کو بلند کرنے میں ایک فیصلہ کن رول ادا کرتی ہیں۔ سائنسی کامیابیوں کا اطلاق سوشلسٹ پیداوار میں اضافے کی رفتار کو تیز کرنے کا ایک فیصلہ کن عامل بنتا جا رہا ہے۔ سائنس ایک براہ راست پیداواری قوت بنتی جا رہی ہے۔

سماجی سائنسیں بھی بہت اہم ہیں۔ سوویت عوام کو سماجی قوانین کے علم سے لیس کر کے وہ سماج کی ترقی کی رہبری کی سائنسی بنیاد ڈالتی ہیں اور کمیونسٹ تعلیم اور عوام کے ذہنوں میں ایک جدلیاتی۔ مادی عالمی نقطۂ نظر کے فروغ میں ایک اہم رول ادا کرتی ہیں۔

۶۔ فن

فن کی اہم خصوصیات اور سماج کی زندگی میں اس کا رول: فن انسان کے ذہن میں فن کارانہ شبیہوں کی صورت میں صداقت کے انعکاس کی ایک شکل ہے۔ اپنے گرد و پیش کی دنیا کا انعکاس کرتے ہوئے فن اس دنیا کو سمجھنے میں انسانوں کی مدد کرتا ہے اور سیاسی، اخلاقی اور فن کارانہ تعلیم کے ایک طاقتور ہتھیار کا کام دیتا ہے۔

مظاہر اور واقعات کے تنوع نے نیز فن پاروں میں اُن کی عکاسی کرنے کے مختلف طریقوں نے شاعری، افسانہ، تھیٹر، موسیقی، سینما، فن تعمیر، مصوری اور مجسمہ سازی کو جنم دیا۔

فن کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ سائنس کے برخلاف یہ صداقت کا انعکاس تصورات میں نہیں کرتا، بلکہ ایسی ٹھوس شکل میں کرتا ہے جس کا حواس کے ذریعہ ادراک کیا جا سکتا ہے۔ یہ انعکاس خصوصی فن کارانہ شبیہوں کی شکل میں ہوتا ہے۔ فن کار ایک فن کارانہ شبیہہ کی تخلیق کرتا ہے، صداقت کی عام، لازمی خصوصیات کا انکشاف کرتا ہے اور ان خصوصیات کی ترسیل انفرادی، بعض اوقات ناقابل تقلید کرداروں کے ذریعے، قدرت اور سماجی زندگی کے ٹھوس مظاہر کے ذریعے کرتا ہے۔ کسی فن کارانہ شبیہہ کی انفرادی خصوصیات جتنی زیادہ واضح اور نمایاں ہوں گی اس کی کشش اور اس کا اثر بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا۔

فن انسانی سماج کے طلوع کے ساتھ نمودار ہوا، یہ محنت کے سلسلۂ عمل کے دوران اُبھرا۔

ابتدا میں فن محنت کے ساتھ براہ راست پیوستہ تھا۔ یہ رابطہ آج بھی قائم ہے، لیکن ایک زیادہ بالواسطہ انداز میں۔ سچا فن ہمیشہ انسانوں کو ان کی زندگی اور کام میں حقیقی مدد دیتا رہا ہے۔ اس نے انھیں قدرت کی قوتوں کے خلاف جنگ کرنے میں مدد دی ہے، انھیں مسرت بخشی ہے اور محنت کے کارناموں اور جنگ کے کارہائے نمایاں کی تحریک دی ہے۔

جمالیاتی ذوق اور تقاضوں نے اور فن میں اور زندگی میں حُسن کی تحسین نے محنت کے سلسلۂ عمل کے دوران فروغ پایا ہے۔ فن کا ایک بنیادی فریضہ اور طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ زندگی میں حُسن کو ڈھونڈھ نکالے، اس کی تعمیم کرے، اسے مثالی بنائے، اس کی فن کارانہ شبیہوں میں عکاسی کرے اور اسے انسان کے سامنے لائے، انسان کے جمالیاتی تقاضوں کی تکمیل کرے اور اس کے جمالیاتی احساسات کو فروغ دے۔

ایک طبقاتی سماج میں فن طبقاتی کردار کا حامل ہوتا ہے۔ یہ جانب دار ہوتا ہے۔ "خالص فن"، "فن برائے فن" کوئی چیز نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے۔ فن کی دسترس، اس کے اثبات کی اور اثر ڈالنے کی زبردست قوت اسے طبقاتی جدوجہد کا ایک اہم ہتھیار بنا دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طبقات فن کو اپنے سیاسی، اخلاقی اور دیگر خیالات کی ترسیل کے وسیلے کے طور پر استعمال کرتے ہیں

فن بالائی ڈھانچے کا ایک حصہ ہوتا ہے اور اس طرح یہ اس بنیاد کو تقویت پہنچاتا ہے جس نے اسے وجود بخشا اور جس پر یہ فروغ پا رہا ہے۔ مثلاً عصرِ حاضر کا بورژوا فن سرمایہ دارانہ بنیاد کو تقویت پہنچاتا ہے۔ یہ ایک ایسے سماج کے وجود کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے جو نجی ملکیت اور استحصال پر مبنی ہے اور اس سماج کو ان انقلابی قوتوں سے بچانے کی کوشش کرتا ہے جو اسے ایک نئے سوشلسٹ سماج سے لازماً بدلنے والی ہوتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ بورژوا فن میں یک رنگی نہیں پائی جاتی۔ اس میں غالب حیثیت ان فنکاروں کو حاصل ہوتی ہے جو کھلم کھلا سامراجی قوتوں کی خدمت کرتے ہیں۔ وہ سرمایہ داری کو حسین بنا کر پیش کرنے، فوری سماجی مسائل کی جانب سے اور امن اور سماجی ترقی کی جدوجہد کی جانب سے عوام کی توجہ ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی کے ساتھ وہ نئے سوشلسٹ نظام کی جو سرمایہ داری کی جگہ لینے آ رہا ہے، نفی کرنے اور کمیونزم کے اعلیٰ آدرشوں کو بدنام کرنے کی جدوجہد کرتے

ہیں۔ ان کی تخلیقات پر قنوطیت، مستقبل پر عدم اعتماد اور زندگی کی سچائیوں سے بھاگ کر بے معنی صوریت کی دنیا میں پناہ لینے کی خواہش کی چھاپ لگی ہوتی ہے۔

بورژوا سماج میں ایسے فن کار بھی ہوتے ہیں جو صداقت اور تاریخ کے معروضی تقاضوں کے زیر اثر رجعت پرست قوتوں کی خدمت کرنے سے انکار کرتے ہیں اور جو جمہوری اور ترقی پسند قوتوں کے مفادات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اُن کی تخلیقات میں سچائی، زندگی سے گہری وابستگی اور انصاف اور عقل کی فتح کا یقین پایا جاتا ہے۔ اگرچہ بورژوا دنیا میں بہت سے ترقی پسند فن کار موجود ہیں، لیکن عصرِ حاضر کے بورژوا فن کی شکل و صورت کا تعین وہ نہیں کرتے، بلکہ سامراجی قوتوں کے خدمت گزار کرتے ہیں۔

ہر طبقہ ایک ایسے فن کی تخلیق کرتا ہے جو اس کے طبقاتی مفادات اور جمالیاتی تقاضوں سے مطابقت رکھتا ہو۔ لیکن بہت سی ایسی فنی تخلیقات بھی ہوتی ہیں جو اپنے طبقے اور عہد کے حدود کو پار کر جاتی ہیں۔ یہ وہ تخلیقات ہوتی ہیں جو متنوع ترین ادوار سے تعلق رکھنے والے انسانوں میں خلقاً موجود غیر عبوری، عمومی اوصاف کی واضح طور پر اور سچائی کے ساتھ عکاسی کرتی ہیں، نیز یہ وہ تخلیقات بھی ہوتی ہیں جو کسی عہد یا کسی طبقے کی ماہیت کو سمجھنا ممکن بناتی ہیں۔ ان میں قدیم یونانی فن کاروں کے نفیس ترین مجسمے، نشاۃ ثانیہ کے دور کی تصاویر، موزارت، بیتھوون، چوپن، چائیکوفسکی کی موسیقی، شکسپیر، گوئٹے، بالزاک، پشکن، تالستائی، رومین رولاں اور ماکسم گورکی کی تحریریں نیز دیگر بہت سی فنی تخلیقات شامل ہیں جو کافی عرصہ پہلے ساری نوعِ انسانی کی ملکیت بن چکی ہیں۔ اس چیز سے فن کی ایک اور خصوصیت کا پتہ چلتا ہے، یعنی اس کی ترقی کا تسلسل۔ ہر نئے دور کا فن پرانے ادوار کے فن کی ہر ترقی پسند اور اچھی چیز کو باقی رکھتا ہے۔

سوشلسٹ فن اور کمیونزم کی تعمیر میں اس کا رول: مزدور طبقے کی انقلابی جدوجہد اور کمیونزم کی جانب اُس کی پیش قدمی کی بنیاد پر کیفیتی لحاظ سے ایک نیا، سوشلسٹ فن وجود میں آیا ہے۔ سوشلسٹ فن ماضی کے ترقی پسند فن کی بہترین چیزوں کو اپنے اندر جذب کرتا ہے اور فن کی ترقی کے ایک نئے مرحلے کی

تشکیل کرتا ہے. جو نئے حالات کے مطابق ہوتا ہے۔

سوشلسٹ حقیقت پسندی اس فن کا تخلیقی طریق کار ہے۔ ضروری ہے کہ ہمارے عہد کے، کمیونزم کی جانب سماج کی پیش قدمی کے عہد کے، اصل ماہیہ کی عکاسی سچائی کے ساتھ، تاریخی طور پر ٹھوس اور انتہائی فن کارانہ انداز میں کی جائے۔ سوشلسٹ حقیقت پسندی کا فن ساکت وجامد نہیں ہوتا بلکہ مسلسل ترقی کرتا اور مالا مال ہوتا رہتا ہے۔

صداقت کی عکاسی میں سچائی اور گہرائی، عوام کے ساتھ قربت، جانب داری اور زندگی کی فن کارانہ تصویر کشی میں جرأت آمیز پیشقدمی اور اس کے ساتھ عالمی ثقافت کی تمام ترقی پسند روایات کا استعمال اور فروغ سوشلسٹ حقیقت پسندی کے بنیادی اصول ہیں۔ سوشلسٹ حقیقت پسندی کی نمایاں خصوصیت اس کا گہرا سوشلسٹ مافیہ اور متنوع، واضح قومی شکل ہے۔ سوشلسٹ حقیقت پسندی کا طریق کار ادیبوں، مصوّروں اور دیگر فنکاروں کو اپنی تخلیقی پہل کاری اور اعلیٰ کمال فن کا مظاہرہ کرنے اور کثیر النوع تخلیقی اشکال اور اسالیب کو فروغ دینے کا وسیع موقع فراہم کرتا ہے۔

صحیح معنوں میں حقیقت پسندانہ فن ہمیشہ عوام سے پیوستہ رہا ہے، لیکن عوام کے ساتھ اُن کی زندگی اور اُن کے کام کے ساتھ سوشلسٹ فن کے نامیاتی روابط کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ سوشلسٹ فن کے عوامی کردار کی جانب اشارہ کرتے ہوئے لینن نے کہا:

" فن کا تعلق عوام سے ہے، اس کی جڑوں کو محنت کش عوام کے درمیان گہرائی کے ساتھ پیوست ہونا چاہیئے۔ یہ فن ایسا ہونا چاہیئے کہ عوام اسے سمجھیں اور اس سے محبت کریں۔ ضروری ہے کہ یہ اُن کے احساسات، خیالات اور عزائم کو متحد کرے اور اُنھیں بلندی عطا کرے۔"

عوام کے ساتھ قربت جو کہ سوشلسٹ فن میں خلقاً موجود ہوتی ہے، اس کی جانب داری کے ساتھ نامیاتی طور پر وابستہ ہوتی ہے۔ سوویت فن کھلم کھلا اور براہِ راست

مزدور طبقے اور سارے محنت کش عوام کی خدمت کرتا ہے۔ اس نے اپنے مقدر کو کمیونسٹ پارٹی کے ساتھ، مارکسی۔ لینینی عالمی نقطۂ نظر کے ساتھ ضم کردیا ہے۔

ترمیم پسند فن میں جانب داری کے مارکسی۔ لینینی اصول کو ہدف تنقید بناتے ہیں۔ وہ کمیونسٹ پارٹی کے ذریعے فن کی رہنمائی کی مخالفت کرتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس طرح فن کار کی تخلیقی آزادی پابہ زنجیر ہو جاتی ہے، اس کی فن کارانہ شخصیت کچل جاتی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن فی الحقیقت، جانب داری کا اصول سوشلسٹ فن کے اعلیٰ خیالات، مافیہ اور اوج کمال کو یقینی بناتا ہے اور اس کے رُخ کو اہم ترین سماجی مسائل کے حل کی جانب موڑتا ہے۔ یہ فن کارانہ مساعی کی حقیقی آزادی کے لئے ایک لازمی شرط ہے۔ میخائیل شولوخوف نے سوویت فنکاروں کے جذبات و خیالات کا، عوام اور کمیونسٹ پارٹی سے اُن کی وفاداری کا اِن الفاظ میں اظہار کیا ہے:

"ہم میں سے ہر ایک اپنے دل کی مرضی کے مطابق لکھتا ہے، اور ہمارے دلوں کا تعلق پارٹی اور عوام سے ہے جن کی ہم اپنے فن کے ذریعہ خدمت کرتے ہیں۔"

کمیونسٹ پارٹی سوشلسٹ فن کو فروغ دینے کی زبردست کوشش کرتی ہے۔ یہ بلند خیالات اور مافیہ اور اعلیٰ کمالِ فن سے بھرپور سچے فن پاروں کی تخلیق کو بڑھاوا دیتی ہے۔ یہ فن کاروں کے درمیان عوام اور کمیونزم کے کاز سے وفاداری اور کوتاہیوں، سیاسی آگہی کے فقدان اور فن میں خیالات و مافیہ کے فقدان کی جانب غیر مصالحانہ رویّے کو مسلسل فروغ دیتی ہے۔

مکمل پیمانے کی کمیونسٹ تعمیر کی مدت کے دوران سوویت فن کا مشن عوام کے اندر اعلیٰ سیاسی، اخلاقی اور جمالیاتی خصوصیات کو اُبھارنا، اُن کے ذہنوں سے ماضی کے باقیات کو ختم کرنے میں اُن کی مدد کرنا، عوام کی بہادرانہ مساعی کی گہرائی اور سچائی کے ساتھ تصویر کشی کرنا، ہمارے ہم عصر انسان کی متموّل روحانی دنیا، اسکے خیالات، احساسات اور اُمنگوں کو منکشف کرنا، ہر اس چیز پر سختی کے ساتھ تنقید کرنا جو سوویت

سماج کی پیش قدمی کی راہ میں حائل ہوتی ہے اور کمیونزم کی تعمیر میں سوویت عوام کو نئے نئے کارناموں پر اُبھارتا ہے۔ فن عوام کی جمالیاتی تعلیم میں خاص طور سے ایک بہت اہم رول ادا کرتا ہے اور کمیونسٹ تعلیم کا ایک اہم جزو لازم ہے۔ ضروری ہے کہ فن تحسینِ حُسن اور جمالیاتی جذبات کو فروغ دے اور عوام کی فن کارانہ صلاحیتوں اور ذوق کو جگائے اور انھیں ترقی دے۔

مارکسی فلسفے کے مبادیات کا جائزہ لینے کے بعد ہم نے دیکھا ہے کہ دنیا میں ہر چیز بدلتی ہے، نشو و نما پاتی ہے، نیچے سے اوپر کی جانب، قدیم سے جدید کی جانب حرکت کرتی ہے۔ ہم نے یہ جان لیا ہے کہ نیا، کمیونسٹ نظام، ایک دیوانے کا خواب نہیں ہے بلکہ ایک تاریخی ضرورت ہے اور یہ کہ کمیونزم کی راہ سوشلسٹ انقلاب اور پرولتاریہ کی آمریت سے ہو کر گزرتی ہے۔

لینن نے ایک بار لکھا تھا کہ مارکس کی تعلیمات زبردست قوت کی حامل ہیں کیونکہ یہ سچی ہیں۔ مارکسزم کی عظیم سچائی کی اب تاریخ نے توثیق کر دی ہے۔ سوویت یونین میں سوشلزم کی مکمل اور حتمی فتح، عالمی سوشلسٹ نظام کا ظہور اور فروغ اور روشن کمیونسٹ مستقبل کی جانب نوعِ انسانی کی نہ رُکنے والی پیش قدمی، یہ ساری کی ساری چیزیں مارکسزم۔لینن ازم کے نظریات کی فتح کی قائل کن اور ناقابلِ تردید طور پر توثیق کرتی ہیں۔

لیکن جدوجہد ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔ سرمایہ داری اب بھی موجود ہے اور اُسے بہت سے ملکوں میں غلبہ حاصل ہے۔ عصرِ حاضر کے بورژوازی کی رجعت پرست آئیڈیالوجی سرمایہ داری کے مفادات کا مستعدی کے ساتھ تحفظ کرتی ہے۔ سوشلزم کا مقصد پُر امن معاشی مقابلے اور نظریاتی جدوجہد میں سرمایہ داری کو شکست دینا ہے۔

بورژوا آئیڈیالوجی اور سوشلسٹ آئیڈیالوجی کے درمیان موجودہ شدید جدوجہد

میں سوشلسٹ آئیڈیالوجی کو فتح حاصل ہوگی۔ کمیونزم کے نظریات دنیا میں ایمان دار لوگوں کے دل و دماغ کو روز افزوں طور پہ مسخر کرتے جا رہے ہیں کیونکہ وہ زندگی کی سچائی کی نمائندگی کرتے ہیں اور سچائی ناقابل شکست ہوتی ہے۔ سرمایہ دار دنیا کے گنے چنے دن باقی رہ گئے ہیں۔ فرسودہ سرمایہ داری کی جگہ وہ نیا، سب سے زیادہ منصفانہ سماج، یعنی کمیونزم آ رہا ہے جس کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ یہ سماجی نشوونما کا قانون ہے اور یہی تاریخ کی معروضی جدلیات ہے۔

فہرستِ اصطلاحات

ا

امکان	Possibility
ادراک	Perception
ادراکِ صحیحہ	Living Perception
آفاقی	Universal
ابتدائی ذرات	Elementry Particles
ایجابیت	Positivism
استقرا	Induction
استخراج	Deduction
اتفاق	Chance
اضافیت	Relativity
انشقاق	Fission
انعکاس	Reflection
انجذاب	Assimilation
انفعالی	Passive
اشراق	Magnitude
اضدادیت	Oppositeness
اختیار	Freedom
امتیاز	Distinction
انتشار	Disintegration
افتراق	Dissociation
آگاہی	Cognition

ب

بازپیدائش	Regeneration
بافت	Tissue
بُعد (جمع ابعاد)	Dimension
بالائی ڈھانچہ	Super Structure
برانگیختگی	Excitation

پ

پیمانہ	Measure

ت

تکوینیاتی	Cosmogonic
تعمیم	Generalisation
تفاعل	Interaction
تعامل (ردِ عمل)	Reaction
تشکیل	Formation
تجاذب	Gravitation
تحول	Metabolism
تلازم	Association
توانائیت	Energetism
توسیعت	Extension

تصریف	Synthesis
تفرق	Dissimilation
تقدیریت	Fatalism
تعادل	Equilibrium
تابکار	Radioactive
تواتر	Succession
تعنیت	Determinism
تولید	Reproduction
تجربیت	Empiricism

ث

ثنویت	Duality

ج

جدلیات	Dialectics
جوہر	Substance
جسمیت	Materiality
جسمانیت	Corporeality
جوابی عمل	Response
جنس (معاشیات)	Commodity
جنس (حیاتیات)	Genus

چ

چھلانگ	Leap

ح

حس	Sensation
حسی	Sensory
حنجرہ	Larynx
حکم	Judgement
حرکت	Motion

خ

خاصہ	Property
خودحرکتی	Self-motion
خانوادہ	Clan

د

دَور	Cycle
دماغیت	Mentality
دفع	Repulsion

ذ

ذاتی	Intrinsic

ص

صوریت	Formalism
صداقت	Reality

ض

ضرورت (وجوب)	Necessity
ضد (جمع اضداد)	Opposite
ضدِ دعویٰ	Antithesis

ط

طریقِ کار	Method
طرز	Mode
طریقیاتی	Methadological
طیف	Prism

ع

عیار	Criterion
عینیت	Idealism
عقیدہ پرستی	Dogmatism
عضویہ	Organism
عضویات	Physiology
عقلیت پسندی	Rationalism

ر

روحانی	Spritual

ز

زماں	Time
زر	Money

س

سلسلۂ عمل	Process
سالمہ	Molecule
سکون	Rest
سچائی	Truth
سماجیات (عمرانیات)	Sociology
سریت	Mysticism
سرگرم (فعّال)	Active
سرگرمی (فعالیت)	Activity

ش

شکل	Form
شبیہ	Image

عِلّت	Cause
عامِل	Factor
عِلمیات	Epistemology
عَملیاتی	Semantic
عِلّیت	Causality
عنصر	Element
عقیدیت	Fideism

غ

غیر نامیاتی	Inorganic

ف

فریضہ	Task
فرضیہ	Hypothesis
فعلِ اضطراری	Reflex

ق

قبلِ تشکیل	Preformation
قدر	Value
قضیہ (جمع قضایا)	Proposition

ک

کلیسائیت	Clericalism
کیفیت	Quality
کمیّت (فلسفہ)	Quantity
کمیّت (طبعیات)	Mass
کشش	Attraction
کمیرا	Serf
کاملیت	Perfection

ل

لاادریت	Agnosticism
لاتعینیت	Indeterminism

م

مظہر	Phenomenon
مادّہ	Matter
معروض (شے)	Object
معروضی	Objective
موضوع	Subject
موضوعی	Subjective
مادّیت	Materialism
ماہیت	Essence
مابعد الطبعیات	Metaphysics
محرّکِ اوّل	Prime mover
معلول	Effect

مقولہ	Category
مافیہ	Content
مدرسیت	Scholasticism
معیارِ اثر	Moment
مرکزہ	Nucleus
مکاں	Space
مہیج	Stimulus
مفروضہ	Assumption
مقدمہ	Premise
معذرت خواہ	Apologist
میعادی قانون	Periodic Law
مطابقت پذیری	Adaptability
متضادیت	Contradictoriness
میکانیت	Mechanism
مرغولہ نما (پیچ دار)	Spiral
منفرد	Particular
مقداری	Quantum
مستقیم شکلی	Rectilinearity
مطلق	Absolute
مجموعیت	Totality
منتقلی	Transition

ن

نامیاتی	Organic
نفی	Negation
نفاذ	Flux
نتیجہ	Conclusion
نتائجیت	Pragmatism
نشوونما	Development
نور	Light

و

وجود	Being
وظیفہ (جمع وظائف)	Function

ہ

ہم قسم	Coordinate
ہم وقت	Simultaneous